مُسندِ اِمامِ اَعْظَمؒ

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا

اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ تم کو دیں اس کو لے لو، جس سے منع کریں اس سے باز آجاؤ

مُسندِ امامِ اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ

اردو مُترجم

۵۲۳ احادیث نبوی کا ایمان افروز خزانہ جسے فقہ حنفی کے بانی حضرت امامِ اعظم ابُو حنیفہ رحؒ نے مرتب فرما کر مسلمانانِ عالم پر احسانِ عظیم فرمایا ہے

نظر ثانی واصلاح

مولانا خورشید عالم صاحب اُستاذ دارُالعُلوم دیوبند

شمع بُک ایجنسی

۸۔ یُوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

نام کتاب : مسند امام اعظمؒ (مترجم)

نظر ثانی واصلاح : خورشید عالم صاحب استاذ دار العلوم دیوبند

طابع : صابر حسین

ناشر : شمع بک ایجنسی، لاہور

قیمت : /=

فہرست مضامین مسند امام اعظم مترجمہ اردو

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ

حرف آغاز

مسلمان اس سے ناواقف نہیں ہیں کہ قرآن و حدیث دین کا ستوان ہیں۔ اور دین کی اصل یہی دو چیزیں ہیں۔ نیز ان دونوں کا ایک دوسرے کے ساتھ ایک ایسا گہرا تعلق ہے کہ ان میں سے کسی ایک کو دوسرے سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔ قرآن اگر جسم ہے تو حدیث اس کی روح' کتاب اللہ اگر متن ہے تو احادیث نبویہ ﷺ اور حضور ﷺ کے اقوال و افعال اس کی شرح ہیں۔

قرآن کو سب سے زیادہ جس نے سمجھا وہ اس کے لانے والے نے سمجھا اور ان کے بعد ان لوگوں نے سمجھا جنہوں نے براہ راست شمع نبوت سے کسب فیض کیا۔ پس ظاہر ہے کہ ان کے اقوال و اعمال' ان کی پاکیزہ سیرتیں' قرآن کے دائرہ کے اندر ہی ہوں گی۔ اس لئے کلام ربانی یعنی قرآن کے بعد آں حضرت ﷺ کے اقوال و افعال' اور صحابہؓ و تابعین کے اعمال و اخلاق کو اسلام میں ایک ستون کی حیثیت حاصل ہے اور ان کا مطالعہ اپنی دنیا و آخرت کو سنوارنے کیلئے ضروری ہے۔

زیر نظر کتاب یعنی مسند امام اعظمؒ کی اہمیت واضح ہے اور یہ ان حضرت کیلئے ایک چیلنج ہے جو امام ابو حنیفہؒ کے متعلق اس زعم باطل میں مبتلا ہیں کہ انہیں حدیث کی واقفیت بہت کم تھی اور اس سلسلہ میں ان کا مبلغ علم محدود بلکہ نہ ہونے کے برابر تھا لیکن اس کے ساتھ ہی یہ فراموش کر جاتے ہیں کہ استخراج مسائل بغیر واقفیت حدیث کے ممکن نہیں پھر جن اساتذہ سے انہیں شرف تلمذ حاصل ہوا۔ ان میں کثرت سے اکابر محدثین کے اسمائے گرامی آتے ہیں اس بناء پر یہ کتاب احناف کیلئے بہت ہی افادیت کی حامل ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحبؒ کے اجتہاد کی بنیاد صرف قیاس اور رائے پر نہ تھی جیسا کہ ایک جماعت خیال کرتی ہے بلکہ ان کے اجتہاد کا ماخذ کتاب اللہ اور سنت نبویہ ﷺ دونوں ہیں۔

اردو داں عوام کیلئے جو دینی ذوق اور شرعی مسائل کے علم کا شوق رکھتے ہیں ان کی خدمت میں یہ کتاب معہ ترجمہ اردو اور شرح پیش کرتے ہوئے ہم ایک مسرت محسوس کر رہے ہیں کہ یہ کتاب مسائل کے سمجھنے میں بے حد مدد و معاون ہو گی۔ اور خواص کیلئے بھی یہ کتاب افادیت سے پر

ہے اس لئے کہ احادیث کی روشنی میں اخذ کئے ہوئے ائمہ مجتہدین کے مسائل کو بیان کرکے ان کا اختلاف واضح کرتے ہوئے مسلک احناف کی وضاحت دلیلوں کے ذریعے کی گئی ہے۔ اس طرح اگر یہ کتاب ایک طرف احادیث نبوی ﷺ کا مجموعہ ہے تو دوسری طرف مسائل فقہیہ کا ایک بے مثل ذخیرہ ہے بصورت تعارض احادیث وجوہ ترجیح و تطبیق و تاویل وضاحت سے بیان کئے گئے ہیں اور مسلک احناف کے ترجیح کے وجوہ بہ احسن اسلوب بامحاورہ اردو میں آسان طرز پر بیان کئے گئے ہیں ۔اس لحاظ سے اردو زبان میں اپنی نوعیت کے اعتبار سے ایک بے مثل کتاب ہے

امید ہے کہ ناظرین ہماری اس کوشش کو بنظرِ استحسان دیکھیں گے اور عمل کر کے اپنی دینوی واخروی زندگی سنوار کر دعائے خیر کے ساتھ یاد فرمائیں گے۔

مختار علی

ڈائرکٹر مسلم اکیڈمی دیوبند

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

مقدمہ

مسند امام اعظمؒ

از:۔ مولانا محمد عبدالرشید نعمانی

امام ابوحنیفہؒ کو علم حدیث میں جو رتبہ حاصل ہے۔ اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جس کثرت سے ان کی مسندیں لکھی گئیں، کسی کی نہیں لکھی گئیں۔ مسلمانوں میں روایت حدیث کو جو ترقی ہوئی، دنیا میں اس کی نظیر موجود نہیں۔ صحاح، سنن، مستخرجات، جوامع، مسانید، معاجیم، اجزاء، طرق، وغیرہ مختلف عنوانات قائم ہوئے اور ہر عنوان کے تحت اس کثرت سے کتابیں لکھی گئیں کہ ان کا شمار بھی مشکل ہے لیکن خاص کسی ایک ہی شخص کی روایات کو ایک مستقل مجموعہ میں علیحدہ قلمبند کرنے کا رواج زیادہ نہیں ہو سکا۔ محدثین اور حفاظ میں بہت کم ایسے خوش قسمت ہیں کہ جن کی حدیثیں مستقل تصانیف میں جداگانہ مدون کی گئیں جہاں تک ہم کو معلوم ہے۔ صرف امام ابوحنیفہؒ ایک ایسے شخص ہیں جن کی احادیث وروایات کے ساتھ معمول سے زیادہ اعتناء کیا گیا۔ نہایت کثرت سے ان کی مسندیں لکھیں گئیں۔ اور ان ائمہ وقت اور حفاظ حدیث نے لکھیں جو خود اس قابل تھے کہ ان کی مسندیں لکھی جاتیں۔ اس خصوصیت میں اگر کوئی شخص امام ابوحنیفہؒ کا ہمسر ہو سکتا ہے تو صرف امام مالکؒ ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ کی احادیث وروایات کو جن محدثین نے مستقل طور پر علیحدہ تصنیفات میں مدون کیا۔ ان میں سے جن حضرات کے متعلق ہم تحقیق کر سکے، حسب ذیل ہیں [1]:۔

حافظ محمد بن مخلد بن حفص دوری: ان کی کنیت ابوعبداللہ ہے اور عطاء کی نسبت سے شہرت ہے۔ دور بغداد کے آخری سرے پر شرقی جانب میں شہر کے بالائی مقام پر ایک محلہ تھا۔ یہ اسی کی طرف منسوب ہیں۔ ۲۳۳ھ میں پیدا ہوئے اور جمادی الآخرہ ۳۳۱ھ میں اٹھانوے سال کی عمر میں وفات پائی فن حدیث کی تحصیل یعقوب دورقی، زبیر بن بکار، حسن بن عرفہ اور امام

[1] واضح رہے کہ یہ سب مسندیں کتاب الآثار کے علاوہ ہیں جو علم حدیث میں امام ابوحنیفہؒ کی مشہور تصنیف ہے۔ اس کتاب کا علم حدیث میں کیا پایہ ہے اور اس کے راوی کس شان کے ائمہ ہیں۔ اور اس کے نسخے کن حضرات سے مروی ہیں، ان سب امور پر ہم مقدمہ کتاب الآثار میں تفصیل سے بحث کر چکے ہیں۔

مسلم بن حجاج وغیرہ سے کی۔اور ان سے دارقطنی' ابن عقدہ اور ابن المظفر جیسے اکابر حفاظ نے اس فن کو حاصل کیا۔حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا تذکرہ ان لفظوں میں شروع کیا ہے۔ ﴿الا مام المفید الثقة مسند بغداد﴾ آگے چل کر لکھتے ہیں:۔

﴿کان معروفاً بالثقة والصلاح والا جتها دبالطلب﴾

یہ ثقاہت میں' نیکی میں اور طلب حدیث کے لئے جدوجہد کرنے میں مشہور ہیں۔

محدث دارقطنیؒ سے ایک بار ان کے بارے میں سوال ہوا تو فرمانے لگے ثقة مامون' تذکرۃ الحفاظ میں ان کے والد کا نام مخلد کی بجائے احمد غلط چھپ گیا ہے۔اس کی تصحیح کر لی جائے۔حافظ ابن الجوزی کی المنتظم فی تاریخ الملوک والامم اور یاقوت حموی کی معجم البلدان اور رجال کی دوسری کتابوں میں ان کے والد کا نام مخلد ہی مذکور ہے۔حافظ ابن مخلد نے امام ابوحنیفہؒ کی روایات کو ایک مستقل تالیف میں علیحدہ جمع کیا ہے جس کا ذکر محدث خطیب بغداد کی تاریخ بغداد میں متعدد جگہ آیا ہے۔چنانچہ محمد بن الحسن بن الوازع ابوداؤد الجمال کے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ:۔

﴿روی عنه محمد بن مخلد الدوری فی جمعه حدیث ابی حنیفة﴾ (تاریخ بغداد ج ۲ ص ۱۸۸ طبع مصر)

ان سے محمد بن مخلد دوری نے اپنی کتاب'جمع حدیث ابی حنیفہ''میں روایت کی ہے۔

(۲) حافظ عصر ابن عقدہ: ابوالعباس احمد بن محمد بن سعید الکوفی' عقدہ ان کے والد کا لقب تھا جو ایک نہایت صالح شخص تھے اور نحو کی تعلیم دیا کرتے تھے۔حافظ ذہبی نے ان کا تذکرہ ان الفاظ میں شروع کیا ہے ﴿ابن عقدة حافظ العصر والمحدث البحر﴾۔پھر ان کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

﴿الیه المنتهی فی قوة الحفظ وکثرة الحدیث وصنف وجمع والف فی الابواب والتراجم﴾

قوت حافظہ اور کثرت حدیث کی ان پر انتہا ہوگئی۔انھوں نے ابواب وتراجم دونوں عنوانوں کے تحت تصنیف وتالیف کی اور حدیثیں جمع کیں۔

حافظ ابن الجوزی' المنتظم میں لکھتے ہیں کہ:۔

''یہ خود اکابر حفاظ میں سے تھے۔اور ان سے اکابر حفاظ ابوبکر بن الجعابی' عبداللہ بن

عدی، طبرانی، ابن المظفر، دارقطنی، اور ابن شاہین نے حدیثیں روایت کی ہیں۔"
حافظ ابن عقدہ نے ماہ ذی قعدہ ۳۳۲ھ میں وفات پائی۔ ان کا سال ولادت ۲۴۹ھ ہے۔ حافظ بدرالدین محمود عینی شارح بخاری نے اپنی تاریخ کبیر میں لکھا ہے کہ:۔

❊ان مسند ابی حنیفة لابن عقده یحتوی وحدهٔ علی مایزید علی الف حدیث [1]❊

صرف ابن عقدہ کی مسند ابی حنیفہ ایک ہزار سے زائد احادیث پر مشتمل ہے۔

(۳) حافظ ابوالقاسمؒ: عبداللہ بن محمد بن ابی العوام السعدی التوفی ۳۳۵ھ۔ یہ فن حدیث میں امام نسائی [2] اور امام طحاوی کے شاگرد ہیں۔ مصر میں عہدہ قضاء پر فائز رہے، امام ابو حنیفہؒ کے مناقب میں بھی ایک مبسوط کتاب لکھی۔ یہ مسند ابی حنیفہ بھی اس کتاب کا ایک جزو ہے، اس کا قلمی نسخہ دمشق کے کتب خانہ ظاہریہ میں موجود ہے۔ اور مجلس احیاء المعارف النعمانیہ حیدرآباد دکن نے وہاں سے اس کا عکس بھی حاصل کرلیا ہے سنا ہے کہ مجلس مذکور کا ارادہ اس نادر تحفہ کو عام کردینے کا ہے اس لئے امید ہے کہ جلد یا بدیر یہ کتاب زیور طباعت سے آراستہ ہو کر اہل علم کے ہاتھوں میں پہنچ جائے گی۔

(۴) حافظ اشنانی: قاضی ابوالحسین عمر بن الحسن بن علی التوفی ۳۳۹ھ حافظ طلحہ بن محمد ان کے بارے میں فرماتے ہیں۔ **❊کان من اجلة اصحاب الحدیث المجودین واحد الحفاظ و قد حدث حدیثا کثیر اوحمل الناس عنه قدیمًا وحدیثًا❊** یعنی یہ بڑے پایہ کے جلیل القدر محدثین اور حفاظ حدیث میں سے تھے۔ انہوں نے نہایت کثرت سے حدیثیں بیان کیں۔ اور لوگوں نے قدیما وحدیثاً (ہرزمانے میں) ان سے روایتیں کیں۔" اور حافظ ابوعلی نے جو دارقطنی اور حاکم کے شیخ تھے، ان کو ثقہ کہا ہے۔ انہوں نے امام ابوحنیفہ کی جو مسند لکھی ہے، محدث خوارزمی نے اس سے جامع المسانید میں حدیثیں نقل کی ہیں۔

(۵) امام عبداللہ حارثی: التوفی ۳۴۰ھ ہجری ان کے متعلق زیادہ تفصیل آگے آئے گی۔

(۶) حافظ ابن عدی: ابو احمد عبداللہ عدی الجرجانی المعروف بابن القطان صاحب

---

[1] ملاحظہ ہو تانیب الخطیب علی ماساقہ فی ترجمۃ ابی حنیفہ من الاکاذیب از محدث محمد زاہد الکوثری ص ۱۵۶ طبع مصر ۱۳۶۰ء [2] تذکرۃ الحفاظ ذہبی میں امام نسائی کا ترجمہ دیکھو۔

کتاب الکامل فی الجرح والتعدیل۔ ۲۷۷ھ میں پیدا ہوئے۔ ۳۶۵ھ میں قضا کی۔فن جرح وتعدیل میں ان کا بڑا شہرہ ہے۔حدیث میں امام نسائی' اور ابو یعلی موصلی کے شاگرد ہیں' ملک معظم عیسیٰ بن ابی بکر ایوبی نے السہم المصیب فی کبد الخطیب میں لکھا ہے کہ حافظ ابن عدی نے اپنی کتاب مسند ابی حنیفہ کے دیباچہ میں امام ممدوح کے مناقب بھی لکھے ہیں۔[1]

(۷)حافظ محمد بن المظفر: ابوالحسین البغدادی' ۲۸۶ھ میں پیدا ہوئے۔ ۳۰۰ھ میں حدیث کا سماع شروع کیا۔جب کہ ان کی عمر چودہ سال کی تھی۔طلب حدیث میں مصروشام اور جزیرہ وعراق کو پے سپر کیا۔امام محمد بن جریر طبری بھی ان کے اساتذہ میں شامل ہیں۔دارقطنی ابن شاہین۔ برقانی' اور ابو نعیم اصفہانی وغیرہ بڑے بڑے اکابر محدثین نے ان کے سامنے زانوئے تلمذتہہ کیا۔دارقطنی نے ان سے ہزاروں حدیثیں سنی ہیں۔وہ ان کی بڑی تعظیم کرتے تھے۔اور کبھی ان کی موجودگی میں سہارے سے نہیں بیٹھے۔حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا تذکرہ ان لفظوں میں شروع کیا ہے﴿الحافظ الاعام الثقة محدث العراق﴾ آگے چل کر تصریح کی ہے کہ:۔

﴿جمع والف وعن مطابق هذالفن لم يتخلف﴾

انہوں نے حدیثیں جمع کیں' کتابیں تالیف کیں اور اس فن کے اصول سے تجاوز نہیں کیا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے تعجیل المنفعہ بزوائد رجال الائمۃ الاربعۃ کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ۔

''انہوں نے جو مسند ابی حنیفہ لکھی ہے' وہ حافظ ابو بکر بن المقری کی مسند ابی حنیفہ کے برابر ہے جس میں صرف امام ابو حنیفہؒ کی مرفوع حدیثیں درج ہیں۔اور وہ امام حارثی کی تصنیف سے چھوٹی ہے''

حافظ ابن المظفر کا انتقال ۳۷۹ھ میں ہوا ہے۔

(۸)حافظ طلحہ: بن محمد جعفر الشاہد ابوالقاسم' ۲۹۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۳۸۰ھ میں وفات پائی۔مشہور محدث ہیں۔علامہ خوارزمی لکھتے ہیں﴿کان مقدم العدول والثقات الاثبات﴾ حافظ تقی الدین سبکی نے﴿شفاء السقام فی زیارة خیر الانام﴾ میں ان کی مسند سے ایک حدیث ان الفاظ میں نقل کی ہے۔

---

[1] ملاحظہ ہو کتاب مذکور طبع دیوبند ۱۰۵۔

﴿وفی مسند الا امام ابی حنیفة رحمة الله تصنیف ابی القاسم طلحة بن محمد بن جعفر الشاهد العدل حدثنی ﴾ [1] الخ محدث خوارزمی نے ان کی مسند کے متعلق لکھا ہے کہ وہ حروف معجم پر مرتب ہے۔

(۹) حافظ ابن المقری: ابوبکر محمد بن ابراہیم بن علی الخازن المشہور بابن المقری الاصفہانی، بڑے مشہور مصنف اور اکابر حفاظ میں سے ہیں، فن حدیث میں امام طحاوی کے شاگرد ہیں، اور ان کی مشہور تصنیف شرح معانی الآثار کے ان سے راوی ہیں۔ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا تذکرہ ان لفظوں سے شروع کیا ہے، ﴿ابن المقری محدث اصبهان الامام الرجال الحافظ الثقة ﴾ ابونعیم اصفہانی کے ان کے بارے میں یہ الفاظ ہیں ﴿محدث کبیر صاحب مسانید سمع مالا یحصی کثرة ﴾ (بڑے محدث ہیں اور مسند حدیثوں کے عالم ہیں، اور اتنی کثرت سے حدیث کا سماع کیا ہے کہ جس کا شمار نہیں ہوسکتا) خود ابن المقری کا بیان ہے کہ میں نے چار مرتبہ طلب حدیث میں مشرق و مغرب کو پے سپر کیا ہے۔ ماہ شوال ۳۸۱ھ میں چھیانوے سال کی عمر میں ان کا انتقال ہوا۔ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کے متعلق لکھا ہے کہ:

﴿وقد صنف مسند ابی حنیفة﴾

انہوں نے امام ابوحنیفہ کی مسند تصنیف کی ہے۔

اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے تعجیل المنفعہ کے مقدمہ میں بیان کیا ہے کہ ان کی تصنیف حارثی کی تصنیف سے چھوٹی ہے۔ اور صرف امام ابوحنیفہ کی مرفوع روایات پر مشتمل ہے۔'' حافظ سخاوی نے الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ [2] میں یہ بھی لکھا ہے کہ حافظ زین الدین قاسم بن قطلو بغا نے ابن المقری کی مسند ابی حنیفہ کے رجال کے حالات میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔ حافظ قاسم نے اس مسند کی احادیث کو ابواب فقہیہ پر بھی مرتب کیا ہے۔

(۱۰) حافظ ابن شاہین: ابوحفص عمر بن احمد بن عثمان البغدادی الواعظ المعروف بابن شاہین ۲۹۷ھ میں پیدا ہوئے۔ اور ۳۸۵ھ میں وفات پائی۔ بڑے صاحب تصانیف تھے۔ خود ان کا بیان ہے کہ میں نے تین سو تیں کتابیں لکھی ہیں جن میں تفسیر کبیر کے ایک ہزار، مسند کے تیرہ سو،

---

[1] ملاحظہ ہو کتاب مذکور ص ۵۵ دائرۃ المعارف آباد دکن ۱۳۱۵ھ۔

[2] الاعلان بالتوبیخ ص ۱۱۷ طبع دمشق

تاریخ کے ڈیڑھ سو، اور زہد کے سو جزو ہیں۔ حافظ ذہبی نے ان کا تذکرہ ان الفاظ میں شروع کیا ہے۔

﴿ابن شاهين الحافظ المفيد المكثر محدث العراق صاحب التصانيف﴾ انہوں نے امام ابوحنیفہ کی جو مسند لکھی ہے اس کا ذکر محدث کوثری نے تانیب الخطیب [۱] میں کیا ہے۔ راقم الحروف نے مولانا ابوالوفا افغانی صدر مجلس احیاء المعارف النعمانیہ حیدرآباد دکن سے اس سلسلہ میں مراجعت کی تو مولانا ممدوح نے اپنے مکتوب گرامی مورخہ ۱۵ رمضان المبارک ۷۱ھ میں تحریر فرمایا کہ:۔

''مسانید امام کے متعلق میں نے حضرت مولانا کوثری صاحب سے دریافت کیا تو تحریر فرمایا کہ ایک مالکی عالم نے ایک جزء میں خطیب کی ان کتابوں کو جمع کیا ہے، کہ جس وقت ان کا دمشق ورود ہوا تھا، تو ان کے ساتھ تھیں، منجملہ ان کے مسند امام للدار قطنی، ولابن شاہین، وللخطیب ہر سہ کتابیں تھیں، وہ جزء کتب خانہ ظاہریہ دمشق میں موجود ہے۔ اس کا نام ہے ﴿تسمية ماورد به الخطيب دمشق للمالكى﴾ (فہرست جدید نمبر ۳۰۹ قسم الفہارس) اس میں مذکور ہے کہ (۴۷۴) کتابیں ان کے ہمراہ تھیں منجملہ ان کے (۶۴) خود ان کی تصانیف تھیں۔ یہ سب عمدہ کتابیں حدیث و تاریخ کی تھیں [۲]۔''

(۱۱) حافظ دارقطنی: ابوالحسن علی بن عمر بن احمد بن مہدی البغدادی، مشہور محدث ہیں، ان کی کتاب السنن طبع ہوگئی ہے۔ ۳۰۶ھ میں پیدا ہوئے اور ذی قعدہ ۳۸۵ھ میں وفات

---

[۱] ملاحظہ ہو تانیب ص ۱۵۶۔

[۲] بعد کو مولانا افغانی مدظلہ نے ۲ ربیع الثانی ۱۳۷۲ھ کو جو مکتوب راقم کے نام ارسال فرمایا۔ اس میں مولانا کوثری کے انتقال پر ملال پر اظہار افسوس کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ:'' حقیقت میں مولانا کوثری کی وفات سے ہم سب یتیم ہوگئے ایسی ہستیاں قرنوں میں پیدا ہوتی ہیں۔ اگر وہ بیمار نہ ہوتے، اور ان کی کتابیں دریا میں غرق نہ ہو جاتیں تو اتنا لکھتے کہ مطالعہ کرنے والے عاجز ہوتے، اس بیماری ہی میں انہوں نے اتنا لکھا ہے۔ ہاں یاد آیا کہ اخیر تحریر ان کی جو کہ شیخ رضوان کے قلم سے ۷ شوال ۷۱ھ کو وصول ہوئی اس میں آپ کے ایک استفسار کا جواب محرر ہے، اور دوسرا سوال ویسا ہی رہ گیا ہے اسے میں یہاں بعینہ نقل کرتا ہوں، ﴿الخطيب حيثما انتقل من بغداد الى دمشق حمل معه كتبا، فهرس الهاأحدا المالكية من اصحابه، وهذ الفهرس محفوظ بظاهرية دمشق، ومن جملة ماحمله الى دمشق مسند ابى حنيفه للدار قطنى، ومسند ابى حنيفه لابن شاهين، وامامسند ابى حنيفة للخطيب فسبق قلم على ان احاديث ابى حنيفهة عندالخطيب فى تاريخه، والفقيه والمتفقه لاتقل عن صغار المسانيد واسم الفهرس مسجل فى﴾ باقی بر ص ۶

الفهرس الجديد للظاهرية (یعنی خطیب جب بغداد سے دمشق منتقل ہوئے تو اپنے ساتھ بہت سی کتابیں لائے جن کی ان ۔۔۔۔ میں سے ایک مالکی عالم نے فہرست بنائی یہ فہرست دمشق کے کتبخانہ ظاہریہ میں محفوظ ہے، خطیب

پائی دارقطنی نے امام ابوحنیفہ کی جو مسند لکھی ہے اس کے متعلق ابھی آپ پڑھ چکے ہیں کہ محدث خطیب بغدادی کے پاس اس کا نسخہ موجود تھا۔

(۱۲) حافظ ابونعیم اصفہانی: احمد بن عبداللہ بن احمد بن اسحاق المہرانی الصوفی، بڑے مشہور محدث اور مصنف ہیں ۳۳۶ھ میں پیدا ہوئے صغیر سنی ہی میں ساری دنیا کے مشائخ حدیث سے روایت حدیث کی اجازت مل چکی تھی۔ حافظ ذہبی نے لکھا ہے کہ ﴿تهيأ له من لقى الكبار مالم يقع لحافظ﴾ (بڑے بڑے لوگوں سے جس قدر ان کو ملاقات میسر ہوئی، کسی حافظ حدیث کو نہ ہو سکی)۔ ذہبی نے ان کو تذکرہ ان لفظوں میں شروع کیا ہے۔ ﴿ابو نعيم الحافظ الكبير محدث العصر﴾ ابونعیم نے محرم ۴۳۰ھ میں وفات پائی۔ حافظ ابونعیم کی مسند ابی حنیفہ کا عکس مجلس احیاء المعارف النعمانیہ نے حاصل کر لیا ہے اور مجلس کا ارادہ اس کو طبع کرا کر شائع کرنے کا ہے مولانا ابوالوفاء افغانی مدظلہ اپنے مکتوب گرامی مورخہ ۲ ربیع الثانی ۷۲ھ میں راقم کو لکھتے ہیں کہ:۔

> ''ابونعیم نے چھوٹی سی مسند امام صاحبؒ کی لکھی مگر بہت عمدہ لکھی، بڑی تحقیق کی، متابعات ذکر کیے، تفرد کو بتایا۔ رواۃ کے اوہام کو بھی بتایا، مگر کتاب کا صرف ایک ہی نسخہ ہے اور وہ عمدہ نسخہ نہیں۔ ترو ک از سہو ناسخ اور اغلاط کتابت اس میں بہت ہیں۔ کہیں کہیں بیاضات بھی ہیں۔''

(۱۳) حافظ ابن القیسرانی: ابوالفضل محمد بن طاہر بن علی القدسی المعروف بابن القیسرانی ۴۴۸ھ میں پیدا ہوئے اور ماہ ربیع الاول ۵۰۷ھ میں وفات پائی۔ بہت بڑے حافظ حدیث گذرے ہیں۔ طلب حدیث میں اتنے پھرے کہ دو مرتبہ پیشاب سے خون آنے لگا۔ یہ برہنہ پا بغیر سواری کے سفر کرنے کا نتیجہ تھا۔

حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا بڑا مبسوط ترجمہ لکھا ہے جو ان لفظوں میں شروع ہوتا ہے ﴿محمد بن طاهر بن على الحافظ العالم المكثر الجوال﴾ حافظ ابن شیرویہ کے، تاریخ ہمدان میں ان کے بارے میں یہ الفاظ ہیں: ﴿كان ثقة حافظًا عالمًا بالصحيح والسقيم حسن المعرفة بالرجال والمتون كثير التصانيف﴾ یعنی یہ ثقہ تھے، حافظ حدیث تھے، صحیح وغیر صحیح کے عالم تھے، رجال ومتون حدیث کی بڑی معرفت رکھتے تھے۔ کثیر التصانیف تھے انہوں نے اطراف احادیث ابی حنیفہؒ کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ اس کتاب کا

ذکران کی مشہور تصنیف الجمع ﴿بین رجال الصحیحین﴾ [1] کے آخر میں جوان کا مفصل تذکرہ چھپا ہے اس میں موجود ہے۔''اطراف'' پر جو کتابیں لکھی جاتی ہیں ان میں متن حدیث کے ابتدائی ٹکڑی کو مع سند کے بیان کرتے ہیں۔اس لئے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس کتاب میں امام ابوحنیفہ کی مختلف مسانید سے ان کی حدیثوں کے اطراف کو لے کر جمع کر دیا ہے۔

(۱۴) حافظ ابن خسرو: ابوعبداللہ حسین بن محمد بن خسرو البلخی نزیل بغداد المتوفی ۵۲۲ھ بڑے پایہ کے محدث گزرے ہیں۔فن حدیث میں حافظ ابن عساکر کو آپ سے تلمذ حاصل ہے۔حافظ ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں۔محدث مکثر حافظ ابن النجار نے تاریخ بغداد پر جو ذیل لکھا ہے اس میں ان کا تذکرہ ان لفظوں سے شروع کیا ہے(**ابو عبد الله السمسار الحنفی مفید اهل بغداد فی وقة سمع الکثیر**) پھر ان کے شیوخ کی نام بنام تفصیل دے کر لکھتے ہیں(**وبالغ فی الطلب حتی سمع من طبقة دون هولاء وکتب الکثیر من الکتب لنفسه ولغیره' وکان مفید اللغرباء وجمع مسند ابی حنیفة**)اورانہوں نے طلب حدیث میں بڑی کوشش کی حتیٰ کہ ان شیوخ مذکورین سے جو نیچے کا طبقہ تھا اس سلسلے کی بھی حدیثیں سنیں' اور بہت سی کتابیں اپنے لئے اور دوسروں کے لئے لکھیں۔باہر سے آنے والوں کو افادہ علمی فرماتے۔انہوں نے امام ابوحنیفہؒ کی مسند بھی تالیف کی)فقاہت میں بھی ممتاز تھے ابن النجار کے ان کے بارے میں یہ الفاظ ہیں(**فقیه اهل العراق بغدادفی وقته**) [1]

ان کی مسند امام حارثی اور حافظ ابن المقری کی مسند سے زیادہ ضخیم ہے۔چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی تعجیل المنفعہ کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:۔

﴿**وفی کتابه زیادات علی مافی کتابی الحارثی وابن المقری**﴾

ان کی کتاب میں حارثی اور ابن المقری دونوں کی کتابوں سے زیادہ روایتیں ہیں۔

حافظ شمس الدین ابوالمحاسن محمد بن علی حسینی المتوفی ۷۶۵ھ نے صحاح ستہ۔موطاء مسند شافعی مسند احمد اور مسند ابی حنیفہ کے رجال کے حالات میں ایک بڑی مبسوط کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے التذکرہ برجال العشرہ'اس سلسلہ میں حافظ حسینی نے امام ابوحنیفہؒ کی تمام مسانید میں جس مسند کا انتخاب کیا وہ حافظ ابن خسرو کی مسند ہے۔

---

[1] الجواہر المضیہ اور جامع المسانید میں ان کا تذکرہ دیکھو۔

[2] مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن۔

(۱۵) مسند الدنیا: قاضی ابوبکر محمد بن عبدلباقی بن محمد الانصاری الحلبی البزار المعروف بقاضی المرستان حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں شیخ الاسلام ابوالقاسم اسمٰعیل اصفہانی کے تذکرہ میں ۵۳۵ھ کی وفیات کے ذیل میں ان کا ذکر ان ہی لفظوں میں کیا ہے۔ طبقات الحنابلہ میں ان کا مفصل تذکرہ موجود ہے۔ یہ بڑے مشہور محدث تھے' ترانوے سال (۹۳) کی عمر تک ان کے حواس میں ذرا تغیر نہیں ہوا تھا' سات سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کرلیا تھا۔ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے یاد نہیں کہ میں نے اپنی عمر کی ایک گھڑی بھی لہو ولعب میں گزاری ہو۔ بہت سے علوم کے جامع تھے ۔ان کا سال ولادت ۴۴۲ھ ہے۔ اور چورانوے سال (۹۴) کی عمر میں رجب ۵۳۵ھ میں ان کی وفات ہوئی ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے لسان المیز ان میں حافظ ابن خسرو کے تذکرہ میں اس امر کے ماننے سے انکار کیا ہے کہ قاضی صاحب موصوف نے امام ابوحنیفہؒ کی کوئی مسند تالیف کی ہے حالانکہ خود ان کے نامور شاگرد حافظ شمس الدین سخاوی ۔ قاضی صاحب موصوف سے ان کی مسند کو بسند ذیل روایت کرتے ہیں:۔

﴿عن التدمری عن المیدومی عن النجیب عن ابن الجوزی عن جامع المسند قاضی المرستان﴾ [۱] ۔اور حافظ عبدالقادر قرشی نے الجواہر المضیہ میں نصر بن سیار بن صاعد کے تذکرہ میں حافظ سمعانی سے نقل کیا ہے کہ:۔

''میں نے نصر سے امام ابوحنیفہ کی کتاب الاحادیث کا سماع کیا' جس کو عبداللہ بن محمد انصاری نے جمع کیا ہے نصر اس کتاب کی روایت اپنے دادا صاعد سے کرتے ہیں اور خود صاعد خود قاضی صاحب موصوف سے [۲] ۔''

محدث خوارزمی نے بھی جامع المسانید میں اس کتاب کی متعدد سندیں اپنے سے لے کر قاضی مرستاں تک ذکر کی ہیں۔

(۱۶) حافظ ابن عساکر: ثقۃ الدین ابوالقاسم بن الحسن بن ہبۃ اللہ الدمشقی الشافعی نہایت مشہور مصنف اور نامور محدث ہیں ۔۴۹۹ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۱ رجب ۵۷۱ھ میں

---

[۱] ملاحظہ ہو تقدمہ نصب الرایہ از محدث کوثری۔ [۲] الجواہر المضیہ کی اصل عبارت یہ ہے ﴿سمعت منه الترمذی بروایة عن القاضی ابی عامر الجراحی عن المحبوبی عنه' وکتاب الاحادیث التی رواها ابو حنیفة رضی الله عنه جمع عبد الله بن محمد الانصاری لجده القاضی صاعد بروایةعنه﴾۔

وفات پائی۔ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا تذکرہ ان لفظوں میں شروع کیا ہے (ابن عساکر الامام الحافظ الکبیر محدث الشام فخر الائمۃ۔ صاحب التصانیف والکتب) تیرہ سو شیوخ سے علم حدیث کی تحصیل کی، جن میں اسی ۸۰ سے زیادہ محدث خواتین بھی داخل ہیں۔ حافظ ذہبی نے ان کا تذکرہ نہایت بسط کے ساتھ کیا ہے۔ حافظ ابن عساکر نے امام ابوحنیفہ کی جو مسند تالیف کی ہے، اس کا ذکر محدث کوثری اور ڈاکٹر کرد علی نے کیا ہے۔[1]

(۱۷) **محدث عیسی الجعفری المغربی:** برآمد محدثین متاخرین میں سے ہیں۔ ۱۰۸۰ھ میں رحلت فرمائی۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے انسان العین فی مشائخ الحرمین میں ان کا تذکرہ لکھا ہے، فرماتے ہیں:۔

﴿یکے از علماء متقنین بود، دوے استاد جمہور اہل حرمین است، ویکے از ادعیہ حدیث﴾

محدث عیسیٰ باوجودیکہ دور آخر کی پیداوار ہیں۔ اور ان کا زمانہ بہت ہی بعد کا ہے تاہم جس شان کی انہوں نے امام ابوحنیفہؒ کی مسند تالیف کی اور جن شروط کا اس میں اہتمام کیا وہ خود شاہ صاحب موصوف ہی کی زبانی سننے کے لائق ہے، فرماتے ہیں۔

''مسندے برائے امام ابوحنیفہؒ تالیف کردہ درآں جا عنعنہ متصلہ ذکر کردہ در حدیث از انجا بطلان زعم کسانے کہ گویند سلسلہ حدیث امروز متصل نماندہ واضح ترمے گردد''۔[2]

انہوں نے امام ابوحنیفہؒ کی ایک ایسی مسند تالیف کی ہے کہ جس میں اپنے سے لے کر امام موصوف تک حدیث کے اتصال سند کو بیان کیا ہے، اور یہاں سے ان لوگوں کے دعویٰ کا باطل ہونا خوب ظاہر ہوتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ حدیث کا سلسلہ آج کل متصل نہیں رہا ہے۔

یہ ان مشاہیر ائمہ محدثین کا ذکر تھا، کہ جن میں سے ہر ایک نے امام ابوحنیفہؒ کی احادیث کو مستقل تصانیف میں اپنی اسانید کے ساتھ جمع کیا۔ بعد کو قاضی القضاۃ محدث ابوالموید محمد بن محمود خوارزمی[3] المتوفی ۶۵۵ھ نے جامع مسانید الامام الاعظم میں امام ابوحنیفہ کی مسانید کے پندرہ نسخوں کو یکجا جمع کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ جامع مسانید کے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ:۔

---

[1] ملاحظہ ہو مقدمہ تبیین کذب المفتری فیما نسب الی الامام الاشعری لابن عساکر، از محدث کوثری و مقدمہ تاریخ دمشق لابن عساکر از ڈاکٹر کرد علی۔ [2] انسان العین طبع دہلی ص۶۔ [3] حافظ عبدالقادر قرشی نے الجواہر المضیہ میں، اور مولانا عبدالحی لکھنوی فرنگی محل نے الفوائد البہیہ میں ان کا تذکرہ لکھا ہے۔

''میں نے شام میں بعض جاہلوں کو یہ کہتے سنا' کہ امام ابوحنیفہؒ کی کوئی مسند نہیں' اور وہ صرف معدودے چند حدیثوں کے روای ہیں' اس پر مجھ کو حمیت مذہبی کا جوش ہوا' اور میں نے یہ چاہا' کہ امام ممدوح کی ان پندرہ مسانید کو جنہیں نامور علماء محدثین نے مرتب کیا ہے یکجا جمع کردوں۔ (یہ مسانید حسب ذیل ہیں:۔

(۱) مسند امام حافظ ابومحمد عبداللہ بن محمد بن یعقوب الحارثی البخاری المعروف بعبداللہ الاستاذ۔ (۲) مسند امام حافظ ابوالقاسم طلحہ بن محمد بن جعفر الشاہد۔ (۳) مسند امام حافظ ابوالحسین محمد بن المظفر۔ (۴) مسند امام حافظ ابونعیم اصفہانی (۵) مسند امام ابوبکر محمد بن عبدالباقی انصاری (۶) مسند حافظ ابواحمد عبداللہ بن عدی جرجانی (۷) مسند امام حسن بن زیاد لؤلؤی (۸) مسند حافظ عمر بن الحسن اشنانی (۹) مسند حافظ ابوبکر احمد بن محمد بن خالد بن خلی الکلاعی (۱۰) مسند امام حافظ ابوعبداللہ حسین بن محمد بن خسرو بلخی۔ (۱۱) مسند امام ابویوسف قاضی جو نسخہ ابی یوسف سے موسوم ہے۔ (۱۲) مسند امام محمد بن الحسن الشیبانی۔ یہ بھی نسخہ محمد سے موسوم ہے (۱۳) مسند امام حماد بن ابی حنیفہ (۱۴) مسند امام محمد جو الآثار سے موسوم ہے۔ (۱۵) مسند امام حافظ ابوالقاسم عبداللہ بن ابی العوام السعدی۔

محدث خوارزمیؒ نے امام حماد' امام ابویوسف اور امام محمد نے حدیث کے جن مجموعوں کی امام ابوحنیفہؒ سے روایت کی ہے' ان کو بھی مسندی کے نام سے ذکر کردیا ہے۔ حالانکہ یہ سب کتاب الآثار کے نسخے ہیں [۱]۔ اسی طرح حافظ ابوبکر کلاعی کی مسند بھی کوئی علیحدہ کتاب نہیں' بلکہ وہی کتاب الآثار کا نسخہ ہے' جس کو وہ اپنے جد محمد بن خالد وہبی التوفی قبل ۱۹۰ھ سے روایت کرتے ہیں' چنانچہ خود محدث خوارزمی نے بھی جامع مسانید کے آخری باب میں جہاں ابوبکر کلاعی کا تذکرہ لکھا ہے تصریح بھی کردی ہے کہ:۔

''گو یہ مسند' احمد بن محمد بن خالد بن خلی کی طرف منسوب ہے۔ لیکن اس کے جامع محمد بن خالد وہبی ہیں جو براہ راست اس کو امام ابوحنیفہؒ سے روایت کرتے ہیں۔ لہٰذا اس مسند کا انتساب ابوبکر کلاعی کی طرف محض روایت کے لحاظ سے ہے' جمع وتدوین کے لحاظ سے نہیں۔''

خوارزمی کی جامع مسانید کا ذکر شاہ عبدالعزیز صاحب نے بھی بستان المحدثین میں کیا

---

[۱] تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے۔ ہمارا مقالہ کتاب الآثار امام ابوحنیفہ جو کتاب الآثار بروایت امام محمد کے اردو ترجمہ کے ساتھ اس کے مقدمہ کے طور پر شائع ہوا ہے۔

ہے فرماتے ہیں:۔

''مسند امام اعظمؒ کہ بالفعل مشہور است تالیف قاضی القضاۃ ابوالمؤید محمد بن محمود بن محمد الخوارزمی است کہ در سنہ شش صد و ہفتاد و چہار آنرا رائج ساختہ' مسانید امام اعظمؒ کہ علماء سابق پرداختہ بودند دریں مسند جمع کردہ بزعم خود ہیچ چیز را از مرویات امام اعظمؒ۔ ترک نہ کردہ و قبل ازدے ہر چند مسانید بسیار برائے مرویات امام اعظمؒ ساختہ بودند' چنانچہ خود در خطبہ ایں مسند نام آنہا و مصنفین آنہا و سند خود باآں مصنفین بیان نمودہ' اما بیشتر رائج و مشہور دو مسند بود' و تا حال موجود و متداول ست' اول مسند حافظ الحدیث عبداللہ بن محمد بن یعقوب الحارثی' دوم مسند حافظ الوقت حسین بن محمد بن خسرو رحمۃ اللہ علیہ چنانچہ اجازت ایں ہر سہ مسند براقم الحروف نیز از شیوخ خود رسیدہ۔

''مسند امام اعظمؒ کہ جو بالفصل مشہور ہے' قاضی القضاۃ ابوالمؤید محمد بن محمود بن محمد الخوارزمی کی تالیف ہے' جس کو انہوں نے ۶۷۴ھ میں رواج دیا ہے[1]۔ امام اعظمؒ کی جن مسندوں کو اگلے علماء نے تالیف کیا تھا۔ اس مسند میں ان کو جمع کر دیا ہے اور اپنے خیال میں امام اعظمؒ کی مرویات میں سے کوئی چیز نہیں چھوڑی ہے۔ ان سے پہلے بھی اگرچہ بہت سی مسندیں امام اعظمؒ کی مرویات کے سلسلہ میں لکھی گئی ہیں چنانچہ خود خوارزمی نے اس مسند کے دیباچہ میں ان کے نام اور ان کے مصنفین کے نام اور ان کے مصنفین تک اپنی سند کو بیان کیا ہے۔ لیکن ان میں زیادہ تر مشہور اور رائج دو مسندیں رہی ہیں جو تا حال موجود و متداول ہیں۔ اول مسند حافظ الحدیث عبداللہ بن محمد بن یعقوب الحارثی۔ دوم مسند حافظ الوقت حسین بن محمد بن خسرو رحمۃ اللہ علیہ' چنانچہ ان تینوں مسندوں کی اجازت راقم الحروف (یعنی شاہ صاحب) کو بھی اپنے اساتذہ سے پہنچی ہے۔''

لیکن یہ صحیح نہیں کہ انہوں نے امام ابوحنیفہؒ کی جملہ مرویات کو اس مسند میں جمع کر دیا ہے کیونکہ امام ممدوح کی احادیث مرویہ کی تعداد چار ہزار ہے' چنانچہ امام حسن بن زیاد لؤلؤی فرماتے ہیں کہ:۔

کان ابو حنیفة یروی اربعة الاف حدیث الفین الحماد و الفین لسائر

---

[1] یہ صحیح نہیں' کیونکہ محدث خوارزمی کی وفات اس سے انیس سال (۱۹) قبل ۶۵۵ھ میں ہو چکی تھی۔

المشيخة [1]

امام ابوحنیفہ چار ہزار حدیثیں روایت کیا کرتے تھے دو ہزار رحماد سے اور دو ہزار بقیہ شیوخ سے۔

اور خوارزمی کی جامع مسانید میں اس سے آدھی حدیثیں بھی موجود نہیں بلکہ جیسا کہ مولانا ابوالوفاء افغانی نے کتاب الآ ثار امام ابو یوسف کے مقدمہ میں صراحت کی ہے:۔

بل لم يستوعب جميع اثار المسانيد التي قال انه جمعها كما تتبعة وقابلته على كتاب الاثار الامام محمد و مسند الحارثي.

''خوارزمی نے ان مسندوں کی سب حدیثوں کو بھی نہیں لیا جن کے جمع کرنے کے متعلق انہوں نے کہا تھا۔ جیسا کہ میں نے کتاب الآ ثار امام محمد اور مسند حارثی کا تتبع کر کے اور ان سے مقابلہ کر کے پتہ چلایا ہے۔''

اور اپنے مکتوب گرامی میں جو راقم کے نام ۲ ربیع الثانی ۲۷ھ کو لکھا ہے' فرماتے ہیں:۔

''امام حسن (بن زیاد) کی کتاب الآ ثار کو تو ابن خسرو نے اپنی سند میں پورا محفوظ کر لیا ہے۔ اور جامع المسانید نے بھی' جیسے محمد بن خالد وہبی کی کتاب الآ ثار کو کلاعی نے محفوظ کر لیا ہے اپنی تخریج سے' اور جامع المسانید میں خوارزمی نے آٹھ دس مسندوں کی حفاظت تو کی۔ مگر افسوس کہ کتاب الآ ثار للامام ابی یوسف اور مسند ابی نعیم اصفہانی اور مسند ابن عدی اور مسند حافظ بن ابی العوام کی حفاظت نہیں کی۔ نہ معلوم اس کے کیا اسباب تھے' سندیں تو سب کی ابتداء میں ذکر کیں' مگر کتاب میں آ ثار امام ابی یوسف کا تو کہیں بھی حوالہ نہیں' باقی مسانید کا کہیں کہیں برائے نام حوالہ ہے' اکثر جگہ متروک' اس لئے جامع ناقص کتاب ہے' باب المشائخ تو بالکل ناقص ہے' اور اس میں غلطیاں بھی ہیں۔ اگر مسند ابی نعیم کو بالاستیعاب ذکر کرتے' تو آج ہمیں بڑی سہولت اس کی تصحیح میں ہوتی۔''

تاہم خوارزمی کی جامع المسانید میں چونکہ امام ابوحنیفہؒ کی متعدد مسانید کی بیشتر روایتیں موجود ہیں اس لئے متاخرین میں اس کتاب کو بڑی شہرت نصیب ہوئی۔ حافظ زین الدین قاسم بن قطلو بغا حنفی المتوفی ۸۷۹ھ نے اس پر ایک نہایت ضخیم شرح دو جلدوں میں لکھی۔ علامہ سید مرتضی زبیدی نے عقود الجواہر المنیفہ میں حافظ قاسم کی اس شرح سے بڑا فائدہ اٹھایا ہے' حافظ جلال

---

[1] مناقب الامام الاعظم از صدر الائمہ موفق بن احمد مکی' ج ا۔ ص ۹۶۔ طبع دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن۔

الدین سیوطی شافعی المتوفی ۹۱۱ھ نے بھی اس کی شرح لکھی ہے جس کا نام ہے التعلیقۃ المنیفہ علی مسند ابی حنیفہ متعدد محدثین نے جامع المسانید کا اختصار بھی کیا ہے چنانچہ امام شرف الدین اسماعیل بن عیسیٰ بن دولۃ الانمانی المکی المتوفی ۸۹۲ھ کے اختصار کا نام ہے۔ اختیار اعتماد المسانید فی اختصار اسماء بعض رجال الاسانید اس کتاب کی ابتداء میں امام ابوحنیفہؒ کے مناقب بھی بیان کیے ہیں۔ امام ابوالبقاء احمد بن ابی الضیاء محمد القرشی المکی نے اس کا جو مختصر لکھا ہے اس کا نام المستند فی مختصر المسند ہے اس میں مکررات کو اور ان اسانید کو حذف کر دیا ہے کہ جو مصنف کتاب سے لے کر امام ابو حنیفہ تک مذکور تھیں۔ تیسرا مختصر شیخ ابوعبداللہ محمد بن اسمٰعیل بن ابراہیم حنفی نے لکھا ہے کشف الظنون میں اس کے ایک اور اختصار کا بھی ذکر ہے لیکن اس کے مولف کا نام معلوم نہ ہو سکا جامع المسانید میں صحاح ستہ سے جو روایتیں زائد تھیں ان کو علامہ حافظ الدین محمد بن محمد کردری المعروف بالبزازی المتوفی ۸۲۷ھ نے زوائد مسند ابی حنیفہ کے نام سے الگ جمع کیا صاحب کشف الظنون نے محدث ابوحفص زین الدین عمر بن احمد الشجاع الحلبی الشافعی المتوفی ۹۳۶ھ کی ایک تصنیف لقط المرجان من مسند ابی حنیفۃ النعمان کا بھی ذکر کیا ہے جو غالباً مسند خوارزمی ہی کا التقاط و ملخص ہے بعد کے دور میں علامہ محدث سید مرتضیٰ زبیدی حنفی المتوفی ۱۲۰۵ھ نے جامع مسانید سے امام اعظمؒ کی ان احادیث احکام کا انتخاب کیا کہ جن کی روایت میں مصنفین صحاح ستہ بھی امام صاحب کے شریک ہیں یہ بڑے کام کی کتاب ہے جو باریک ٹائپ کی دو جلدوں میں مصر سے طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے۔ اس مولف نے ہر باب میں پہلے امام اعظمؒ کی روایت جس مسند میں وہ مروی ہے۔ اس کے حوالہ سے نقل کیا ہے پھر صحاح ستہ اور دیگر کتب حدیث میں جن الفاظ کے ساتھ وہ روایت آئی ہے ان کو نقل کیا ہے اس کتاب کا نام ہے عقود الجواہر المنیفۃ فی ادلۃ مذہب الامام ابی حنیفۃ فیما وافق فیہ الائمۃ الستۃ او بعضہم۔ اس کی ترتیب ابواب فقہ پر ہے، پہلے اعتقادیات کا بیان ہے۔ اور پھر عملیات کا۔

خوارزمی کی جامع المسانید عرصہ ہوا کہ مطبع دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن سے دو ضخیم جلدوں میں طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے۔ اس میں امام ابوحنیفہؒ کے تقریباً پانچ سو شاگردوں کی وہ روایات درج ہیں جو انہوں نے براہ راست امام ممدوح سے سنی ہیں [1]

افسوس ہے کہ جامع مسانید کے علاوہ امام ابوحنیفہ کی اور مسندیں جو اکابر محدثین نے مستقل طور پر مرتب کی تھیں اور جن کا ذکر سابق میں گذر چکا ہے ان میں سے اب تک کوئی کتاب

---

[1] ملاحظہ ہو جامع المسانید کا باب چہلم

طبع نہ ہوسکی۔ مجلس احیاء المعارف النعمانیہ حیدرآباد دکن میں ان مسانید میں سے حسب ذیل چار مسندوں کے عکوس موجود ہیں:۔

(۱) مسند ابن ابی العوام (۲) مسند حارثی (۳) مسند ابی نعیم اصفہانی (۴) مسند ابن خسرو

مجلس مذکور کا ارادہ ان تمام مسانید کو طبع کرا کر شائع کرنے کا ہے دعا ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ اس کام کو جلد سرانجام فرمائے۔

اس وقت جس کتاب کا ترجمہ ''مسند امام اعظم'' کے نام سے پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ درحقیقت امام عبداللہ حارثی کی تالیف ہے جس کا اختصار علامہ حصکفی نے کیا ہے اور ملا عابد سندی نے اس کی ابواب فقہیہ پر ترتیب دی ہے۔[1]

امام حارثی: مشاہیر ائمہ احناف میں سے ہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اپنے رسالہ الانتباہ میں ان کو ''اصحاب الوجوہ'' میں شمار کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ اپنے زمانہ میں فقہاء حنفیہ کا مرجع تھے۔ ''اصحاب الوجوہ'' کا درجہ ''مجتہد فی المذہب'' اور ''مجتہد طلق منتسب'' کے درمیان ہے فقہ کی تحصیل آپ نے امام ابوحفص صغیر سے کی تھی۔ اور انہوں نے اپنے والد ماجد امام ابوحفص کبیر سے جو امام محمدؒ کے مشاہیر تلامذہ میں سے ہیں۔ طلب حدیث میں امام حارثی نے خراسان، عراق اور حجاز کو پے سپر کیا تھا، اور بہت سے شیوخ وقت سے اس فن کی تحصیل کی تھی۔ حافظ سمعانی، کتاب الانساب میں لکھتے ہیں۔ (**رحل الی خراسان والعراق والحجاز وادرک الشیوخ**) علم حدیث میں ان کی وسعت نظر اور معرفت فن کا بڑے بڑے محدثین نے اعتراف کیا ہے۔ حافظ خلیلی فرماتے ہیں:۔

یعرف بالاستاذ له معرفة بهذاالشان' (استاد مشہور ہیں، اور اس فن کی انہیں معرفت حاصل ہے) اور حافظ سمعانی لکھتے ہیں۔ (بڑے کثیر الحدیث شیخ تھے)۔

فن رجال کے مشہور امام حافظ شمس الدین ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں قاسم بن اصبغ کے ترجمہ میں بضمن وفیات ۳۴۰ھ ان کا ذکر ان شاندار الفاظ میں کیا ہے:۔

وفیهامات عالم ماوراء النهر و محدثه الامام العلامة ابو محمد عبد الله بن محمد بن یعقوب بن الحارث الحارثی البخاری الملقب بالاستاذ

---

[1] ملاحظہ ہو مقدمہ کتاب الآثار الامام ابی یوسف از مولانا ابوالوفا افغانی۔

جمع مسند ابی حنیفة الا مام وله اثنتان وثانون سنة.

اور اسی سال میں ماوراء النہر کے عالم اور محدث امام علامہ ابو محمد عبد اللہ بن محمد بن یعقوب بن الحارث الحارثی البخاری نے کہ جو ''الاستاذ'' کے لقب سے ملقب ہیں۔اور جنہوں نے امام ابو حنیفہ کی مسند کو جمع کیا ہے' بیاسی سال کی عمر میں وفات پائی۔''

حافظ ابن حجر عسقلانی نے تعجیل المنفعہ میں ان کو حافظ حدیث تسلیم کیا ہے۔ بڑے بڑے حفاظ حدیث' جیسے حافظ ابن مندہ حافظ ابن عقدہ' اور حافظ ابو بکر جعابی فن حدیث میں ان کے شاگرد تھے۔

حافظ حارثی کی مسند کس شان کی ہے' اس کے متعلق محدث خوارزمی جامع مسانید میں رقمطراز ہیں:۔

ومن طالع مسنده الذی جمعه للامام ابی حنیفة علم تبحره فی علم الحدیث و احاطته بمعرفة الطرق والمتون.

''اور جو شخص بھی ان کی اس مسند کا مطالعہ کریگا کہ جس میں انہوں نے امام ابو حنیفہ کی مرویات کو جمع کیا ہے' وہ علم حدیث میں ان کے تبحر اور طرق اسانید ومتون پر ان کی نظر کی ہمہ گیری کا قائل ہوجائے گا۔''

حافظ ابن حجر عسقلانی نے تعجیل المنفعہ کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ:۔

وقد اعتنی الحافظ ابو محمد الحارثی وکان بعد الثلاثمائة بحدیث ابی حنیفةؒ فجمعه فی جلدة ورتبه علی شیوخ ابی حنیفةؒ.

''حافظ ابو محمد حارثی نے جو ۳۰۰ھ کے بعد تھے امام ابو حنیفہ کی احادیث سے اعتناء کیا اور ان کو ایک جلد میں جمع کر دیا۔انہوں نے ان حدیثوں کی ترتیب امام ابو حنیفہؒ کے شیوخ پر رکھی ہے (یعنی امام صاحبؒ کے ہر شیخ کی جملہ حدیثیں یکجا کر دی ہیں)''

امام حارثی کی مسند کا اختصار حسب ذیل حضرات نے کیا ہے اس اختصار میں امام ابو حنیفہؒ سے لے کر رسول اللہ ﷺ تک جو حدیث کی اسناد تھی اس کو تو بعینہ ذکر کیا گیا ہے لیکن حارثی سے لے کر امام صاحبؒ تک جو اسانید تھیں' ان کو حذف کر دیا ہے:۔

(۱) امام علامہ قاضی صدرالدین موسیٰ بن ذکریا الحصکفی' ان کی ولادت ۵۸۰ھ یا

۵۸۱ھ میں ہوئی ہے۔ اور سن وفات ۶۵۰ھ ہے' مشہور محدث تھے۔ قاہرہ اور حلب میں حدیث کا درس دیا۔ حافظ دمیاطی کو فن حدیث میں ان سے تلمذ ہے۔ دمیاطی نے اپنی معجم میں ان کا تذکرہ بھی لکھا ہے حافظ عبدالقادر قرشی بھی بیک واسطہ ان کے شاگرد ہیں۔ ان کا اختصار مسند ابی حنیفہ للحصکفی کے نام سے مشہور ہے۔ محدث ملا علی قاری حنفی المتوفی ۱۰۱۴ھ نے اسی کی شرح لکھی ہے جس کا نام ہے "سند الانام فی شرح مسند الامام" مولانا ابوالوفاء افغانی مد فیوضہ' اپنے مکتوب گرامی مورخہ ۲۴ ذی قعدہ ۷۵ھ میں راقم کو لکھتے ہیں کہ:۔

"مسند امام للحصکفی 'مسند حارثی ہی کا خلاصہ ہے لیکن چونکہ انہوں نے التزام کیا ہے کہ امام حماد نے جس حدیث کو امام صاحبؒ سے روایت کیا ہے اس روایت کو ضرور اپنی مسند میں لائیں گے۔ اس لئے ایسی حدیثیں جن کی روایت حارثی نے نہ کی ہو ان کو ابن خسرو سے لے لیا ہے اور وہ معدودے چند ہیں۔"

(۲) امام علامہ صدر الدین ابوعبداللہ محمد بن عباد الخلاطی الحنفی المتوفی ۶۵۲ھ' بڑے محدث تھے صحیح مسلم کی شرح لکھی۔ حدیث میں جمال الدین حصیری کے شاگرد ہیں' انہوں نے امام ابوحنیفہ کی مسند کا جو اختصار کیا ہے۔ اس کا نام مقصد المسند ہے' صاحب کشف الظنون نے اس کو جامع المسانید کا اختصار بتایا ہے' جو بظاہر صحیح نہیں ان کی وفات کے وقت خوارزمی بقید حیات موجود تھے' اس لئے قیاس یہ چاہتا ہے کہ یہ جامع المسانید کا نہیں بلکہ مسند حارثی کا اختصار ہے۔

(۳) قاضی القضاۃ محمد بن احمد بن مسعود القونوی الدمشقی المعروف بابن السراج المتوفی ۷۷۰ھ بڑے مشہور مصنف ہیں۔ بہت سی کتابیں تالیف کیں۔ الفوائد البہیہ میں ان کا نام محمود بن احمد لکھا ہے۔ ان کا مختصر تینتیس ابواب پر مشتمل ہے' اور فقہی ترتیب پر اس کا نام "المعتمد فی احادیث المسند ہے' بعد کو خود انہوں نے اس کی شرح بھی لکھی جس کا نام المستند فی شرح المعتمد ہے۔

(۴) راقم الحروف کے پاس بھی مسند امام ابوحنیفہؒ کا ایک قلمی نسخہ ہے جس کو احمد بن ابراہیم نامی ایک عالم نے ۱۲۴۳ھ میں جمع کیا ہے۔ اس نسخہ کو قاری محمد صدیق افغانی نے مصر کے کتب خانہ "خدیویہ" سے نقل کیا ہے۔ مولانا ابوالوفا افغانی کو راقم الحروف نے جب یہ نسخہ دکھلایا تو مولانا نے فرمایا کہ یہ مسند ابن خسرو اور مسند حارثی کا اختصار ہے' پہلے اس میں ابن خسرو سے حدیثیں نقل کی ہیں۔ اور بعد کو حارثی سے' یہ نسخہ ایک سو بانوے (۱۹۲) صفحات پر مشتمل ہے۔ اور کاپی پر پینسل

سے لکھا ہوا ہے۔

حافظ قاسم قطلو بغا نے امام حارثی کی اصل مسند کو ابواب پر مرتب کر دیا تھا۔ بعد کے دور میں خاتمۃ الحفاظ ملا محمد عابد سندھی المتوفی ۱۲۷۵ھ نے مسند حصکفی کو بھی جو مسند حارثی کی تلخیص ہے اور اسی کے تتبع میں معجم شیوخ پر مرتب ہے۔ ابواب فقہیہ پر مرتب کیا یہی کتاب آج کل مسند امام اعظمؒ کے نام سے مشہور و متداول ہے۔ عرصہ ہوا کہ مولانا حبیب الرحمٰن بن مولانا احمد علی سہارنپوری محدث نے اس کتاب کا اردو ترجمہ کیا تھا۔ اور جا بجا اس میں مختصر تشریحی اضافے بھی تھے۔ یہ ترجمہ ۱۳۰۸ھ میں چھپا ہے۔ اب خدا کا شکر ہے کہ پھر دوبارہ یہ کتاب مع اردو ترجمہ اور مفصل شرح کے زیور طبع سے آراستہ ہو کر شائع ہو رہی ہے جو ہمارے اردو واں طبقہ کے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔ یہ شرح اور ترجمہ ہمارے مخدوم زادے مولانا سعد حسن خاں بن استاذ مرحوم مولانا حیدر حسن خاں[1] محدث ٹونکی مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء کے قلم کا مرہون سنت ہے، جو ایک مشہور علمی خانوادہ کے چشم و چراغ ہیں۔ ترجمہ کی خوبی اور شرح کی افادیت کے لئے مترجم کا نام کافی ضمانت ہے۔

اصل عربی متن پر خود مرتب نے ایک نہایت جامع اور ضخیم شرح تصنیف کی ہے جس کا نام ہے المواہب اللطیفۃ فی الحرم المکی علی مسند ابی حنیفہ الامام الحصکفی ' ملا محمد عابد سندی' یہ شرح دو بڑی ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کے متعدد قلمی نسخے کتب خانہ پیر و جھنڈ و ضلع حیدر آباد سندھ اور کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد دکن میں راقم الحروف کی نظر سے گذرے ہیں۔ بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی کی فتح الباری شرح صحیح بخاری کے بعد شروح حدیث میں اس شان کی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی، متابعات و شواہد تخریج احادیث ایضاح مشکل، رفع مرسل وصل منقطع، بیان خلافیات غرضکہ ہر موضوع پر اتنا ذخیرہ اس میں موجود ہے کہ باید و شاید' ان کے بعد مولانا محمد حسن سنبھلی محدث المتوفی ۱۳۰۵ھ نے اس پر ایک نہایت جامع اور مبسوط شرح تصنیف کی جو ۱۳۰۹ھ میں اصح المطابع لکھنو سے طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے۔ محدث سنبھلی کی شرح اپنی جامعیت و افادیت کے لحاظ سے اپنے مشہور معاصر فاضل لکھنوی مولانا محمد عبدالحی فرنگی محل کی شرح موطا امام محمد سے جس کا نام التعلیق الممجد علی موطا الامام محمد ہے بدرجہا بڑھی ہوئی ہے۔

---

[1] راقم الحروف نے علم حدیث کی تحصیل مولانا ہی کی خدمت میں دو سال کے قریب دار العلوم ندوۃ العلماء میں رہ کر کی ہے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ۔

اسلام میں مسند ابی حنیفہؒ کا علمی مقام: محدث محمد بن جعفر کتانی مالکی الرسالۃ المستطرفہ لبیان مشہور کتب السنۃ المشرفہ میں جو کتب حدیث کے حالات میں ان کی ایک بے مثل تصنیف ہے صحاح ستہ' مسند ابی حنیفہ موطاء مالک' مسند شافعی اور مسند احمد کا تفصیلی ذکر کرنے کے بعد یوں رقمطراز ہیں:۔

فھذہ کتب الائمۃ الاربعۃ و باضافتھاالی الستۃ الاولی تکمل الکتب العشرۃالتی ھی اصول الاسلام وعلیھا مدار الدین

(ص۱۶ طبع بیروت ۱۳۳۲ھ)

یہ ائمہ اربعہ کی کتابیں ہیں' اوران کو پہلے کی چھ کتابوں کے ساتھ ملانے سے وہ دس کتابیں پوری ہو جاتی ہیں کہ جو اسلام کی بنیادی کتابیں ہیں' اور جن پر دین کا دارومدار ہے۔

اور حافظ ابوعبداللہ محمد بن علی بن حمزہ حسینی دمشقی' التذکرہ برجال العشرۃ کے مقدمہ میں (جو ان دسوں کتابوں کے رجال کے حالات میں ایک مبسوط کتاب ہے اور جس سے حافظ ابن حجر عسقلانی نے تعجیل المنفعہ بزوائد رجال الائمۃ الاربعۃ مرتب کی ہے جو ائمہ اربعہ کی مذکورہ تصانیف کے رجال کے حالات میں ان کی مشہور تصنیف ہے) فرماتے ہیں:۔

مسند الشافعی موضوع لادلتہ علی ماصح عندہ من مرویاتہ و کذلک مسند ابی حنیفۃؒ۔

مسند امام شافعی ان ادلہ پر مشتمل ہے کہ جو امام ممدوح کی مرویات میں ان کے نزدیک صحیح ہیں۔ اور یہی حال مسند امام ابوحنیفہ کا ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے بھی قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین میں مسند ابی حنیفہؒ کو حنفیوں کی امہات کتب میں شمار کیا ہے [1]۔ اور تصریح کی ہے کہ:۔

مسند ابی حنیفہؒ وآثار امام محمدؒ بنائے فقہ حنفیہ است [2] فقہ حنفی کی بناء مسند ابی حنیفہ اور آثار امام محمدؒ پر ہے۔

حافظ حسینی کی تصریح ابھی آپ کی نظر سے گذری' جس میں انہوں نے اس امر کا صاف اعتراف کیا ہے کہ مسند امام شافعیؒ کی طرح امام ابوحنیفہؒ کی مسند بھی امام ممدوح کے ان ادلہ پر

---

[1] ملاحظہ ہو کتاب مذکور ص ۱۸۵۔ مطبوعہ مجتبائی دہلی [2] ایضاً ص ۱۷۱۔

مشتمل ہے جو امام کی مرویات میں ان کے نزدیک صحیح تھے۔ یہ حسینی حنفی نہیں۔ شافعی ہیں' اور ان کا شمار معمولی محدثین میں نہیں بلکہ حفاظ وقت و ناقدین فن میں [1] ہے۔ اب ایک دوسرے عارف وقت علامہ دھر شافعی المذہب امام کی رائے مسانید امام ابو حنیفہؒ کی نسبت ملاحظہ فرمایئے' جن کا نام نامی عبدالوہاب شعرانی ہے۔ وہ اپنی مشہور کتاب المیزان الکبریٰ میں فرماتے ہیں:۔

وقد من الله تعالى على بمطالعة مسانيد الامام ابى حنيفةؒ الثلاثة من نسخة صحيحة عليها خطوط الحفاظ اخرهم الحافظ الدمياطى' فرأية لا يزوى حديثا الا عن خيار التا بعين العدول الثقات الذين هم من خير القرون بشهادة رسول الله صلى الله عليه وسلم كالا سود و علقمة وعطاء ومجاهد و مكحول و الحسن البصرى واضرا بهم رضى الله عنهم اجمعين فكل الرواة الذين هم بينه وبين رسول الله صلى الله عليه وسلم عدول ثقات اعلام اخيار ليس فيهم كذاب ولا منهم بكذب ' وناهيک يااخى بعد الة من ارتضا هم الا مام ابو حنيفة رضى الله عنه لان يأخذ عنهم احكام دينه مع شدة تورعه وتحرزه وشفقة على الامة المحمد ية. (ج ۱۔ص ۶۴ طبع مصر۔ ۱۳۴۴ھ)

''مجھ پر اللہ تعالیٰ نے بڑا احسان فرمایا کہ امام ابو حنیفہؒ کی تین مسندوں کا ان کے صحیح نسخوں سے مطالعہ کرنے کی توفیق ملی' ان نسخوں پر حفاظ حدیث کے قلم کی تحریریں تھیں' جن میں آخری شخص حافظ دمیاطی ہیں۔ مطالعہ پر میں نے دیکھا۔ کہ امام ممدوح صرف ان تابعین کرام سے حدیثیں روایت کرتے ہیں' کہ جو اپنے وقت کے برگزیدہ ترین' عادل اور ثقہ حضرات تھے اور جو حدیث نبوی ﷺ کی تصریح کے مطابق خیر القرون کے لوگ تھے' جیسے کہ اسود' علقمہ' عطاء مجاہد' مکحول اور حسن بصری جیسے حضرات ہیں' رضی اللہ عنہم اجمعین۔ سو تمام وہ رواۃ جو امام ابو حنیفہؒ اور آنحضرت ﷺ کے مابین ہیں سب کے سب عادل ثقہ' نیک نام اور برگزیدہ ہیں' ان میں کوئی شخص ایسا نہیں کہ جو کذاب ہو' یا اس پر کذب کی تہمت لگائی گئی ہو اور میرے بھائی ان کی عدالت کے لئے

---

[1] ان کی جلالت شان معلوم کرنی ہو تو حافظ ابن فہد' اور حافظ سیوطی نے طبقات الحفاظ وہبی پر جو ذیل لکھے ہیں' ان میں ان کا تذکرہ دیکھو۔ یہ ذیول' دمشق سے چھپ کر شائع ہو چکے ہیں۔

تمہیں یہکافی ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے باوجود شدت ورع واحتیاط اور امت محمدیہ کا خاص خیال رکھنے کے ان حضرات کو اس غرض کے لئے منتخب فرمایا ہے کہ ان سے اپنے دینی احکام کو حاصل کریں۔"

اس کے بعد آگے چل کر پھر لکھتے ہیں کہ:۔

کل حدیث وجد ناہ فی مسانید الامام الثلاثۃ فھو صحیح (ج ا۔ص ۶۵)

"امام اعظمؒ کی تینوں مسندوں میں ہم نے جو بھی حدیث پائی وہ صحیح ہے۔"

یہ بھی واضح رہے کہ اس بحث سے پہلے امام شعرانی یہ تصریح کر چکے ہیں کہ:۔

انی لم اجب عن الا مام ابی حنیفۃ و غیرہ بالصدر و احسان الظن کما یفعل ذلک غیری و انما اجیب عنہ بعد التتبع و الفحص. (ج ا۔ص ۶۳)

"میں امام ابوحنیفہ وغیرہ کے متعلق محض وسعت صدر اور حسن ظن کی بناء پر کوئی جوابدہی نہیں کروں گا' جیسا کہ میرے علاوہ دوسرے لوگ کرتے ہیں' بلکہ جو کچھ جواب دوں گا' وہ تتبع اور تلاش کے بعد دوں گا۔"

امام شعرانی کے اس بیان سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ مسانید امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں انہوں نے جس رائے کا اظہار کیا ہے' وہ پوری تحقیق اور جانچ پڑتال کے بعد کیا ہے واللہ اعلم۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

حالات امام اعظم ابوحنیفہؒ

(از مولانا قاری احمد پیلی بھیتی)

آپ کا نام نعمان ہے۔ ابوحنیفہ کنیت ہے اور امام اعظم لقب ہے۔ والد کا نام ثابت اور دادا کا نام زوطی ہے۔

آپ کے دادا زوطی ملک فارس کے رہنے والے اور مذہباً پارسی تھے۔ اسلام جو بڑی سرعت کے ساتھ پھیلتا جا رہا تھا۔ ملک فارس پر بھی اثر انداز ہوا بہت سے خاندان اسلام کی برکتوں سے مستفیض ہوئے۔ زوطی جو بڑی گہری نظروں سے اسلام کا مطالعہ کر رہے تھے' مسلمان ہو گئے

اسلام لانے کے بعد خاندان کے کچھ افراد نے آپ کو چین سے بیٹھنے نہیں دیا۔ آخر آپ ترک وطن کے خیال سے ۳۷ھ میں اپنی بیوی اور نقد سرمایہ کے ساتھ مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستہ میں بہت سے اسلامی شہروں سے گذرے۔ اور اسلام اور خلفاء اسلام کے متعلق اپنی معلومات میں اضافہ کرتے رہے۔

کوفہ پہنچ کر اسلام کی عظمت وجلالت کا پورا نقشہ سامنے آ گیا۔ کیونکہ جناب علیؓ خلیفہ تھے اور کوفہ کو دار الخلافہ ہونے کا شرف حاصل تھا۔

زوطی نے فیصلہ کر لیا کہ ہم کو یہیں رہنا ہے۔ آخر مستقل سکونت اختیار کر لی گذر اوقات کے لئے کپڑے کی تجارت کا سلسلہ شروع کر دیا۔

زوطی کبھی کبھی جناب علیؓ کے دربار میں حاضر ہوتے۔ اور خلوص عقیدت کے ساتھ آداب بجالاتے۔ ایک مرتبہ ''نوروز'' کے دن جو پارسیوں کی عید کا دن ہے۔ زوطی کچھ فالودہ نذر کے لئے جناب علیؓ کی خدمت میں لے گئے۔ جناب علیؓ نے پوچھا کیا ہے؟ کہنے لگے ''نوروز کا فالودہ ہے۔'' حضرت علیؓ نے ارشاد فرمایا۔ ﴿نوروزنا کل یوم﴾ ''ہمارے یہاں ہر روز نوروز ہے۔''

۴۰ھ کے اوائل میں زوطی کے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام باپ نے ثابت رکھا۔ اور پھر بچہ کو حصول برکت کے لئے جناب علیؓ کی خدمت میں پیش کیا۔ حضرت علیؓ نے دست شفقت اور دعائے خیر کے ساتھ رخصت کیا۔

ثابت کا بچپن اپنے باپ کی گود میں گزرا۔ مگر عنفوان شباب میں سایہ پدری سے محروم ہو گئے تجارت کا سلسلہ باپ سے ورثہ میں ملا تھا۔ زندگی آرام سے گذرتی رہی۔

کب شادی کی؟ اور کس خاندان میں کی؟ تاریخ اس سلسلہ میں خاموش ہے۔ البتہ اتنا ضرور پتہ چلتا ہے کہ ۴۰ سال کی عمر میں خدا نے ثابت کو ایک فرزند عطا کیا۔ والدین نے نعمان نام رکھا' آگے چل کر اس بچہ نے ابو حنیفہ کی کنیت اختیار کی۔ اور امام اعظمؒ کے لقب سے پکارا گیا۔ یہ ۸۰ھ کا واقعہ ہے۔

یہ وہ زمانہ تھا جب کہ عبد الملک بن مروان خلیفہ تھا۔ اور حجاج بن یوسف عراق کا گورنر تھا' آنحضرت ﷺ کو دنیا سے تشریف لے گئے ہوئے اگرچہ ۷۰ سال کے قریب ہو چکے تھے۔ مگر پھر بھی ملک میں حسب ذیل صحابہ کرامؓ حیات تھے:۔

حضرت انس بن مالکؓ خادم رسول اللہ ﷺ۔ ۹۳ھ میں وفات پائی۔

حضرت سہل ابن سعد انصاریؓ۔ ۹۱ھ میں وفات پائی۔

حضرت ابو طفیل عامر بن واثلہؓ۔ ۱۰۰ھ میں وفات پائی۔

امام ابوحنیفہؒ نے دو صحابیوں سے ملاقات کی۔ اور ان کی صحبت کا شرف حاصل کیا۔ ایک حضرت انسؓ اور دوسرے ابو طفیل عامرؓ۔

اس موقعہ پر یہ بتا دینا ضروری ہے کہ امام صاحب کی کنیت جو نام سے زیادہ مشہور ہے حقیقی کنیت نہیں ہے، بلکہ وصفی معنی کے اعتبار سے ہے۔

قرآن مجید میں خدا نے مسلمانوں سے خطاب کر کے فرمایا ہے۔ ﴿فَاتَّبِعُوا مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا﴾ یعنی ابراہیم کے طریقہ کی پیروی کرو جو خدا کے راستہ پر چلتے تھے۔ امام صاحب نے اسی نسبت سے اپنے لئے ابوحنیفہ کنیت اختیار کی۔

امام ابوحنیفہؒ نے ابتدائی تعلیم اپنے گھر پر حاصل کی۔ جب کچھ ہوشیار ہوئے تو والد کے ساتھ دوکان پر بیٹھنے لگے۔ ابھی سولہ سال کی عمر تھی کہ والد کا انتقال ہو گیا۔ اور امام ابوحنیفہؒ تمام کاروبار خود ہی سنبھالنے لگے طبیعت کے بہت ذہین اور محنتی تھے اس لئے بہت جلد کاروبار میں نمایاں ترقی کر لی۔ دوکان کے ساتھ ایک کپڑے کا کارخانہ بھی قائم کر لیا۔ اور زندگی بڑے آرام سے گذرنے لگی۔

امام صاحب کی والدہ بہت دن تک زندہ رہیں۔ بہت عابدہ اور علماء کی طرف سے بہت خوش عقیدہ تھیں۔ اکثر علماء کے وعظ پردہ میں بیٹھ کر سنتی تھیں۔ اس لئے اسلامی معلومات بھی بہت اچھی تھی۔ امام صاحب کا فطری رجحان بھی علم کی طرف تھا۔ مگر ماں کی مذہب دوستی نے اس رجحان کو اور بھی تیز کر دیا۔

۸۶ھ میں خلیفہ عبد الملک کا انتقال ہوا تو اس کا بیٹا ولید تخت پر بیٹھا۔ مگر حجاج کی گورنری اور سفاکی بدستور چلتی رہی۔ آخر ۹۵ھ میں حجاج بھی مر گیا۔ اور ۹۶ھ میں ولید نے بھی انتقال کیا۔ اور ملک کی خوش قسمتی سے ایک نیا دور شروع ہوا۔ یعنی سلیمان ابن عبد الملک مسند خلافت پر متمکن ہوا۔ سلیمان بہت علم دوست اور نیک دل خلیفہ تھا۔ تخت خلافت پر بیٹھتے ہی تمام ملک میں امن وامان کو بحال کرنے اور درس وتدریس کے سلسلہ کو بڑھانے کی کوششیں شروع کر دیں۔ اس کے

ساتھ ہی سلیمان نے اسلامی دُنیا پر ایک اور بھی احسان کیا کہ عمر ابن عبدالعزیز کو اپنا مشیر خاص مقرر کیا' سلیمان کی زندگی نے زیادہ وفا نہیں کی ہے اور ۹۹ھ میں عمر ابن عبدالعزیز کو اپنے بعد خلیفہ بنانے کی وصیت کر کے اس جہان سے رخصت ہو گیا۔

عمر ابن عبد العزیز نے مروانی حکومت کا رنگ بدل دیا۔ اور تمام ملک میں عدل وانصاف اور علم وعمل کی ایک نئی روح پھونک دی۔

ایک عرصہ سے حضرت علیؓ کو خطبوں میں برا بھلا کہا جاتا تھا۔ اسے حکماً بند کرا دیا۔ خاندان بنی امیہ کے بہت سے عیش پسند شہزادوں کی جاگیریں ضبط کر لیں' اور تمام ملک میں ظالم حکام کو معزول کر کے ان کی جگہ دوسرے لوگوں کو مقرر کیا۔

سب سے زیادہ یہ کہ علوم مذہبی کو وہ رونق بخشی' کہ گھر گھر علم کے چرچے ہونے لگے۔

امام ابوحنیفہؒ کو ولید اور حجاج کے زمانہ تک تحصیل علم کا کوئی خیال نہیں پیدا ہوا۔ البتہ عمر ابن عبدالعزیز کے زمانہ میں یہ دبا ہوا شوق اُبھرا۔ اور جب کہ آپ کسی کام کو جارہے تھے راستہ میں کوفہ کے مشہور عالم اور قاضی علامہ شعبیؒ سے ملاقات ہوگئی۔ پوچھا میاں صاحبزادے کہاں جارہے ہو؟ کہنے لگے "فلاں سوداگر کے پاس جارہا ہوں" علامہ شعبی نے کہا "بھائی! میرا پوچھنے سے مطلب یہ تھا' کہ تم کس سے پڑھتے ہو؟ ابوحنیفہؒ نے بڑے افسوس کے ساتھ جواب دیا کہ میں کسی سے نہیں پڑھتا ہوں۔ علامہ شعبیؒ نے محبت آمیز لہجہ میں فرمایا۔ مجھ کو تم میں قابلیت کے جوہر نظر آتے ہیں۔ تم علماء کی صحبت میں بیٹھا کرو۔ اس نصیحت نے امام ابوحنیفہ کے دل پر گہرا اثر کیا گھر آئے ماں سے تمام ماجرا بیان کیا۔ اور تحصیل علم کے لئے کسی مدرسہ میں جانے کی اجازت مانگی۔ والدہ پہلے ہی سے علم اور اہل علم کی دلدادہ تھیں۔ اس خیال کو سن کر بہت خوش ہوئیں' اور اجازت دے دی۔

امام صاحبؒ جو ابتدائی مذہبی تعلیم اپنے گھر پر حاصل کر چکے تھے۔ استاد کی تلاش کرنے لگے' تاکہ حدیث وفقہ کا علم حاصل کیا جائے۔

اس زمانہ میں جناب حمادؒ کوفہ کے مشہور عالم اور استاد وقت تھے۔ بہت خوش حال تھے اور حدیث وفقہ سے گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ گھر پر ایک مدرسہ کھول رکھا تھا۔ جو کوفہ کا سب سے بڑا اور مشہور مدرسہ سمجھا جاتا تھا۔ حضرت حمادؒ بڑی پابندی اور دل جمعی سے مدرسہ میں بیٹھتے اور تشنہ لبان

علوم کو درس دیتے تھے۔

امام ابو حنیفہؒ نے شاگردی کے لئے حضرت حمادؒ ہی کا انتخاب کیا۔ خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ استاد نے اجازت دے دی۔ اور امام ابو حنیفہؒ درس میں بڑے انہماک اور پابندی سے بیٹھنے لگے۔ قابل استاد نے چند ہی دن کے بعد معلوم کر لیا کہ تمام حلقہ درس میں ابو حنیفہؒ کے حافظہ اور ذہانت کا کوئی شخص نہیں ہے۔ لہٰذا حکم ہوا کہ ابو حنیفہ سب سے آگے بیٹھا کریں۔

امام ابو حنیفہؒ کامل دو برس تک جناب حمادؒ کے درس میں شریک ہوئے اور پوری توجہ سے فقہ کی تعلیم حاصل کی۔

اس مختصر سے زمانہ میں امام صاحبؒ نے اپنی غیر معمولی ذہانت طبع کے باعث تمام حلقہ درس میں ایک خاص مقام حاصل کر لیا۔ اور استاد کی توجہ کا مرکز بن گئے۔

خود امام صاحب فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میرے استاد جناب حماد کو دو ماہ کے لئے بصرہ جانے کا اتفاق ہوا۔ اور مجھ کو اپنا جانشین بنا گئے۔ اس عرصہ میں طلباء کے علاوہ اور بھی بہت سے لوگوں نے مسائل دریافت کئے جن میں کچھ ایسے بھی مسائل تھے جن کے متعلق استاد سے کبھی کچھ نہیں سنا تھا مگر میں اپنے اجتہاد سے جواب دیتا رہا اور ساتھ ہی ایک یادداشت بھی لکھتا رہا۔ دو ماہ کے بعد جب استاد بصرہ سے واپس آئے تو میں نے وہ کاغذان کے سامنے پیش کیا۔ کل ساٹھ مسئلے تھے۔ ان میں سے بیس میں غلطیاں نکالیں۔ اور باقی کے متعلق فرمایا۔ تمہارے جواب ٹھیک ہیں۔

امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میرا خیال تھا کہ میں علیحدہ درس و تدریس کا سلسلہ قائم کروں۔ اول تو استاد کا ادب مانع تھا' دوسرے اس واقعہ کے بعد بالکل ہی خیال بدل گیا اور عہد کر لیا کہ جب تک استاد زندہ ہیں۔ ان کی شاگردی کے تعلق کو نہ چھوڑوں گا۔

امام ابو حنیفہؒ نے فقہ کی تعلیم کے ساتھ حدیث پڑھنے کا سلسلہ بھی شروع کر دیا تھا' کیونکہ وہ جانتے تھے کہ مسائل فقہ کی مجتہدانہ تحقیق حدیث کی تکمیل کے بغیر ناممکن ہے۔

جناب حمادؒ کا حلقہ درس فقہ میں تو امام صاحب کے لئے کافی تھا۔ مگر حدیث میں وہ سیراب نہیں ہو سکتے تھے۔ اس لئے ان کو کوفہ کے محدثین کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب کہ حدیثیں جمع نہیں ہوئی تھیں اور کوئی ایسا محدث نہیں تھا' جس کو

دو چار سو سے زیادہ حدیثیں یاد ہوں۔ یہی وجہ تھی کہ امام ابوحنیفہؒ کو کوفہ کے بہت سے محدثین سے استفادہ کرنا پڑا۔

تمام ممالک اسلامیہ میں حدیث کا درس بڑے زور و شور سے جاری تھا۔ کیونکہ نبی اکرم ﷺ کے ہزاروں صحابہؓ ہر جگہ پہنچ چکے تھے۔ اور ان کی وجہ سے حدیث کا ایک عظیم الشان سلسلہ قائم ہو گیا تھا۔ مگر کوفہ اور بصرہ کو خاص اہمیت حاصل تھی۔

کوفہ کے جن محدثین سے امام ابوحنیفہؒ نے علم حدیث حاصل کیا' ان میں امام شعبی سلمہ بن کہیلؒ محارب بن وثارؒ ابو اسحاق سبیعیؒ، عون بن عبداللہ، سماک بن حربؒ، ابراہیم بن محمدؒ، عدی بن ثابتؒ اور موسیٰ بن ابی عائشہ کے نام بہت مشہور ہیں۔

امام ابوحنیفہ کی علمی زندگی میں امام شعبیؒ کو بہت اہمیت حاصل ہے' کیونکہ یہی وہ بزرگ ہیں جنہوں نے اپنے ایک ناصحانہ جملہ سے ابوحنیفہؒ کے دل میں علم کا شوق پیدا کر دیا تھا۔

امام شعبیؒ کے متعلق مشہور ہے کہ انہوں نے پانچ سو صحابیوںؓ کو دیکھا تھا۔ اور ان سے حدیث سنی تھی۔ امام شعبیؒ بہت زمانہ تک کوفہ میں منصب قضاء پر مامور رہے۔ خلفاء اور تمام اراکین حکومت بے حد احترام کرتے تھے۔ آپ نے ۱۰۶ھ ہجری میں وفات پائی۔

کوفہ کے بعد امام ابوحنیفہؒ بصرہ تشریف لے گئے اور جناب قتادہؒ اور حضرت شعبہؒ کے درس میں شامل ہوئے اور ان کے فیض صحبت سے بہت بڑا فائدہ اٹھایا۔ حضرت قتادہؒ بصرہ کے مشہور محدث اور تابعی تھے۔ اور خادم رسول اللہ ﷺ جناب انسؓ ابن مالک کی شاگردی کا فخر رکھتے تھے۔ جناب انسؓ کے شاگردوں میں حضرت قتادہؒ کو جو شہرت اور عظمت حاصل تھی اس کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ حدیث کو اس طرح بیان کرتے تھے کہ الفاظ و معانی میں کوئی فرق نہیں ہونے پاتا تھا۔

جناب شعبہؒ بھی بڑے رتبہ کے محدث تھے۔ دو ہزار سے زائد حدیثیں زبانی یاد تھیں' سفیان ثوریؒ فن حدیث میں ان کو امیر المؤمنین کہا کرتے تھے۔ امام شافعیؒ بھی اپنے زمانہ میں فرمایا کرتے تھے کہ اگر عراق میں ''شعبہؒ'' نہ ہوتے تو حدیث کا رواج نہ ہوتا۔ آپ نے ۱۰۶ھ میں انتقال فرمایا۔

یہ دونوں حضرات امام ابوحنیفہؒ کی ذہانت اور فہم و فراست کی اکثر تعریف کیا کرتے

تھے' جناب شعبہؒ نے ایک مرتبہ یہاں تک فرمادیا کہ "میں پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ علم اور ابوحنیفہؒ دو چیزیں نہیں ہیں۔"

بصرہ کے محدثین میں ان دونوں حضرات کے علاوہ امام ابوحنیفہؒ کے استادوں میں عبدالکریم بن امیہؒ اور عاصم بن سلیمانؒ کے نام بھی پائے جاتے ہیں۔

کوفہ اور بصرہ سے فارغ ہو کر امام ابوحنیفہؒ کی نظریں حرمین کی طرف اٹھنے لگیں جو علوم مذہبی کے اصلی مرکز تھے۔

تاریخوں سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ آپ کس سنہ میں مکہ معظمہ کیلئے روانہ ہوئے مگر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سفر کے وقت عمر ۲۴ برس کے لگ بھگ تھی۔

امام ابوحنیفہؒ جب مکہ معظمہ پہنچے تو درس وتدریس کا بہت زور تھا۔ بہت سے اساتذہ جو فن حدیث میں کمال رکھتے تھے اور صحابہ کرامؓ کی صحبت سے مستفیض ہو چکے تھے' اپنی اپنی درسگاہوں میں مشغول درس تھے مگر ان سب میں حضرت عطاء بن ابی رباحؒ کا حلقہ درس بہت وسیع اور مشہور تھا' جناب عطاء کو یہ عظمت اور شہرت حاصل ہونے کی وجہ یہ تھی کہ وہ بہت سے صحابہؓ کی خدمت میں رہ چکے تھے' اور ان کے فیض صحبت نے انہیں درجہ اجتہاد پر فائز کردیا تھا۔ خود جناب عطاء کا بیان ہے کہ میں دوسو ایسے حضرات سے ملا ہوں جن کو رسول اکرم ﷺ کی صحبت کا شرف حاصل تھا۔ ان حضرات میں یہ چند خاص طور پر قابل ذکر ہیں:۔

عبداللہ ابن عباسؓ 'عبداللہ ابن عمرؓ ' عبداللہ ابن زبیرؓ ' اسامہ بن زیدؓ ' جابر بن عبداللہؓ 'زید بن ارقمؓ ' ابودرداءؓ ' اور حضرت ابوہریرہؓ ۔

امام صاحبؒ نے مکہ کی تمام درسگاہوں کو دیکھا' مگر ان کا دل کسی طرف نہیں کھنچا۔ وہ سیدھے جناب عطاءؒ کی درس گاہ میں پہنچے' اور درس میں بیٹھنے کی اجازت چاہی جناب عطاءؒ نے نام پوچھا۔ اور پھر عقیدہ پوچھا۔ فرمانے لگے "بزرگوں کو برا نہیں کہتا ہوں گنہگار کو کافر نہیں سمجھتا ہوں 'اور قضاء وقدر کا قائل ہوں۔" جناب عطاءؒ نے بڑے غور سے جواب کو سنا' اور پھر فرمایا "اچھا درس میں شامل ہو سکتے ہو۔"

چندروز میں امام صاحبؒ کی ذہانت اور قابلیت کے جوہر کھلنے لگے۔ اور استاد کی نظر میں انکا وقار بڑھنے لگا۔ جناب عطاء نے ۱۱۵ھ میں انتقال فرمایا۔ امام صاحبؒ اس عرصہ میں جب

کبھی مکہ جاتے' ان سے ضرور ملاقات کرتے۔

امام ابو حنیفہؒ نے حضرت عطاءؒ کے علاوہ مکہ میں اور بھی حضرات سے حدیث کی سند حاصل کی ان میں حضرت عکرمہؒ کا نام بہت نمایاں ہے۔ جناب عکرمہؒ کو حضرت عبداللہ بن عباسؓ جناب علیؓ حضرت ابو ہریرہؓ عبداللہ ابن عمرؓ جناب جابرؓ اور حضرت ابو قتادہؓ کی شاگردی کا شرف حاصل تھا۔

مکہ معظمہ سے فارغ ہو کر امام ابو حنیفہؒ مدینہ طیبہ گئے اور جناب رسالت مآب ﷺ کی بارگاہ میں حاضری کا شرف حاصل کیا۔ اس کے بعد وہاں کے علماء سے ملاقات کی سب سے پہلے آپ جناب امام باقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت امام باقرؒ نے نام سنا' تو فرمایا'' کیا تم وہی ابو حنیفہ ہو' جو ہمارے دادا کی حدیثوں سے اپنے قیاس کی بناء پر مخالفت کرتے ہو؟ جواب دیا' حضرت میرے متعلق یہ بات غلط مشہور کی گئی اگر اجازت ہو تو کچھ عرض کروں ۔فرمایا کہو۔

امام ابو حنیفہؒ نے عرض کیا عورت مرد کے مقابلہ میں کمزور ہے۔ اگر میں قیاس سے کام لیتا تو کہتا' کہ وراثت میں عورت کو زیادہ ملنا چاہیے۔ مگر میں ایسا نہیں کہتا ہوں' بلکہ یہی فتویٰ دیتا ہوں کہ مرد کو دگنا ملنا چاہیئے۔

اسی طرح نماز روزہ سے افضل ہے۔ اگر قیاس لگاتا تو کہتا کہ حائضہ عورت پر نماز کی قضاء واجب ہے' حالانکہ میں روزہ کی قضاء کا فتویٰ دیتا ہوں۔

جناب امام باقرؒ اس تقریر سے بہت خوش ہوئے اور اٹھ کر امام ابو حنیفہؒ کی پیشانی کو چوم لیا۔

امام ابو حنیفہؒ بہت عرصہ تک مدینہ طیبہ میں مقیم رہے اور برابر امام باقرؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے فقہ اور حدیث کے متعلق بہت سی ایسی باتیں آپ کو ان کی صحبت سے حاصل ہوئیں' جواب تک معلوم نہیں تھیں۔ جناب امام باقرؒ نے ۷/ذی الحجہ ۱۱۴ھ میں انتقال فرمایا۔

حضرت امام باقرؒ کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے حضرت امام جعفر صادقؒ سے بھی امام ابو حنیفہؒ کو گہری عقیدت تھی۔ اکثر ان کی مجالس میں اکتساب علم کی نیت سے حاضری دیتے اہل بیت کے متعلق امام صاحبؒ کا خیال تھا کہ حدیث وفقہ بلکہ تمام مذہبی علوم اہل بیت کے

گھر سے نکلے ہیں۔

﴿ صَاحِبُ الْبَیْتِ اَدْرٰی بِمَافِیْھَا ﴾

امام ابو حنیفہؒ جب بھی کوفہ سے حرمین تشریف لے جاتے تو مہینوں وہاں قیام فرماتے ۔ائمہ اہل بیت اور مقامی علماء کے علاوہ حج کے زمانہ میں تمام اسلامی دنیا سے آئے ہوئے بڑے بڑے اہل علم جو مکہ اور مدینہ میں جمع ہوتے' امام صاحب کو ان سے بھی مستفید ہونے کا موقعہ ملتا ۔اگر چہ اب امام صاحبؒ کو تحصیل علم کی کوئی حاجت باقی نہیں تھی۔مگر شوق علم کا یہ عالم تھا کہ اخیر زندگی تک حصول علم کے خیال کو دل سے نہیں نکالا۔

امام ابو حنیفہؒ نے کوفہ میں کوئی اپنی علیحدہ درسگاہ قائم نہیں کی بلکہ اپنے استاد کی درسگاہ میں انہیں کے ہمراہ بیٹھتے رہے۔ ۱۲۰ھ میں جب آپ کے استاذ حضرت حمادؒ کا انتقال ہوا تو اہل کوفہ نے استاذ کی جانشینی کیلئے تمام شاگردوں میں امام ابو حنیفہؒ کا انتخاب کیا' اور درخواست کی کہ مسند درس کو مشرف فرمائیں۔

امام صاحبؒ نے ذمہ داریوں کا احساس کرتے ہوئے کچھ اصرار کے ساتھ یہ درخواست قبول کر لی اور بڑے استقلال سے درس دینے لگے۔تھوڑے ہی دنوں میں امام ابو حنیفہؒ کی قابلیت نے تمام اسلامی دنیا کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔دور دور سے طلباء ان کی درسگاہ میں آنے لگے اور شاگردی کا سلسلہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا۔

محرم ۱۴۶ھ میں تیسرا عباسی خلیفہ منصور اپنے ایک حریف ابراہیم کو شکست دے کر جب بغداد پہنچا تو کچھ لوگوں نے منصور کو بتایا' کہ امام ابو حنیفہؒ ابراہیم کے طرفدار ہیں۔منصور آپے سے باہر ہو گیا اور امام صاحبؒ کو پیغام بھیجا کہ فوراً بغداد آئیں۔

امام صاحبؒ صفر ۱۴۶ھ میں بغداد آئے اور منصور کے دربار میں پہنچے۔منصور کا خیال تھا کہ امام صاحبؒ کو قتل کر دیا جائے۔مگر ربیع نے جو بہت مقرب درباری تھا' منصور کو اس اقدام سے روکا۔آخر منصور نے امام صاحبؒ سے کہا کہ میں نے آپ کو اس لئے بلایا ہے کہ عہدہ قضا آپ کو دیا جائے۔امام ابو حنیفہؒ نے جو منصور کی سفاکیوں سے بے حد نالاں تھے عہدہ قضاء قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

منصور نے قسم کھائی کہ تم کو ایسا کرنا ہی پڑے گا۔مؤرخین نے لکھا ہے کہ جب منصور کی

طرف سے زیادہ جبر کیا گیا' تو امام صاحبؒ نے قبول کرلیا۔ دارالقضاء میں بیٹھے اور پہلے دن ایک قرض کا مقدمہ پیش ہوا۔ ثبوت کے گواہ موجود نہیں تھے اس لئے مدعا علیہ سے قسم کھانے کو کہا گیا مدعا علیہ تیار ہو گیا اور ابھی صرف لفظ واللہ زبان سے نکالا تھا کہ امام ابوحنیفہؒ نے گھبرا کر روک دیا اور جیب سے روپیہ نکال کر مدعی کو دیئے اور فرمایا۔ یہ اپنا قرض لو اور ایک مسلمان سے قسم مت کھلواؤ۔

اس واقعہ نے امام صاحبؒ کو بہت متاثر کیا' عدالت سے اٹھے اور سیدھے منصور کے پاس آئے' اور کہا مجھ سے یہ کام نہیں ہو سکے گا۔ منصور کو یہ بات بہت ناگوار ہوئی اور اس نے اسی وقت آپ کو قید خانہ بھجوا دیا۔

قید خانہ میں امام ابوحنیفہؒ کچھ دن تو خاموش رہے' مگر درس و تدریس کے شائق کب تک اس طرح زندگی گذارتے' آخر ایک دن آپ نے منصور سے درخواست کی کہ مجھے سلسلہ درس جاری رکھنے کی اجازت دی جائے منصور نے اس درخواست کو قبول کرلیا اور اب نظر بندی کے ساتھ ساتھ سلسلہ درس و تدریس بھی جاری رہنے لگا۔

امام ابوحنیفہؒ کی نظر بندی کا سلسلہ ۱۴۶ھ سے ۱۵۰ھ تک چلتا رہا۔ منصور نے امام صاحبؒ کے ادب و احترام کو تو بہت ملحوظ رکھا' مگر قید خانہ سے باہر نہیں ہونے دیا۔

بغداد دارالخلافہ ہونے کی وجہ سے مختلف علوم وفنون کا مرکز بن گیا تھا۔ ہر طرف سے طالبان علم وفن یہاں آتے اور اکتساب علم میں مشغول رہتے تھے۔ امام ابوحنیفہؒ پہلے ہی بہت کچھ شہرت حاصل کر چکے تھے۔ نظر بندی نے ان کی مقبولیت اور اثر کو اور زیادہ کر دیا۔ امام محمدؒ نے جو فقہ حنفی کے دست و بازو ہیں' قید خانہ ہی میں امام صاحبؒ سے تعلیم حاصل کی تھی۔

وفات: عام طور پر مؤرخین نے لکھا ہے کہ منصور کو امام صاحب کی طرف سے جو خطرات پیدا ہو چکے تھے وہ بدستور باقی تھے۔ وہ جانتا تھا کہ اگر کسی وقت ان کو رہائی ملی تو یہ ضرور باغیوں کی حمایت کریں گے۔ یہ ایک ایسی خلش تھی کہ جس میں روز بروز اضافہ ہی ہوتا جا رہا تھا۔ آخر تنگ آ کر رجب ۱۵۰ھ میں منصور نے امام صاحبؒ کو زہر دلوا دیا۔

امام صاحبؒ نے زہر کے اثر کو محسوس کیا اور شاگردوں کو وصیت کی کہ مجھے خیزران کے مقبرہ میں دفن کیا جائے پھر سجدہ میں گئے اور اسی حالت میں انتقال فرما گئے۔ تاریخ انتقال ۱۵/ رجب ۱۵۰ھ ہے۔

امام صاحبؒ کے انتقال کی خبر بہت جلد تمام شہر میں پھیل گئی۔ اور مسلمان تجہیز و تکفین میں شریک ہونے کے لئے جمع ہونے لگے۔ قاضی شہر حسن بن عمارہ نے غسل دیا۔ اور کفن پہنایا۔ ظہر سے پہلے نماز جنازہ پڑھی گئی۔ بچاس ہزار سے زائد مسلمان شریک تھے۔ آنے والوں کا سلسلہ برابر جاری تھا۔ اس لئے چھ مرتبہ نماز پڑھی گئی اور عصر کے وقت دفن کیا گیا۔

کہتے ہیں کہ دفن کے بعد بھی بیس دن تک لوگ قبر پر نماز ادا کرتے رہے۔

کافی دنوں تک آپ کا مزار کھلا پڑا رہا۔ اور کثرت سے لوگ فاتحہ خوانی کے لئے جاتے رہے ۴۵۹ھ میں سلطان سلجوقی نے جس کو امام صاحبؒ سے بڑی عقیدت تھی' آپ کی قبر پر قبہ تعمیر کرایا۔ اور اس کے قریب ایک شاندار عمارت مدرسہ کے لئے بنوائی اور ایک مسافر خانہ بھی بنایا جس میں قیام کرنے والوں کو کھانا بھی دیا جاتا تھا۔ آج بھی بغداد میں دوسرے متبرک مقامات کے ساتھ امام صاحب کے مقبرہ کو بھی بہت عقیدت کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے۔

اولاد: امام ابوحنیفہؒ کی اولاد میں صرف ایک صاجزادے تھے جن کا نام انہوں نے اپنے استاد کے نام پر حماد رکھا تھا۔ جناب حماد نے تمام علوم اپنے والد سے حاصل کئے تھے' بہت بڑے عالم' زاہد' اور پرہیز گار تھے۔ تمام زندگی علمی مشاغل کے ساتھ تجارت کرنے میں گزار دی کبھی کسی کی نوکری نہیں کی۔ اور نہ کسی شاہی دربار سے تعلق پیدا کیا۔ آپ نے ذی قعدہ ۱۷۶ھ میں انتقال فرمایا اور کوفہ میں دفن ہوئے۔

اخلاق وعادات

بزرگوں کے حالات زندگی لکھنے کا سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ ان کی اخلاقی اور مذہبی خوبیوں کو نمایاں طور پر ظاہر کیا جائے گا تاکہ قوم اسلاف کے نقش قدم پر چل کر اپنی زندگی کو صحیح راہ عمل پر گامزن کر سکے۔

امام صاحبؒ کی مذہبی اور اخلاقی زندگی کی تصویر دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے ہے کہ ان کی ذات میں وہ تمام محاسن بدرجہ اتم موجود تھے جو ایک اعلیٰ کردار کے انسان میں ہونے چاہئیں۔

زیر نظر سطور میں امام صاحبؒ کے اخلاق و عادات کا ایک اجمالی نقشہ آپ کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے' جسے پڑھ کر آپ ان کی پاکیزہ زندگی سے صحیح طور پر واقف ہو سکیں گے۔

عبادت: امام ابوحنیفہؒ بہت بڑے عابد اور پرہیز گار تھے جتنی دیر فرض نماز یا نوافل پڑھتے رہتے

تھے' طبیعت پر رقت طاری رہتی تھی ۔اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ آپ اپنے ہوش میں نہیں ہیں ۔کبھی تلاوت قرآن سنتے وقت یا خود تلاوت کرتے وقت آنسو نکل آتے اور دیر تک روتے رہتے تھے۔

ایک مرتبہ نماز میں شریک تھے۔امام نے جب اس آیت کو تلاوت کیا ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظَّالِمُوْنَ ۞﴾ یعنی خدا کو ظالموں کے کردار سے غافل نہیں سمجھنا چاہئے۔''امام ابوحنیفہؒ پر ایسی رقت طاری ہوئی کہ حالت نماز میں تمام بدن کانپنے لگا۔

ایک مرتبہ کوفہ میں عشاء کی نماز میں امام مسجد نے ﴿اذا زلزلت ۞﴾ کی سورت پڑھی تو امام ابوحنیفہؒ کی حالت اس درجہ متغیر ہوئی کہ نماز کے بعد بھی دیر تک بیٹھے ہوئے ٹھنڈی ٹھنڈی سانس بھرتے رہے اور زبان سے کہتے رہے۔اے وہ اللہ جو ذرہ ذرہ نیکی اور بدی کا حساب لے گا۔اپنے غلام نعمان کو آگ سے بچانا۔

امام صاحبؒ کی عادت تھی کہ فجر کی نماز سے فارغ ہو کر کچھ دیر وظیفہ پڑھتے پھر مسائل پوچھنے والوں کو جواب دیتے۔ظہر کے بعد گھر تشریف لے جاتے' کھانے سے فارغ ہو کر تھوڑی دیر آرام فرماتے عصر کے بعد سے مغرب تک لوگوں سے ملاقات کرتے اور کہیں آنے جانے کا کام ہوتا تو تشریف لے جاتے ہر روز کا معمول تھا کہ مغرب سے عشاء تک درس کا سلسلہ جاری رکھتے ۔عشاء کے بعد اکثر مسجد میں سو جاتے اور جب بیدار ہوتے تو صبح تک تہجد اور دوسرے ورد و ظائف میں معروف رہتے۔

تجارت اور سخاوت: امام صاحبؒ کو تجارت باپ دادا سے ورثہ میں ملی تھی۔اور پھر خود بھی اس میدان میں بڑی واقفیت اور تجربہ رکھتے تھے۔کوفہ میں بہت بڑا کپڑا بنانے کا کارخانہ تھا جس میں سینکڑوں آدمی کام کرتے تھے۔لاکھوں روپیہ کا روزانہ لین دین ہوا کرتا تھا۔اکثر شہروں میں ایجنٹ مقرر تھے جو سوداگردوں کو مال پہنچایا کرتے تھے۔اتنے بڑے کاروبار میں دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ اس بات کا بے حد خیال رہتا تھا کہ ایک پیسہ بھی ناجائز طریقہ پر نہ آنے پائے۔تمام کام کرنے والوں کو اس بات کی سخت ہدایت تھی کہ کپڑے کے وہ تھان جن میں کچھ عیب ہو علیحدہ رکھو اور خریدار کو ان عیوب سے مطلع کر دیا کرو۔

ایک مرتبہ ایک ملازم حفص ابن عبدالرحمٰن نے کپڑے کے کچھ تھان خریدار کے ہاتھ فروخت کیئے مگر خریدار کو ان کے عیب سے مطلع کرنا بھول گئے۔امام صاحبؒ کو جب اس واقعہ

کی خبر ہوئی' تو بہت افسوس کیا' اور تمام تھانوں کی قیمت خیرات کر دی۔

اسی طرح کسی دوسرے کا مال خریدنے میں بھی آپ اس بات کا بہت لحاظ رکھتے تھے کہ بیچنے والے کو نقصان نہ پہنچے۔ ایک مرتبہ دوکان پر بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک عورت آئی اور ایک ریشم کا تھان دے کر کہا کہ اس کو فروخت کرنا ہے۔ آپ نے قیمت پوچھی' تو کہنے لگی سو روپے ہیں۔ امام صاحبؒ نے فرمایا۔ جو قیمت تم بتاتی ہو وہ بہت کم ہے۔ عورت نے کہا' تو پھر آپ ہی سمجھ کر دے دیجئے۔ فرمانے لگے تھان پانچ سو روپے کا ہے۔ اور یہ کہہ کر پانچ سو روپے اس کو دیدئے۔ عورت تعجب کرتی اور ہنستی ہوئی چلی گئی۔

دولت کی اس درجہ فراوانی کے ساتھ خدا نے دل بھی آپ کو بہت فیاض عطا کیا تھا۔ تجارت اور اکتساب دولت سے آپ کی غرض' زندگی کو عیش وعشرت سے گذارنا اور سرمایہ کو جمع کر کے ناجائز طور پر خرچ کرنا نہیں تھی بلکہ آپ چاہتے تھے کہ پیسے کو عوام کے فائدہ اور ضرورت مند لوگوں کی حاجت برآری پر خرچ کیا جائے۔

چنانچہ بہت سے غریب اور نادار طلباء کے وظائف مقرر تھے جو ان کو ماہ بماہ ادا کیے جاتے تھے تاکہ وہ اطمینان سے علم کی تکمیل کر سکیں۔ بہت سے علماء اور محدثین کے لئے اپنی تجارت میں ان کے نام کا ایک حصہ مخصوص کر دیا تھا۔ اور اختتام سال پر جو نفع ہوتا۔ وہ ان کی خدمت میں رازدارانہ طریقہ پر پہنچا دیا جاتا تھا۔

جب کوئی نئی یا اچھی چیز بازار میں آتی تو اتنی زیادہ خریدتے کہ اپنے گھر والوں کے علاوہ طلباء علماء اور غریب دوست احباب کے گھر پر بھیجتے جب کوئی ملنے آتا اور ظاہری حالات کے لحاظ سے ضرورت مند معلوم ہوتا تو چلتے وقت کچھ اس کی نذر کرتے۔

تمام ملنے والوں سے فرمایا کرتے۔ اگر کبھی کوئی حاجت ہو' تو وہ بلا تکلف بیان کر دیا کریں۔ قاضی ابو یوسفؒ امام صاحبؒ ہی کی کفالت کی بدولت علم کے اتنے بلند مرتبہ پر پہونچ گئے۔

ایک مرتبہ کسی بیمار کو دیکھنے جا رہے تھے' راستہ میں ایک شخص نے جو امام صاحبؒ کا مقروض تھا دور سے آپ کو آتے ہوئے دیکھا۔ تو جلدی سے راستہ بدل کر جانے لگا۔ آپ نے فوراً آواز دی اور قریب پہنچ کر فرمایا "بھائی تم نے مجھے دیکھ کر راستہ کیوں بدل دیا تھا؟" اس نے جواب

دیا'' آپ کا دس ہزار کا مقروض ہوں' ابھی تک ادا نہیں کر سکا' اس لئے شرم محسوس ہوتی ہے سامنے آتے ہوئے۔'' امام صاحبؒ پر اس کی اس غیرت کا بہت اثر ہوا۔ اور فرمایا'' جاؤ میں نے سب معاف کر دیا۔

ایک مرتبہ کچھ لوگ ملنے آئے ان میں ایک شخص ظاہری صورت سے غریب معلوم ہوتا تھا۔ جب سب جانے لگے تو آپ نے اس آدمی سے فرمایا۔ ذرا ٹھہر جاؤ۔ پھر ایک ہزار کی تھیلی دینے لگے اس نے عرض کیا۔ حضرت میں دولتمند ہوں۔ مجھے اس کی حاجت نہیں ہے۔'' امام صاحبؒ نے فرمایا'' تو پھر تم نے صورت ایسی کیوں بنائی ہے جو دوسروں کو تمہارے غریب ہونے کا شبہ ہوتا ہے۔''

والدہ کی اطاعت اور خدمت: امام صاحبؒ کو اپنی والدہ کا بہت خیال رہتا تھا۔ چنانچہ ان کی تمام ضروریات زندگی خود اپنے ہاتھ سے خرید کر کے لاتے اور پیش کرتے' اگرچہ ان کی خدمت کے لئے خدام موجود تھے' مگر آپ پھر بھی کبھی غافل نہیں رہتے تھے اور برابر خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتے'' نعمان حاضر ہے۔'' جب کبھی باہر جانے کا اتفاق ہوتا تو والدہ سے اجازت لیتے اور بغیر حکم کبھی نہ جاتے والدہ کو بھی اپنے بلند مرتبہ بیٹے سے بے انتہا محبت تھی' کبھی گھر میں آنے میں دیر ہوتی تو آدمی کو بھیجتیں کہ معلوم کرو کیوں دیر لگی ہے؟۔

امام صاحبؒ کی والدہ کو کوفہ کے مشہور عالم عمرو ابن ذرقہؒ سے خاص عقیدت تھی' جب کوئی مسئلہ پوچھنا ہوتا تو فرماتیں۔ نعمان! ذرا عمرو بن ذرقہؒ سے یہ پوچھ آؤ۔ امام صاحبؒ فوراً جاتے اور مسئلہ پوچھتے عمروؒ کہتے بھلا میں آپ کے سامنے کیا زبان کھول سکتا ہوں۔ امام صاحبؒ جواب دیتے۔ والدہ کا یہی حکم ہے۔ کبھی خود بھی جاتی تھیں۔ اور مسئلہ پوچھ کر آتی تھیں۔

ایک مرتبہ اپنے بیٹے سے مسئلہ پوچھا۔ امام صاحبؒ نے جواب دیا تو کہنے لگیں۔ تمہاری بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی۔ چلو ذرقہ سے تصدیق کروں گی۔ امام ابو حنیفہؒ لے کر گئے۔ اور مسئلہ بیان کیا۔ ذرقہؒ نے وہی جواب دیا جو امام صاحبؒ دے چکے تھے۔ والدہ کو تسکین ہو گئی۔

ابن ہبیرہ نے جب امام صاحبؒ کو بلا کر میر منشی مقرر کرنا چاہا۔ اور پھر انکار کرنے کے جرم میں درے لگوائے اس وقت امام صاحب کی والدہ زندہ تھیں۔ ان کو نہایت صدمہ ہوا۔ امام

صاحب ؒ فرمایا کرتے تھے کہ مجھ کو اپنی تکلیف کا چنداں خیال نہ تھا۔البتہ یہ رنج ہوتا تھا کہ میری تکلیف کی وجہ سے والدہ کو صدمہ پہنچتا ہے۔

امام صاحبؒ کے شاگرد رشید قاضی ابو یوسفؒ سے ایک مرتبہ ہارون رشید نے کہا کہ امام ابو حنیفہ ؒ کے کچھ اوصاف بیان کرو قاضی صاحب ؒ نے امام صاحبؒ کے اخلاق و عادات پر ایک مختصر مگر جامع تقریر کی جو حسب ذیل ہے:۔

''امام ابو حنیفہؒ بہت با اخلاق اور پرہیز گار بزرگ تھے۔اوقات درس کے علاوہ زیادہ وقت خاموش رہتے تھے۔اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی گہرے غور و فکر میں مصروف ہیں۔اگر کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو اس کا جواب دے دیتے ورنہ خاموش رہتے۔نہایت سخی اور فیاض تھے۔کبھی کسی کے آگے کوئی حاجت نہیں لے گئے۔اہل دنیا سے حتیٰ الامکان بچتے تھے اور دنیاوی جاہ وعزت کو حقیر سمجھتے تھے' کبھی کسی کی غیبت نہیں کرتے تھے۔اگر ذکر آتا تو بھلائی سے یاد کرتے تھے۔بہت بڑے عالم اور مال کی طرح علم کے خرچ کرنے میں فیاض تھے۔''

لوگوں کے ساتھ عام طور پر اچھا سلوک کرتے' ان کی خرابیوں پر کبھی نظر نہ ڈالتے۔بلکہ اپنی طرف سے بھلائی کرنے کی ہر ممکن کوشش فرماتے۔کسی کی پریشانی کو نہیں دیکھ سکتے تھے۔بیماری یا کسی دوسرے کی مصیبت کو دیکھ کر بے چین ہو جاتے تھے۔

ایک مرتبہ مسجد میں تشریف رکھتے تھے کسی نے آ کر کہا'' فلاں شخص مکان کی چھت پر سے گر پڑا ہے' امام صاحب ؒ پر اس جملہ نے اتنا اثر کیا کہ منہ سے چیخ نکل گئی۔پھر اسی وقت اس کے گھر تشریف لے گئے اور اظہار ہمدردی فرمایا۔جب تک یہ اچھا ہوا' روزانہ صبح کو اس کے دیکھنے کے لئے تشریف لے جاتے۔خود اپنی ذات پر کوئی مصیبت آ جاتی' تو بڑے استقلال سے برداشت کرتے اور کبھی کوئی جملہ زبان سے ایسا نہیں نکالتے جس سے ذرہ برابر بے چینی کا اظہار ہوتا ہو۔اسی طرح کسی دوسرے کی طرف سے کوئی تکلیف پہنچائی جاتی' تو اسے بھی معاف کرتے اور کبھی کوئی جذبہ انتقام دل میں پیدا نہ ہوتا۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے کہا' حضرت! لوگ آپ کی شان میں بہت کچھ گستاخیاں کرتے ہیں۔مگر آپ کی زبان سے میں نے کبھی کسی کے لئے کوئی برائی نہیں سنی۔فرمایا۔ **ذلک**

فضل الله يوتيه من يشآء﴾

حضرت سفیان ثوریؒ سے کسی نے کہا۔ہم نے کبھی امام ابوحنیفہ کو کسی کی غیبت کرتے نہیں سنا سفیان ثوریؒ نے جواب دیا۔امام ابوحنیفہؒ ایسے نہیں ہیں کہ اپنے اعمال صالحہ کو کسی کی غیبت کر کے برباد کرلیں۔

ناصحانہ اقوال

(۱) جس وقت اذان کی آواز آئے فوراً نماز کے لئے تیار ہو جاؤ۔

(۲) روزہ اور تلاوت قرآن کی عادت ڈالو۔

(۳) کبھی کبھی قبرستان کی طرف نکل جایا کرو۔

(۴) لہو ولعب سے پرہیز کیا کرو۔

(۵) پڑوسی کی کوئی برائی دیکھو تو پردہ پوشی کرو۔

(۶) تقویٰ اور امانت کو فراموش مت کرو۔

(۷) جس خدمت کے انجام دینے کی قابلیت نہ ہو اسے ہرگز قبول نہ کرو۔

(۸) اگر کوئی شخص شریعت میں کسی بدعت کا موجد ہو تو اس کی غلطی کا علانیہ اظہار کرو تا کہ عوام کو اس کی تقلید کی جرات نہ ہو سکے تحصیل علم کو سب پر مقدم رکھو۔

(۹) جو آدمی کوئی بات پوچھے تو صرف سوال کا جواب دے دو۔اپنی طرف سے کچھ اضافہ مت کرو

(۱۰) شاگردوں کے ساتھ ایسا برتاؤ کرو کہ دیکھنے والے ان کو تمہاری اولاد خیال کریں۔

(۱۱) جو بات کہو خوب سوچ سمجھ کر کہو اور وہی کہو جس کا کافی ثبوت دے سکو۔

(۱۲) جو کام کرو اطمینان اور وقار کے ساتھ کرو۔

(۱۳) جس شخص کو علم نے بھی برائیوں سے نہیں روکا اس سے زیادہ زیاں کار کوئی نہیں ہے۔

(۱۴) اگر علماء خدا کے دوست نہیں تو عالم میں خدا کا کوئی دوست نہیں۔

(۱۵) جو شخص علم کو دنیا کے لئے سیکھتا ہے علم اس کے دل میں نہیں ٹھہرتا۔

(۱۶) جو شخص علم کا مذاق نہیں رکھتا۔اس کے سامنے علمی گفتگو مت کرو۔

(۱۷) علم سکھانے میں سعی وسفارش کا کام نہیں بلکہ علماء کا فرض ہے کہ انہیں جو کچھ آتا ہے

دوسروں کو سکھائیں۔علم کے دربار میں خاص و عام کی کوئی تفریق نہیں۔

(۱۸) اگر روٹی کا ایک ٹکڑا اور معمولی کپڑا امن وعافیت سے ملتا رہے' تو اس عیش سے بہتر ہے جس کے بعد ندامت اٹھانی پڑے۔

فقہ حنفی کی تدوین: امام ابو حنیفہؒ نے اپنے استاد جناب حماد کی زندگی میں ہی درجہ اجتہاد حاصل کر لیا تھا۔اور قرآن وحدیث سے مسائل نکالنے میں کافی مہارت حاصل ہو چکی تھی مگر آپ اس بات کو پسند نہیں کرتے تھے کہ استاد کی حیات میں اپنے اجتہادی مسائل کو فروغ دیں۔اور اپنی علیحدہ کوئی درس گاہ قائم کریں۔

استاد کے انتقال کے بعد جب اہل کوفہ نے آپ کو استاد کی مسند پر بٹھایا۔اور پھر درس و تدریس کا سلسلہ زور شور سے شروع ہوا۔اس وقت آپ کو یہ خیال پیدا ہوا کہ مسلمانوں کی روزمرہ زندگی سے تعلق رکھنے والے مسائل قرآن وحدیث سے نکال کر جمع کئے جائیں۔تاکہ بروقت کسی مسئلہ کو قرآن وحدیث میں تلاش کرنے پر جو دشواریاں پیش آتی ہیں' دور ہو جائیں۔

یہ کام آسان نہیں تھا' اس کے لئے بڑے علم اور سمجھ والے آدمی کی ضرورت تھی۔امام ابو حنیفہؒ میں قدرت نے وہ تمام خوبیاں جمع کر دی تھیں جو ایسے اہم کام کی تکمیل کے لئے ضروری تھیں۔

مسائل فقہ کا وجود امام صاحبؒ کے زمانہ سے پہلے بھی پایا جاتا تھا' اور صحابہ کرام میں کچھ ایسے حضرات موجود تھے جو قرآن وحدیث سے مسائل کا استنباط کرنے میں مہارت تامہ رکھتے تھے' جیسے حضرت علیؓ جناب عمرؓ عبداللہ ابن عباسؓ عبداللہؓ بن مسعود۔اُن حضرات میں اگرچہ فقیہہ تو سب ہی تھے مگر جناب علیؓ کا ملکہ استخراج مسائل اتنا بڑھا ہوا تھا' کہ باقی تینوں حضرات کو بھی اس کا اعتراف تھا۔

چنانچہ حضرت عمرؓ فرماتے تھے کہ خدا ایسا نہ کرے کہ کوئی مشکل مسئلہ آ جائے اور جناب علیؓ موجود نہ ہوں' اسی طرح عبداللہ بن عباسؓ کا قول تھا کہ جب ہم کو حضرت علیؓ کا فتویٰ مل جائے تو پھر کسی کی حاجت باقی نہیں رہتی ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کے زمانہ تک بہت سے مسائل قرآن وحدیث سے استنباط کئے جا چکے تھے اور ہر جگہ مسلمان ان پر عمل کر رہے تھے۔ان مسائل کے استنباط کا شرف انہیں صحابہ کرامؓ کو

حاصل تھا' جن کے نام اوپر بیان کئے جا چکے ہیں لیکن تمام مسائل زبانی طور پر چل رہے تھے' ترتیب وتحریر کا کوئی سلسلہ ابھی تک قائم نہیں ہوا تھا۔ امام صاحبؒ نے اس ضرورت کو شدت سے محسوس کیا اور فقہی مسائل کے استنباط اور ان کی ترتیب وتحریر پر اپنی پوری توجہ مبذول کر دی۔

یہ کام ملک وقوم کے لئے جتنا ضروری تھا' اس سے کہیں زیادہ مشکل بھی تھا۔ ظاہر ہے کہ تنہا امام صاحبؒ کی ذات جن کو درس وتدریس کے علاوہ اپنی تجارت کی طرف بھی توجہ کرنا پڑتی تھی اتنے بڑے کام کو انجام نہیں دے سکتے تھے۔ دوسرے آپ یہ بھی نہیں چاہتے تھے کہ صرف اپنی ذاتی رائے اور معلومات پر بھروسہ کر کے اس کام کو انجام دے لیا جائے۔

اس لئے امام ابو حنیفہؒ نے اپنے شاگردوں پر نظر ڈالی۔ اور چند خاص خاص لوگوں کا انتخاب کیا جن میں قاضی ابو یوسفؒ داؤد طائیؒ امام محمد اور امام زفرؒ بہت ممتاز ہیں۔ یہ تھی وہ مجلس جو مسائل کے استنباط اور فقہ کی تدوین کے لئے امام صاحبؒ نے مرتب فرمائی۔ اس مجلس نے ۱۲۱ھ سے اپنا کام شروع کیا۔ اور امام صاحبؒ کی وفات ۱۵۰ھ تک جاری رکھا۔

امام ابو حنیفہؒ کی آخری عمر قید خانہ میں گذری۔ وہاں بھی یہ کام جاری تھا۔ غرض یہ کہ کم وبیش تیس سال کی مدت میں یہ عظیم الشان کام انجام کو پہنچا۔ اور مسائل فقہ کا ایک ایسا مجموعہ تیار کر لیا گیا جس میں باب الطہارت سے لے کر باب المیراث تک کے تمام مسائل موجود تھے۔

فقہ حنفی کا رواج: امام صاحبؒ کے زمانہ حیات ہی میں فقہ حنفی کو تمام مقبولیت حاصل ہو چکی تھی۔ کیونکہ جو مسائل نکلتے جاتے تھے۔ ان کی اشاعت بھی ساتھ ہی ساتھ ملک میں ہوتی رہتی تھی۔ لہٰذا مکہ اور مدینہ کے علاوہ تمام اسلامی ممالک میں امام ابو حنیفہؒ کے اجتہادی مسائل کا عام رواج ہو گیا۔

امام صاحبؒ کے زمانہ حیات میں فقہ حنفی کا مجموعہ تیار ہو چکا تھا۔ اس میں مسائل عبادات کے علاوہ دیوانی' فوجداری' تعزیرات' لگان' مالگذاری' شہادت' معاہدہ' وراثت' وصیت اور بہت سے قوانین موجود تھے۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ اس مجموعہ کے مسائل کی تعداد بارہ لاکھ سے زیادہ تھی۔ ہارون رشید کی وسیع حکومت جو سندھ سے ایشیائے کوچک تک پھیلی ہوئی تھی' انہیں اصول پر قائم تھی۔ اور اس زمانہ کے تمام مقدمات انہیں مسائل کو سامنے رکھ کر فیصل کئے جاتے تھے۔

عرب میں اور خصوصاً مکہ اور مدینہ میں امام ابوحنیفہؒ کے فقہی مسائل بہت کم رواج پا سکے' اس کی وجہ یہ تھی کہ امام مالکؒ امام شافعی' امام حنبلؒ اور دوسرے مجتہدین وائمہ وہاں موجود تھے مگر پھر بھی تمام ممالک اسلامیہ میں امام ابوحنیفہ کے فقہ کو جو ترقی حاصل ہوئی وہ دوسرے ائمہ کو حاصل نہیں ہوسکی۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی' کہ فقہ حنفی ضروریات انسانی کے لئے بہت مناسب اور موزوں واقع ہوا تھا۔ چنانچہ چند خاص خاص شاگردوں نے فقہ حنفی کو اتنا مضبوط اور مقبول بنادیا کہ ہارون رشید سے لے کر آخر زمانہ تک اکثر سلاطین و بادشاہ حنفی مسلک کے حامی تھے۔

تمام دنیا میں مسلمانوں کی تعداد ۴۰ کروڑ سے زیادہ پائی جاتی ہے یہ ۴۰ کروڑ مسلمان بہت سے فرقوں اور جماعتوں میں بٹے ہوئے ہیں۔

صرف حنفی مسلمانوں کی تعداد ۱۴ کروڑ کے قریب ہے جو پاکستان' ہندوستان' افغانستان 'چین' روسی ترکستان' ترکی' شام و عراق وغیرہ ممالک میں آباد ہیں۔

﴿ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴾

مسند حضرت امام اعظمؒ

مع شرح ضروری

(۱) باب الاعمال بالنیات

اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ يَحْيٰ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اِبْرَاهِيْمَ التَّيْمِيِّ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَقَّاصِ اللَّيْثِيِّ عَنْ عُمَرَؓ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَلِكُلِّ امْرِئٍ مَانَوٰى فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَهِجْرَتُهُ اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ اِلٰى دُنْيَا يُصِيْبُهَا اَوِ امْرَاَةٍ يَنْكِحُهَا فَهِجْرَتُهُ اِلٰى مَاهَاجَرَ اِلَيْهِ .

باب: اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے

امام اعظم ابوحنیفہؒ راوی ہیں یحییٰ سے اور یحییٰ محمد بن ابراہیم سے اور وہ علقمہ بن وقاص سے اور یہ حضرت عمر سے' حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ اعمال کا تمامتر مدار نیتوں پر ہے۔ اور ہر شخص کے حصہ میں وہی آتا ہے جس کی وہ نیت کرتا ہے۔ مثلاً جس نے اللہ اور

اس کے رسول کی خاطر ہجرت کی تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہوئی (یعنی باعث اجر وثواب ہوئی) اور جس نے اس لئے ہجرت کی کہ دنیا اس کو ملے یا وہ کسی عورت سے نکاح کر سکے تو اس کی ہجرت کا ثمرہ بس وہی ہے جس کے لئے اس نے ہجرت کی (یعنی اجر وثواب سے وہ قطعی محروم اور تہید ست ہوگا)۔

ف: اس حدیث کا بنیادی مقصد ہر کام میں نیت واخلاص کی اہمیت واضح کرنا ہے کہ ہر عمل بغیر نیت خالص بے جان جسم ہے۔ اور قالب بے روح۔ چنانچہ امام شافعیؒ سے روایت ہے کہ اس حدیث کو دین میں ستر جگہ دخل ہے یعنی ہر جگہ اسی کی کارفرمائی ہے۔ اور اسی کا ظہور اور نیت ہی کی اہمیت کے باعث یہ حدیث پورے دین میں گویا اساسی حیثیت رکھتی ہے۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ حدیث نصف علم ہے۔ کیونکہ ہر عمل دینی خواہ کس قدر بھی بابرکت ہو۔ نیت کے فتور سے درجہ قبولیت سے گر جاتا ہے مثلاً ہجرت کو لے لیجئے کہ نیت کے بدل جانے سے ایک خالص دینوی فعل کی شکل میں تبدیل ہو جاتا ہے اور اجر وثواب سے اس کو دور کا تعلق بھی نہیں رہتا۔ یا مثلاً درس وتدریس کے شغل پر نظر ڈالئے کہ اگر وہ نشر واشاعت دین کی خاطر ہے تو کیا کہنے نورٌ علیٰ نور۔ اور اگر طلب شہرت وجاہ وثروت پیش نظر ہے تو اجر وثواب سے قطعی محرومی ہے بلکہ وبال جان اور سراسر خلجان اسی بیان کو پیش نظر رکھ کر اگر آپ حدیث مذکور کی ترتیب کو دیکھیں تو آپ کو عجیب پر لطف استدلالی ترتیب نظر آئے گی۔ کیونکہ سب سے پہلے (الاعمال بالنیات) سے اجمالاً سمجھایا کہ اعمال میں ہر جگہ نیت کی کارفرمائی ہے اور ہر عمل کا حسن وقبح اسی پر موقوف ہے۔ پھر لکل امری مانوی سے اس کی مزید تشریح فرمائی کہ ہر شخص کو اس کے کام کا نہیں بلکہ اس کی نیت کا پھل ملے گا پھر ہجرت جو دین میں نہایت ہی بابرکت اور باشرف عمل ہے اس کی مثال پیش فرما کر ظاہر فرمایا کہ وہ بھی نیت کے خالص نہ رہنے سے دینی کام سے نکل کر ایک دنیوی کام میں اس کا شمار ہوگا۔ اس کے بعد دنیاوی امور میں بھی ایک خاص مہاجر کے قصہ کو پیش نظر رکھ کر جس نے محض ام قیس نامی مہاجر عورت سے نکاح کرنے کی خاطر اپنا وطن چھوڑا تھا۔ بات کی مزید وضاحت فرمائی۔ اور لوگوں کو عبرت دلائی کہ نیت کے کھوٹ سے بچو اور اس طرح اپنے اعمال کو برباد نہ کرو۔

محدثین کی عادت ہے کہ اپنی تصانیف کا آغاز زیادہ تر اسی حدیث سے کرتے ہیں۔ اس سے ایک لطیف اشارہ اس طرف بھی ہے کہ حدیث کے ہر طالب کو چاہئے کہ اس علم کو

شروع کرنے سے پہلے اپنی نیت خالص اللہ کے لئے کرلے ورنہ اس کی ساری کدوکاوش اللہ کے نزدیک ذرہ کے برابر قدر و قیمت نہیں رکھے گی۔ بلکہ اس کو سزاوار عتاب وسرزنش بنائے گی کہ اس نے ایسے مقدس علم کو دنیا حاصل کرنے کا ذریعہ ٹھہرایا۔ اور دنیا کو دین پر ترجیح دی۔

كتاب الايمان والاسلام والقدر واشفاعة.

(۲) باب. شرائع الاسلام وذم القدرية

ابو حَنِيفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ يَحْيَ بْنِ يَعْمُرٍ قَالَ بَيْنَا مَعَ صَاحِبٍ لِيْ بِمَدِيْنَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْ بَصُرْنَا بِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ فَقُلْتُ لِصَاحِبِيْ هَلْ لَكَ اَنْ تَاْتِيَهٗ فَنَسْأَ لَهٗ عَنِ الْقَدْرِ قَالَ نَعَمْ فَقُلْتُ دَعْنِيْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَنَا الَّذِيْ اَسْاَلُهٗ فَاِنِّيْ اَعْرَفُ بِهٖ مِنْكَ قَالَ فَانْتَهَيْنَا اِلٰى عَبْدِ اللّٰهِ فَقُلْتُ يَا اَبَا عَبْدَ الرَّحْمٰنِ اِنَّا نَتَقَلَّبُ فِيْ هٰذِهِ الْاَرْضِ فَرُبَّمَا قَدِمْنَا الْبَلْدَةَ بِهَا قَوْمٌ يَقُوْلُوْنَ لَا قَدْرَ فَبِمَا نَرُدُّ عَلَيْهِمْ قَالَ اَبْلِغْهُمْ مِنِّيْ اَنِّيْ مِنْهُمْ بَرِئٌ وَلَوْ اَنِّيْ وَجَدْتُ اَعْوَانًا لَجَاهَدْتُهُمْ ثُمَّ اَنْشَأَ يُحَدِّثُنَا قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَهٗ رَهْطٌ مِنْ اَصْحَابِهٖ اِذْ اَقْبَلَ شَابٌّ جَمِيْلٌ اَبْيَضُ حَسَنُ اللِّمَّةِ طَيِّبُ الرِّيْحِ عَلَيْهِ ثِيَابٌ بِيْضٌ فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَدَدْنَ مَعَهٗ فَقَالَ اَدْنُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰه قَالَ اُدْنُ فَدَنَا دَنْوَةً اَوْ دَنْوَتَيْنِ ثُمَّ قَامَ مُوَقِّرًا لَهٗ ثُمَّ قَالَ اُدْنُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ اُدْنُهٗ فَدَنَا حَتّٰى اَلْصَقَ رُكْبَتَهٗ بِرُكْبَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَخْبِرْنِيْ عَنِ الْاِيْمَانِ قَالَ اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَلِقَائِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ فَقَالَ صَدَقْتَ قَالَ فَعَجِبْنَا مِنْ تَصْدِيْقِهٖ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَوْلِهٖ صَدَقْتَ كَاَنَّهٗ يَعْلَمُ قَالَ فَاَخْبِرْنِيْ عَنْ شَرَائِعِ الْاِسْلَامِ مَا هِيَ قَالَ اِقَامُ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاءُ الزَّكٰوةِ وَحَجُّ الْبَيْتِ لِمَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا وَصَوْمُ رَمَضَانَ وَالْاِغْتِسَالُ مِنَ الْجَنَابَةِ قَالَ صَدَقْتَ فَعَجِبْنَا لِقَوْلِهٖ صَدَقْتَ قَالَ فَاَخْبِرْنِيْ عَنِ الْاِحْسَانِ مَاهُوَ قَالَ الْاِحْسَانُ اَنْ تَعْمَلَ لِلّٰهِ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ

تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاکَ قَالَ فَاِذَا فَعَلْتُ ذٰلِکَ فَاَنَا مُحْسِنٌ قَالَ نَعَمْ قَالَ صَدَقْتَ . قَالَ فَاَخْبِرْنِیْ عَنِ السَّاعَةِ مَتٰی هِیَ قَالَ مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِاَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ وَلٰکِنْ لَهَا شَرَائِطُ فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِی الْاَرْحَامِ وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّا ذَا تَکْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ قَالَ صَدَقْتَ . ثُمَّ انْصَرَفَ وَنَحْنُ نَرَاهُ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَیَّ بِالرَّجُلِ فَقُمْنَا فِیْ اَثَرِهٖ فَمَا نَدْرِیْ اَيْنَ تَوَجَّهَ وَلَا رَأَيْنَا شَيْئًا فَذَکَرْنَا ذٰلِکَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ هٰذَا جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَتَاکُمْ يُعَلِّمُکُمْ مَعَالِمَ دِيْنِکُمْ وَاللّٰهِ مَا اَتَانِیْ بِصُوْرَةٍ اِلَّا وَاَنَا اَعْرِفُهٗ فِيْهَا اِلَّا هٰذِهِ الصُّوْرَةِ.

یہ کتاب ایمان' اسلام' قدر اور شفاعت کے بیان پر مشتمل ہے

ارکان اسلام کا بیان اور قدریہ کی مذمت:

یحییٰ بن یعمر امام ابوحنیفہؒ کے استاذ الاستاذ کہتے ہیں کہ میں اپنے ہمراہی کے ساتھ ایک مرتبہ مدینہ طیبہ میں قیام پذیر تھا کہ اچانک عبداللہ بن عمر نظر پڑے' میں نے ساتھی سے کہا کہ کیا آپ چاہتے ہیں کہ ہم ان کے پاس جا کر قدر کا مسئلہ حل کریں۔ انہوں نے کہا ہاں۔ تو میں نے کہا اچھا مجھے سوال کرنے دو کیونکہ میں ان کو تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ یحییٰ کہتے ہیں کہ پھر ہم نے حضرت عبداللہ کی خدمت میں حاضری دی اور میں نے عرض کیا۔ اے ابوعبدالرحمٰن (حضرت عبد اللہ کی کنیت ہے) ہم اس ملک میں چلتے پھرتے ہیں چنانچہ بسا اوقات ایسے شہر میں بھی ہمارا گذر ہوتا ہے جس کے باشندے قدر کے قائل نہیں ہیں۔ تو ایسے لوگوں کو ہم کیا جواب دیں آپ نے فرمایا ان کو میری طرف سے یہ بات پہنچا دو کہ میں ان سے بیزار ہوں اور بری۔ اور اگر میں کچھ مددگار پا لوں تو ان سے جہاد کروں۔ پھر آپ نے یہ حدیث بیان کرنی شروع کی' فرمایا کہ ہم صحابہؓ دس پانچ کی تعداد میں رسول اللہ ﷺ کے حضور میں حاضر تھے کہ ناگاہ ایک جوان خوشرو' گورا چٹا' عمدہ کا کلیں' خوشبو میں مہکتا ہوا' سفید پوش سامنے سے آتا ہوا دکھائی دیا قریب آ کر اس نے اسلام علیک یارسول اللہ اسلام علیکم اے اہل مجلس کہا۔ راوی کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی اس کے سلام کا جواب دیا' اور ہم نے بھی پھر اس نے (وقار وعظمت کا لحاظ رکھتے ہوئے) کہا کہ کیا میں

قریب آ سکتا ہوں؟ یا رسول اللہ ﷺ آپ نے فرمایا قریب آ جاؤ' تو وہ ایک دو قدم اور نزدیک ہوا پھر کھڑے ہو کر وقار و عظمت کا اظہار کرتے ہوئے دوبارہ پوچھا کیا۔ اور قریب حاضر ہو جاؤں یا رسول اللہ ﷺ آپ نے فرمایا ہاں اور قریب آ جاؤ چنانچہ وہ قریب ہو کر بیٹھ گیا' اور اپنے گھٹنے آنحضرت ﷺ کے گھٹنوں سے ملا لئے۔ پھر آنحضرت ﷺ کو مخاطب کر کے بولا ذرا ایمان کی حقیقت بتائیے گا' آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایمان یہ ہے کہ تو اللہ پر ایمان لائے اس کے فرشتوں پر' اس کی کتابوں پر' اس کے رسولوں پر اور اس پر کہ بروز قیامت اس کا دیدار ہوگا اور قیامت کے دن پر۔ اور اس پر کہ جو تقدیر بھلی ہے یا بری وہ اللہ ہی کی طرف سے ہے اس نے کہا آپ نے سچ فرمایا۔ حضرت عبداللہ کہتے ہیں کہ اس کا صَـدَقْتَ کہہ کر رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کرنا ہماری سخت حیرانی کا باعث ہوا کیونکہ اس سے پتہ چلا کہ وہ پہلے سے جانتا ہے۔ پھر کہنے لگا کہ شرائع اسلام بتائیے کہ وہ کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا نماز پڑھنا' زکوٰۃ دینا بیت اللہ کا حج ادا کرنا۔ اگر قدرت ہو رمضان کے روزے رکھنا۔ اور غسل جنابت کرنا۔ یہ سن کر اس نے پھر کہا کہ سچ کہا آپ نے ہم حاضرین کو اس کے قول صدقت پر پھر تعجب ہوا پھر بولا مجھے احسان کی حقیقت سمجھایئے۔ کہ وہ کس سے عبارت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ احسان اس کا نام ہے کہ تو عمل کو اس کیفیت سے سرانجام دے کہ گویا تو اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے۔ اگر تجھ کو یہ درجہ نصیب نہ ہو تو کم از کم یہ ہو کہ وہ تجھ کو دیکھ رہا ہے۔ اس نے کہا اگر میں نے ایسا کیا تو کیا میں محسن ہوں آپ نے فرمایا ہاں بے شک' کہنے لگا سچ فرمایا آپ نے پھر اس نے کہا کہ مجھ کو قیامت کا پتہ دیجئے کہ وہ کب آئے گی۔ آپ نے فرمایا جس سے تم سوال کرتے ہو وہ اس بارہ میں سائل سے زیادہ واقفیت نہیں رکھتا۔ گویا اس کے ناواقفیت میں ہم تم برابر ہیں) البتہ اس کی چند علامتیں ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان چیزوں کو اللہ ہی جانتا ہے کہ قیامت کب آئے گی بارش کب ہوگی۔ عورت کے رحم میں کیا ہے بچہ ہے یا بچی کل انسان کیا کرے گا۔ اور یہ کہ انسان کس جگہ مرے گا۔ البتہ اللہ ہی ان کو جاننے والا ہے اور ان سے باخبر' اس نے کہا سچ کہا ہے آپ نے اور یہ کہکر ہماری نظروں کے سامنے سے واپس چلدیا نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ذرا بلانا اس آدمی کو' ہم اس کے پیچھے دوڑے۔ مگر ہم نے اس کا کوئی نشان نہ پایا۔ اور نہ سمجھے کہ وہ کدھر غائب ہو گیا۔ یہی بات ہم نے نبی ﷺ سے کہدی آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ جبریل علیہ السلام تھے کہ تم کو تمہارے امور دینی سکھلانے آئے تھے

۔قسم ہے اللہ کی اس موقع کے علاوہ وہ جب کبھی کسی صورت میں نمودار ہوئے میں ان کو پہچان گیا۔

ف: اصطلاح شرع کی رو سے ایمان واسلام ایک ہی چیز کے دو نام ہیں ۔ایک ہی معنی کو کبھی ایمان سے تعبیر کرتے ہیں اور کبھی اسلام سے ۔کیونکہ ہر دو ایک دوسرے سے سنگین مربوط ہیں ۔اسلام بدون ایمان کے درست نہیں اور ایمان بغیر اسلام کے کامل نہیں ۔البتہ بعض وقت شریعت میں ایمان واسلام میں فرق بھی کرتے ہیں کیونکہ ایمان باطنی عقیدہ کی ترجمانی کرتا ہے اور اسلام ظاہری عمل کی ایمان انقیاد باطنی کو بتاتا ہے تو اسالم انقیاد ظاہری کو۔حدیث زیر بیان میں ایمان واسلام جدا جدا معانی میں استعمال ہوئے ہیں ۔جس طرح اس آیت قرآنی میں ﴿ قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّاقُلْ لَمْ تُؤْمِنُوْاوَلٰکِنْ قُوْلُوْا اَسْلَمْنَا ﴾لغت میں ایمان واسلام کے استعمال میں یہ فرق ہمیشہ ملحوظ رہتا ہے۔

یہ حدیث پورے دین کا خلاصہ اور پوری شریعت کا اجمال ہے یا تمام شریعت اسی کی تفصیل اس لئے اس حدیث کو ام السنۃ بھی کہتے ہیں اور ام الاحادیث یا ام الجوامع بھی گویا یہ حدیث جملہ احادیث کی جڑ ہے اور بقیہ تمام احادیث اسی کی شاخیں اور اس کی مزید تفصیل بعض علماء نے اس کی جامعیت کی یوں ترجمانی کی ہے کہ دین کی بنیاد تین چیزوں پر ہے ۔فقہ[۱] جو ظاہری اعمال کا نام ہے۔کلام[۲] جو باطنی امور واعتقادات سے عبارت ہے۔اور تصوف[۳] جو اخلاص واحسان کا دوسرا نام ہے۔

آنحضرت ﷺ نے احسن کے دو درجے ظاہر فرمائے ایک اعلیٰ و بلند جس میں عبادت گذار کو ذات باری کا ایسا حضور ہوتا ہے ۔گویا یہ اس کو دیکھ رہا ہے اس کو مشاہدہ کہتے ہیں دوسرا کم تر وادنی اس میں یہ تصور ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ کو دیکھ رہا ہے۔اس کا نام مراقبہ ہے۔

اَبُو حَنِیْفَۃَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاھِیْمَ عَنْ عَلْقَمَۃَ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ جَاءَ جِبْرَئِیْلُ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ صُوْرَۃِ شَابٍّ عَلَیْہِ ثِیَابٌ اَبْیَضُ فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَعَلَیْکَ السَّلَامُ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَدْنُو فَقَالَ اُدْنُہٗ فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ مَا الْاِیْمَانُ فَقَالَ الْاِیْمَانُ بِاللّٰہِ وَمَلَائِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ وَالْقَدْرِ خَیْرِہٖ وَشَرِّہٖ قَالَ صَدَقْتَ فَعَجِبْنَا لِقَوْلِہٖ صَدَقْتَ کَاَنَّہٗ یَدْرِیْ ثُمَّ

قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَمَا شَرَائِعُ الْإِسْلَامِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِقَامُ الصَّلٰوةِ وَإِيْتَاءُ الزَّكٰوةِ وَصَوْمُ رَمَضَانَ وَغُسْلُ الْجَنَابَةِ قَالَ صَدَقْتَ فَعَجِبْنَا لِقَوْلِهِ صَدَقْتَ كَأَنَّهُ يَدْرِىْ ثُمَّ قَالَ فَمَا الْإِحْسَانُ قَالَ اَنْ تَعْمَلَ لِلّٰهِ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ قَالَ صَدَقْتَ قَالَ فَمَتٰى قِيَامُ السَّاعَةِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِاَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ فَقَفّٰى فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيَّ بِالرَّجُلِ. فَطَلَبْنَا فَلَمْ نَرَ لَهُ اَثَرًا فَاَخْبَرْنَا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَآئَكُمْ يُعَلِّمُكُمْ مَعَالِمَ دِيْنِكُمْ .

عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ جبریلؑ نبی ﷺ کے پاس ایک جوان سفید پوش انسان کی شکل میں آئے اور کہا السلام علیک یارسول اللہ' آپ ﷺ نے فرمایا وعلیک اسلام ۔ پھر اس نے کہا یارسول اللہ ﷺ کیا قریب حاضر ہوسکتا ہوں' آپ ﷺ نے فرمایا قریب آ جاؤ۔ پھر اس شخص نے کہا کہ ایمان کیا چیز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ایمان لانا اللہ پر اس کے فرشتوں پر' اس کی کتابوں پر' اس کے رسولوں پر اور تقدیر پر' بھلی ہو یا بری۔ اس نے کہا سچ فرمایا آپ نے ہم نے اس کے اس لفظ پر تعجب کیا ۔ کیونکہ اس سے پتہ چلتا تھا کہ وہ پہلے سے جانتا ہے پھر اس نے کہا یارسول اللہ ﷺ شرائع اسلام کون کون سے ہیں؟ ۔ آپ ﷺ نے فرمایا نماز پڑھنا' زکوۃ دینا' رمضان کے روزے رکھنا اور غسل جنابت کرنا کہا سچ فرمایا آپ نے ۔ (حضرت عبداللہ فرماتے ہیں) ہم اس کے اس لفظ پر پھر متعجب ہوئے اس لئے کہ لفظ صاف پتہ دیتا تھا کہ وہ تجاہل عارفانہ کررہا ہے۔ پھر اس نے کہا بتائیے احسان کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ یہ کہ تو اس کیفیت حضوری سے عمل کرے ۔ گویا کہ تو اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے اگر یہ درجہ نصیب نہ ہو تو کم از کم یہ تصور ہو کہ وہ تجھ کو دیکھ رہا ہے ۔ یہ سن کر اس نے کہا کہ سچ فرمایا آپ نے پھر کہا بتائیے قیامت کب آئے گی ۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا۔ اس بارے میں جس سے پوچھا جارہا ہے وہ (یعنی میں) سائل سے زیادہ واقفیت نہیں رکھتا ۔ (یہ کہہ کر) وہ واپس ہوگیا' آں حضرت ﷺ نے حاضرین مجلس سے فرمایا۔ ذرا اس

شخص کو بلاؤ۔ تو عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ہم اس کی تلاش میں نکلے۔ لیکن اس کا کہیں نشان نہ پایا۔ اور اسی بات کی آ کر آپ ﷺ کو خبر دی کہ وہ تو ملا نہیں' آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ جبریل علیہ اسلام تھے۔ جو تم کو احکام دینی سکھانے آئے تھے۔

ف: یہ حدیث الفاظ و مضمون میں اگلی حدیث کی تکرار ہے۔ البتہ شرائع اسلام کے سلسلہ میں اس میں حج کا ذکر نہیں شاید یہ روایت فرضیت حج سے پہلے کی ہو۔ یہ حدیث جو حدیث جبریل کہلاتی ہے صحاح میں کم وبیش الفاظ سے متعدد مقامات میں مروی ہے کہیں کچھ الفاظ ہیں اور کہیں کچھ ان ہر دو احادیث میں شہادتین کا ذکر نہیں۔ ابن ماجہ کی روایت میں سب سے پہلے شہادتین کا ذکر ہے اور پانچویں چیز حج ہے۔ ان ہر دو احادیث میں غسل جنابت کا اضافہ ہے۔ یہ اختلاف الفاظ یا تو تعدد واقعہ پر مبنی ہے یا پھر یہ صورت ہے کہ رواۃ کہیں کہیں اختصار واجمال سے کام لیتے ہیں۔

اس حدیث میں احسان کی حقیقت واضح فرما کر ریا کاری کی بیخ کنی فرمائی ہے اور دکھاوے اور نام نمود کی جڑ کاٹ دی ہے۔ کیونکہ یہی سب چیزیں اعمال دینی کے لئے سخت مہلک بیماریاں ثابت ہوتی ہیں۔ ذات باری سے خوف وخشیت' نفس میں خشوع وخضوع دل میں خدا تعالیٰ کی عظمت وجلال کا صحیح تخیل پیدا کرنے کے لئے یہ بہترین نسخہ ہے۔ اور عمدہ ترین ترکیب۔ اگر انسان صحیح معنی میں محسن ہو تو غیر اللہ کی کیا حقیقت کہ دل میں سمائے اس کی کیا تاب کہ دل میں جگہ لے۔ اس لئے عبادت کے ساتھ اخلاص کی قید لگا کر یوں ارشاد فرمایا ﴿ وَمَا اُمِرُوْا اِلاَّ لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ﴾ پتہ چلتا ہے کہ آں حضرت ﷺ بھی پہلی مرتبہ حضرت جبریلؑ کی شناخت نہ فرما سکے۔ چنانچہ صحیح ابن حبان میں اس کی مزید تصریح ہے کہ آپ فرماتے ہیں ﴿ وَمَا عَرَفْتُ حَتّٰى وَلّٰى ﴾ کہ میں حضرت جبریلؑ کی واپسی تک ان کو نہ پہچان سکا۔

(۳) باب التوحيد والرسالة

اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَطَاءٍ اَنَّ رِجَالًا مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰه عليه وسلم حَدَّثُوْهُ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ رَوَاحَةَ كَانَتْ لَهُ رَاعِيَةٌ تَتَعَاهَدُ غَنَمَهُ وَاَنَّهُ اَمَرَهَا تَتَعَاهَدُ شَاةً فَتَعَاهَدَتْهَا حَتّٰى سَمُنَتِ الشَّاةُ وَاشْتَغَلَتِ الرَّاعِيَةُ بِبَعْضِ الْغَنَمِ فَجَاءَ عَبْدُ اللّٰهِ وَ فَقَدَ الشَّاةَ فَاَخْبَرَتْهُ الرَّاعِيَةُ بِاَمْرِهَا فَلَطَمَهَا ثُمَّ نَدِمَ عَلٰى ذٰلِكَ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَظَّمَ النَّبِيُّ صَلّٰى

اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ذٰلِکَ وَقَالَ ضَرَبْتَ وَجْہَ مُؤْمِنَۃٍ فقال سَوْدَاءُ لَا عِلْمَ لَھَا فَاَرْسَلَ اِلَیْھَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَھَا اَیْنَ اللّٰہُ فَقَالَتْ فِی السَّمَاءِ قَالَ فَمَنْ اَنَا قَالَتْ رَسُوْلُ اللّٰہِ قَالَ اِنَّھَا مُؤْمِنَۃٌ فَاَعْتِقْھَا فَاَعْتَقَھَا.

توحید ورسالت کا بیان

چند اصحاب کے واسطہ سے حضرت عطاؒ روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن رواحہ کے پاس یا ایک عورت تھی جوان کی بکریاں چرایا کرتی تھی اوران کی دیکھ بھال کیا کرتی۔ انہوں نے اس کی نگرانی میں ایک اور بکری دی جس کی وہ غور پرداخت کرتی۔ یہاں تک کہ وہ خوب فربہ ہوگئی۔ ایک روز وہ عورت کسی اور بکری کے دھیان میں تھی کہ اچانک بھیڑیا آیا اوراس بکری کو اچک لے گیا اور چیر پھاڑ ڈالا۔ جب عبداللہؓ آئے تو انہوں نے اس کو نہ پایا۔ عورت نے پورا واقعہ کہہ سنایا۔ حضرت عبداللہؓ نے غصہ میں آکر اس کے ایک تھپڑ رسید کیا۔ پھراس پر پشیمان ہوئے۔ اوراس کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے کیا۔ نبی ﷺ نے اس فعل کو بہت اہمیت دی اور فرمایا کہ تم نے ایک بے قصور مومن عورت کو پیٹا۔ حضرت عبداللہؓ نے جواب دیا کہ وہ ایک حبشی عورت ہے اس کو ایمان سے کیا سروکار۔ آپ نے آدمی بھیج کراس کو بلایا۔ اوراس سے پوچھا خدا کہاں ہے۔ اس نے جواب دیا آسمان میں ہے۔ پھر فرمایا میں کون ہوں اس نے کہا اللہ کے رسول۔ آپ نے فرمایا یہ تو مومنہ ہے پس اس کو آزاد کردو۔ لہٰذا حضرت عبداللہؓ نے اس کو آزاد کیا۔

ف: انسانوں کے درمیان مختلف حقوق قائم ہیں۔ جن کی پاسداری ورعایت لازم ہے۔ مثلاً ایک عام حق جس کو ہم حق انسانیت سے تعبیر کرتے ہیں۔ پھر خصوصی مثلاً حق مذہبی، حق قرابت وغیرہ۔ یہ حدیث ان میں سے دو حقوق کی رعایت پر روشنی ڈالتی ہے۔ اور صحابہ کرامؓ کے اس بلند درجہ اخلاق کو بھی ظاہر کرتی ہے جس پر یہ لوگ فائز تھے۔ چنانچہ خادمہ عورت کے تھپڑ مارنے پہ حضرت عبداللہ کو پشیمانی ہوئی۔ صرف اس خیال سے کہ وہ حق انسانیت کا پاس نہ کر سکے۔ ایک بے قصور انسان کو سزا دی اور تکلیف پہنچائی۔ کیونکہ یہ غفلت جو بکری کے تلف ہو جانے کا سبب بنی وہ اس کے قصد وارادہ سے نہ تھی۔ کہ وہ قصوروار ٹھہرتی اور سزاوار سرزنش ہوتی۔ اس وجہ سے آپ نے افسوس ظاہر فرمایا۔ پھر یہ عمل ایک حد تک اس بلند درجہ اخلاق کے بھی خلاف تھا۔ جو صحابہؓ کو

نصیب تھا کہ ﴿وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ﴾ کے ماتحت انہوں نے اپنے جذبات پر پورا پورا اقتدار حاصل کرلیا تھا۔غصہ کو پی جانا' لوگوں کی لغزشوں سے درگذر کرنا ان کا خاص مشغلہ تھا اوران کی خاص صفت بن چکی تھی۔پھر نبی ﷺ نے جو اس فعل کو زیادہ اہمیت دی وہ اس اہم اور مقدس رشتہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے جس کو ہم رشتہ ایمانی یا رشتہ اسلامی سے تعبیر کرتے ہیں کہ اس کی رعایت اور اس کا پاس بھی نہایت ضروری ہے دوسری حدیث میں یوں ارشاد ہے ﴿اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ﴾ کہ مسلمان صحیح معنی میں وہ ہے جس کی زبان اور جس کے ہاتھ ہی مسلمان محفوظ رہیں۔

اَبُو حَنِيْفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كُنَّا جُلُوْسًا عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لِاَ صْحَابِهٖ اِنْهَضُوْا بِنَا نَعُوْدُ جَارَ نَا الْيَهُوْدِيَّ قَالَ فَدَ خَلَ عَلَيْهِ فَوَجَدَهٗ فِي الْمَوْتِ فَسَأَلَهٗ ثُمَّ قَالَ اِشْهَدْ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَنظَر اِلٰى اَبِيْهِ فَقَالَ اَبُوْهُ اشْهَدْ لَهٗ فَقَالَ الْفَتٰى اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَنْقَذَ بِيْ نَسَمَةً مِنَ النَّارِ. وَفِيْ رِوَايَةٍ اَنَّهٗ قَالَ ذَاتَ يَوْمٍ لِاَصْحَابِهٖ اِنْهَضُوْا بِنَا نَعُوْدُ جَارَنَا الْيَهُوْدِيَّ قَالَ فَوَجَدَهٗ فِي الْمَوْتِ فَقَالَ اَتَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ قَالَ نَعَمْ قَالَ اَتَشْهَدُ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ قَالَ فَنَظَرَ الرَّجُلُ اِلٰى اَبِيْهِ قَالَ فَاَعَادَ عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَصَفَ الْحَدِيْثَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ اِلٰى اٰخِرِهٖ عَلٰى هٰذِهِ الْهَيْأَةِ اِلٰى قَوْلِهٖ فَقَالَ اَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ .فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَنْقَذَبِيْ نَسَمَةً مِنَ النَّارِ.

حضرت بریدہ بن الحصیب کہتے ہیں کہ ہم ایک روز رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ ﷺ نے اپنے اصحاب کی طرف رخ کر کے فرمایا کہ چلو اٹھو ہم اپنے پڑوسی یہودی کی بیمار پرسی کریں۔کہتے ہیں کہ جب آن حضرت ﷺ اس کے پاس پہنچے تو اس کو نزع کی حالت میں پایا آپ ﷺ نے اس کی حالت اس سے پوچھی ۔پھر فرمایا کہ اقرار کر کہ سوائے خدا کے کوئی معبود نہیں' اور میں اللہ کا رسول ہوں ۔اس

یہودی نے اپنے باپ کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا۔ مگر وہ کچھ نہ بولا نبی ﷺ نے پھر فرمایا ۔اقرار کر کہ سوائے خدا کے کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ یہودی نے پھر باپ کی طرف نظر اٹھائی تو اس کا باپ بولا اقرار کر لے۔تو اس جوان نے کہا کہ اقرار کرتا ہوں میں کہ سوائے خدا کے کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں ۔اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خدا کا شکر ہے کہ اس نے میرے ذریعہ ایک انسان کو نار دوزخ سے بچایا ۔ایک روایت میں یوں ہے کہ ایک روز آپ ﷺ نے اپنے اصحاب سے فرمایا چلو اٹھو ہم اپنے ایک یہودی پڑوسی کی عیادت کریں۔راوی نے کہا کہ جب آں حضرت ﷺ اس کے پاس پہنچے تو اس کو حالت نزع میں پایا۔آپ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ کیا تو اقرار کرتا ہے کہ سوائے خدا کے کوئی معبود نہیں۔اس نے کہا ہاں بے شک پھر فرمایا کیا تو اقرار کرتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔اس پر اس یہودی نے نظر اٹھا کر اپنے باپ کی طرف دیکھا۔روای نے کہا کہ آپ ﷺ نے اس کلام کو پھر دہرایا۔اس روایت میں تین بار تکرار ہے باقی حدیث بدستور ہے۔یہاں تک کہ مریض نے کہا میں اقرار کرتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول اللہ ہیں۔تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خدا کا شکر ہے کہ اس نے ایک انسان کو میری وجہ سے دوزخ کی آنچ سے بچایا۔

ف: اس حدیث سے پتہ چلا کہ پڑوسی کی عیادت کرنی چاہیے۔خواہ اس کا تعلق کسی بھی مذہب اور دھرم سے ہو یہودی ہو یا نصرانی مجوسی ہو یا کوئی اور مذہب والا۔خصوصاً جب کہ کوئی تبلیغی پہلو مدنظر ہو تو اس وقت سستی ہرگز نہ ہونی چاہیئے۔جیسا کہ آں حضرت ﷺ نے عمل فرمایا۔امام محمدؒ نے آثار میں اس کی تخریج کی ہے۔اور اس امر کی تصریح بھی فرمائی ہے کہ کفار کی بیمار پرسی میں کوئی حرج نہیں۔

یہ حدیث پڑوسی کے حقوق کی وضاحت کرتی ہے اور ثابت کرتی ہے کہ حق پڑوس اسلام کے حدود تک محدود نہیں۔بزاز ابونعیم اور طبرانی رضی اللہ عنہم نے ایک مرفوع حدیث بیان کی ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ پڑوسی تین قسم کے ہوتے ہیں۔ایک وہ جس کا صرف ایک ہی حق پڑوس ہو مثلاً وہ مشرک جس سے کوئی رشتہ داری کے روابط نہ ہوں۔اس کو صرف پڑوسی کا حق حاصل ہے ۔یہ گویا حقوق میں سب سے کم درجہ کا پڑوسی ہے۔نہ حق اسلام اس کو نصیب نہ حق قرابت دوسرا وہ

جس کو دو حق حاصل ہوں۔ مثلاً وہ جو مسلمان بھی ہو اور پڑوسی بھی اس کو دو حقوق حاصل ہیں، حق اسلام بھی اور حق قرابت بھی۔ یہ متوسط درجہ کا پڑوسی ہے کہ دو حقوق رکھتا ہے تیسرا وہ جو مسلمان بھی ہو، قرابت دار بھی اور پڑوسی بھی۔ یہ بلند درجہ کا پڑوسی ہے کہ تین حقوق رکھتا ہے کہ حق اسلام بھی رکھتا ہے اور حق قرابت بھی اور پھر حق پڑوسی بھی۔

اس حدیث سے اس بات کا بھی انکشاف ہوا کہ بچہ جب کفر کی حقیقت سمجھ سکے اور بحالت کفر مر جائے تو سزاوار عذاب ہوگا۔ اور اگر وہ اسلام لے آئے تو اس کا سلام صحیح مانا جائے گا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو آپ اس کے سامنے اسلام کیوں پیش فرماتے۔

(۴) باب الوقف فی ذراری المشرکین

اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ هُرْمُزِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُلُّ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاهُ یُهَوِّدَانِهٖ وَیُنَصِّرَانِهٖ قِیْلَ فَمَنْ مَاتَ صَغِیْرًا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا عَامِلِیْنَ.

مشرکین کی اولاد کے بارے میں کوئی فیصلہ دینے سے توقف کرنا

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر پیدا ہونے والا بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی بنا لیتے ہیں یا نصرانی۔ آپ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ اگر بچپن میں ہی مر گئے تو آپ نے فرمایا کہ اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ وہ آئندہ زندگی میں کیا کرتے۔

ف: فطرۃ سے مراد وہ طبع سلیم اور صلاحیت پسند طبیعت ہے۔ جو ہر بچہ ماں کے پیٹ سے لے کر پیدا ہوتا ہے اس میں اچھائی برائی ہر دو کی قابلیت ہوتی ہے۔ اگر یہ کفر و شرک کے ناخوشگوار اثرات سے پاک رہے اور مخالف ایمانی صحبت سے اس کا دامن گندہ نہ ہو تو اس میں ایمان کی قبولیت کی پوری صلاحیت رہتی ہے اور وہ بچہ حد بلوغ پر پہنچ کر ایمان کی صراط مستقیم پر خود بخود لگ پڑتا ہے۔ بدقسمتی سے اگر اس کو یہودی، نصرانی یا مجوسی ماں باپ مل گئے تو وہ اپنے اثرات سے اس کی سلامت روی کو کجروی سے بدل کر اس کی سادہ طبیعت کا رخ پلٹ دیتے ہیں اسی نظریہ کی طرف حدیث زیر بیان اشارہ کرتی ہے۔

حدیث کا دوسرا حصہ ایک شدید اختلافی مسئلہ کی طرف مشیر ہے کہ کفار کے کمسن بچے از روئے شرع کافر شمار ہوتے ہیں یا مومن جنتی ہیں یا دوزخی۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کا معاملہ مشیت پر موقوف ہے بیہقی نے اس کی نسبت امام شافعیؒ کی طرف کی ہے کہ اولاد کفار کے بارہ میں وہ اسی خیال کے پیرو ہیں۔ امام مالکؒ سے کوئی امر صریح منصوص نہیں۔ البتہ ان کے اصحاب نے تصریح کی ہے کہ اطفال المسلمین جنت میں ہیں اور اطفال مشرکین کا معاملہ مشیت پر موقوف ہے۔ قاضی عیاضؒ نے کہا ہے کہ امام احمدؒ اس کے قائل ہیں کہ اولاد مشرکین دوزخ میں ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ توقف کے قائل ہیں۔ کیونکہ قطعی فیصلہ نہیں دیا جاسکتا' چنانچہ حدیث زیر بیان کے الفاظ بھی اسی خیال کی پرزور تائید کرتے ہیں کیونکہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ ہم نہیں جانتے' اللہ ہی جانتا ہے کہ وہ آئندہ زندگی میں کیا کرتے۔ نیکیاں کرتے اور جنتی بنتے یا برائیاں کرتے اور دوزخی ٹھہرتے جب تمام تر معاملہ اللہ کے علم پر ہو تو قطعی فیصلہ کی کب گنجائش رہی۔

(۵) باب اصل الاسلام الشہادۃ

اَبُو حَنِيفَةَ عن ابى الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَاِذَا قَالُوْهَا عَصَمُوْا مِنِّىْ دِمَاءَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ اِلَّا بِحَقِّهَا وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى.

اسلام کی بنیاد توحید کی شہادت ہے

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ مجھ کو حکم ہے کہ میں کافروں سے مقاتلہ اور جنگ جاری رکھوں جب تک وہ ﴿لا الہ الا اللہ﴾ نہ کہیں جب وہ اس کلمہ کو ادا کرلیں گے تو وہ اپنی جانوں کو اور مالوں کو مجھ سے بچالیں گے۔ مگر تعزیرات شرعی اور احکام دینی میں۔ پھر ان کی دلی حالت کا معاملہ خدا کے سپرد ہی۔

ف: فرمایا ﴿حَتّٰى يَقُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ ایک صورت تو اس کی یہ ہے کہ کافر کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوئے اور دائرہ اسلام میں داخل ہوگئے تو اب ان کی جان اور مال ہر قسم کے دستبرد سے محفوظ اور امن میں ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ مسلمان تو نہ ہوئے لیکن اسلام کے سامنے سر تسلیم خم کیا۔ اور لوائے اسلام کے سایہ میں امن کے خواہاں ہوئے۔ مثلاً جزیہ قبول کیا۔ صلح کے طالب ہوئے۔ اسلام کے اقتدار اعلیٰ کے سامنے سر جھکا دیا۔ تو یہ صورت بھی جانوں اور مالوں کو محفوظ

کرنے کی ہے۔ گویا یہ اس کلمہ کے اقرار میں داخل ہے۔ ﴿الا بحقها﴾ سے وہ مواقع مراد ہیں جن میں بسلسلہ تعزیرات وحدود اسلام لانے پر بھی ان کی جانیں لی جائیں گی اور مال بھی مثلاً کسی کو مار ڈالا تو قصاص لیا جائے گا' کوئی زنا کا مرتکب ہوا تو وہ رجم کیا جائے گا کسی کا مال غصب کرلیا اس سے مال لیا جائے گا اسی طرح زکوٰۃ وغیرہ میں ان کا مال لیا جائے گا۔ آخر میں فرمایا ﴿وحسابهم على الله﴾ یعنی دلی حالت کے تجسس کا بار ہم پر نہیں۔ اگر زبان سے کلمہ پڑھ لیا اور دل میں نفاق' ریا کاری یا زندیقیت چھپائے رکھی تو اس کی باز پرس ہم سے نہیں۔ بلکہ اس کا حساب کتاب اور مواخذہ خدا کے سپرد ہے۔ اس ذمہ داری سے اللہ تعالیٰ نے ہم کو سبکدوش کیا ہے چنانچہ اسی حدیث کے پیش نظر ملحدوں اور زندیقوں کی توبہ قبول کرلی جاتی ہے۔ ان کی دلی حالت سے کوئی سروکار نہیں رکھا جاتا۔ صرف ان کے ظاہری حال پر حکم لگایا جاتا ہے۔

(٦) باب عدم كفر اهل الكبائر

اَبُو حَنِيْفَةَ عَنْ اَبِى الزُّبَيْرِ قَالَ قُلْتُ لِجَابِرِبْنِ عَبْدِ اللّٰهِ مَاكُنْتُم تَعُدُّوْنَ الذُّنُوْبَ شِرْكًا قَالَ لَا قَالَ اَبُو سَعِيْدٍ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلْ فِىْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ ذَنْبٌ يَبْلُغُ الْكُفْرَ قَالَ لَا اِلَّا الشِّرْكُ بِاللّٰهِ تَعَالٰى.

گناہ کبیرہ کا مرتکب کافر نہیں!

حضرت ابوزبیرؒ کہتے ہیں کہ میں نے جابر بن عبداللہ سے پوچھا کہ کیا تم (کبیرہ) گناہوں کو شرک شمار نہیں کرتے تھے۔ کہا نہیں۔ حضرت ابوسعید کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا اس امت میں کوئی گناہ ایسا بھی ہے جو کفر کی حد تک پہنچتا ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں سوائے اس صورت کے کہ کوئی اللہ کا کسی کو شریک مانے۔

ف: یہاں یہ چند احادیث کا سلسلہ اس امر کی وضاحت کے لئے لایا گیا ہے کہ گناہ کبیرہ مثلاً خونریزی' چوری' شراب خوری کا ارتکاب کفر نہیں۔ یہ دراصل مذہب خوارج کی تردید ہے جو اس کے قائل ہیں کہ گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے مؤمن کافر ہو جاتا ہے اور خلود نار کا مستحق مزید وضاحت کے لئے یوں سمجھئے کہ یہ مسئلہ کئی شعبہ ہائے خیال پر بٹ جاتا ہے ایک طرف خوارج ہیں کہ ان کے نزدیک گناہ کبیرہ کا مرتکب ہونا گویا ایمانی سرحد کو پار کر کے کفر کی سرحد میں جا اترنا ہے۔ ان کے

پیش نظر اس قسم کی احادیث ہیں کہ مثلاً فرمایا آنحضرت ﷺ نے ﴿ **لا یزنی الزانی وھو مؤمن ولا یسرق السارق وھو مومن** ﴾ کہ زنا کار بحالت زنا کاری مؤمن نہیں رہتا۔ اور چور بحالت چوری مؤمن نہیں ہوتا۔ احادیث صحیحہ زیر بیان انکی نظر سے اوجھل ہیں مرجیہ ان کے مدمقابل دوسری سرحد پر کھڑے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ایمان لانے کے بعد کوئی گناہ مؤمن کو ضرر نہیں پہنچاتا۔ ایمان کے بعد بے کھٹکے جنت میں چلا جائے گا ان کے مطمح نظر اس قسم کی احادیث ہیں کہ مثلاً فرمایا آں حضرت ﷺ نے ﴿ **من قال لا اله الا الله دخل الجنة** ﴾ کہ جس نے کلمہ شہادت پڑھ لیا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ یہ لوگ ان تمام آیات قرانیہ واحادیث نبویہ ﷺ سے چشم پوشی کرتے ہیں جن میں اہل معاصی کے لئے سزا وعذاب کی وعید ہے معتزلہ ایک نرالا خیال پیش کرتے ہیں کہ مؤمن گناہ کبیرہ کا مرتکب نہ مومن ہی ہے نہ کافر کلمہ پڑھنے سے کفر سے نکلا اور گناہ کبیرہ سے ایمان سے خارج ہوا۔ اس کو محض فاسق کہہ سکتے ہیں۔ یہ گویا کفر وایمان میں ایک برزخ مانتے ہیں اور ایک درمیانی منزل یہ وہ انوکھا نظریہ ہے جس کی تردید کے لئے ادلہ شرعیہ کے علاوہ عقل سلیم ہی بس ہے۔

یہ حدیث ان لوگوں کی غلط فہمی کو بھی دور کرتی ہے جو حدیث ﴿ **من ترک الصلوة عمدا فقد کفر** ﴾ کہ جس نے قصداً نماز چھوڑ دی وہ کافر ہوا' کے ماتحت اس شخص کو کافر مانتے ہیں جو بقصد وارادہ نماز چھوڑ دے۔ کیونکہ ان احادیث صحیح کے معانی کو اپنی جگہ برقرار رکھنا مجبور کرتا ہے کہ ﴿ **من ترک الصلوٰۃ عمدا** ﴾ جیسی احادیث کی تاویل کی جائے کہ یہاں یہ مقصد نہیں کہ نماز کا تارک اصل ایمان سے نکل کر حقیقی کفر میں داخل ہو جاتا ہے بلکہ درحقیقت قرب کفر مراد ہے کہ نماز کے ترک سے مسلمان کفر کے قریب پہنچ جاتا ہے۔ حدیث کی یہ ترجمانی کیوں نہ کی جائے جب کہ نفس ایمان کی حقیقت اقرار شہادتین سے زائد نہیں اور شارع اسلام اور صحابہ کرام کے نزدیک ہدایت ایمانی یا دعوت ایمانی اسی حد پر ختم ہو جاتی ہے چنانچہ فرمایا آں حضرت ﷺ نے ﴿ **من قال لا اله الا الله دخل الجنة** ﴾ یا فرمایا ﴿ **من شھد ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله حرم الله علیه النار** ﴾ یا اس قسم کی اور صحیح احادیث کہ ان میں دوزخ کا حرام ہونا یا جنت میں داخل ہونا محض کلمہ شہادت کے اقرار پر موقوف رکھا ہے ابوداؤد بھی حضرت انسؓ سے اسی مضمون کی مرفوع حدیث لائے ہیں کہ ایمان کی بنیاد تین چیزوں پر قائم ہے کلمہ گو سے

دست کش رہنا۔ محض گناہ کی وجہ سے اس کو کفر نہ بنانا اور اس کو خارج از اسلام نہ جاننا۔ طبرانی میں حضرت ابن عمرؓ سے بعینہ اسی مضمون کی مرفوع حدیث لائے ہیں کہ کلمہ گو سے باز رہو ان کو کافر نہ بناؤ جس نے ان کو کافر ٹھہرایا وہ خود کفر سے قریب تر ہے۔

ابو حنيفة عن عبد الكريم بن ابی المخارق عن طاوس قال جاء رجل الى ابن عمر فسأله فقال يا ابا عبد الرحمن ارأيت الذين يكسرون اغلاقنا و ينقبون بيوتنا و يغيرون على امتعتنا اكفروا قال لا قال ارأيت هؤلاء الذين يتاولون علينا و يسفكون دماء نا اكفروا قال لاحتى يجعلوا مع الله شيئا قال وانا انظر الى اصبع ابن عمر وهو يحركها و يقول سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم وهذا الحديث رواه جماعة فرفعوه عن رسول الله صلى الله عليه وسلم.

حضرت طاؤس سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ ایک شخص ابن عمرؓ کے پاس آیا اور ان سے پوچھنے لگا اے ابا عبد الرحمٰن ذرا بتایئے جو لوگ ہمارے تالے توڑتے ہیں ۔ ہمارے گھروں میں نقب لگاتے ہیں اور ہمارے مال واسباب کو لوٹتے ہیں وہ کافر ہوئے یا نہیں‘ آپ نے فرمایا نہیں ۔ پھر انہوں نے کہا ذرا بتایئے جو تاویلیں کر کے ہمارے خون بہاتے ہیں کیا وہ کافر ٹھہرے؟ آپؓ نے فرمایا نہیں ۔ تاوقتیکہ وہ اللہ کے ساتھ کسی شے کو شریک بنائیں طاوس کہتے ہیں کہ میں حضرت ابن عمرؓ کو انگلی ہلاتے ہوئے دیکھ رہا تھا اور وہ کہتے جاتے کہ یہی ہے طریقہ رسول اللہ ﷺ کا‘ اس حدیث کو ایک جماعت نے مرفوعاً روایت کیا ہے۔

ف: یہ حدیث اگلی حدیث کی گویا تفصیل وتشریح ہے یا تمثیل اس سے مطلقاً بلا تمثیل معلوم ہوا تھا کہ گناہ سے مؤمن کفر تک نہیں پہنچتا۔ اس حدیث میں گناہ کبیرہ کی چوری نقب زنی‘ لوٹ مار اور خونریزی سے تشریح بھی ہے کہ یہ گناہ مومن کو کافر نہیں بناتے جب تک وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے۔

کتب صحاح میں اس مضمون کی بہت سی احادیث ہیں کہ اہل قبلہ اور گناہ کبیرہ کے مرتکب کافر نہیں ہوتے اور نہ وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے صحیحین میں حضرت معاذ سے مرفوعاً

روایت ہے کہ اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی شے کو شریک نہ ٹھہرائیں ۔اور بندوں کا حق اللہ پر یہ ہے کہ وہ اس کو عذاب نہ دے جو اس کے ساتھ کسی شے کو شریک نہ کرے ۔اور صحیحین میں حضرت معاذ ہی سے مرفوعاً روایت ہے کہ جو اقرار کرے کہ کوئی معبود نہیں سوائے خدا کے اور محمد اللہ کے رسول ہیں ۔اور دل سے اس کی تصدیق کرے، اللہ اس پر آگ کو حرام کر دیتا ہے مسلم میں عثمان سے مرفوع روایت ہے کہ آں حضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس کو موت اس حال میں ہو کہ وہ جانتا ہو کہ سوائے خدا کے کوئی معبود نہیں تو وہ جنت میں جائے گا ۔غرض کم وبیش ان ہی الفاظ کی بہت سی صحیح احادیث موجود ہیں جن سب کا منشاء یہ ہے کہ صرف وحدانیت ورسالت کا اقرار خلود فی النار سے بری کر دیتا ہے ۔اور جنت کو واجب کر دیتا ہے جب یہ حقیقت سامنے آ گئی تو گناہ کبیرہ کے مرتکب کو کافر کس طرح قرار دیا جا سکتا ہے جب کہ کافر کے لئے خلود نار لازمی ہے ۔اب رہا معاملہ ان احادیث کا جن سے پتہ چلتا ہے کہ گناہ کبیرہ سے مومن ایمان سے نکل جاتا ہے جب ایمان سے نکلا تو کافر ہوا مثلاً حدیث مذکورہ ﴿لا یزنی الزانی وھو د مؤمن ﴾ الخ اور جن کو دیکھ کر اہل باطل نے ٹھوکر کھائی ہے اور گمراہی کا شکار ہوئے ہیں تو یہ حدیث اپنے ظاہری معنی پر محمول نہیں بلکہ یہ سب کچھ شدید دھمکی ہے اور سخت تہدید مقصد بیان یہ ہے کہ مومن اس سخت سزا کو سن کر لرز اٹھے اور اس کو کبھی جرات نہ ہو سکے کہ وہ مسلمان ہوتے ہوئے ایسے شنیع افعال کا ارادہ بھی کرے ۔انسان کس قدر بھی بد بھی بداعمال ہو اور بداطوار یہ گوارا نہیں کرتا کہ وہ مذہب سے خارج ہو، مذہب کی آڑ میں وہ سب کچھ کر گذرتا ہے یہ ہی وجہ ہے کہ نہایت بد کردار مسلمان اپنے مذہب کے بچاؤ کے لئے وہ قربانیاں دیتے ہیں جن کو دیکھ کر عقل حیران ہوتی ہے ۔یہ سب کچھ حمیت مذہبی کے ماتحت ہے اور جذبہ تحفظ دینی کے زیر اثر ۔یا یہ صورت ہے کہ یہاں ایمان سے نفس ایمان مراد نہیں بلکہ کمال ایمان مراد ہے یعنی ان گناہوں کا مرتکب کامل مومن نہیں رہتا ۔کیونکہ سزاوار عتاب اور مستحق سرزنش ٹھہرتا ہے ایمان کا کمال دراصل اس سے عبارت ہے یہ مومن کا دامن گناہوں سے ایسا پاک ہو کہ نہ وہ قابل عتاب ہو نہ سزاوار سرزنش ۔

(۷) باب عدم خلود المومنین فی النار

اَبُو حَنِیْفَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جُبَیْرٍ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا الدَّرْدَاءِ صَاحِبَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ بَیْنَا اَنَارَدِیْفُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا اَبَا الدَّرْدَاءِ مَنْ شَهِدَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ قُلْتُ وَاِنْ زَنٰى وَاِنْ سَرَقَ قَالَ فَسَكَتَ عَنِّىْ سَاعَةً ثُمَّ سَارَ سَاعَةً فَقَالَ مَنْ شَهِدَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ قُلْتُ وَاِنْ زَنٰى وَاِنْ سَرَقَ قَالَ فَسَكَتَ عَنِّىْ سَاعَةً ثُمَّ سَارَ سَاعَةً ثُمَّ قَالَ مَنْ شَهِدَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ قَالَ قُلْتُ وَاِنْ زَنٰى وَاِنْ سَرَقَ قَالَ وَاِنْ زَنٰى وَاِنْ سَرَقَ وَاِنْ رُغِمَ اَنْفُ اَبِى الدَّرْدَاءِ قَالَ فَكَاَنِّىْ اَنْظُرُ اِلٰى اِصْبَعِ اَبِى الدَّرْدَاءِ السَّبَّابَةِ يُوْمِىُٔ اِلٰى اَرْنَبَتِه.

مسلمان ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہیں گے

حضرت عبداللہ بن جبیرؒ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوالدرداء صاحب رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ جب میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سواری پر سوار تھا آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا اے ابوالدارداء جو شخص اقرار کرے کہ کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے اور میں اللہ کا رسول ہوں تو اس کے لئے جنت واجب ہوئی (حضرت ابوالدرداء) کہتے ہیں کہ میں نے کہا اگر چہ زنا کرے اور چوری کرے۔ کہتے ہیں کہ آں حضرت ﷺ تھوڑی دیر خاموش رہے اور کچھ راستہ طے کیا پھر فرمایا جو کوئی گواہی دے کہ سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں اس کے لئے جنت واجب ہوئی (کہتے ہیں) میں نے پھر کہا اگر چہ وہ زنا کرے اور چوری کرے آپ ﷺ نے پھر سکوت فرمایا اور قدرے راستہ چلے پھر ارشاد فرمایا جو اقرار کرے کہ سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں اس کے لئے جنت واجب ہوئی۔ میں پھر بولا اگر چہ وہ زنا کرے اور چوری کرے (اس مرتبہ) آپ ﷺ نے فرمایا (ہاں) اگر چہ وہ زنا کرے اور چوری کرے اور اگر چہ ابوالدرداء کی ناک گرد آلود ہو (عبداللہ راوی اور شاگرد ابودرداء) کہتے ہیں کہ مجھے کو اس کا منظر ایسا یاد ہے) گویا میں اس وقت دیکھ رہا ہوں کہ ابودرداء اپنی شہادت کی انگلی سے اپنی ناک کے بینسہ کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔

ف: یہ حدیث بھی خوارج و معتزلہ کے مذہب کو نہایت واضح الفاظ میں لغو بے بنیاد اور بے اصل ثابت کرتی ہی۔ طبرانی اس حدیث کو حضرت ابودرداءؓ سے مختصراً لائے ہیں۔ احمد اور ابن حبان

ان ہی سے مختصراً ذکر کرتے ہیں۔ احمد اور شیخین حضرت ابی ذرؓ سے بھی اس حدیث کو لائے ہیں تین ہی مرتبہ تکرار کے ساتھ ترمذی' نسائی ابن ماجہ نے بھی ابی ذرؓ سے اس حدیث کو مرفوع ذکر کیا ہے ۔غرض یہ حدیث باعتبار معنی متواتر ہے اور بہت طرق سے مروی ہے۔

نبی علیہ کے اس فرمان کی بظاہر ترجمانی یہ ہے کہ وحدانیت ورسالت کا اقرار کرنے والا اگر گناہوں سے پاک ہے تو ابتداءً جنت اس کے لئے واجب ہوگی۔ اور اگر وہ گناہگار ہے تو سزا بھگتنے کے بعد جنت میں جائے گا غرض شہادتین کا مقر اگرچہ گناہگار رہا اور گناہ کبیرہ کا مرتکب' ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہے گا۔ پھر اگر نظر غائر سے دیکھا جائے تو اس ارشاد نبوی علیہ میں ان سب ہی کے لئے جنت کا داخلہ ابتداءً واجب قرار دیا گیا ہے جو اس کی منشاء کے تحت آتے ہیں کیونکہ یہاں وحدانیت ورسالت کی ایسی شہادت اور ایسا اقرار مراد ہے جو صمیم قلب اور خلوص دل سے ہو کہ یہ اقرار دل کی گہرائیوں تک پہنچ کر سارے بدن اور تمام اعمال پر اثر انداز ہو۔ اللہ تعالیٰ کے عذاب کا خوف اس قدر دل میں بیٹھ جائے کہ نافرمانی کی طرف قدم بڑھانے کی جرأت باقی نہ رہے اور عدول حکمی کا جذبہ سرے سے مفقود ہو جائے۔ کلمہ شہادتین سے جب یہ اثر پیدا ہوگا تو گناہ کیسے سرزد ہوگا؟ جب گناہوں کا صدور نہ ہوگا تو پھر جنت میں داخلہ ابتداءً ہی واجب ہوگا۔ سزا بھگتنے کا احتمال باقی نہ رہے گا۔ اسی نظریہ کی طرف نماز کے بارہ میں باری تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ﴿اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَر﴾ کہ وہ نماز جو روح میں انقلاب پیدا کرے' وہ نماز جو نفس کی کایا پلٹ دے' وہ نماز جو نہ صرف منہ کو قبلہ کی طرف پھیردے بلکہ دل کا رخ بھی خدا کی طرف کردے' وہ نماز جو ﴿قرۃ عینی فی الصلوۃ﴾ کی ترجمانی کرے وہ نماز جو ﴿ان تعبد الله کانک تراہ﴾ کا نقشہ سامنے لے آئے' واقعی ایسی نماز یہ اثر دکھاتی ہے کہ بے حیائی اور نازیبا بات کرنے کی انسان میں صلاحیت ہی باقی نہیں رکھتی۔ اس خیال کے ماتحت کہا جاتا ہے کہ اعمال ایمان کو برقرار رکھنے کے ذمہ دار ہیں اور اس کی حقیقت کے آئینہ دار۔

اَبُو حَنِیْفَۃَ عَنِ الْحَارِثِ عَنْ اَبِی الْمُسْلِمِ الْخَوْلَانِیْ قَالَ لَمَّا نَزَلَ مُعَاذٌ حِمْصَ اَتَاہُ رَجُلٌ شَابٌ فَقَالَ مَاتَرٰی فِیْ رَجُلٍ وَصَلَ الرَّحِمَ وَبَرَّ وَصَدَقَ الْحَدِیْثَ وَ اَدَّ الْاَمَانَۃَ وَعَفَّ بَطْنَہٗ وَفَرْ جَہٗ وَعَمِلَ مَااسْتَطَاعَ مِنْ خَیْرٍ غَیْرَ اَنَّہٗ شَکَّ فِی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ قَالَ اِنَّہَا تُحْبِطُ مَاکَانَ مَعَہَا مِنَ الْاَعْمَالِ .

قَالَ فَمَا تَرٰى فِيْ رَجُلٍ رَكِبَ الْمَعَاصِيْ وَسَفَكَ الدِّمَاءَ وَاسْتَحَلَّ الْفُرُوْجَ وَالْاَمْوَالَ غَيْرَ اَنَّهٗ شَهِدَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ مُخْلِصًا قَالَ مُعَاذٌ اَرْجُوْا وَاَخَافُ عَلَيْهِ قَالَ الْفَتٰى وَاللّٰهِ اِنْ كَانَتْ هِيَ الَّتِيْ اَحْبَطَتْ مَا مَعَهَا مِنْ عَمَلٍ مَا تَضُرُّ هٰذِهٖ مَا عَمِلَ سَعَهَا ثُمَّ انْصَرَفَ فَقَالَ مُعَاذٌ مَا اَزْعَمُ اَنَّ رَجُلًا اَفْقَهَ بِالسُّنَّةِ مِنْ هٰذَا.

ابو مسلم خولانی کہتے ہیں کہ جب حضرت معاذؓ حمص میں تشریف لائے تو ایک شخص ان کے پاس حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ ایسے شخص کے بارہ میں آپ کا کیا خیال ہے جس نے اقارب کے ساتھ صلہ رحمی کی۔ انسانوں کی طرف احسان کا ہاتھ بڑھایا بات کا سچا رہا۔ امانت ادا کی پیٹ اور شرمگاہ کے معاملہ میں محتاط اور پاک دامن رہا۔ اور جس قدر قدرت پائی نیک کام کیئے۔ مگر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے باب میں شک میں مبتلا رہا؟ حضرت معاذؓ نے فرمایا کہ (وحدانیت اور رسالت کے بارہ میں) اس کا یہ شک وتردد اس کے اعمال کو سوخت کو دے گا۔ پھر انہوں نے کہا کہ ایسے آدمی کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے جو گناہوں کا مرتکب ہوا ناحق خونریزی کی' زنا کاری اور غصب کا مال حلال جانا' البتہ اللہ کی وحدانیت اور رسول ﷺ کی رسالت پر خلوص سے قائم رہا۔ حضرت معاذؓ نے فرمایا کہ اس کے بارہ میں امید بھی رکھتا ہوں (کہ وہ نجات پائے) اور خوف زدہ بھی ہوں (کہ وہ مستوجب سزا ٹھہرے) اس پر اس جوان نے کہا اگر اس کے شک وتردد اس کے اعمال حسنہ کو سوخت بھی کر دیں تو بھی اس کے اعمال سئیہ اس کے خلوص دل کی شہادت کو نقصان نہیں پہنچائیں گے (یہ کہہ کر) وہ واپس پھرا۔ حضرت معاذؓ نے فرمایا کہ میرے خیال میں اس سے زیادہ سنت کو جاننے والا کوئی نہیں۔

ف: اس حدیث میں مسئلہ زیرغور کی بھی وضاحت ہوئی اور اسی سلسلہ میں ایک اور ضروری امر کا بھی انکشاف ہوا مسئلہ کی صورت دراصل دو شقوں میں منقسم ہے ایک یہ کہ وحدانیت و رسالت کو تسلیم نہ کرتے ہوئے اعمال حسنہ موجب ثواب واجر ہیں یا نہیں دوسرے یہ کہ وحدانیت و رسالت پر یقین رکھتے ہوئے اعمال سئیہ عقیدہ ایمانی پر اثر انداز ہوتے ہیں یا نہیں' شق ثانی اس وقت زیر بحث ہے اور شق اول بھی شریعت کا ایک اہم مسئلہ ہے۔ اس حدیث میں ہر دو امور پر بیک وقت روشنی ڈالی

ہے پہلی صورت کا ذکر قرآن پاک میں کفار کے بارہ میں بہت آیا ہے کہ ان کے اعمال خیر بلا ایمان وتصدیق محض بے اثر اور بے نتیجہ ہیں۔ ارشاد فرمایا ﴿حبطت اعمالهم ومالهم من ناصرين﴾ دوسری جگہ ارشاد ہوا ﴿حبطت اعمالهم فلا تقيم لهم يوم القيامة وزنا﴾ اس حدیث میں اسی کی تشریح فرمائی کہ صلہ رحمی، داد ودہش۔ صدق کلامی۔ امانت داری جیسے اعمال حسنہ ایمان نہ ہونے سے سوخت ہو جاتے ہیں کیونکہ تمام اعمال کی بنیاد ایمان ہے یہ اعمال گویا اس ایمان کی شاخیں ہیں یا ڈالیاں جب جڑ ہی نہ ہو یعنی ایمان سرے سے غائب ہو یا جڑ تو ہو مگر گلی سڑی کہ ایمان ہو مگر شک وشکوک سے خستہ حال تو اب شاخیں کیسے سرسبز اور بار آور ہوں گی یعنی اعمال اپنا اثر کیسے دکھائیں گے اور کس طرح موجب ثواب ہوں گے؟ دوسری صورت کی بھی پوری پوری وضاحت ہے کہ اعمال سئیہ شہادت ایمانی کو ضرر نہیں پہنچاتے یعنی اس کو بالکل بے اثر نہیں کرتے کیونکہ شہادت کا سب سے پہلا اثر یہ ہے کہ وہ مومن کو خلود نار سے بری کر دیتی ہے۔ اس اثر کو بداعمالی نہیں مٹا سکتی۔ یہ ہی عقیدہ اہل حق کا ہے۔ یہاں سے مرجیہ کا خیال ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔ جیسا کہ بعض کو وہم ہوا ہے اور بعض نے تو یہاں تک انصاف کا خون کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ کی طرف بھی مرجیہ ہونے کی نسبت کر دی ہے اور حضرت غوث پاک سیدنا عبدالقادرؒ کا حوالہ پیش کیا ہے کہ انہوں نے غنیۃ میں اس کا اظہار کیا ہے یہ سراسر بے اصل بات ہے۔ نہ غنیۃ میں اس قسم کا کوئی حوالہ ہے نہ ہی امام اعظمؒ کا پاک دامن اس بدعقیدگی کے ناپاک دھبہ سے آلودہ ہے اور ملوث۔

حَمَّادٌ عَنْ اَبِیْ حَنِیْفَةَ عَنْ اَبِیْ مَالِکِ الْاَشْجَعِیِّ عَنْ رَبْعِیِّ بْنِ خِرَاشٍ عَنْ حُذَیْفَةَ قَالَ یَدْرُسُ الْاِسْلَامُ کَمَا یَدْرُسُ وَشْیُ الثَّوْبِ وَلَا یَبْقٰی اِلَّا شَیْخٌ کَبِیْرٌ اَوْ عَجُوْزٌ فَانِیَةٌ یَقُوْلُوْنَ قَدْ کَانَ قَوْمٌ یَقُوْلُوْنَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَهُمْ لَا یَقُوْلُوْنَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ قَالَ فَقَالَ صِلَةُ بْنُ زَیْدٍ فَمَا یُغْنِیْ عَنْهُمْ یَا عَبْدَ اللّٰهِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَهُمْ لَا یَصُوْمُوْنَ وَلَا یُصَلُّوْنَ وَلَا یَحُجُّوْنَ وَلَا یَتَصَدَّقُوْنَ قَالَ یَنْجُوْنَ بِهَا مِنَ النَّارِ.

حضرت حذیفہؓ سے نقل ہے کہ انہوں نے کہا کہ اسلام اس طرح مٹ جائے گا جس طرح کپڑے کے نقوش مٹ جاتے ہیں۔ صرف ایک بوڑھا یا ایک پھونس بڑھیا بچ جائے گی۔ جو کہیں گے کہ (پچھلے زمانہ میں) ایک قوم تھی جو ﴿لا اله الا الله﴾ کہا

کرتی تھی مگر وہ خود ﴿لا الٰہ الا اللہ﴾ نہیں کہیں گے راوی کا بیان ہے کہ یہ سن کر (حاضرین مجلس میں سے) صلہ بن زید کہنے لگے اے عبداللہ ان کو ﴿لا الٰہ الا اللہ﴾ کہنا کیا نفع دے گا جب کہ نہ وہ نماز پڑھتے تھے نہ روزہ رکھتے تھے نہ حج ادا کرتے تھے اور نہ زکوٰۃ دیتے تھے۔ حضرت حذیفہؓ نے جواب دیا کہ وہ اس کے ذریعہ دوزخ کی آگ سے نجات پالیں گے۔

ف: اس سلسلہ میں بہت سی مشہور حدیثیں ہیں جو اس مضمون کو ادا کرتی ہیں چنانچہ احمد مسلم ترمذی نے حضرت انسؓ سے مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ قیامت اس وقت قائم ہوگی جب کوئی اللہ کہنے والا باقی نہ رہے گا پھر احمد و مسلم کی ایک روایت میں یوں ہے کہ قیامت شریر ترین لوگوں کے زمانہ میں برپا ہوگی۔ حاکم نے ابی سعید سے روایت کی ہے کہ قیامت جب برپا ہوگی کہ کوئی حج بیت اللہ کا ادا کرنے والا نہ رہے گا۔

یہ حدیث بھی اسی مضمون کی وضاحت کرتی ہے جس کی تفصیل پچھلی احادیث میں آ چکی ہے کہ توحید کا اقرار اور رسالت کی تصدیق خلود نار سے بری کرنے کے لئے کافی ہیں۔ باقی اعمال کی سزا ملے گی یا شفاعت سے معاف ہوں گے۔

اَبُوْ حَنِيْفَةَ وَالْمِسْعَرُ عَنْ يَزِيْدِ قَالَ كُنْتُ اَرٰى رَأْيِ الْخَوَارِجِ فَسَأَلْتُ بَعْضَ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرَنِيْ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بِخِلَافِ مَا كُنْتُ اَقُوْلُ فَانْقَذَنِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى بِهٖ.

یزید کہتے ہیں کہ پہلے میں بھی خوارج کی رائے رکھتا تھا۔ (یعنی یہ کہ مرتکب گناہ کبیرہ کافر اور خلود نار کا مستحق ہے) لہٰذا میں نے بعض اصحاب نبی ﷺ سے (اس کے بارہ میں) دریافت کیا انہوں نے مجھ کو خبر دی کہ نبی ﷺ کا فرمان اس کے خلاف ہے جو میں کہا کرتا ہوں پس اللہ تعالیٰ نے مجھ کو اس (بدعقیدگی) سے نجات بخشی۔

ف: اس حدیث سے بھی پتہ چلا کہ خوارج کا مذہب خلاف سنت ہے اور نتائج کے اعتبار سے بے بنیاد۔

اَبُوْحَنِيْفَةَ قَالَ كُنَّا مَعَ عَلْقَمَةَ وَ عَطَاءِ بْنِ رَبَاحٍ فَسَأَلَهٗ عَلْقَمَةُ فَقَالَ لَهٗ يَا اَبَا مُحَمَّدٍ اَنَّ بِبَلَادِنَا قَوْمًا لَا يُثْبِتُوْنَ لِاَنْفُسِهِمُ الْاِيْمَانَ وَ يَكْرَهُوْنَ اَنْ

يَقُوْلُوا اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ بَلْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى فَقَالَ وَمَا لَهُمْ لَا يَقُوْلُوْنَ قَالَ يَقُوْلُوْنَ اِنَّا اِذَا اَثْبَتْنَا لِاَنْفُسِنَا الْاِيْمَانَ جَعَلْنَا لِاَنْفُسِنَا الْجَنَّةَ قَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ هٰذَا مِنْ خُدَعِ الشَّيْطَانِ وَ حِبَائِلِهِ وَحِيَلِهِ اَلْجَأَهُمْ اِلٰى اَنْ دَفَعُوْا اَعْظَمَ مِنَّةِ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلَيْهِمْ . هُوَ الْاِسْلَامُ وَخَالَفُوْا سُنَّةَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَيْتُ اَصْحَابَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَضِيَ عَنْهُمْ يُثْبِتُوْنَ الْاِيْمَانَ لِاَنْفُسِهِمْ وَيَذْكُرُوْنَ ذٰلِكَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ وَلَا يَقُوْلُوْنَ اِنَّا مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَاِنَّ اللّٰهِ تَعَالٰى لَوْ عَذَّبَ اَهْلَ سَمٰوٰتِهٖ وَاَهْلَ اَرْضِهٖ لَعَذَّبَهُمْ وَهُوَ غَيْرُ ظَالِمٍ لَهُمْ فَقَالَ لَهٗ عَلْقَمَةُ يَا اَبَا مُحَمَّدٍ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَوْ عَذَّبَ الْمَلَائِكَةَ الَّذِيْنَ لَمْ يَحْصُوْهُ طُرْفَةَ عَيْنٍ عَذَّبَهُمْ وَهُوَ غَيْرُ ظَالِمٍ لَهُمْ قَالَ نَعَمْ قَالَ هٰذَا عِنْدَنَا عَظِيْمٌ فَكَيْفَ نَعْرِفُ هٰذَا فَقَالَ لَهٗ يَا ابْنَ اَخِيْ مِنْ هٰهُنَا ضَلَّ اَهْلُ الْقَدْرِ فَاِيَّاكَ اَنْ تَقُوْلَ بِقَوْلِهِمْ فَاِنَّهُمْ اَعْدَاءُ اللّٰهِ تَعَالٰى اَلَيْسَ يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى لِنَبِيِّهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ فَلَوْ شَاءَ لَهَدٰكُمْ اَجْمَعِيْنَ فَقَالَ لَهٗ عَلْقَمَةُ اِشْرَحْ يَا اَبَا مُحَمَّدٍ شَرْحًا يُذْهِبُ عَنْ قُلُوْبِنَا هٰذِهِ الشُّبْهَةَ فَقَالَ اَلَيْسَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى دَلَّ الْمَلٰئِكَةَ عَلٰى تِلْكَ الطَّاعَةِ وَاَلْهَمَهُمْ اِيَّاهَا وَعَزَّمَهُمْ عَلَيْهَا وَجَبَرَهُمْ عَلٰى ذٰلِكَ قَالَ نَعَمْ فَقَالَ وَهٰذِهٖ نِعَمٌ اَنْعَمَ اللّٰهُ تَعَالٰى بِهَا عَلَيْهِمْ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَلَوْ طَالَبَهُمْ بِشُكْرِ هٰذِهِ النِّعَمِ مَا قَدَرُوْا عَلٰى ذٰلِكَ وَقَصَرُوْا وَكَانَ لَهٗ اَنْ يُعَذِّبَهُمْ بِتَقْصِيْرِ اشُكْرٍ وَهُوَ غَيْرُ ظَالِمٍ لَهُمْ .

ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ ہم علقمہ اور عطاء بن ابی رباح کے ساتھ بیٹھے تھے کہ علقمہ نے عطا سے پوچھا اے محمد ہمارے شہروں میں (کوفہ وعراق میں) ایسے لوگ ہیں جو اپنے لئے ایمان بالیقین ثابت نہیں کرتے اور یہ کہنا برا جانتے ہیں کہ ہم مومن ہیں (یعنی بالجزم والیقین) بلکہ یوں کہتے ہیں کہ ہم مومن ہیں انشاءاللہ تعالیٰ عطاء نے کہا کہ ان کو کیا ہوگیا ہے کہ وہ یقین سے ایسا نہیں کہتے علقمہ نے جواب دیا کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ جب ہم نے

اپنے لئے ایمان ثابت کیا تو گویا ہم نے جنتی ہونے کا دعویٰ کیا' عطاء نے کہا سبحان اللہ یہ تو شیطانی وسوسے' اس کے دھوکے اور اس کے حیلے ہیں کہ اس نے ان کو مجبور کیا کہ اللہ تعالیٰ کے سب سے بڑے احسان کو احسان نہ مانیں جو اسلام کی صورت میں کیا گیا' اور اس طرح رسول اللہ ﷺ کی سنت کی خلاف ورزی کریں۔ میں نے اصحاب رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے لئے ایمان (بلاشک وشبہ) ثابت کیا کرتے تھے۔ اور اسی کی روایت آں حضرت ﷺ سے کرتے تھے۔ پھر عطاء نے کہا کہ وہ یہ کہا کرتے کہ ہم مؤمن ہیں یہ نہ کہتے کہ ہم جنتی ہیں (کیونکہ اس کا فی الحال یقین نہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اگر سارے آسمان وزمین کے بسنے والوں کو عذاب دے تو وہ اس عذاب سے ظالم نہیں ٹھہرے گا۔ تو علقمہ نے عطاء سے پھر کہا اے ابا محمد اگر اللہ تعالیٰ فرشتوں کو عذاب دے جنہوں نے چشم زدن کے مقدار بھی اس کی نافرمانی نہیں کی تو کیا اس عذاب سے اللہ تعالیٰ ظالم نہیں ٹھہرے گا۔ عطاء نے کہا نہیں' علقمہ بولے یہ تو ہمارے لئے بڑی گہری اور دقیق بات ہے۔ ہم اس کو کیونکر سمجھیں عطاء نے ان سے کہا اے بھتیجے! معتزلہ یہیں تو بھٹکے ہیں۔ تم اس سے بچو' ایسا نہ ہو۔ کیونکہ وہ اللہ کے دشمن ہیں اور اللہ کی بات کو جھٹلانے والے کیا اللہ اپنے نبی سے نہیں کہتا ہے کہ کہہ دیجئے کہ اللہ کے پاس کھلی دلیل ہے اگر وہ چاہتا تو سب کو راہ راستہ پر لگاتا علقمہ نے کہا اے ابا محمد اس کی شرح کیجئے کہ ہمارے دل اس شبہ سے پاک ہوجائیں تو اس پر عطا نے کہا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو اس طاعت کی طرف رہنمائی نہیں کی ہے اور ان کو طاعت کے طریقے نہیں سکھائے ہیں اور ان کے دلوں میں اس کی عظمت بٹھا کر ان کو اس پر جمائے نہیں رکھا علقمہ نے جواب دیا بے شک' تو عطاء نے کہا یہ اللہ کی وہ نعمتیں ہیں جن سے ان کو سرفراز فرمایا علقمہ نے کہا درست ہے عطاء نے کہا اگر اللہ تعالیٰ ان سے ان نعمتوں کے شکر کا مطالبہ کرے تو وہ اس کی ادائیگی پر قادر نہ ہوسکیں گے اور اس سے قاصر رہیں گے اور اس کو حق ہے کہ شکر کی ادائیگی سے کوتاہی پر ان کو عذاب دے اور وہ ان کے حق میں ظالم نہ ٹھہرے۔

ف: یہ حدیث بالخصوص دو اہم امور کی طرف اشارہ کرتی ہے اور شریعت کی روشنی میں اس کا حل بتاتی ہے ایک یہ کہ (انا مؤمن انشاء اللہ) کہنا ٹھیک ہے یا نہیں' دوسرا قدر کا مسئلہ۔ پہلے امر

میں حق مسلک یہ ہے کہ ایسا کہنا مناسب نہیں بروئے شرع یوں کہ نبی علیہ السلام وصحابہ کرامؓ سے اس کا ثبوت نہیں کہ انہوں نے اپنے ایمان کے ساتھ انشاء اللہ کی قید لگائی ہو۔ پھر قرآن پاک میں جہاں مؤمنین کی تعریف فرمائی ہے وہاں فرمایا ﴿اولئک هم المؤمنون حقًا﴾ یا کافروں کی مذمت فرمائی تو فرمایا ﴿اولئک هم الکافرون حقًا﴾ تو گویا اللہ تعالیٰ نے جو اس وقت مومن تھے ان کو مومنین کے نام سے یاد فرمایا۔ اور جو کافر تھے ان کو کافر کہا اور چونکہ فی الحال وہ مومن مانے جاتے ہیں اس لئے ان کے لئے احکام ایمانی مانے جاتے ہیں اور اس کے آثار مرتب ہوتے ہیں جب احکام بھی جاری ہوئے اور آثار بھی مرتب ہوئے تو اب ایمان کا وجود حقیقی یقینی کیوں نہ مانا جائے۔

بلحاظ عقل اس لئے کہ لفظ انشاء اللہ اگر شک کی وجہ سے بولا جائے کہ گویا ایمان میں شک ہے تو یہ تو صریح کفر ہے اور ایمان سے دست برداری۔ اور اگر بلحاظ ادب اور نتیجہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے یا بہ خیال کفسر نفسی یا خود پسندی سے بچنے کی خاطر یہ لفظ بولا گیا ہے تو بھی مناسب نہیں کیونکہ یہ لفظ شک کو ظاہر کرتا ہے اور ایمان سے بریت کی طرف اشارہ کرتا ہے جو کسی طرح مناسب نہیں ہے۔

جو انشاء اللہ کہنا روا رکھتے ہیں وہ یہ دلیل پیش کرتے ہیں جو حضرت علقمہ کے بیان میں گذری کہ ایمان پر یقین ظاہر کرنا خود کو جنتی ٹھہرانا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کیلئے جنت کا وعدہ فرمایا ہے اور چونکہ باری تعالیٰ میں خلاف وعدگی کا امکان نہیں اس لئے لامحالہ اس کو مومن کہنا خود کو جنتی کہنے کا مترادف ہے حالانکہ دنیا میں سوائے انبیاء علیہم السلام اور عشرہ مبشرہ کے کسی کو شرعاً حق نہیں کہ خود کو جنتی کہے۔ کبھی اس پر یہ بھی دلیل لاتے ہیں کہ فی الوقت ایمان پر ہے مگر معلوم نہیں کہ خاتمہ کیسا ہو اور سارا مدار خاتمہ پر ہے اس کا وہی صاف جواب ہے جو ابھی گذرا کہ بحث اس وقت سے ہے اگر اس وقت ایمان یقینی نہیں تو احکام ایمانی کا جاری ہونا کیسا۔ پہلی دلیل کا جواب حدیث میں حضرت عطاء کی زبانی خود نقل ہے ﴿ لهم یقولن انا مؤمنون ﴾ کہ وہ یہ کہیں کہ ہم مومن ہیں یہ نہ کہیں ﴿ انا من اهل الجنة ﴾ کہ ہم جنتی ہیں کیونکہ ظاہر ہے جب یہ کہہ سکتے ہیں کہ خاتمہ کا علم ہو کیونکہ جنتی ہونے کا سارا مدار خاتمہ پر ہے۔ بلکہ اگر خاتمہ بھی اچھا ہو تو بھی جنت کا ملنا عمل پر موقوف نہیں بلکہ رحمت الٰہی پر موقوف ہے چنانچہ حضرت عطاء نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ معصوم بندوں کو یا فرشتوں کو عذاب دے تو بھی اس کیلئے ظلم نہ ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے احسانات ہر بندہ پر اس قدر

ہیں کہ وہ ان کے شکر سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔ یہیں قدر کا مسئلہ چھڑ جاتا ہے جس کی وضاحت حضرت عطاء نے بہت خوب کی ہے کہ فرشتے گو معصوم ہیں اور ان کی عصمت کو دیکھ کر بظاہر ان کو عذاب دینا ظلم معلوم ہوتا ہے مگر پھر بھی ان کی گردنیں اللہ کے احسانات سے جھکی پڑی ہیں۔ یہ عصمت اسی کے طفیل سے ہے اسی نے اطاعت کی توفیق دی اسی نے طریق عبادت سکھایا۔ اسی نے ان کے دلوں میں اس کی محبت ڈالی آج اگر وہ شکر کا مطالبہ کرے تو فرشتے کب طاقت رکھتے ہیں کہ اس کا شکر ادا کریں بس اسی قصور میں وہ پکڑ بھی سکتا ہے اور اس میں وہ حق بجانب بھی ہے۔

(۸) باب وجوب الایمان بالقدر

ابو حنیفة عن ابی الزبیر عن جابر ان سراقة قال یار سول الله حدثنا عن دیننا کانا ولد ناله انعمل بشیٔ قد جرت به المقادیر وجفت به الاقلام ام فی شیئ نستقبل فیه العمل قال بل فی شیء قد جرت به المقادیر وجفت به الاقلام قال ففیم العمل قال اعملو افکل میسر لما خلق له -فاما من اعطی واتقی وصدق بالحسنی فسنیسره للیسری واما من م بخل واستغنی وکذب بالحسنی فسنیسره للعسری.

تقدیر پر ایمان لانا ضروری ہے

حضرت سراقہ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا یا رسول اللہ! ہمارے دین کی حقیقت بیان فرمایئے جو ہمارا مقصدِ پیدائش ہے کیا ہم وہی کرتے ہیں جو تقدیر میں لکھا جا چکا ہے اور جس کو لکھ کر قلم سوکھ چکے ہیں' یا وہ چیز ہے جن میں ہم عمل کریں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا بلکہ وہ چیز (عمل) ہے۔ جو تقدیر میں لکھا جا چکا اور قلم لکھ کر سوکھ گئے۔ سراقہ کہنے لگے پھر عمل کس لئے ہے۔ آپ نے فرمایا عمل تو کرو پس ہر شخص کے لئے وہ سہل ہوگا جس کے لئے وہ پیدا ہوا ہے (پھر آپ نے یہ آیت پڑھی) پس البتہ جس نے مال دیا اور اللہ سے ڈرا اور بھلی بات (ملت اسلام) کی تصدیق کی تو ہم اس کو راحت کی چیز کے لئے سامان دیدیں گے اور جس نے بخل کیا بے پروائی برتی اور بھلی بات کی تکذیب کی تو اس کے لئے تکلیف کا سامان آسان کردیں گے۔

ف: اس حدیث کو تقریباً ان ہی الفاظ سے احمد' مسلم' ابن حبان' طبرانی' ابن مردویہ نے

سراقہ سے روایت کیا ہے۔فرمان نبوی ﷺ کا خلاصہ یہ ہے کہ دنیا میں ہمارے سارے عمل اسی اندازہ ازلی کے مطابق ہیں جو لگ چکا ہے اور جس کو ہم تقدیر سے تعبیر کرتے ہیں لیکن اس تقدیر کے یہ معنی نہیں کہ انسان محض بے اختیار اور مجبور ہو جائے اور کسب عمل کی قدرت اس سے چھن جائے ۔اگر ایسا ہوتا تو حقیقت میں عمل بے کار ہوتا۔مگر واقعہ ایسا نہیں تقدیر کا جو کچھ اندازہ ہے وہ مستقبل کی محض ایک حکایت ہے اور آئینہ واقعات کی پیش گوئی۔انسان کی قدرت عمل پر اس کا کچھ اثر نہیں اس کی کسب عمل کی طاقت بحالہ خود باقی اسی کسی قدرت، کی بناء پر وہ ماجور یا معذب ہے۔البتہ تخلیق فعل اللہ تعالیٰ کے قبضہ وقدرت میں ہے۔

(۹) باب الحث علی العمل

حماد عن ابی حنیفة عن عبد العزیز بن رفیع عن مصعب عن سعد عن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال ما من نفس الا وقد کتب الله عزوجل مدخلها ومخرجها وما هی لاقیة قیل ففیم العمل یا رسول الله قال اعملوا فکل میسر لما خلق له فمن کان من اهل الجنة یسر لعمل اهل الجنة ومن کان من اهل النار یسر لعمل اهل النار قال الانصاری الان حق العمل.

عمل کی ترغیب

حضرت سعد رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کوئی انسان ایسا نہیں جس کا آغاز وانجام اور جو کچھ دنیا وآخرت میں اس کو پیش آنے والا ہے اللہ عزوجل نے نہ لکھ دیا ہو۔ایک انصاری بولے یا رسول اللہ ﷺ تو پھر عمل کس لئے ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ عمل تو کرو جو شخص جس کے لئے پیدا کیا گیا ہے اس پر وہی عمل آسان ہوتے ہیں پس جو اہل جنت سے ہے اس کو اعمال اہل جنت آسان ہوں گے اور جو اہل نار سے ہے اس کو وہی عمل سہل ہوں گے تو انصاری نے کہا اب عمل کرنے کی وجہ روشن ہوگئی۔

ف: قدر کا مسئلہ اس سلسلہ حدیث میں نہایت خوش اسلوبی سے ثابت کیا ہے عقل انسانی اس بارہ میں نہایت غلط رہ نمائی کرتی ہے اور ترک عمل کا مشورہ دیتی ہے اس بناء پر کہ عمل ثواب کی امید

پر کیا جاتا ہے اور ثواب اگر لکھا جا چکا ہے تو وہ مل کر رہے گا۔ اگر نہیں تو چونکہ تقدیر غلط نہیں ہو سکتی کوئی طاقت حصول ثواب کا سبب نہیں بن سکتی۔ اس کا حل یوں فرمایا کہ بے شک معاملہ ایسا ہی ہے مگر ترک عمل کوئی معنی نہیں رکھتا عملی طاقت کو اسی لئے بحال چھوڑا گیا ہے کہ عمل جاری رہے۔ اب جو کرے گا وہ قدر کے موافق ہی ہوگا۔ جنتیوں کے لئے نیکی کے کام آسان ہوں گے اور وہ اپنے عمل صالح سے بسہولت جنت کا راستہ ہموار کرتے چلے جائیں گے۔ دوزخیوں کے لئے بدی کے کام آسان ہوں گے اور وہ عمل بد سے دوزخ کا راستہ تیار کرتے جائیں گے۔ قدر سے عمل کیوں بند ہو اور عمل سے قدر کیوں غلط ہوں اور دیگر اعمال میں ہم ایسا کرتے بھی نہیں۔ سوچئے کہ رزق اگر لکھا جا چکا ہے اور ملنا ہے مل کر رہے گا' اگر نہیں ملنا ہے کئی جتن کیجئے نہیں ملے گا۔ پھر ہم کیوں صبح سے شام تک خون پسینہ ایک کر دیتے ہیں اور ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگاتے ہیں کہ رزق مل جائے' یہاں ہماری عقل اعمال دینی کا فلسفہ کیوں نہیں کام میں لاتی کہ رزق کمانے کی جدوجہد بند کر دے اور بھروسہ کر کے بیٹھ رہے۔ یا مثلاً بیماری وغیرہ میں ہر ذی ہوش جانتا ہے کہ اگر موت آ پہنچی ہے تو ٹل نہیں سکتی علاج معالجہ عبث ہے اگر نہیں آنی ہے تو کوئی طاقت مار نہیں سکتی۔ پھر دوا دارو محض بے کار ہے اور بے فائدہ' مگر سب جانتے ہیں کہ اس علم کے باوجود علاج معالجہ ہم سے نہیں چھوٹتا۔ ہم اپنی کوشش میں کوئی کوتاہی نہیں کرتے تو پھر عقل کو کیا ہو گیا یہ کہ دینی معاملات میں اپنی غلط منطق چلاتی ہے اور عمل سے روکتی ہے اور ہم اس کے پیچھے چلنے کے لئے بڑی آسانی سے آمادہ ہو جاتے ہیں۔

ابو حنفية عن عبد العزيز عن مصعب بن سعد ابی و قاص عن ابيه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم مامن نفس الا و قد كتب الله مد خلها ومخرجها و ما هی لا قية فقال رجل من الانصار ففيم العمل اذايا رسول الله فقال اعملو فكل ميسر لما خلق له اما اهل الشقا و ة فيسر والعمل اهل الشقاوة و اما اهل السعاد ة فيسر والعمل اهل السعادة فقال الانصاری الان حق العمل .وفی رواية اعملوا فكل ميسر من كان من اهل الجنة يسر لعمل اهل الجنة ومن كان من اهل الناريسر لعمل اهلها فقال الانصاری الان حق العمل.

سعد بن ابی وقاصؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ ہر شخص کا آغاز انجام اور

جو کچھ اس کو پیش آنے والا ہے اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے۔ ایک انصاری بولے تو پھر یا رسول اللہ عمل کس لئے ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا عمل تو کرو ہر ایک کے لئے وہی آسان ہے جس کے لئے وہ پیدا ہوا ہے۔ بدبختوں کے لئے بدبختی کے کام آسان ہیں اور نیک بختوں کے لئے نیک بختی کے کام۔ اس پر انصاری نے کہا اب عمل کرنے کی وجہ صاف ہوگئی۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ عمل کرو ہر ایک کے لئے آسانی ہے جو جنتی ہو اس کے لئے جنتیوں کے کام آسان ہیں اور جو دوزخی ہو اس کے لئے دوزخیوں کے کام سہل۔ انصاری نے کہا تو اب عمل کرنے کی وجہ کھل گئی۔

ف: یہ حدیث بھی قدر کے مسئلہ کو حل کرتی ہے۔

(۱۰) باب ذم القدرية

ابو حنيفة عن الهيثم عن نافع عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يجيء قوم يقولون لا قدر ثم يخرجون منه الى الزندقة فاذا لقيتموهم فلا تسلموا عليهم وان مرضوا فلا تعودوهم وان ماتوا فلا تشيعوهم فانهم شيعة الدجال ومجوس هذه الامة حق على الله ان يلحقهم بهم في النار.

منکرین تقدیر کی مذمت

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے ایک قوم ایسی آئے گی جو کہے گی کہ قدر کوئی چیز نہیں پھر وہ بے دین ہو جائیں گے تو اگر تم ایسوں سے ملو تو ان کو سلام نہ کرو اگر وہ بیمار ہوں تو ان کی بیمار پرسی کے لئے نہ جاؤ۔ اگر وہ مر جائیں تو ان کے جنازہ میں شرکت نہ کرو کیونکہ وہ دجال کے ساتھی ہیں اور اس امت کے مجوس۔ حکم الٰہی میں ثابت ہے کہ ان کو انہیں کے ساتھ دوزخ میں ملا دے گا۔

ف: اس حدیث میں قدریوں کے ساتھ معاشرتی مقاطعہ اور ترک موالات کا گویا سبق ہے کہ ان سے سارے تعلقات و روابط توڑ دیئے جائیں۔ ان کو مجوس امت اس لئے فرمایا کہ مجوس دو خدا مانتے ہیں ایک یزداں بھلائی کا خدا دوسرا اہرمن برائی کا خدا' یہ ان سے بھی چند قدم آگے ہیں کہ یہ ہر انسان کو اس کے افعال کا خالق جانتے ہیں گویا انہوں نے لاتعداد خدا مانے۔ لہٰذا ان کا

حشر ونشر انہیں کے ساتھ ہوگا۔ قرآنی آیات اس خیال کی صاف تردید کرتی ہیں مثلاً فرمایا ﴿**والله خلقكم وما تعملون**﴾ کہ اللہ نے تم کو بھی پیدا کیا اور تمہارے عملوں کو بھی۔

ابو حنفية عن نافع عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يجيئ قوم يقولون لا قدر ثم يخرجون منه الى الزندقة فاذا لقيتموهم فلا تسلموا عليهم وان مرضوا فلا تعودوهم وان ماتوا فلا تشهدوا جنائزهم فانهم شيعة الدجال ومجوس هذه الامة وحقا على الله تعالى ان يلحقهم بهم فى النار.

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ ایک قوم ایسی آئے گی جو کہے گی کہ قدر کوئی چیز نہیں پھر وہ بے دین ہو جائیں گے لہٰذا جب تم ان سے ملاقات کرو تو ان کو سلام نہ کرو اگر وہ بیمار ہوں تو ان کی عیادت کو نہ جاؤ اور اگر مر جائیں تو ان کے جنازہ میں شرکت نہ کرو کیونکہ وہ دجال کے ساتھی ہیں اور اس امت کے مجوس۔ اللہ تعالیٰ ضرور ان کو ان کے ساتھ دوزخ میں ملادے گا۔

ف: یہ حدیث پچھلی حدیث کے مضمون کو دوہراتی ہے اور یہ حکم زجر و توبیخ اور دھمکی کے طور پر ہے گویا ان کو اسلامی برادری سے خارج کیا جاتا ہے کہ ان کو عبرت ہو اور یہ اپنی اس بدعقیدگی اور بے راہ روی سے باز آئیں۔

ابو حنيفة عن سالم عن ابن عمر ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لعن الله القدرية وقال ما من نبى بعثه الله تعالى قبلى الاحذر امته منهم ولعنهم.

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ لعنت کی اللہ تعالیٰ نے قدریوں پر اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ سے پہلے کوئی نبی ایسے مبعوث نہیں ہوئے جنہوں نے اپنی امت کو ان (قدریوں) سے نہ ڈرایا ہو اور ان پر لعنت نہ بھیجی ہو۔

ف: قدریوں کی مذمت میں ان ہی الفاظ یا ان کے مثل الفاظ سے بہت مشہور حدیثیں مروی ہیں کتب حدیث ان سے پر ہیں۔

ابو حنیفة عن علقمة عن ابن بریدة عن ابیه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لعن الله القدریة وما من نبی ولا رسول الا لعنهم ونهی امته عن الکلام معهم .

بریدہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لعنت کی اللہ تعالیٰ نے قدریوں پر اور کوئی نبی یا رسول (پچھلے زمانہ میں ایسے نہیں آئے) جنہوں نے ان پر لعنت نہ کی ہو اور اپنی امت کو ان سے کلام کرنے سے نہ روکا ہو۔

ف: یہ حدیث اگلی حدیث کے مضمون کا اعادہ کرتی ہے کہ منکرین تقدیر سے بچو۔

ابو حنیفة عن نافع عن ابن عمر قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم القدریة مجوس هذه الامة وهم شیعة الدجال

عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ قدریہ (جو قدر کو نہیں مانتے) اس امت کے مجوس ہیں اور وہ دجال کے ساتھی ہیں۔

ف: اس میں قدریوں کو مجوس کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور ان کو دجال کا ساتھی ٹھہرایا ہے

(۱۱) باب الشفاعة

ابو حنیفة عن یزید بن صهیب عن جابر بن عبد الله عن النبی صلی الله علیه وسلم انه قال یخرج الله من النار من اهل الایمان بشفاعة محمد صلی الله علیه وسلم قال یزید فقلت ان الله تعالی یقول وما هم بخارجین منها قال جابر اقرأ ما قبلها ان الذین کفر وانما هی فی الکفار وفی روایة یخرج قوم من اهل الایمان بشفاعة محمد صلی الله علیه وسلم قال یزید قلت ان الله تعالی یقولو وما هم بخارجین منها فقال جابر اقرأ ماقبلها ان الذین کفروا ذلک الکفار .وفی روایةعن یزید قال سألت جابرا عن الشفاعةفقال یعذب الله تعالی قوما من اهل الایمان بذنوبهم ثم یخر جهم بشفاعة محمد صلی الله علیه وسلم فقلت فاین قول الله عزوجل فذکر الحدیث الی اخره.

شفاعت کا بیان

جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ محمد ﷺ کی شفاعت کے طفیل مؤمنین (گناہگاروں) کو دوزخ سے نکالے گا (ان کے شاگرد) یزید کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تو یوں فرماتا ہے ﴿وما هم بخارجين منها﴾ کہ وہ (اہل دوزخ) وہاں سے نکلنے والے نہیں۔ حضرت جابرؓ نے فرمایا ذرا اس سے پہلے کا حصہ تو پڑھو ﴿ان الذين كفروا﴾ کہ یہ تو (عدم خروج) کفار کے حق میں ہے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ اہل ایمان سے ایک قوم محمد ﷺ کی شفاعت کے باعث دوزخ سے نکلے گی۔ یزید کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تو یوں فرماتا ہے کہ وہ اس سے نکلنے والے نہیں حضرت جابرؓ نے کہا اس سے پہلے کا حصہ تو پڑھو ﴿ان الذين كفروا﴾ یہی کافر تو ہیں (جن کی طرف اشارہ ہے) اور ایک روایت میں یوں ہے کہ یزید سے اس طرح آیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت جابرؓ سے شفاعت کے بارہ میں پوچھا آپ نے کہا کہ اہل ایمان میں سے ایک قوم کو اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کی وجہ سے عذاب دے گا پھر محمد ﷺ کی شفاعت کے طفیل ان کو دوزخ سے نکالے گا (یزید) کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ پھر اللہ تعالیٰ کے اس قول کا کیا مطلب ہوگا' پھر آخر تک حدیث ذکر کی۔

ف: یہاں سے بیان شفاعت کا آغاز ہے۔ واضح رہے کہ اس کتاب کی جو حدیثیں تقدیر پر ایمان ثابت کرتی ہیں اور اس کے وجود شرعی کو محقق بناتی ہیں' جو قدریوں کی برائی ظاہر کرتی ہیں اور ان کے غلط عقائد کی مذمت کرتی ہیں' یا جو صاف اور کھلے الفاظ میں شفاعت کے وجود اور حقیقت پر دال ہیں یہ سب کی سب امام اعظمؒ کے مقدس دامن کو اعتزال کے بدنما داغ سے پاک ثابت کرتی ہیں۔ امام صاحب کی ایسی روایت دیکھنے کے بعد اگر کوئی افتراء پرداز اب بھی امام صاحب کی طرف اعتزال کی نسبت کرے' تو یہ انصاف کا خون کرنا ہوگا اور حقیقت پر پردہ ڈالنا' جو کسی عقلمند کے لئے زیبا نہیں اور کسی ذی ہوش کے لئے روا نہیں بلکہ وہ لائق ملامت قرار پائے گا۔

اس مسئلہ شفاعت میں اہل حق اور معتزلہ میں اختلاف ہے معتزلہ کہتے ہیں کہ صغائر گناہ توبہ سے یا بلا توبہ معاف ہوجاتے ہیں اور کبائر بلا توبہ معاف نہیں ہوتے اور شفاعت محض رفع درجات کے لئے ہے۔ نہ معافی گناہ کبیرہ کے لئے۔ اہل حق کے نزدیک شفاعت سے گناہ کبیرہ بھی معاف ہوجاتے ہیں معتزلہ اپنے مذہب کے ثبوت میں عقلی دلیل یہ لاتے ہیں کہ یہ گناہ گار

کو گناہ پر جری کرنا ہے اور اس کو جرم پر آمادہ کرنا۔ کہ اس کو سزا سے بچاؤ کا ایک راستہ مل گیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ گناہ کبیرہ کی معافی بشفاعت وبلا شفاعت جائز ہے واجب نہیں کہ گناہ گار کو بھروسہ کرنے کی گنجائش ہو۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر بد کو بدی کی پاداش نہ ملے تو یہ ایک قسم کی وعدہ خلافی بھی ہے اور غلط بیانی بھی کہ کہا تو یوں ﴿ من يعمل سوء يجزبه يا جزاء سيئة سيئة مثلها يا من اساء فعليها ﴾ لیکن شفاعت کے ذریعہ جب معاف کر کے برے کو برائی کا بدلہ' بد کو بدی کی سزا' اور مجرم کو جرم کی پاداش نہ ملی تو یہ صاف غلط بیانی نہیں تو کیا ہے یہ کھلی وعدہ خلافی نہیں تو کیا ہے؟۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وعدہ بھلائی میں خلاف کرنا عیب ہے اور اسی کا نام وعدہ خلافی ہے، مگر عفو جرم یا معافی سزا وعدہ خلافی ہرگز نہیں نہ یہ برائی میں شمار ہے۔ یہ تو درحقیقت ایک صاحب حق کا اپنے حق سے دستبردار ہونا ہے جس طرح کوئی قرض خواہ اپنے حق سے دستبردار ہو جائے اور قرضدار کو معاف کر دے یہ عیب نہیں بلکہ خوبی ہے' معتزلہ اپنے مذہب کے ثبوت میں قرآن کی یہ آیات سامنے رکھتے ہیں کہ مثلاً فرمایا ﴿ لا تقبل منها شفاعت يا ماللظالمين من حميم و لا شفيع يطاع يا فما تنفعهم شفاعة الشافعين يا مامن شفيع الامن بعد اذنه ﴾ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیات کفار کے حق میں ہیں اس لئے انہیں کے ساتھ مخصوص رہیں گی اور ہماری بحث گناہ گار مؤمنین میں ہے اور تخصیص کیوں نہ کی جائے جب کہ بغیر شفاعت مومنین کے گناہوں کی معافی قرآن سے ثابت ہے تو شفاعت سے معافی کیوں نہ ہو کہ فرمایا ﴿ ويعفو عن كثير ﴾ یا ارشاد ہوا ﴿ ويغفر مادون ذلك لمن يشاء ﴾ جو گناہ صغیرہ و کبیرہ سب کو عام ہے۔ اور پھر جب کہ احادیث مشہورہ بھی شفاعت کے ثبوت میں موجود ہیں تو اب تو اس میں مزید کلام کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ اور پچھلی آیت تو خود ان کے خیال کی تردید کر رہی ہے اور ان کے شک کا جواب اسی میں ہے کہ اذن کے بغیر کسی کو شفاعت کا حق نہیں مگر نبی ﷺ کو تو اذن حاصل ہے اور قیامت میں بھی اذن حاصل ہوگا۔

ابو حنيفة عن حماد عن ابراهيم عن الاسود عن ربعي بن خراش عن حذيفة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال يخرج الله تعالى قوما من الموحدين من النار بعد ماامتحشوا و صار وافحما فيد خلهم الله تعالى الجنة فيستغيثون الى الله تعالى مما تسميهم اهل الجنة

الجهنميين فيذهب الله تعالى عنهم ذلك.

حضرت حذیفہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ اللہ تعالیٰ دوزخ سے مومنین کی ایک جماعت کو نکالے گا جب کہ وہ جل کر کوئلہ ہو جائیں گے اور ان کو جنت میں داخل کرے گا۔ پھر وہ اللہ سے فریاد کریں گے۔ کیونکہ جنتی ان کو جہنمی کے نام سے پکاریں گے لہٰذا اللہ تعالیٰ ان سے یہ نام دور کر دے گا۔

ف: یہ حدیث امام صاحبؒ کی ذات اقدس کو مرجبہ ہونے کے الزام سے صاف بری کرتی ہے اور معصوم ٹھہراتی ہے کیونکہ مرجبہ تو اس کے قائل ہیں کہ ایمان کے بعد کوئی گناہ مومن کو ضرر نہیں پہنچاتا۔ وہ بے کھٹکے اور بغیر روک ٹوک جنت میں جائے گا۔ اور یہ حدیث اس خیال کی بیخ کنی کرتی ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ گناہ گار مؤمنین دوزخ میں جائیں گے۔ پھر اللہ کے حکم سے نکالے جائیں گے کیا اتنی صحیح وصاف احادیث امام صاحبؒ سے ملنے پر بھی کوئی آنکھوں پر پٹی باندھ لے گا اور یہ کہنے کی جرات کرے گا کہ امام صاحبؒ مرجبہ تھے یا اس بدعقیدگی کی طرف ان کا رجحان تھا۔ ﴿نعوذ باالله من ذلک﴾

ابو حنيفة عن عطية عن ابى سعيد عن النبى صلى الله عليه وسلم فى قوله تعالى عسى ان يبعثك ربك مقاما محمودا قال المقام المحمود الشفاعة يعذب الله تعالى قوما من اهل الايمان بذنوبهم ثم يخرج بشفاعة محمد صلى الله عليه وسلم فيؤتى بهم نهر يقال له الحيوان فيغتسلون فيه ثم يدخلون الجنة فيسمون فى الجنة الجهنمين ثم يطلبون الى الله تعالى فيذهب عنهم ذلك الاسم وفى رواية قال يخرج الله تعالى قوما من اهل النار من اهل الايمان والقبلة بشفاعة محمد صلى الله عليه وسلم وذلك هو المقام المحمود فيؤتى بهم نهر يقال له الحيوان فيلقون فيه فينبتون به كما ينبت الثعارير ثم يخرجون منه ويدخلون الجنة فيسمون فيها الجهنميين ثم يطلبون الله تعالى ان يذهب عنهم ذلك الاسم فيذهب عنهم وزاد فى اخره وعتقاء الله تعالى .وروى ابو حنيفة هذاالحديث عن ابى روبة

شداد بن عبد الرحمن عن ابی سعید.

حضرت ابی سعید خدریؓ اللہ تعالیٰ کے اس قول (عسی ان یبعثك ربك مقاماً محمود) (کہ پہنچائے گا تم کو تمہارے پسندیدہ مقام پر) کے ذیل میں نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ مقام محمود سے مراد شفاعت ہے اللہ تعالیٰ اہل ایمان کی ایک جماعت کو ان کے گناہوں کے باعث عذاب دے گا پھر محمد ﷺ کی شفاعت کے طفیل ان کو نکالے گا پھر وہ حیوان نامی نہر (یعنی ابدی زندگی کی نہر) پر لائی جائیں گے اور اس میں وہ غسل کریں گے پھر جنت میں لے جائے جائیں گے تو جنت میں ان کا نام جہنمی پڑ جائے گا۔ لہٰذا وہ اللہ تعالیٰ سے اس سلسلہ میں التجا کریں گے بالآخر اللہ تعالیٰ ان سے اس نام کو مٹا دے گا۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ دوزخ میں داخل ہونے والے اہل ایمان اور اہل قبلہ کی ایک جماعت کو محمد ﷺ کی شفاعت سے دوزخ سے نکالے گا اور یہی مقام محمود ہے پھر وہ اس نہر پر لائے جائیں گے جس کو حیوان کہا جاتا ہے پس وہ اس میں ڈالے جائیں گے تو وہ (تر و تازہ) لکڑیوں کی طرح اس میں (فوراً) اُگ آئیں گے (یعنی جلد ان کی شکل اور ان کا رنگ تبدیل ہو جائے گا) پھر اس سے نکل کر جنت میں چلے جائیں گے اور وہاں ان کا نام جہنمی پڑ جائے گا۔ پھر وہ اللہ تعالیٰ سے درخواست کریں گے کہ وہ ان سے ان کا یہ نام مٹا دے۔ تو یہ نام انکا مٹ جائے گا۔ اور اس روایت کے آخر میں ﴿عتقاء الله﴾ زیادہ کیا (یعنی وہ اس نام سے موسوم ہوں گے کہ اللہ کے آزاد کیے ہوئے ہیں امام ابو حنیفہؒ نے اس حدیث کو ابی روبہ شداد بن عبدالرحمٰن سے بھی روایت کیا ہے اور وہ ابی سعید سے روایت کرتے ہیں۔

ف: شفاعت کے بارہ میں جو ہم معنیٰ احادیث میں وارد ہیں وہ تواتر کی حد تک پہنچ چکی ہیں ان ہی ابی سعید سے امام مسلمؒ ایک لمبی حدیث لائے ہیں جو اسی کے ہم معنی ہے۔ بزاز ابی ہریرہؓ سے بسند ثقات حدیث مرفوع روایت کرتے ہیں۔ طبرانی اوسط میں مغیرہ سے مرفوع روایت لائے ہیں اور اوسط میں انسؓ سے۔ الفاظ کا کہیں کہیں قدرے اختلاف ہے مضمون تقریباً ایک ہی ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی کنز مدفون میں شفاعت نبی ﷺ کی آٹھ اقسام بیان کرتے ہیں۔ ایک وہ جو شفاعت عظمیٰ کے نام سے موسوم ہے جو تمام انبیاءؑ میں آپ ﷺ ہی کے ساتھ

مخصوص ہے اور وہ اس وقت کی جائے گی کہ ساری مخلوق کے مقدمات فیصل ہوتے ہوں گے۔دوسری وہ شفاعت جو اس امت کا حساب جلد لینے کے لئے کی جائے گی۔چنانچہ ابن ابی الدنیا نے ایک لمبی مرفوع حدیث ان الفاظ سے نقل کی ہے ﴿**یارب عجل حسابهم**﴾ کہ اے میرے رب ان کا حساب جلد لیجئے۔تو وہ بلائے جائیں گے۔تیسری وہ شفاعت جو ان لوگوں کے بارہ میں کی جائے گی جن کو دوزخ میں لے جانے کا حکم ہوگا۔پھر وہ اس شفاعت سے نجات پائیں گے،ابن ابی الدنیا نے اس کی بھی ایک مرفوع حدیث روایت کی ہے بدیں الفاظ کہا آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کی ایک جماعت کو دوزخ کا حکم ملے گا۔تو وہ کہنے لگیں گے۔اے محمد ﷺ سفارش کیجئے۔میں فرشتوں سے کہوں گا۔ذرا ان کو روکے رکھو پھر میں چلا جاؤ گا۔اور اللہ تعالیٰ سے حاضری کی درخواست کروں گا تو مجھ کو سجدہ کی اجازت ملے گی پھر مجھ سے کہا جائے گا کہ جاؤ اور ان کو نکال لاؤ۔چوتھی وہ شفاعت جو آپ ﷺ اپنے چچا حضرت ابی طالب کے حق میں فرمائیں گے کہ ان کا عذاب گھٹ جائے۔پانچویں وہ شفاعت جو آپ ﷺ چند اقوام کے بارہ میں فرمائیں گے کہ وہ بلا حساب جنت میں جائیں۔قاضی عیاض نے اس کا ذکر کیا ہے چھٹی وہ شفاعت جو آپ ﷺ ان سب کے جنت میں داخل ہونے کے بارہ میں کریں گے جن کو جنت کا حکم مل چکا ہے۔ساتویں وہ شفاعت جو آپ ﷺ جنتیوں کے بارہ میں فرمائیں گے کہ ان کے درجات بلند ہوں اور ان کے اعمال سے زائد ان کو اعزاز نصیب ہو معتزلہ اسی شفاعت کو مانتے ہیں۔آٹھویں وہ شفاعت جو آپ مرتکبین گناہ کبیرہ کے حق میں فرمائیں گے جو دوزخ میں بھیجے جا چکے ہیں اور وہ آپ ﷺ کی شفاعت سے دوزخ سے نکالے جائیں گے۔

حماد عن ابی حنیفةؒ عن عطیة العوفی قال سمعت اباسعید الخدری یقول سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقرأعسی ان یبعثک ربک مقاما محمود قال یخرج الله تعالی قوما من النار من اهل الایمان و القبلة بشفاعة محمد صلی الله علیه وسلم فذلک هو المقام المحمود فیؤتی بهم نهرایقال له الحیوان فیلقون فیه فینبتون کما ینبت الشعاریرثم یخرجون فید خلون الجنة فیسمون الجهنمیین ثم یطلبون الی الله تعالی ان یذهب عنهم ذلک الاسم فیذ هب عنهم.

حضرت ابی سعید کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا ﴿عسی ان یبعثک ربک مقاما محمودا﴾ پھر کہا کہ محمد ﷺ کی شفاعت کے طفیل اللہ تعالیٰ اہل ایمان اور اہل قبلہ کی ایک جماعت کو دوزخ سے نکالے گا اور یہی مقام محمود ہے پھر وہ ایک نہر حیوان نامی پر لائے جائیں گے اور اس میں ڈالے جائیں گے تو وہ (تروتازہ) ککڑیوں یا کھیروں کی طرح (فوراً) اُگ آئیں گے پھر نکل کر جنت میں چلے جائیں گے (وہاں) ان کا نام جہنمی پڑ جائے گا پھر وہ اللہ کی جناب میں التماس کریں گے کہ وہ ان کا یہ نام ان سے ختم کر دے۔ تو اللہ تعالیٰ ان کا یہ نام ان سے ختم کر دے گا۔

ف: امام محمدؒ اس حدیث کو آثار میں لائے ہیں۔ احمد مسلم ابن ماجہ بھی اس کے مثل روایت لائے ہیں۔ یہ حدیث کھلے الفاظ میں بتاتی اور اس کا ثبوت پیش کرتی ہے کہ عقیدہ کا فساد اگر انسان کو کفر کی حد تک نہ پہنچائے تو آخرت میں اس کا نفس ایمان بالآخر اس کو دوزخ سے کھینچ لائے گا ۔اگرچہ اس کا فسق بہت بڑھ چکا ہو۔ اسی لئے رافضیوں، خارجیوں اور معتزلیوں کے بارہ میں یہ فیصلہ اقرب الی الصواب ہے کہ اگر ان کے عقائد حد کفر تک نہ پہنچیں تو یہ فرقے خلود فی النار کے مستحق نہیں آخر میں دوزخ سے نجات پائیں گے۔

حماد عن ابی حنیفة عن عبد الملک عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یدخل قوم من اهل الایمان یوم القیمة النار بذنوبهم فیقول لهم المشرکون ما اغنی عنکم ایمانکم و نحن وانتم فی دار واحدة نعذب فیغضب اللہ عزوجل لهم فیامرون ان لایبقی فی النار احد یقول لااله الا اللہ فیخرجون وقد احترقوا حتی صاروا کالحممة السوداء الاوجوههم فانه لایزرق اعینهم ولا تسود وجوههم فیؤتی بهم نهرا علی باب الجنة فیغتسلون فیه فیذهب کل فتنة واذی ثم یدخلون الجنة فیقول لهم الملک طبتم فادخلوها خالدین فیسمون الجهنمیین فی الجنة .قال ثم یدعون فیذهب عنهم ذلک الاسم فلا یدعون به ابدا فاذا خرجوا قال الکفار یالیتنا کنا مسلمین فذلک قول اللہ تعالی عزوجل ربما یود الذین کفروا لو کانوا

مسلمین.

حضرت عبداللہ بن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے روز اہل ایمان کی ایک جماعت اپنے گناہوں کے سبب دوزخ میں داخل ہوگی تو ان سے مشرک کہیں گے کہ تم کو تمہارے ایمان نے نفع نہیں پہنچایا اس لیے کہ ہم تم ایک ہی گھر (دوزخ) میں پڑے عذاب بھگت رہے ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ کے غیظ وغضب میں جوش آئے گا اور حکم صادر فرمائے گا کہ دوزخ میں ایک بھی ﴿لا الـــه الا اللـــه﴾ کہنے والا نہ رہے۔ پھر وہ اس حالت میں نکالے جائیں گے کہ وہ جل کر سیاہ کوئلے کی طرح ہو چکے ہوں گے صرف ان کا چہرہ محفوظ ہوگا۔ کیونکہ نہ ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی نہ ان کے چہرے کالے، پھر وہ اس نہر پر لائے جائیں گے جو دروازہ جنت پر ہوگی وہ اس میں غسل کریں گے تو اس سے ان کی طبیعت کی کبیدگی اور جسمانی سوزش کافور ہو جائی گی پھر جنت میں پہنچا دیئے جائیں گے۔ تو ان سے رضوان جنت کہے گا کہ تم پاک ہوئے۔ اب جنت میں ہمیشہ ہمیشہ رہو، مگر جنت میں انکا نام جہنمی پڑ جائے گا نبی ﷺ نے فرمایا کہ پھر وہ جناب باری میں دعا کریں گے تو ان کا یہ نام مٹ جائے گا۔ پھر وہ اس نام سے کبھی نہیں پکارے جائیں گے جب یہ (گناہگار) دوزخ سے نکلیں گے تو کافر کہیں گے کاش ہم بھی مسلمان ہوتے۔ یہی معنی ہیں اللہ تعالیٰ کے اس قول کے ﴿ ربمایو دلذین کفروا لو کانوا مسلمین ﴾ کہ بسا اوقات کافر (آرزو سے) کہیں گے کہ کاش وہ بھی مسلمان ہوتے۔

ف: اس آیت قرآنی کے ذیل میں ابن المبارک۔ ابن جریر بیہقی نے انسؓ اور عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ دوزخ میں خطا کار مسلمانوں اور مشرکوں کو جمع کرے گا تو مشرک کہیں گے کہ جس کی تم عبادت کیا کرتے تھے اس نے تم کو نفع نہیں بخشا۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کو جوش آئے گا اور ان خطا کاروں کو دوزخ سے نکالے گا۔ سعید بن منصور اور بیہقی نے اپنی سنن میں ابن عباسؓ سے یوں نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ شفاعت اور اپنے فضل وکرم سے عاصی مسلمانوں کو جنت میں داخل کرتا رہے گا۔ یہاں تک کہ یہ فرمائے گا کہ جو بھی مسلمان ہو وہ جنت میں داخل ہو جائے۔ اسی کی طرف اللہ تعالیٰ کے اس قول میں اشارہ ہے ﴿ ربـمـا یـود الـذین

کفروالو کانو امسلمین ﴾ طبرانی اوسط میں سند صحیح سے حضرت جابرؓ سے مرفوع حدیث لائے ہیں (کہ فرمایا آپ ﷺ نے) کہ میری امت میں سے بہت سے لوگوں کو دوزخ میں عذاب دیا جائے گا جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا۔ پھر پوری حدیث بیان کی اور اس میں کافروں کا یہ قول بھی ہے پھر مسلمانوں کو نکالا جائے گا۔ اور پھر یہ آیت آپ ﷺ نے پڑھی ﴿ربما یودالذین کفروا﴾ اور طبرانی نے ابی سعید سے مرفوعاً اسی قصہ کو روایت کیا ہے۔ اس میں شفاعت انبیاء ملائکہ اور مؤمنین کا بھی ذکر ہے۔

ابوحنيفة عن حماد عن ابراهيم عن علقمة عن عبد الله بن مسعودؓ قال جاء رجل الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال يا رسول الله هل يبقى احد من الموحدين فى النار قال نعم رجل فى قعر جهنم ينادى بالحنان المنان حتى يسمع صوته جبرئيل عليه السلام فيتعجب من ذلك الصوت فقال العجب العجب ثم لم يصبر حتى يصير بين يدى عرش الرحمن ماجد افيقول الله تبارك وتعالى ارفع رأسك يا جبر ئيل فير فع راسه فيقول مارأيت من العجائب و الله اعلم بما راه فيقول يارب سمعت صوتا من قعر جهنم ينادى بالحنان المنان فتعجبت من ذلك الصوت فيقول الله تبارك وتعالى يا جبر ئيل اذهب الى مالك قل له اخرج العبد الذى ينادى بالحنان المنان فيذهب جبر ئيل عليه السلام الى باب من ابواب جهنم فيضربه فيخرج اليه مالك فيقول جبرئيل عليه السلام ان الله تبارك وتعالى يقول اخرج العبد الذى ينادى بالحنان المنان فيد خل فيطلبه فلا يوجدوان مالكا اعرف باهل النار من الام باولا دها فيخرج فيقول لجبرئيل ان جهنم زفرت زفرة لا اعرف الحجارة من الحديد ولا الحديد من الرجال فير جع جبرئيل عليه السلام حتى يصير بين يدى عرش الرحمن ساجدا فيقول الله تبارك وتعالى ارفع رأسك ياجبرئيل لم لم تجئ بعبدى فيقول يارب ان مالكا يقول ان جهنم قد زفرت زفرة لا اعرف الحجرمن الحديد و لا

الحديد من الرجال فيقول الله عزوجل قل لمالک ان عبد ی فی قعر كذا و كذ افی ستر كذا او كذا وفي زواية كذاو كذافيد خل جبر ئيل فيخبره بذلک فيد خل مالک فيجده مطروحامنكوسا مشدو داناصيته الى قد ميه ويد اه الى عنقه واجتمعت عليه الحيات والعقارب ثم يجذبه جذبة اخرى حتى تنقطع منه السلا سل والا غلال .ثم يخرجه من النار فيصير ه في ماء الحياة ويد فعه الى جبرئيل فيأخذ بنا صيته ويمده مداً فما مربه جبرئيل على ملاء من الملا ئكة الا وهم يقولون اف لهذا العبدحتى يصير بين يدى عرش الرحمن ساجدا فيقول الله تبارک وتعالى ارفع رأسک ياجبرئيل ويقول الله تبارک وتعالى عبدى الم اخلقک بخلق حسن الم ارسل اليک رسولا الم يقرأ عليک كتابى الم يامرک وينهک حتى يقر العبد فيقول الله تعالى فلم فعلت كذا وكذا فيقول العبد يارب ظلمت نفسى حتى بقيت فى النار كذا وكذا خريفا لم اقطع رجائى منک يارب دعوتک بالحنان المنان واخرجتنى بفضلک فارحمنى برحمتک فيقول الله تبارک وتعالى اشهد وايا ملائكتى بانى رحمته.

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا یارسول اللہ ﷺ کیا موحدین میں سے بھی کوئی دوزخ میں باقی رہے گا (یعنی مسلمانوں کے نکالے جانے کے بعد) آپ ﷺ نے فرمایاہاں ایک شخص ہوگا۔ دوزخ کے پیندے میں پکارتا ہوگا۔ ٭یاحنان یامنان٭ یہاں تک کہ جبرئیلؑ اس کی آواز سن لیں گے اور اس آواز پر تعجب کریں گے' کہیں گے العجب العجب' پھر صبر نہ کرسکیں گے اور عرش کے سامنے سربسجود ہوں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے جبرئیل اپنا سراٹھاؤ تو وہ اپنا سراٹھائیں گے' اللہ تعالیٰ ان سے کہے گا کہ تم نے کیا تعجب کی بات دیکھی حالانکہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہوگا جو کچھ انہوں نے دیکھا پس وہ کہیں گے اے میرے رب میں نے جہنم کے پیندے سے ایک آواز سنی کہ

کوئی پکارتا ہے اے حنان اے منان مجھ کو اس آواز پر تعجب ہوا۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے جبریل داروغہ جہنم کے پاس جاؤ اور اسے کہو کہ اس آدمی کو جہنم سے نکال لے جو حنان اور منان کی صدا بلند کر رہا ہے۔ لہٰذا حضرت جبرئیلؑ دوزخ کے دروازوں میں سے ایک دروازہ پر جائیں گے اور کھٹکھٹائیں گے داروغہ نکل کر ان کے پاس آئے گا اس سے جبرئیلؑ کہیں گے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے کہ اس بندہ کو جہنم سے نکال جو یا حنان یا منان پکار رہا ہے داروغہ دوزخ اندر جائے گا اور اس کی تلاش کرے گا مگر اس کو نہ پائے گا حالانکہ ماں اپنی اولاد کو اس قدر نہیں پہچانتی جس قدر داروغہ دوزخیوں کو پہچانتا ہے تو حیران ہو کر نکل آئے گا اور حضرت جبریلؑ سے کہے گا دوزخ نے اس وقت ایک ایسا سانس لیا ہے یعنی (بھڑکی ہے) کہ میں پتھر اور لوہے اور آدمی میں تمیز نہیں کر سکتا حضرت جبرئیلؑ واپس جائیں گے اور عرش کے سامنے سجدہ میں گر پڑیں گے پھر اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائے گا۔ اے جبریل اپنا سر اٹھاؤ کیوں کیا تم میرے بندہ کو نہیں لائے پس وہ کہیں گے اے میرے رب داروغہ جہنم نے کہا کہ دوزخ نے ایک ایسا سانس لیا ہے کہ میں پتھر کو لوہے سے اور لوہے کو آدمی سے تمیز نہیں کر سکتا۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ داروغہ دوزخ سے جا کر کہو کہ میرا بندہ ان ان گڑھوں میں ایسی ایسی پوشیدگیوں میں اور اس اس طرح کے کونوں میں ہے۔ حضرت جبریلؑ جا کر داروغہ کو اس کی خبر دیں گے' داروغہ اندر جائے گا اور اس کو پالے گا پڑا ہوا اوندھا اس کی پیشانی قدموں سے بندھی ہوئی اور اس کے ہاتھ اس کی گردن میں پڑے ہوئے سانپ بچھو اس پر لپٹے ہوئے ہوں گے پس داروغہ ایک ایسا جھٹکا دے گا کہ سانپ بچھو اس پر سے گر جائیں گے پھر دوسری بار جھٹکا دے گا کہ تمام ہتھکڑیاں' بیڑیاں اور طوق ٹوٹ کر گر پڑیں گے پھر اس کو آگ سے نکال کر چشمہ حیات میں اس کو ڈالے گا اور حضرت جبریلؑ کے سپرد کر دے گا۔ حضرت جبریلؑ اس کو پیشانی سے پکڑ کر کھینچتے ہوئے لے چلیں گے حضرت جبریلؑ اس کو لئے ہوئے فرشتوں کے جس مجمع سے گذریں گے وہ کہیں گے تف ہے اس بندہ پر پھر جبریلؑ عرش کے سامنے سربسجود ہوں گے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائے گا۔ اے جبریل اپنا سر اٹھاؤ اور اللہ تبارک وتعالیٰ کہے گا کہ اے

میرے بندے کیا میں نے تجھ کو اچھی شکل میں نہیں پیدا کیا۔ کیا میں نے تیری طرف رسول نہیں بھیجا کیا اس نے میری کتاب تجھ پر نہیں پڑھی۔ کیا تجھ کو اچھائی کا حکم نہیں دیا اور برائی سے نہیں روکا بندہ سب باتوں کا اقرار کرتا جائے گا پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ تو پھر تو نے ایسا ایسا کیوں کیا بندہ کہے گا اے میرے رب میں نے اپنی جان پر ظلم کیا کہ (جس کی پاداش میں) میں دوزخ میں پڑا رہا۔ اتنے اتنے سال پڑا رہا (مگر) میں نے تجھ سے اپنی امید نہیں توڑی کہ تجھ کو حنان اور منان کر کے پکارتا رہا۔ اور تو نے اپنے فضل سے مجھ کو نکال لیا۔ تو اب اپنی رحمت کے طفیل مجھ پر رحم فرما اس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا فرشتو گواہ رہو میں نے اس پر رحم کیا۔

ف: یہ حدیث مذہب معتزلہ کی کھلے الفاظ میں تردید کر رہی ہے اور ثابت کرتی ہے کہ جس طرح نبی ﷺ اور دیگر انبیاءؑ اولیاء شہدا علماء و اقربا کی سفارشات سے عاصی موحد کا دوزخ سے خروج ہوگا اسی طرح اس نے بھی کہ حقدار اپنے حق سے دستبردار ہو جائے۔ چنانچہ اس کلام سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے فرشتو گواہ رہو کہ میں نے اس پر رحم کیا اور کیوں نہ ہو اس کی رحمت سب کو شامل ہے خود فرماتا ہے۔ ﴿وسعت رحمتی کل شیء﴾ خواہ یوں کہیں کہ اس کی بخشش و کرم سے مجرم کی سزا کم ہو جائے گی یا یوں مانیں کہ سزا پوری ہونے پر اللہ تعالیٰ اپنے انصاف سے نکالے گا۔ بہر حال دوزخ سے نکالنا پایہ ثبوت کو پہنچا۔ اور معتزلہ کا مذہب رد ہوا کیونکہ ان کے نزدیک مرتکب گناہ کبیرہ تائب اور مرتکب گناہ صغیرہ ہر دو دوزخ میں جائیں گے ہی نہیں اور کفار اور مرتکب گناہ کبیرہ دوزخ میں جائیں گے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے' کہ وہاں سے نکلنے کی کوئی صورت نہیں ہوگی۔

کہتے ہیں کہ حسن بصریؒ کی مجلس میں ذکر ہوا کہ دوزخ سے سب سے آخر میں نکلنے والا شخص ہناد نامی ہوگا جب کہ وہ ایک ہزار سال کی سزا کاٹ چکے گا اور وہ یا حنان اور یا منان کی صدا بلند کرے گا۔ اس پر حسن بصری رو پڑے اور فرمایا کاش میں ہناد ہوتا۔ لوگوں نے تعجب کیا کہ کیا تمنا ہے اور کس قسم کی آرزو تو آپ نے فرمایا افسوس کیا اس کے لئے وہ دن نہیں ہوگا کہ وہ دوزخ سے نکلے گا اور اس میں ہمیشہ نہیں رہے گا۔ غزالی کی منہاج العابدین میں بھی اسی طرح مذکور ہے۔ یہ اس شخص کا بیان تھا جو دوزخ سے سب سے آخر میں نکلے گا۔ سیوطی کی الکنز المدفون میں

ذکر ہے کہ دوزخ میں سب سے پہلے قدم رکھنے والی وہ عورت ہوگی جو یحییٰؑ کی قاتل ہوگی جس کا نام زبیہ یا ازمیل تھا یہ ان سے پہلے ستر انبیاء کو قتل کر چکی تھی۔ توریت میں اس کا نام مقتلۃ الانبیاء" ہے یہ دوزخ میں ایک اونچے مقام پر کھڑی چیختی ہوگی۔ کہ اس کی چیخ کی آواز دوزخ کے اس کنارہ والے سنتے ہوں گے۔﴿اعاذ نا الله منها ومن كل كرب عظيم﴾۔

ابو حنيفة عن محمد بن منصور بن ابی سليمان البلخی ومحمدبن عيسى ويزيد الطوسى عن القاسم بن امية الحذاء العدوی عن نوح بن قيس عن يزيد الرقاشی عن انس بن مالک قال قلنا يا رسول الله لمن تشفع يوم القيمة قال لاهل الكبائر واهل العظائم واهل الدمآء.

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ قیامت کے دن آپ کن لوگوں کی شفاعت فرمائیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اہل کبائر کی' اہل عظائم کی اور جنہوں نے ناحق خون کیا۔

ف: اہل کبائر سے ظاہر ہے کہ وہ لوگ مراد ہیں جو گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوئے۔ان کی شفاعت ہوگی خواہ دوزخ میں جانے سے پہلے یا کچھ سزا بھگتنے کے بعد۔ لفظ عظائم چونکہ ایک عمومی اور اجمالی معنیٰ رکھتا ہے اس لئے اس کے معنی میں چند احتمالات ہیں۔ یا تو یہ کبائر ہی کی تفسیر ہے کوئی مزید یا مختلف معنی نہیں رکھتا۔ یا کبائر سے مراد حقوق اللہ ہوں اور عظائم سے مراد حقوق العباد۔ یا یہ تخصیص بعد التعمیم کی صورت ہو کہ کبائر سے عام گناہ کبیرہ مراد ہوں اور عظائم سے مقصود وہ کبیرہ گناہ ہوں جو اپنے اندر بہت ہی زیادہ بے حیائی رکھتے ہیں مثلاً ترک نماز' زنا کاری' لواطت وغیرہ یا یہ تعمیم بعد التخصیص کی شکل ہو کہ کبائر سے مراد گناہ کبیرہ ہوں۔ اور عظائم سے مراد ہر گناہ خواہ وہ صغیرہ ہو خواہ کبیرہ کیونکہ صغیرہ بھی اللہ کے مقدس بندوں کے نزدیک بڑے ہی ہوتے ہیں جو اللہ کے حکم سے ذرہ برابر انحراف کو اپنے لئے قیامت سمجھتے ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وهو عند الله عظيم﴾۔

یہ حدیث بھی اس امر کو روز روشن کی طرح واضح کرتی ہے کہ مرتکب گناہ کبیرہ مؤمن ہے اور مستحق شفاعت' کیونکہ کافر کی شفاعت نہ قرآن کریم سے ثابت ہے نہ حدیث پاک سے قرآن مجید کی یہ آیت ﴿ فما تنفعهم شفاعة الشافعين﴾ بہ بانگ دہل کہہ رہی ہے کہ کافروں کے لئے شفاعت کا دروازہ قطعی بند ہے اور احادیث میں یہ اور دوسری حدیث یا وہ احادیث مشہورہ جو

قریب قریب متواتر کے ہیں اس پر دال ہیں۔مثلاً یہ حدیث کہ ﴿ شفاعتی لا ھل الکبائر من امتی ﴾ اس کی روایت احمد ابوداؤد۔ترمذی۔ابن حبان اور حاکم نے اپنی مستدرک میں ۔ترمذی۔ابن ماجہ ابن حبان اور حاکم نے حضرت جابرؓ سے اور طبرانی نے حضرت ابن عباسؓ سے اور خطیب نے ابن عمرؓ سے غرض یہ حدیث بھی خوارج' معتزلہ اور مرجیہ کے مذہب پر ایک کاری ضرب ہے اور ان کو سراسر لغو باطل اور بے اصل ثابت کرتی ہے۔

حماد عن ابی حنیفة عن اسمعیل بن ابی خالد وبیان بن بشر عن قیس بن ابی حازم قال سمعت جریربن عبد الله یقول قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم انکم سترون ربکم کما ترون هذا القمر لیلة البدر لا تضامون فی رؤیته فانظروا ان لاتغلبوا فی صلوة قبل طلوع الشمس وقبل غروبها.قال حماد یعنی الغدوة والعشی.

قیس بن ابی حازم کہتے ہیں کہ میں نے جریر بن عبداللہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عنقریب تم اپنے رب کو اس طرح دیکھو گے جس طرح تم اس چاند کو چودھویں رات میں دیکھتے ہو' تم کو اس کے دیکھنے میں (بھیڑ یا اژدحام کے باعث) ایذاء نہیں دی جائے گی' پس دھیان رکھو کہ (شیطان کے اثر سے) کہیں طلوع آفتاب سے پہلے والی نماز (نماز فجر) اور غروب آفتاب سے قبل والی نمازوں (نماز ظہر وعصر) کی ادائیگی سے مجبور نہ ہو جاؤ (کہ ادا نہ کر سکو) حماد نے ہر دو اوقات کی نمازوں کی تفسیر نماز فجر و نماز ظہر وعصر سے کی ہے۔

ف: یہ حدیث دو اہم امور دینی پر روشنی ڈالتی ہے ایک مسئلہ رویت باری تعالیٰ کہ مؤمنین قیامت میں اپنی ان مادی آنکھوں سے خدا تعالیٰ کا دیدار کریں گے' قرآن مجید۔حدیث پاک اور اجماع صحابہؓ وتابعینؒ وسلف صالحین سے اس کا ثبوت موجود ہے۔اس لئے اہل سنت جماعت کا یہی مذہب ہے کہ رویت باری تعالیٰ حق ہے اور قطعی الثبوت' قرآن میں یوں ارشاد ہے ﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰی رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴾ کہ آج کے دن (بروز قیامت) کچھ چہرے تروتازہ ہونگے اپنے رب کی طرف دیکھتے ہوں گے۔یہاں رویت کے حقیقی معنی مراد کیوں نہ لیں جب کہ احادیث مشہورہ جو تقریباً متواتر الثبوت ہیں اس کی تائید میں موجود ہیں۔احادیث میں حدیث

ذیل بھی ہے اور حضرت جریرؓ ہی سے صحاح ستہ اور مسند احمد میں اس معنی کی روایت مذکور ہے کہ عنقریب تم اپنے رب کو دیکھو گے جس طرح تم اس چاند کو دیکھتے ہو نہیں شک کرو گے اس کے دیکھنے میں پس اگر طاقت رکھو تو ایسا نہ ہو کہ طلوع آفتاب سے پہلے والی نماز اور غروب آفتاب سے قبل والی نماز کی ادائیگی سے تم مجبور ہو جاؤ اور ادا نہ کر سکو) مزید براں اجماع امت بھی اس روایت کو حق ثابت کرتا ہے۔ لہٰذا ان حالات کے ماتحت کسی عقلمند کو رویت سے انکار کرنے یا اس میں تاویل کرنے کی کیسے گنجائش رہتی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ جنت میں عورتوں کو رویت نہیں ہوگی کیونکہ فرمان خداوندی ﴿حُوْرٌ مَّقْصُوْرَاتٌ فِي الْخِيَامِ﴾ کہ حوریں ہیں خیموں میں بٹھائی ہوئی کے پیش نظر عورتیں پردہ میں ہوں گی۔ یہ بھی سراسر غلط خیالی ہے کیونکہ جنت کے خیمے حجاب کے سبب نہیں بنیں گے۔ پھر عورتیں مردوں کی ہم جنس ہیں اور شریک حال کہ فرمایا ﴿اِنَّمَا النِّسَاءُ شَقَائِقُ الرِّجَال﴾ ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت عائشہؓ سے اس کی روایت کی ہے اور بزاز نے حضرت انسؓ سے مرفوع روایت کی ہے اس کے علاوہ یہ کس طرح ممکن ہے جب کہ عورتوں میں حضرت فاطمہ زہراؓ حضرت خدیجہ کبریٰؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ جیسی مقدس ہستیاں بھی ہیں اور یہ عورت ہونے کے سبب اس رویت کی نعمت عظمیٰ سے نعوذ باللہ محروم ہوں اور وہ مرد جو انکے خاک پا نہ بن سکیں وہ اس نعمت سے لطف اندوز ہوں اور بہرہ ور یہ بات مومن کی عقل میں کس طرح سما سکتی ہے پھر قرآن کی آیت اور روایات کے الفاظ عام ہیں یعنی کہ سب مومن جنت میں خدا تعالیٰ کو دیکھیں گے ان میں مردوں کی تخصیص کہاں تو کیا ضرورت پیش آئی کہ الفاظ کے عموم سے نظر بند کر کے تخصیص کا قول اختیار کریں۔

بعض کہتے ہیں کہ رویت فرشتوں اور جنوں کو نہیں ہوگی۔ اس خیال کی صحت کی بھی کوئی وجہ معقول نہیں ہے۔

فلاسفہ' خوارہ معتزلہ اور بعض مرجیہ رویت میں سخت اختلاف کرتے ہیں یہ عقلی پیچیدگیوں اور اصولی بندشوں میں الجھ کر رہ جاتے ہیں کہتے ہیں کہ رویت کے لئے مکان' جہت' مقابلہ' لون وغیرہ درکار ہیں جو صفات اجسام ہیں اور جن سے ذات باری منزہ و بری ہے پھر رویت کس طرح ممکن ہو سکتی ہے عقلی گھوڑے دوڑانے والے دین کے سیدھے ہموار راستہ میں ٹھوکریں کھاتے ہیں اور عقل کے پرپیچ اور پرخم راستہ میں یہ خوش رہتے ہیں یہ اتنا نہیں سمجھتے کہ یہ سب شروط

عادۃ رویت کے لئے ضروری نہیں یہ شروط عقلیہ نہیں کہ بغیر ان کے روایت ممکن نہ ہو کیا خدا تعالیٰ نعوذ باللہ اس سے عاجز ہے کہ ان مادی آنکھوں کو مجرد کی رویت کی طاقت دے جس طرح اس نے عقل میں یہ قابلیت پیدا کی کہ وہ مجرد کا ادراک کر سکے وہ آنکھوں کو بھی یہ اہلیت دے سکتا ہے کہ وہ مجرد کو دیکھ سکیں۔

دوسرا امر جس سے یہ حدیث بحث کرتی ہے وہ فلسفہ نماز ہے نماز کی تمامتر خوبی اس میں مضمر ہے کہ نماز گویا خشوع وخضوع کا ایک مرقع ہو اور دربار الٰہی میں حضوری کی ایک تصویر۔ نماز دراصل یہ ہے کہ چہرہ کا رخ اگر قبلہ کی طرف ہو تو دل کا رخ ذات خداوندی کی طرف ہو۔ چہرہ کی آنکھیں سجدہ گاہ پر جمی ہوئی ہوں تو دل کی آنکھیں ذات باری پر۔ بلکہ بمطابق فرمان نبی ﴿کانک تراہ﴾ یہ پختہ تصور ہو کہ چہرہ کی آنکھیں ذات باری پر قائم ہیں اور مشاہدہ قلبی کے ساتھ ساتھ مشاہدہ عینی بھی ہے جس طرح کسی محبوب کے دیدار سے آنکھوں کو ٹھنڈک اور دل کو مسرت نصیب ہوتی ہے۔ اسی طرح نماز میں یہ کیفت پیدا ہونے لگے چنانچہ خود اپنی نماز کی ترجمانی فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ﴿ فرۃ عینی فی الصلوۃ ﴾ کہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ زبان ہمکلامی کا مزہ لوٹے' آنکھیں دیدار کا لطف اور دل تصور یار کا۔ یہ ہی درحقیقت وہ نماز ہے جس کو معراج المومنین سے تعبیر فرمایا کہ یہ بیک وقت ملاقات کے سارے پہلوؤں پر مشتمل ہے۔ لہٰذا اسی حقیقت کے پیش نظر حضور اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ رویت حقیقی گو آخرت میں ہوگی مگر اس کی اہلیت یہیں دنیا سے اپنے اندر پیدا کرو کہ نمازوں کی سخت پابندی کرو۔ پھر نمازوں میں بھی صرف تین نمازوں کو تاکید سے مخصوص فرمایا۔ کیونکہ یہ ہر سہ نمازیں نمازی پر اکثر شاق ہوتی ہیں اور بھاری صبح کی نماز میں میٹھی میٹھی نیند سے ہے کہ ایسے وقت صرف دیدار الٰہی کا سچا عاشق اور متوالا ہی بستر راحت کو چھوڑ کر نماز کی طرف رخ کرتا ہے اور نیند کے مزہ کو نماز کے مزہ پر قربان کرتا ہے اسی طرح ظہر کی نماز میں صبح سے دوپہر تک کے کام کاج کی تکان ودرماندگی سے انسان دوچار ہوتا ہے اور دل مشورہ دیتا ہے کہ تھوڑی دیر آرام کیجئے اتنے میں وقت ختم ہو لیتا ہے۔ اس سے بھی اہم سوال عصر کی نماز کا ہے کہ دن بھر کے سودا سلف کا یہ خاص وقت ہے۔ تمام کام سمٹ کر اس وقت جمع ہوتے ہیں۔ بازاروں میں چہل پہل رونق بڑھتی ہے سب لوگ بازار ہاٹ میں دکھائی دینے لگتے ہیں ادھر مسجدوں میں نمازیوں کی تعداد گھٹتی ہے۔ اور مسجد کی

رونق کم ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اوقات پنجگانہ میں مسجدوں میں عصر کے وقت نمازی کم دکھائی دیتے ہیں مگر جو اس کے دیدار کا حقیقی دلدادہ ہوتا ہے وہ ان نمازوں میں بھی تمام دنیوی رکاوٹوں اور طبعی بندشوں کو توڑ کر نماز کی طرف رخ کرتا ہے اور اللہ کا دیدار حاصل کر کے دل کو شاد کرتا ہے چنانچہ نبی ﷺ نے ان نمازوں کی اسی اہمیت کو مدنظر رکھ کر ان پر پابندی کرنے کی خاص تاکید فرمائی کہ جو ان کا پابند ہو جائے گا وہ دوسری نمازوں کا بدرجہ اولی پابند ہوگا۔

كتاب العلم

(۱۲) باب فرضية طلب العلم

ابو حنيفة عن حماد عن ابی وائل عن عبد الله قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم طلب العلم فريضة على كل مسلم .

کتاب العلم

باب طلب علم کی فرضیت

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ علم کا سیکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

ف: علم مختلف شعبہ جات میں بٹا ہوا ہے اور ہر شعبہ کی فرضیت وعدم فرضیت باختلاف حالات ہر شخص کی طرف عائد ہوتی ہے مثلاً علم ایمان یا ارکان اسلام اوران کے فرائض ہر مکلف عاقل بالغ مرد وعورت آزاد وغلام پر فرض عین ہے ان کو کسی حال میں اس کی فرضیت سے سبکدوشی نہیں مل سکتی۔ علم معاملات کا حصول اسی وقت ہر شخص پر فرض ہوتا ہے جب وہ ان خاص خاص معاملات سے دوچار ہو۔ مثلاً اگر وہ بیع کے معاملات سے وابستگی رکھتا ہے تو اس کے ضروری مسائل سیکھنے اس کے لئے ضروری ہیں۔ اگر پیشہ وحرفت سے اس کو تعلق ہے تو ان کے زیادہ تر پیش آنے والی جزئیات کو جاننا اس کے لئے لابدی ہے۔ اگر ملازمت سے اس کو سروکار ہے۔ تو اس کے متعلق مسائل حاصل کرنا اس کے لئے ناگزیر ہے وعلی ہذا القیاس اب رہا پورے علم فقہ کا سیکھنا جس کی ضرورت عام طور پر شہروں اور آبادیوں میں پیش آتی ہے تو یہ ہر شخص پر فرض عین نہیں۔ بلکہ فرض کفایہ ہے یعنی یہ کہ اگر پوری آبادی میں سے دوچار شخص بھی سیکھ لیں تو سب سے فرض ادا ہو جاتا ہے اگر کوئی بھی علم حاصل نہیں کرتا تو سب پر فرض کا بوجھ رہے گا۔ اور سب جوابدہ ہوں گے

۔اس کی مثال ایسی ہے کہ مثلاً قرآن مجید اس قدر حفظ کرنا جس سے نماز درست اور صحیح ہو سکے، ہر بالغ عاقل شخص پر فرض عین ہے مگر پورے قرآن کو یاد کرنا فرض کفایہ ہے۔

یہ حدیث مختلف طرق سے مروی ہے ابن عدی نے اپنی کامل میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت انسؓ سے اس کی روایت کی ہے خطیب نے اپنی تاریخ میں حضرت مرتضیٰ اور حسین بن علی سے، طبرانی نے اوسط میں ابن عباسؓ ابن مسعود اور ابی سعید سے اور صغیر میں حسین بن علی سے اور فوائد میں ابن عمر سے اس کی روایت آئی ہے۔ابن ماجہ نے بھی حضرت انسؓ سے اس کی روایت کچھ زیادتی کے ساتھ کی ہے تو گویا یہ حدیث سات صحابہؓ سے بطرق مختلفہ مروی ہے جس کی وجہ سے یہ حسن کے درجہ کو پہونچ جاتی ہے۔اس لئے ملا علی قاری نے کہا ہے کہ چونکہ یہ حدیث طرق مختلفہ متعددہ سے منقول ہے اس کو کم از کم حسن ماننا لازمی ہے۔لہٰذا اس کو ضعیف کہنا کوئی معنی نہیں رکھتا جس طرح نوویؒ نے بیہقیؒ کی متابعت میں کہہ دیا ہے۔عراقیؒ نے کہا ہے کہ بعض علماء نے اس کے بعض طرق کو صحیح بھی بتایا ہے مزی نے بتایا ہے کہ یہ حدیث اتنے طرق سے مروی ہے جو اس کو درجہ حسن تک پہنچاتے ہیں۔

ابو حنیفة عن ناصح عن یحی عن ابی سلمة عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم طلب العلم فریضة علی کل مسلم۔

حضرت ابی ہریرۃؓ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے علم کا سیکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

ف: یہ حدیث الفاظ و معنی میں پچھلی حدیث کی تکرار ہے فضیلت علم میں بہت سی حدیثیں مروی ہیں مثلاً دیلمیؒ نے اپنی مسند میں حضرت ابن عباسؓ سے مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ علم کا طلب کرنا اللہ کے نزدیک نماز، روزہ، حج و جہاد فی سبیل اللہ سے زیادہ رفضیلت رکھتا ہے اسی طرح یہ حدیث کہ ایک ساعت کا علم سیکھنا پوری رات کی بیداری سے بہتر ہے اور ایک دن علم کا طلب کرنا تین ماہ کے روزں سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے ابن عدی بیہقی اور ابن عبدالبر نے انسؓ سے مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ علم کو طلب کرو اگر چہ وہ چین میں حاصل ہو سکے۔

باب فضیلة التفقه

قال ابو حنیفة ولدت سنة ثمانین وحججت مع ابی سنة ست وتسعین

وانا ابن ست عشرة سنة فلما دخلت المسجدالحرام ورأيت حلقة عظيمة فقلت لابی حلقة من هذه فقال حلقة عبد الله بن الحارث بن جزء الزبيدی صاحب النبی صلی الله عليه وسلم فتقدمت فسمعته يقول سمعت رسول الله صلی الله عليه وسلم يقول من تفقه فی دين الله كفاه الله تعالی مهمه ورزقه من حيث لايحتسب.

تحصیل فقہ کی فضیلت

ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ میں ۸۰ھ میں پیدا ہوا اور اپنے والد کے ہمراہ ۹۶ھ میں میں نے حج ادا کیا۔ اس وقت میری عمر سولہ سال کی تھی۔ جب میں مسجد حرام میں گیا تو بہت سے لوگوں کو حلقہ بنائے بیٹھے دیکھا۔ میں نے اپنے والد سے پوچھا۔ یہ حلقہ کن بزرگ کی خاطر ہے انہوں نے فرمایا یہ حلقہ نبی ﷺ کے صحابی عبداللہ بن حارث بن جزء الزبیدی کا ہے پس میں آگے بڑھا اور ان کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص نے اللہ کے دین کا گہرا علم حاصل کیا۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے مقاصد دینی و دنیوی کا ذمہ دار ہوگیا۔ اور اس کو ایسے راستہ سے رزق پہنچائے گا جہاں سے اس کو گمان نہ ہوگا۔

ف: عبداللہ بن حارث کی وفات میں بعض نے اختلاف کیا ہے کہ ان کی وفات پچاسی سے اٹھاسی تک کے درمیان میں کسی سال ہوئی تو گویا امام صاحب کی عمر ان کی وفات کے وقت پانچ سے آٹھ سال کے درمیان ہوئی اور ان کا حج ان کے والد کے ہمراہ ۹۶ھ میں ہوا تو یوں امام صاحب کی ملاقات حضرت عبداللہ سے ثابت نہیں ہوتی مگر برہان الاسلام حسین بن علی بن حسین غزنوی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن حارث کی وفات ۹۹ھ میں ہوئی۔ لہٰذا اس حقیقت کے پیش نظر ملاقات قرین قیاس ہے۔ اور روایت بالکل ممکن۔

فرمان نبوی ﴿**كفاه الله تعالی مهمه**﴾ سے دنیا و آخرت ہر دو جہان کی ذمہ داری مراد ہے جس طرح دوسری حدیث میں وارد ہے کہ فرمایا جس نے اپنے سارے غموں کو سمیٹ کر ایک غم بنایا اور وہ غم آخرت ہے یہ تو اللہ تعالیٰ اس کے ہر دو جہان کے غموں اور فکروں کا ذمہ دار اور کفیل ہوگیا۔ اور ﴿رِزْقَهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾ سے اشارہ اس فرمان خداوندی کی طرف

ہے ﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ﴾ خطیب نے اپنی تاریخ میں زیاد بن حارث ابدانی سے مرفوع روایت کی ہے ﴿مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ تكفلَ اللّٰهُ لِرِزْقِهٖ﴾ کہ جس نے علم سیکھا اللہ اس کے رزق کا کفیل ہو گیا۔

ابو حنيفة عن اسمعيل عن ابى صالح عن ام هانىء قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يا عائشة ليكن شعارك العلم والقران.

ام ہانیؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے (عائشہ کو خطاب فرما کر) اے عائشہؓ چاہیے کہ تیرا شعار علم اور قرآن ہو۔

ف: یہ حدیث گو مختصر ہے مگر جامع الفاظ میں علم وقرآن کی اہمیت وفضیلت کو ظاہر کرتی ہے اور پوری تفصیل اپنے اندر لئے ہوئے ہے یعنی علم وقرآن سے تم کو اس قدر وابستگی اور دلبستگی ہو، اس میں تم کو اتنا انہاک اور مشغولیت ہو تم اس کے رنگ میں اس طرح رنگ جاؤ اور اس کے لباس میں ایسے ملبوس ہو جاؤ کہ وہ تمہارا شعار بن جائے اور تمہارا طرۂ امتیاز۔

(۱۴) باب فضيلة اهل الذكر

ابو حنيفة عن على بن الاقمر عن النبى صلى الله عليه وسلم مر بقوم يذكرون الله تعالى فقال انتم من الذين امرت ان اصبر نفسى معهم وما جلس عدلكم من الناس فيذكرون الله الا حقتهم الملائكة باجنحتها وغشيتهم الرحمة وذكرهم الله فيمن عنده.

اہل ذکر کی فضیلت

علی بن اقمرؒ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ کا گذر ایک جماعت پر ہوا جو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول تھی (یعنی تلاوت قرآن۔ تسبیح وتحمید کا ورد جاری تھا) آپ نے فرمایا تم ان لوگوں میں سے ہو جن کے ساتھ رہنے کے لئے میں مامور ہوں۔ اور تم جیسے لوگ جب بھی ذکر اللہ کے لئے بیٹھتے ہیں تو فرشتے ان کو اپنے بازوؤں کے سایہ میں لے لیتے ہیں اور رحمت الٰہی ان کو اپنے دامن میں۔ اور اللہ ان کا تذکرہ ان (مقرب فرشتوں) میں کرتا ہے جو اس کے پاس حاضر ہیں۔

ف: اس حدیث کو ترمذی۔ ابن ماجہ نے ابی ہریرہ اور ابی سعید سے باضافہ ﴿وَنَزَلَتْ

عَلَيْهِمُ السَّكِيْنَةُ ﴾ روایت کیا ہے یعنی ان پر طمانینت وسکون کا پرتو ہوتا ہے اور دل میں جو خواہشات نفسانی کا ایک طوفان برپا ہوتا ہے وہ فرد ہوتا ہے اور ذات الٰہی سے وابستگی اور اسی سے دل بستگی والفت پیدا ہوتی ہے اسی طرف اشارہ باری ہے ﴿اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ﴾ کہ دلوں کو اطمینان ذکر اللہ سے نصیب ہوتا ہے یعنی اطمینان قلبی کا نسخہ ذکر الٰہی سے بہتر کوئی نہیں ۔ذکر ہی کی برکت سے انسان رحمت خداوندی کا فرودگاہ اور جائے نزول بنتا ہے۔ پھر فرمایا ﴿وذكر هم الله فيمن عنده ﴾ یہ تذکرہ مقرب فرشتوں کے سامنے محض فخر ومباحات کے طور پر ہوگا کہ بندوں کی خداشناسی اور خداترسی پر ان کے روبرو مسرت ظاہر کی جائے اور اس راز کا انکشاف کیا جائے جو ان کی خلقت میں ابتدائے آفرینش سے مضمر تھا اور کارفرما۔ اور جس سے غفلت برتتے ہوئے فرشتے تخلیق انسان پر بالفاظ ﴿اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا﴾ سے نکتہ چینی کی حد پر اتر آئے تھے کہ اے فرشتو یہ وہ ہی انسان تو ہیں جن میں تم کو فساد انگیزی اور خونریزی کے عیوب دکھائی دے رہے تھے آج یہ وہی ہیں کہ کس جذبہ وشوق سے ذکر الٰہی میں مشغول ہیں اور رحمت الٰہی ان پر ٹوٹی پڑتی ہے۔

ابو حنيفة عن حماد عن ابراهيم عن علقمةعن عبد الله ابن مسعودؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يجمع الله العلماء يوم القيمة فيقول انى لم اجعل حكمتى فى قلوبكم الاوانا اريد كم الخير اذ هبو الى الجنة فقد غفرت لكم على ما كان منكم.

حضرت عبداللہ مسعودؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ اللہ تعالیٰ بروز قیامت علماء کو ایک جگہ اکٹھا کرے گا اور ان سے خطاب فرمائے گا کہ میرا تمہارے دلوں میں حکمت (کتاب وسنت کا علم) رکھنا محض تمہارے ساتھ خیر وبھلائی کے ارادہ پر مبنی تھا' تو جاؤ جنت میں میں نے تمہارے گناہ بخش دیئے وہ جو کچھ بھی تھے۔

ف: اسی سلسلہ کی مرفوع حدیث ابوبکر بن ابی عاصم اور اصبہانی ابی موسیٰ سے روایت کرتے ہیں جسکا مضمون یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بروز قیامت بندوں کو اٹھائے گا۔ پھر ان میں سے عالموں کو چھانٹے گا اور ان کو خطاب فرمائے گا کہ اے عالموں کے گروہ میں نے کچھ جان کر تم کو علم دیا تھا۔ اور علم اس لئے نہیں دیا تھا کہ تم کو عذاب دوں پس جاؤ میں نے تم سب کو معاف کیا۔ اسی طرح طبرانی

ثقہ رجال سے اور ٹھیک سند سے ثعلبہ بن حکیم سے مرفوع حدیث لائے ہیں جس کا ماحصل یہ ہے کہ بروز قیامت جب اللہ تعالیٰ بندوں کے فیصلہ کے لئے کرسی عدالت پر رونق افروز ہوگا تو علماء سے فرمائے گا کہ میں نے تم کو علم وحکمت سے اس لئے نوازا تھا کہ تمہارے جو کچھ گناہ ہوں سب معاف کردوں اور میں اس کی کچھ پروانہیں کرتا۔

فرمان رسالت میں ﴿فی قلوبکم﴾ سے اس حقیقت کی طرف رہنمائی ہے کہ علم وہ معتبر ہے جو دل میں جاگزین ہوجائے کیونکہ تقویٰ اور خوف الٰہی کا سبب یہی بنتا ہے ابن ابی شیبہ اور حکیم نے حسن سے مرسل اور خطیب نے انہیں سے پھر جابرؓ سے مرفوع روایت کی ہے کہ علم دوانواع پر تقسیم ہے ایک وہ جو صرف زبان پر جاری ہو دل میں گھر نہ کرنے یہ اللہ کے لئے بندہ کے خلاف حجت بنتا ہے دوسرا علم وہ جو صرف دل میں جڑ پکڑے یہ علم نفع بخشتا ہے دیلمیؒ نے مسند الفردوس میں حضرت علیؓ سے روایت کی ہے کہ جو علم میں آگے بڑھے مگر دنیا میں زہد میں ترقی نہ دکھائے تو یہ اللہ کی ذات سے دور ہی ہوتا جائے گا۔

(۱۵) باب فی تغلیظ الکذب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمدا

ابو حنیفة عن القاسم عن ابیه عن جده قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم من کذب علی متعمدا او قال مالم اقل فلیتبوأ مقعده من النار.

باب. رسول اللہ ﷺ کی طرف قصداً جھوٹ بات کی نسبت کرنے پر سخت وعید

حضرت ابوبکرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے میری طرف قصداً جھوٹ بات کی نسبت کی یا کہی (میرے متعلق) وہ بات جو میں نے نہیں کہی تو اس کو اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنانا چاہیے۔

ف: یہ حدیث مشہور ہے بلکہ تواتر کی حد تک پہنچی ہے اور بعض اس کی کثرت طرق کو دیکھ کر اسکے متواتر ہونے کے قائل ہوگئے ہیں کیونکہ ساٹھ سے کچھ اوپر صحابہؓ سے یہ حدیث مروی ہے چنانچہ ارشاد والساری میں ہے ﴿ وھو حدیث فی غایة الصحة ونهایة القوة وقد اطلق القول بتواتره جماعة ﴾ کہ یہ حدیث صحت وقوت میں بلند درجہ پر فائز ہے اور ایک جماعت اس کے متواتر ہونے کی قائل ہے۔ اصحاب صحاح ستہ ' حاکم' طبرانی' دارقطنی خطیب اور دوسروں

نے متعدد روایات اور مختلف صحابہؓ سے جن میں عشرہ مبشرہ بھی ہیں اس حدیث کو انہی الفاظ سے روایت کیا ہے کسی میں ﴿ من کذب علی متعمد افلیتبو امقعدہ من النار ﴾ کے الفاظ ہیں اور کسی میں ﴿من قال مالم اقل﴾ کے۔

یہ حدیث ذیل کے سلسہ سند سے گو منقطع ہے کیونکہ محمد بن ابی بکر نے جو اپنے والد کی وفات کے وقت کمسن تھے۔ اپنے والد سے حدیث نہیں سنی۔ لیکن راوی جب ثقہ ہو تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک منقطع معتبر ہے اور قابل حجت ہے۔ دوسری مسانید کے نسخوں میں جو سلسلہ سند ہے وہ زیادہ قرین قیاس ہے اور اس کی رو سے انقطاع بھی نہیں رہتا۔ وہ یہ کہ امام صاحبؒ روایت کرتے ہیں قاسم بن عبدالرحمٰن سے اور وہ اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا عبداللہ بن مسعود سے ابوداؤد نے بھی اس کی تخریج اسی طریق سے کی ہے۔

نبی ﷺ پر جھوٹ باندھنے پر یہ شدید دھمکی اور سنگین تہدید اس خیال کے پیش نظر ہے کہ حدیث میں جھوٹ بات شامل کر دینا گویا بے شمار انسانوں کو گمراہی کے راستہ پر لگا دینے اور دینی شیرازہ کو منتشر کر دینے کے مترادف ہے جس کے گناہ اور پاداش کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ ایک طرف اگر ترویج حدیث واشاعت دین کا بے پناہ اجر وثواب رکھا ہے تو دوسری طرف دین میں غلط رسم یا غلط بات کو رواج دینا نہایت سنگین جرم قرار دیا ہے کیونکہ قرآن کے بعد حدیث ہی بنائے دین وشریعت ہے۔ حدیث میں جب غلط بیانی سے خلل پڑ جائے گا تو پورے دین کا شیرازہ بکھر جائے گا اور ہمیشہ کے لئے دین برباد ہو جائے گا۔ تاریخ اسلامی میں ایک تاریک دور ایسا آچکا ہے کہ حدیثیں بنانے والے اور گھڑنے والے پیدا ہو گئے تھے۔ ان کا کام ہی یہ تھا کہ حدیثیں گھڑیں اور یوں دین کی چلتی گاڑی میں روڑا اٹکائیں۔ گویا یہ دین کو پارہ پارہ کر دینا چاہتے تھے۔ مگر اللہ جزا دے ان ناقدین رواۃ اور ماہرین اسمائے رجال کو جنہوں نے ہر شخص کے حالات میں ایسی چھان بین کی کہ گویا بال کی کھال نکالی اور جھوٹے کو سچے سے اور کھوٹے کو کھرے سے پرکھ کر رکھ دیا۔ احادیث کے انواع مقرر کئے اور تمام احادیث کو انہیں انواع کے ماتحت پرکھ کر دیکھا اور ترتیب دیا تا کہ کسی کو غلط ملط کرنے کی گنجائش نہ رہے۔ اگر محدثینؒ یہ جان توڑ کوششیں اس سلسلہ میں عمل میں نہ لاتے تو سارا حدیث کا ذخیرہ نعوذ باللہ ایک بے ثبات تاریخی ذخیرہ ہو کر رہ جاتا اور نبی ﷺ کی سنت ہمیشہ کے لئے پردہ تاریکی میں چھپ جاتی۔

ابو حنیفة عن عطیة عن ابی سعید قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من کذب علی متحمد افلیتبوأمقعده من النار ورواه ابو حنیفة عن ابی روبة شداد بن عبد الرحمن عن ابی سعید.

حضرت ابوسعیدؓ نے کہا کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جس نے قصداً مجھ پر جھوٹ بات باندھی تو وہ دوزخ میں اپنا ٹھکانا ڈھونڈ لے۔ ابوحنیفہؒ نے ابی روبہ شداد بن عبدالرحمٰن سے بھی اس کی روایت کی ہے اور انہوں نے حضرت ابوسعید سے۔

ف: حدیث ﴿فلیتبوا﴾ صیغہ امر ہے جس کے معنی بظاہر صحیح نہیں بیٹھتے کیونکہ دوزخ میں اول تو کوئی کیوں اپنا ٹھکانہ ڈھونڈنے لگا جب کہ ہر شخص اس ہولناک مقام سے راہ گریز اختیار کرتا ہے یوں غفلت میں کوئی کچھ بھی کر گذرے مگر جب اس ہیبت ناک مقام کا خیال دل میں سماتا ہے تو لرزہ براندام ہوتا ہے اور اس سے خلاصی کا طلبگار بنتا ہے اس لئے اس میں اپنے لئے جگہ تلاش کرنا کجا۔ پھر یہ اس کے اختیار میں بھی نہیں سزا و جزاء اور اس کے درجات کا انتخاب خدا تعالیٰ کے قبضہ وقدرت میں ہے۔ انسان اس میں محض عاجز ہے اور بے بس۔ بدینوجہ بعض کہتے ہیں کہ امر بدعا کے معنی میں ہے یعنی ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ جو شخص میرے بارہ میں ایسی جرأت و جسارت سے کام لے کہ بقصد وارادہ میری ذات کی طرف جھوٹ بات کی نسبت کرے تو خدا کرے ایسے گستاخ کو دوزخ میں جگہ ملے اور جہنم ہی اس کا ٹھکانا بنے بعض کا خیال ہے کہ امر بمعنی خبر ہے یعنی خبر دی جارہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ میں ٹھکانا دے گا۔ اور اس کے رہنے کا وہی مقام ہوگا۔ چنانچہ دوسری روایت میں ﴿یلج النار﴾ ہے۔ یعنی وہ دوزخ میں داخل ہوگا۔ ایک اور روایت میں اس طرح ہے ﴿بنی له بیت فی النار﴾ کہ اس کے لئے دوزخ میں گھر بنایا جائے گا۔ لیکن اگر انسان اس کلام کی گہرائی تک پہنچے اور معنی کی لطافت اور خوبی کلام پر نظر ڈالے تو سمجھے گا کہ امر یہاں اپنے حقیقی معنی میں بولا گیا ہے نہ بدعا یا خبر کے معنی میں اور اس صورت میں مطلب و معنی کی خوبی دوبالا ہو جاتی ہے۔ حقیقت میں یہاں نبی ﷺ پر جھوٹ بات جوڑنے پر سخت دھمکی وتہدید مقصود ہے اور اسی وجہ سے اس کو ڈانٹتے ہوئے اور اس پر طنز کرتے ہوئے فرمایا جارہا ہے کہ یہ سنگین جرم بھول کر کرنے کا نہیں تھا۔ مگر جب اس گستاخ نے اس کو بھول کر نہیں بلکہ جان کر کیا تو اب اس کو اس کی سزائے دوزخ میں بھی اپنے قصد وارادہ کو کام میں لانا چاہئے اور وہاں کی کوئی جگہ جو

اس کو پسند آئے چھانٹ لینی چاہئے بجائے اس کے کہ کوئی اور اس کے لئے وہاں جگہ مقرر کرے یہ حقیقت جب سامنے آئی تو ذرا سوچئے کہ اگر یوں سیدھے سادے الفاظ میں کہہ دیا جاتا کہ ایسے گنہگار کا مقام سزا دوزخ ہے تو بات مستقبل میں آنے والے ایک واقعہ کو ظاہر کرتی معنی و مطلب میں یہ لطافت پیدا نہیں کرتی، نہ مجرم کو اتنا خفیف اور شرمندہ کرتی۔

حماد عن ابی حنیفة عن عطیة العوفی عن ابی سعید الخدری قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من کذب علی متعمدا فلیتبوا مقعده من النار قال عطیة واشهد انی لم اکذب علی ابی سعید وان ابا سعید لم یکذب علی رسول الله صلی الله علیه وسلم.

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جس نے مجھ پر جھوٹ بولا وہ دوزخ میں اپنا ٹھکانا بنالے عطیہ نے کہا میں گواہی دیتا ہوں (قسم کھاتا ہوں) کہ میں نے ابوسعید پر جھوٹ نہیں بولا اور نہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ پر۔

ف: یہ سلسلہ وعید کی وہ بنیادی حدیث ہے جس کے پیش نظر بعض کبار صحابہؓ اور بعض ائمہ عظام نے حدیث کی روایت سے حتی الوسع کنارہ کشی کی اور آں حضرت ﷺ کی بات کو نقل کرتے ہوئے لرزے، کانپے اور خوفزدہ ہوئے یہاں تک کہ تقلیل حدیث یعنی حدیث کم بیان کرنا ان کی سوانح کا ایک ناقابل تردید واقعہ بن گیا اور ان کے مناقب کا طرہ امتیاز ہوا۔ یہ بزرگ حالات سے مجبور ہو کر جب آں حضرت ﷺ سے کوئی بات نقل کرتے خوف الٰہی کا ایک مجسمہ بن جاتے صرف اس لئے کہ کہیں اس وعید کے مصداق نہ بن جائیں۔ اور زبان آخر ہے تو گوشت پوست کی۔ غلط بیانی کر کے جادہ صداقت سے نہ ہٹ جائے اور آنحضرت ﷺ کی ذات کی طرف اس بات کی نسبت کر بیٹھے جو آپ ﷺ نے نہیں فرمائی۔ چنانچہ نقل ہے کہ عبداللہ بن زبیرؓ روایت کم کرتے اور اسی حدیث کو پیش نظر رکھتے۔ بعض طرق روایت میں یوں آیا ہے کہ آپ سے عرض کیا گیا کہ حضرت ہم آپ کو حدیث بیان کرتے ہوئے کم کیوں پاتے ہیں جبکہ فلاں فلاں اور ابن مسعودؓ نے حدیث بیان کی۔ یعنی آپ کو شرف صحبت میں امتیاز ہے پھر آخر اس احتیاط کا کیا منشاء ہے سائل سے فرمایا اے صاحبزادے جب سے میں اسلام لایا میں حضور ﷺ سے جدا نہ ہوا لیکن میں نے آنحضرت کو یہ کہتے ہوئے سنا ﴿ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ

النَّارِ ﴾ (ان کی روایت میں متعمدا کا لفظ نہیں) لہٰذا اس حدیث کی وعید خدا ترسوں کی قوت گویائی کو سلب کر لیتی تھی اور اشاعت دین کے بڑھتے ہوئے جوش کو ایک دم سرد کر دیتی تھی لیکن اس حقیقت نے کبھی ان کی شخصیت کو نہیں گھٹایا۔ کبھی ان کی ذات کو عیب دار نہیں کیا۔ اور نہ کبھی خدا کی پناہ ان کی علمیت پر بٹہ لگایا پھر اسی بلند طبقہ میں حضرت ابو بکرؓ صدیق کی مقدس ذات پر نظر ڈالیئے اور ان کے حالات سامنے لایئے کہ ان سے کس قدر احادیث مروی ہیں اور دیگر صحابہؓ سے کس قدر' کیا اس کی یہ ترجمانی کی جاتی ہے کہ ان کو سماع حدیث نہ تھا۔ یا ان کو شرف صحبت کم نصیب تھا۔ العیاذ باللہ بلکہ یہ اس کی نشانی تھی کہ ان بزرگوں پر خشیۃ اللہ کا غلبہ تھا۔ یہ روایت سے پہلے اجر کی امید نہیں رکھتے بلکہ عذاب کے نقشہ کو سامنے لانے اور احتیاط کی طرف رخ کرتے' حالات ناگزیر ہوتے تو لب کشائی کرتے ورنہ مہر سکوت زبان پر لگائے رکھتے نہیں تو ان کی بے پناہ علمیت پر کس بے سمجھ کو شک ہوسکتا ہے۔ اب رہا ان صحابہؓ کرام کا معاملہ جن سے احادیث بکثرت نقل ہیں مثلاً ابو ہریرہؓ یا عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ وغیرہ تو ''ہر گلے رازرنگ و بوئے دیگر است'' ان بزرگوں پر کوئی اور رعب چھایا ہوا تھا کیونکہ ان کے سامنے وہ احادیث تھیں جن میں علم چھپانے پر سخت تہدید آئی ہے کہ قیامت میں ایسے شخص پر آگ کی لگام لگائی جائے گی۔ جو دنیا میں اپنا علم دین لوگوں سے چھپاتا تھا۔ اور بتانے میں بخیلی کرتا تھا یہ بھی از سرتا پا خوف الٰہی میں ڈوبے ہوئے تھے مگر انداز میں فرق ہے اور ذرا سے نظریہ کا اختلاف۔ کوئی خدائے قہار کے کسی تیور سے لرزتا اور کانپتا تھا اور کوئی کسی سے ائمہ عظام میں نبی ﷺ سے قریب ترین امام اعظمؒ ہیں بعض ناسمجھ اپنی ناواقفیت یا کوتاہ علمی کی وجہ سے کہہ بیٹھتے ہیں کہ امام صاحبؒ سے احادیث کا کم مروی ہونا (خدا کی پناہ) ان کی کوتاہی علم یا کمتری معلومات کی نشانی ہے کیا عجب ہے بلکہ قرین قیاس ہے اور موافق عقل کہ آپ اس وعید کی حدیث کے پیش نظر زیادتی روایت سے پرہیز فرماتے ہوں کیونکہ آپ صحابہؓ کو بہت نزدیک سے دیکھ رہے تھے اور ان کے حالات جو آپؒ پر روشن تھے وہ بعد کے آنے والے پر نہیں۔ آپ حدیث کی روایت سے حتی الوسع اجتناب کرتے اور صحابہؓ کے زیادہ تر عمل کو پیش نظر رکھتے اور اسی کو معیار مذہب ٹھہراتے' ورنہ آپؒ کے تبحر علمی پر کس کو شک ہوسکتا ہے۔ جب کہ آپ کی پیدائش کوفہ میں ہوئی ہو جو صحابہؓ کا مرکز تھا۔ اور ۸۰ھ میں آپ کا تولد ہوا ہو کہ اس وقت بعض صحابہؓ بقید حیات تھے اور بعض سے آپ کو تلمذ کا فخر بھی حاصل ہے اور جبکہ امام محمد جیسے جلیل القدر

امام آپ سے نسبت تلمذ رکھتے ہوں اوران سے حضرت امام شافعیؒ ۔اور قاضی ابو یوسفؒ کو ان سے نسبت شاگردی نصیب ہوااوران سے حضرت امام احمد حنبلؒ کو غرض جو بزرگ مذاہب ثلاثہ کا سرچشمہ ٹھہریں کیاان میں بھی کسی ایسے شخص کو جوان ہرسہ ائمہ کے مذاہب میں سے کسی مذہب سے رشتہ رکھتا ہے حق حاصل ہے کہ وہ امام اعظمؒ میں کوئی سقم علمی یا عیب ذاتی نکالے اگر وہ ایسا کرتا ہے تو گویا وہ اپنے پاؤں پر آپ کلہاڑی مارتا ہے اور اپنے گھر کی دیوار خود اپنے ہاتھ سے ڈھاتا ہے اگر کوئی تقلیل حدیث کی کسوٹی لے کر سب کے محاسن ومعائب جانچنے لگے اور اس سے علم کا اندازہ لگائے تو نہ صرف امام اعظمؒ اس کی جانچ میں پورے اتریں گے بلکہ خدا کی پناہ صحابہ کبار بھی حضرت امام مالک کا بھی یہ ہی حال ہے کہ ان کی مرویہ احادیث امام احمدؒ کے مرویات سے بہت ہی کم ہیں ۔اور کتب ستہ سے تو کوئی نسبت نہیں تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ حضرت امام موصوف کا پایہ علمی ان کے پچھلوں سے کچھ کم تھا۔ بلکہ امام اعظم کی شان میں بعض نے زبان کو یہاں تک آزادی دی دی ہے کہ کہتے ہیں کہ وہ صرف سترہ حدیثیں جانتے تھے ۔کیا خوب اگر وہ صرف سترہ حدیثیں جانتے تھے تو استاد کا علم تو بہرحال شاگرد سے زائد ہوتا ہی ہے ۔ان کے شاگردوں اور شاگردوں کے شاگردوں نے کس طرح ہزاروں حدیثیں لکھ ڈالیں ۔﴿نعوذ بالله من ذلک﴾ ایک مکتب کا بچہ بھی تو اس لغویت پر مذاق اڑائے پھر رب العزت کے کے نزدیک اس بہتان عظیم کی جو کچھ سزا ہوگی اس سے وہ خوب واقف ہے۔

ابو حنفية عن سعيد عن ابراهيم عن انس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من كذب على متعمدا فليتبوأ مقعده من النار.

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جس نے جان بوجھ کر میری طرف جھوٹ بات کی نسبت کی وہ دوزخ میں اپنا ٹھکانا تلاش کرلے۔

ف: بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ تہدیدی حکم ہر جھوٹ کو شامل ہے خواہ وہ دینی معاملات میں ہو یا دنیوی میں ۔بعض اس کو دینی امور سے مخصوص کرتے ہیں بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ تہدید خاص اس واقعہ کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت ﷺ کی طرف سے غلط بیانی سے کام لیتے ہوئے ایک قوم سے جا کر کہہ دیا تھا کہ مجھ کو تم میں فیصلہ کے لئے بھیجا ہے۔مگر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے کلام سے پتہ چلتا ہے کہ یہ حدیث ہر جھوٹ کو شامل ہے چاہے وہ اُمور دینی

میں ہو یا اُمور دینوی ہیں۔

ابو حنيفة عن الزهری عن انس ان النبی صلی الله عليه وسلم قال من كذب علی متعمدفليتبوأ مقعده من النار ورواه ابو حنيفة عن يحيی بن سعيد.

حضرت انس سے روایت ہے کہ فرمایا نبی ﷺ نے کہ جس نے جھوٹ بولا مجھ پر بقصد و ارادہ وہ دوزخ میں اپنا ٹھکانا بنالے ابوحنیفہؒ یحیٰی بن سعید سے بھی اس کی روایت کرتے ہیں۔

ف: ایک نوعیت کی احادیث کا سلسلہ یہاں ختم ہوا اس حدیث کی تشریح وتوضیح ہر حیثیت سے سابق میں گذر چکی ملاحظہ فرمائیں۔

كتاب الطهارة

(١٦) باب فی النهی ان يبول فی الماء الدائم

ابو حنيفة عن ابی الزبير عن جابر قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم لايبولن احد كم فی الماء الدائم ثم يتوضأ منه.

کتاب الطہارت

ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنیکی ممانعت

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ تم میں سے کوئی ٹھہرے ہوئے پانی میں ہرگز پیشاب نہ کرے اور پھر اس سے وضو کرلے۔

ف: ماءِ قلیل (تھوڑے پانی) نجاست پڑ جانے سے اس کے نجس ہو جانے میں یہ حدیث اصل اصول ہے اور بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ ٹھہرے ہوئے پانی کا حکم ہے ماء جاری اس حکم سے مستثنی ہے اس کی تصریح اس حدیث سے ملتی ہے جو شیخینؒ نے ابی ہریرہؓ سے مرفوع بیان کیا ہے کہ نہ پیشاب کرے کوئی ٹھہرے ہوئے پانی میں جو جاری نہ ہو' پھر اس میں غسل کرے۔ اسی طرح وہ پانی بھی اس حکم سے خارج ہے جو گو جاری نہ ہو مگر بروئے اجماع جاری کے حکم میں ہو۔ اس کی تفسیر میں ائمہ کا اختلاف ہے شافعیؒ کے نزدیک وہ پانی ہے جو مقدار قلتین ہو یا زائد۔ امام مالکؒ کے نزدیک جب تک پانی کے ہر سہ اوصاف رنگ' بو' مزہ نہ بدلیں پانی میں نجاست پڑنے

سے پانی نجس نہیں ہوتا۔امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک وہ لمبا چوڑا تالاب یا حوض کا ٹھہرا ہوا پانی جسکے ایک کنارہ پر پانی کو حرکت دینے سے دوسری جانب پانی میں حرکت پیدا نہ ہو متاخرین علماء حنفیہ کے نزدیک اس کا اندازہ دہ(۱۰) دردہ (۱۰) سے کیا گیا ہے یعنی وہ حوض یا تالاب دس گز لمبا اور دس گز چوڑا ہو۔حدیث ذیل ہر دو مذاہب کے خلاف حجت ہے کہ اس میں نہ اوصاف کی شرط ہے نہ قلتین کی قید۔گویا کہ آپ نے فرمایا کہ ٹھہرا ہو پانی پیشاب سے نجس ہو جاتا ہے۔وضو کرنا اس سے روا نہیں۔پھر قلتین کی حدیث میں کئی طرح خلش ہے اول تو ایک جماعت نے اس کی تضعیف کی ہے جن میں علی بن مدینی شیخ بخاری بھی ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس حدیث قلتین کا ثبوت نبی ﷺ سے نہیں۔نہ صحیحین میں اس کی روایت آئی ہے۔اور یہ اجماع صحابہؓ کے بھی خلاف ہے کہ جب زنگی چاہ زمزم میں گرا تو حضرات ابن عباسؓ اور ابن زبیرؓ نے پورے کنویں کو صاف کرایا۔حالانکہ اس حدیث کی رو سے وہ کنواں نجس نہیں ہوتا۔اور ان ہر دو حضرات کے اس عمل پر کسی نے کوئی اعتراض نہیں اٹھایا۔مزید براں امام طحاویؒ نے اس امر کی تصریح کی ہے کہ یہ حدیث اگرچہ صحیح ہے مگر ہمارا عمل اس پر نہیں کیونکہ لفظ قلۃ گھڑے، مشک اور پہاڑ کی چوٹی، تین معانی میں مشترک ہے اور ہم کو نہیں معلوم کہ یہاں کون سے خاص معنی مراد ہیں لہٰذا حدیث نا قابل عمل ٹھہری۔

امام مالکؒ کی دلیل ایک وہ حدیث ہے جس میں آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ پانی طاہر ہے تاوقتیکہ اس کی بو مزہ اور رنگ نہ بدلے اس نجاست کی وجہ سے جو اس میں پڑی ہو یہ ضعیف ہے قابل حجت نہیں، بیہقیؒ نے خود اس کی تصریح کی ہے دوسری وہ حدیث جس میں آپ ﷺ سے بیر بضاعہ کے بارہ میں سوال کیا گیا ہے اور آپ ﷺ نے فرمایا ﴿**ان الماء طهور لاينجسه شيء**﴾ کہ پانی پاک ہے اس کو کوئی شے نجس نہیں کرتی۔یہ حدیث بیر بضاعۃ کے بارہ میں ہے۔اور اسی کے ساتھ مخصوص ہے مطلق نہیں اور اس کا پانی جاری تھا کیونکہ وہاں سے باغات میں پانی سینچا جاتا تھا۔اس کے اطلاق کو یہ حدیث بھی باطل کرتی ہے اور وہ بھی جس میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے جب کوئی نیند سے جاگے تو وہ برتن میں ہاتھ نہ ڈالے جب تک ہاتھوں کو تین مرتبہ نہ دھولے یہاں نجاست نہیں ہے بلکہ شبہ نجاست ہے جب شبہ نجاست سے پانی پلید ہوتا ہے تو نجاست سے پلید کیوں نہ ہو۔اب جب احادیث وارہ سے اس پانی کا اندازہ شرعی قائم نہ ہو سکا جو جاری پانی کے حکم میں ہے تو بصورت مجبوری معاملہ ظن غالب پر رکھا گیا کہ پانی کا

طول وعرض اس قدر ہو کہ ایک طرف نجاست پڑنے سے گمان ہو کہ دوسری جانب اس کا اثر نہ پہنچ سکے گا تو یہ پانی حکم میں جاری پانی کے ہے۔ یہی مذہب امام صاحب کا ہے۔

ابو حنيفة عن الهيثم الصواف عن محمد بن سيرين عن ابى هريرة قال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم ان يبال فى المآء الدائم ثم يغتسل منه اويتوضأ.

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ منع فرمایا رسول اللہ ﷺ نے اس سے کہ ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کیا جائے اور پھر اسی سے غسل یا وضو کیا جائے۔

ف: بیہقی نے بھی اسے اسی طرح روایت کی ہے جب حدیث سے ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنا ممنوع ہوا تو پاخانہ کرنا بدرجہ اول ممنوع ہوگا۔ مقصد فرمان نبوی ﷺ یہ ہے کہ کوئی نجاست اس میں نہ ڈالی جائے ورنہ پھر پانی غسل یا وضو کے قابل نہ رہ سکے گا۔ پھر حدیث میں غسل سے مراد غسل جنابت ہے چنانچہ مسلم کی روایت میں یوں ہے کہ تم میں سے کوئی ٹھہرے ہوئے پانی میں بحالت پلیدی غسل نہ کرے۔ مگر غسل کے لئے یہ حکم امتناعی' پلید وغیر پلید ہر دو کو شامل ہے کیونکہ جب پانی نجس ہو کر طاہر باقی نہ رہا تو ہر دو کے لئے اس کا استعمال بے سود ہوگا جنبی کے لئے یوں کہ پلید ہے اس کو پاک پانی درکار ہے کہ اس کو پاک کرے اور پانی چونکہ خود پلید اور ناپاک ہے وہ اس کو کیسے پاک کرے گا۔ تو گویا پہلی صورت میں پلید چیز پاک نہ ہو سکی اور دوسری صورت میں پاک چیز پلید ہوگئی۔

(۱۷) باب الوضوء من سور الهرة

ابو حنيفة عن الشعى عن مسروق عن عائشة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم توضأ ذات يوم فجاء ت الهرة فشربت من الاناء فتوضأ رسول الله صلى الله عليه وسلم منه ورش مابقى.

بلّی کے جھوٹے پانی سے وضو کرنا!

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے وضو کا ارادہ فرمایا کہ (اتنے میں) ایک بلی آئی اور وضو کے پانی میں سے پانی پی گئی' آپ ﷺ نے اس پانی سے وضو کیا۔ اور (وضو سے) بچا ہوا پانی زمین پر چھڑک دیا۔

ف: طحاوی اور دارقطنی نے عائشہؓ سے اس طرح روایت کی ہے کہ نبی ﷺ بلی کی طرف برتن جھکا دیا کرتے۔ یہاں تک کہ وہ اس سے پانی پی لیتی۔ سور ہرہ (بلی کے جھوٹے) میں ائمہ کا اختلاف ہے کہ وہ پاک ہے یا کیا؟ ائمہ ثلاثہ کہتے ہیں کہ بغیر کراہت کے پاک ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ مکروہ تنزیہی ہے اور ائمہ کی دلیل حدیث کے بالکل ظاہری الفاظ ہیں کہ آپ نے اس سے وضو فرمایا۔ اور اسی ذیل کی دوسری حدیث میں یوں فرمایا کہ یہ تم پر چکر لگانے والی ہیں اور تمہارے پاس چلتی پھرتی رہتی ہیں گویا ان کا جھوٹا پاک ہے۔ ان کی دلیل تو صاف اور کھلی ہے امام صاحب کا مذہب کراہت بھی انہی حدیثوں سے ثابت ہے۔ لیکن تمام الفاظ اور منشاء کلام کو سامنے رکھ کر حدیث ذیل میں گو آنجناب ﷺ کا وضو فرمانا طہارت پانی پر دال ہے مگر اختتام حدیث پر نظر ڈالئے ﴿ورش مابقی﴾ بچے ہوئے پانی کو آپ ﷺ نے زمین پر چھڑک دیا کہ دوسرا اس کو استعمال نہ کر سکے کیونکہ آپ کا استعمال محض اس لئے تھا کہ اس کے جواز کی تعلیم دی جا سکے کہ پانی گو مکروہ ہے لیکن بصورت مجبوری اور پانی میسر نہ آنے پر استعمال میں لایا جا سکتا ہے' دوسرے کو یہ مرتبہ کب حاصل' وہ لامحالہ اس کو مطلق سمجھ کر پاک جان کر استعمال کرے گا۔ لہٰذا آپ ﷺ نے اس کو پھینک دیا۔ یہ ایک عملی اشارہ تھا جو آنحضرت ﷺ نے اس کی کراہت کی طرف فرمایا' دوسری جگہ زبان مقال کو کام میں لاتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا کہ یہ نجس نہیں۔ یہ تو تم پر چکر لگانے والوں یا چکر لگانے والیوں میں سے ہے اس ارشاد سے اس حقیقت کو واضح فرمایا کہ جھوٹا پانی اگرچہ نجس ہے مگر کسی مجبوری سے اس کو جائز رکھا گیا ہے اور اس کو صرف کراہت کا درجہ دیا گیا ہے' یعنی یہ کہ بروئے حدیث ﴿الهرة سبع﴾ کہ بلی ایک درندہ ہے جہاں اور درندوں کا جھوٹا نجس ہے اس کا جھوٹا بھی نجس ہونا چاہئے تھا مگر بلی چونکہ گھر کا ایک پلا ہوا جانور ٹھہرا اس کے جھوٹے کو نجس قرار دینے میں گھر والوں کے لئے ایک زبردست تنگی ہے اور ایک سخت خلجان کا سامنا کہ گھر ہی میں سب چیزوں کا رہنا اور گھر ہی میں بلی کا چلنا پھرنا کہاں تک چیزوں کو اس سے بچائیں اور کہاں تک اس کے جھوٹے کو پھینکتے پھریں۔ گھر میں رہنا عذاب جان ہو جائے۔ لہٰذا آں جناب ﷺ نے ان الفاظ سے ﴿اِنَّهَا مِنَ الطَّوَّافِيْنَ عَلَيْكُمْ وَالطَّوَّافَاتِ﴾ اسی وجہ جواز کو آشکارا فرمایا اور مجبوری ظاہر فرمائی کہ بلی کا چونکہ ہر وقت تمہارے پاس آنا جانا ٹھہرا اس لئے عذر کے ماتحت اس کا استعمال جائز رکھا گیا اور تم کو بڑی دقت اور ہر وقت کی مصیبت سے بچا لیا۔ یعنی اس

عذر سے اس کی نجاست گئی تو کراہت تو بہر حال باقی رہی یہی ہے امام صاحب کا مذہب۔ دین اسلام میں مجبوری اور تنگی کے وقت اس قسم کی رعایت ومہلت کوئی انوکھی بات نہیں مثلاً گھر میں آنے کے لئے اجازت طلب کرنا ضروری قرار دیا۔ پھر اس سے قرآن پاک میں بایں عذر ﴿طَوّٰافُوْنَ عَلَیْکُمْ بَعْضُکُمْ عَلٰی بَعْضٍ﴾ غلاموں اور نابالغ بچوں کو مستثنیٰ فرمایا۔ بلکہ یہی مقصد رعایت پورے دین میں کارفرما ہے گویا یہ وہ مرکزی نقطہ ہے جس پر پورا دین گھوم رہا ہے کہ فرمایا﴿ مَایُرِیْدُ اللّٰہُ لِیَجْعَلَ عَلَیْکُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰکِنْ یُّرِیْدُ لِیُطَھِّرَکُمْ﴾۔

اس سے اندازہ لگایئے کہ امام صاحبؒ کا مذہب گو کچھ گہرا اور دقیق ہو مگر مضبوط بنیادوں پر قائم ہوتا ہے اور منشاء حدیث کا نچوڑ ہوتا ہے نہ محض الفاظ حدیث کا' ظاہر بین اس کی ترجمانی مخالفت حدیث سے کرتے ہیں اور یوں اپنی ناسمجھی کا آپ ثبوت دیتے ہیں۔

(۱۸) باب البول قائما

ابوحنيفة عن منصور عن ابی وائل عن حذيفة قال رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يبول على سباطة قوم قائما.

کھڑے ہوکر پیشاب کرنا

حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو قوم کے گھوڑے (کوڑی) پر کھڑے ہوکر پیشاب کرتے ہوئے دیکھا۔

ف: کھڑے ہوکر پیشاب کرنے میں دو قسم کی احادیث ملتی ہیں' ایک سے رخصت کا پتہ چلتا ہے۔ دوسری سے عدم رخصت کا۔ رخصت کی احادیث میں حدیث حضرت حذیفہؓ اصل اصول ہے۔ یہ حدیث مختصر الفاظ میں تو امام صاحبؒ سے ذیل میں نقل ہے اور کچھ مزید الفاظ سے مسلم ترمذی' ابن ماجہ وغیرہ نے اس کو نقل کیا ہے عدم رخصت کے سلسلہ میں بنیادی اور فیصلہ کن حدیث حضرت عائشہؓ کی ہے جس کو ترمذی' احمد نسائی نے روایت کیا ہے کہ ﴿**من حدثكم ان النبی صلى الله عليه وسلم كان يبول قائما فلا تصدقوه ما كان يبول الا قاعدا**﴾ کہ جو تم سے بیان کرے کہ نبی ﷺ کھڑے ہوکر پیشاب کیا کرتے تھے۔ تو اس کی تصدیق نہ کرو اور اس کو سچا نہ جانو' آپ تو بیٹھ کر ہی پیشاب کیا کرتے تھے۔ یہ ہر دو احادیث آپس میں ٹکرائیں تو ان میں تطبیق کی شکل یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ اپنے علم کی بناء پر آنحضرت ﷺ کی عادت مستمرہ ظاہر

فرماتی ہیں اور حضرت حذیفہؓ ایک خاص واقعہ کو بیان کرتے ہیں جو کسی عذر یا مجبوری کی بناء پر وقوع پذیر ہوا۔ یہ چونکہ گھر سے باہر کا واقعہ ہے حضرت عائشہؓ کے علم سے خارج ہے اس لئے ہر دو احادیث اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں مگر کہاں ایک دوامی عمل اور کہاں ایک وقتی فعل۔ کہاں ایک پختہ دیر پابندھی ہوئی عادت' اور کہاں عذر و مجبوری پر مبنی ایک خصوصی واقعہ۔ ایسے خصوصی واقعات اصول نہیں بناتے' نہ مسئلوں کی بنیاد پڑتے ہیں۔ البتہ رخصت و اجازت کا ایک راستہ کھولتے ہیں وہ بھی عذر سے مشروط۔ اسی لئے علماء نے اس پر اتفاق کیا کہ کھڑے ہوکر پیشاب کرنا مکروہ تحریمی یا تنزیہی ہے کیونکہ اس میں ستر زیادہ کھلتا ہے۔ بدن نجاست سے بھرتا ہے۔ کپڑوں پر پیشاب کے چھینٹے لگتے ہیں اور ویسے بھی تہذیب و سنجیدگی و مروت سے گرا ہوا فعل ہے۔

اب رہا نہ معاملہ کہ وہ عذر کیا تھا جس کی بناء پر آنحضرت ﷺ نے کھڑے ہوکر پیشاب کیا؟ اس کے بارہ میں مختلف بیانات ہیں' یا تو آپ ﷺ کی پشت میں درد رہا ہو کہ نہ بیٹھ سکتے ہوں۔ یا وہاں بیٹھنے کی جگہ نہ رہی ہو اس لئے آپ ﷺ مجبوراً کھڑے ہوئے کیونکہ وہ اونچی جگہ تھی اور آپ ﷺ نشیب میں۔ اگر نشیب میں بیٹھتے تو پیشاب بہہ کر آپ ﷺ ہی کی طرف آتا۔ اور آپ ﷺ کو نجس کرتا اگر بلندی پر بیٹھتے تو گندگاہ سامنے تھی ستر دکھائی دیتا اور بے حجابی ہوتی۔ حاکمؒ کی روایت میں ابن عمرؓ سے یوں نقل ہے کہ آپ ﷺ کے گھٹنوں کے اندر کی جانب درد تھا اس لئے نہ بیٹھ سکے۔

(۱۹) باب عدم الوضوء من شرب اللبن

ابو حنیفة عن عدی عن ابن جبیر عن ابن عباسؓ قال رأیت رسول الله صلی الله علیه وسلم شرب لبنا فتمضمض وصلی ولم یتوضأ.

دودھ پی کر وضو نہ کرنے کا بیان

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا رسول اللہ ﷺ کو کہ آپ نے دودھ پی کر کلی کی اور نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔

ف: شیخینؒ نے بھی اس حدیث کی روایت کی ہے مگر اس میں ﴿صلی ولم یتوضأ﴾ کا ٹکڑا نہیں بلکہ یوں ہے ان له دسما کہ اس میں چکنائی ہوتی ہے۔

(۲۰) باب عدم الوضوء من اللحم

ابو حنيفة عن ابی الزبير عن جابر قال اكل النبی صلی الله عليه وسلم مر قابلحم ثم صلی.

گوشت کھا کر وضو نہ کرنے کا بیان

حضرت جابر کہتے ہیں نبی ﷺ نے شوربا گوشت تناول فرمایا پھر نماز پڑھی (یعنی وضو نہیں کیا)۔

ف: یہاں مسئلہ یہ درپیش ہے کہ آگ کی پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو ٹوٹتا ہے یا نہیں؟ وضو نہ ٹوٹنے کی دلیل حدیث ذیل ہے صحیح بخاری میں سعد بن حارث سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت جابرؓ سے پوچھا کہ کیا تم آگ کی پکی ہوئی چیز سے وضو کرتے ہو۔ انہوں نے کہا نہیں۔ پھر امام احمدؒ اپنے مذہب کی تائید میں براء بن عازبؓ سے جو مرفوع حدیث لائے ہیں کہ آپ نے فرمایا وضو اونٹوں کے گوشت سے کرو اور بکریوں کے گوشت سے نہیں۔ وہ بھی اسی حدیث کی تائید کرتی ہے۔ ابوداؤد' ترمذی' ابن ماجہ نے اپنی اپنی سنن میں اس کی تخریج کی ہے۔ اسی ذیل میں حضرت جابر کی وہ حدیث بھی ہے جس کو ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کا آخری عمل یہ ہی تھا کہ آگ کی پکی ہوئی چیز سے وضو نہیں کیا کرتے تھے۔ اس سے نسخ کا بھی پتہ چلتا ہے' دوسرے شعبہ خیال کہ وضو ٹوٹ جاتا ہے کہ ماتحت بھی ابی بکر۔ عمر عثمان۔ عامر بن ربیعہ ؓ سے روایتیں ہیں۔ مرفوع بھی ہیں اور موقوف بھی بعض ہر دو نوع کی احادیث میں یوں تطبیق دیتے ہیں کہ وضو کا حکم یا تو استحباب کے لئے مانا جائے۔ یا یہ کہ وضو سے لغوی معنی مراد لئے جائیں۔ یعنی ہاتھ دھونا کلی کرنا۔ نہ شرعی معنی اس میں کسی کو بھی اختلاف نہیں سوائے امام احمدؒ کے کہ وہ اونٹ کے گوشت سے وضو ٹوٹ جانے کے قائل ہیں۔

(٢١) باب الامر بالسواک

ابو حنيفة عن علی بن الحسين الزراد عن تمام عن جعفر بن ابی طالب ان ناسا من اصحاب النبی صلی الله عليه وسلم دخلوا علی النبی صلی الله عليه وسلم فقال ما ارا كم قلحا استاكوا فلولا ان اشق علی امتی لا مر تهم بالسواک عند كل صلوة. وفی رواية مالی اراكم تدخلون علی قلحا استاكوا فلولا ان اشق علی امتی لا مر تهم ان يستا كو اعند كل صلوة

اوعند کل وضوء.

مسواک کی تاکید

حضرت جعفرؓ بن ابی طالب سے مروی ہے کہ کچھ لوگ صحابہ میں سے نبی ﷺ کے پاس حاضر ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا کیا وجہ ہے کہ میں تمہارے دانتوں کو زرد دیکھتا ہوں ۔مسواک کرو۔اگر میں اپنی امت پر اس کو شاق نہ جانتا تو ان کو ہر نماز (اس کے وضو) کے وقت مسواک کے لئے (وجوبی) حکم دیتا۔ایک روایت میں یوں ہے (کہ آپ ﷺ نے فرمایا) کیا وجہ ہے کہ میں تم کو دیکھتا ہوں کہ تم میرے پاس آتے ہو۔اور تمہارے دانت زرد ہوتے ہیں مسواک کیا کرو۔اگر میں اپنی امت پر اس کو شاق نہ جانتا۔تو ان کو ہر نماز یا ہر وضو کے وقت مسواک کے لئے (وجوبی) حکم دیتا۔

ف: مالک' احمد' شیخین' ترمذی' نسائی' ابن ماجہ نے بھی اس حدیث کی روایت کی ہے۔اس حدیث سے صاف اور کھلا ثبوت ہے کہ مسواک کرنا واجب نہیں ۔بلکہ مستحب موکد ہے۔خصوصاً جب کہ دانت زرد ہوں' منہ سے بو آتی ہو'یا نیند سے انسان ابھی جاگا ہوا ہو اور نماز کا ارادہ کر رہا ہو۔جن روایات میں ﴿عِنْدَ كُلِّ وُضُوءٍ﴾ ہے وہ تو اپنے حقیقی معنی میں ہیں اور قرین قیاس و موافق عقل ہے کہ وہی وقت مسواک کرنے کا ہے اور یہی مذہب احناف کا ہے اب جن روایات میں ﴿عِنْدَ كُلِّ صَلٰوةٍ﴾ ہے اس کی تفسیر ﴿عِنْدَ كُلِّ وُضُوءٍ﴾ کی روایت کو پیش نظر رکھ کر یوں کرنی پڑے گی کہ ہر نماز کے وقت جو وضو کیا جائے اس میں مسواک کرے کیونکہ منشاء کلام اور غرض فرمان نبوی ﷺ یہ ہے کہ آں جناب ﷺ فرماتے ہیں کہ میری نظر میں مسواک کے بیش از بیش منافع بھی ہیں اور تمہاری وہ تکالیف بھی جو مسواک کے واجب ہونے پر تم پر آتی ہیں کہ کبھی تمہارے پاس ہے کبھی نہیں کبھی تم سفر میں ہو کبھی حضر میں کبھی تندرست ہو کبھی بیار غرض ہر وقت میسر آنا مشکل ہے لہٰذا اگر اس کو واجب قرار دیتا تو اس کا نباہنا تم پر دو بھر ہو جاتا۔اور تمہاری تکالیف چونکہ مجھ پر شاق ہیں۔اس لئے اس کے بارہ میں کوئی وجوبی حکم نہیں دیتا۔تو گویا یہاں آں جناب ﷺ نے اپنی امت کا سہل ترین پہلو سامنے رکھا نہ دقت طلب پہلو۔اب اگر ﴿عند کل صلوٰۃ﴾ کی روایت کو اپنے حقیقی معنی پر لیں۔اور ہر نماز کے وقت مسواک کرنی ہو تو جس دقت سے آں جناب ﷺ نے اپنی امت کو بچایا تھا وہ پھر سامنے آئی کہ اگر ایک وضو سے

چار نمازیں پڑھنا چاہیں تو چار ہی مرتبہ مسواک کرنی ہو۔ پھر جانے دیجئے اس تکلیف کو بھی ذرا غور تو کیجئے کہ مسواک کرنے سے دانتوں سے خون جاری ہونا تقریباً لازمی سا ہے ورنہ شبہ تو ٹل نہیں سکتا ۔خصوصاً ان کے لئے جن کو دانتوں سے خون آنے کی بیماری ہے۔ وضو میں تو پانی خون نکلنے کو بند کر دیتا ہے مگر نماز میں یہ بات کہاں ہوسکتی ہے۔ مسواک کر کے ایک الجھن میں پڑ جانا ہے مسواک کیجئے وضو ٹوٹے پھر کیجئے۔ لہٰذا ان تمام قباحتوں کو پیش نظر رکھ کر ۔ عند کل وضوء ۔ کی روایت قرین قیاس ہے اسی طرح نسائی ابن حبان ابن خزیمہ، حاکم نے اپنی اپنی صحاح میں روایت کی ہے۔

(۲۲) باب الوضوء ثلثاثلثا

حماد عن ابی حنیفة عن خالدبن علقمة عن عبد خیر عن علی بن ابی طالب انه توضأ فغسل کفیه ثلثا ومضمض ثلثاو استنشق ثلثا ومسح رأسه وغسل قدمیه وقال هذاوضوء رسول الله صلی الله علیه وسلم.

وضو میں اعضاء کو تین تین بار دھونا

عبد خیر حضرت علی بن ابی طالبؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے وضو کیا تو ہاتھ تین بار دھوئے پھر تین بار کلی کی اور تین مرتبہ ناک میں پانی ڈالا اور تین مرتبہ چہرہ دھویا اور تین مرتبہ (کہنیوں تک) تک ہاتھ دھوئے اور سر کا مسح کیا اور دونوں پاؤں دھوئے اور فرمایا کہ یہ ہے وضو رسول اللہ ﷺ کا۔

ف: یہ حدیث اختلاف الفاظ کے ساتھ عبد خیر کی جگہ دوسرے راویوں ابوحیہ۔ ذر بن حبیش۔ عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ۔ ابن عباس۔ نزال بن سبرہ سے بھی مروی ہے۔

ابو حنیفة عن خالد عن عبد خیر عن علی انه دعا بماء فغسل کفیه ثلثا وتمضمض ثلثا واستنشق ثلثا وغسل وجهه ثلثا وذراعیه ثلثا ومسح رأسه ثلثا وغسل قدمیه ثلثا ثم قال هذا وضوء رسول الله صلی الله علیه وسلم.

عبد خیر حضرت علیؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے پانی منگایا اور اس سے تین مرتبہ ہاتھ دھوئے تین مرتبہ کلی کی تین مرتبہ ناک میں پانی ڈالا تین مرتبہ اپنا منہ دھویا تین مرتبہ اپنے ہاتھ (کہنیوں تک) دھوئے تین بار اپنے سر کا مسح کیا اور تین بار اپنے پاؤں دھوئے پھر کہا۔ یہ رسول اللہ ﷺ کا وضو ہے۔

ف: ابن الہمام نے فتح القدیر میں بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ کے وضو کی تیئس صحابہؓ نے نقل اتاری ہے۔ان میں علیؓ اور عثمانؓ بھی ہیں لیکن سب سے زائد وضاحت عبداللہ بن زید بن عاصم نے اپنے عمل سے کی ہے۔اسی لئے ان کی حدیث اس بات میں اصل اصول ہے اور اصل حجت اور ان کو حاکی وضو رسول اللہ ﷺ سے یاد کیا جاتا ہے گویا آں جناب ﷺ کے وضو کی نقل اتارنے والے دراصل یہ ہی ہیں۔انہی نے مسیلمہ کو وحشی کی شرکت میں قتل کیا تھا۔اور انہی سے شیخین مالک نسائی روایتیں لائے ہیں یہ وہ عبداللہ نہیں جو عبداللہ بن زید بن عبدربہ کے نام سے مشہور ہیں جو مؤذن تھے۔مضمضہ واستنشاق میں امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کا اختلاف ہے کیونکہ احادیث مختلف الالفاظ ہیں بعض میں تلاث غرفات کا لفظ ہے یعنی آپ ﷺ نے تین چلو لئے اور بعض میں غرفہ واحدہ کا لفظ ہے یعنی آپ ﷺ نے ایک چلو لیا۔امام شافعی غرفہ واحدہ کی روایت کے پیش نظر کہتے ہیں کہ ہر مرتبہ ایک غرفہ پانی لیں اور اس سے کلی بھی کرتے جائیں اور ناک میں بھی پانی ڈالتے جائیں یوں گویا تین مرتبہ تین غرفے لئے امام صاحبؒ تین غرفات کی روایت کو سامنے رکھ کر یہ معنی کرتے ہیں کہ منہ وناک کو علیحدہ علیحدہ صاف کریں اور ہر ایک کے لئے تین بار تین غرفے لیں گویا کل چھ غرفے لئے امام صاحبؒ کی حجت حدیث ذیل ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ منہ وناک کے لئے علیحدہ علیحدہ پانی لیا اور ہر ایک کے لئے تین غرفے عثمان کی حدیث جو ابوداؤد لائے ہیں وہ بھی اس کی تائید کرتی ہے اس سے زیادہ صاف شہادت میں طلحہ بن مصرف کی حدیث ہے جس کی تخریج بھی ابوداؤد نے کی ہے اس میں صاف الفاظ میں ہے کہ آں جناب ﷺ مضمضہ واستنشاق میں فصل فرمایا کرتے۔گو اس حدیث کے پیچھے بعض صاحب مذہب لگ پڑے ہیں مگر یہ سب کچھ بے جا حمیت مذہبی ہے اور بیچ۔پھر قیاس بھی مذہب امام صاحبؒ کی پرزور تائید کرتا ہے کہ منہ وناک اور اعضا کی طرح جدا جدا عضو ٹھہرے تو ان کو صفائی میں جمع کیسے کیا جائے لہٰذا بروئے قواعد اصول جو روایتیں موافق قیاس ہیں وہ ہی قابل ترجیح ہوں گی اور قابل حجت۔

وفي رواية عن خالد عن عبد خير عن علي انه دعابماء فغسل كفيه ثلثا واستنشق ثلثا وغسل وجهه ثلثا و ذراعيه ثلثا ومسح برأسه مرة وغسل قدميه ثلثا ثم قال هذا وضوء رسول الله صلى الله عليه وسلم كاملا.

وفي رواية انه دعا بماء فاتي باناء فيه ماء وطست قال عبد خير ونحن

تنظر اليه فاخذ بيد ه اليمنى الاناء فاكفأ على يده اليسرثم غسل يديه ثلث
مرات ثم ادخل يده اليمنى الاناء فملاء يده ومضمض واستنشق فعل هذا
ثلث مرات ثم غسل وجهه ثلث مرات ثم غسل يد ه الى المرافق ثلث
مرات ثم اخذالماء بيده ثم مسح بهاراسه مرة واحدة ثم غسل قد ميه ثلثا
ثلثا ثم غرف بكفه فشرب منه ثم قال من سره ان ينظرالى طهور رسول
الله صلى الله عليه وسلم فهذ اطهوره وفى رواية انه دعا بماء فغسل كفيه
ثلثا ومضمض ثلثا و استنشق ثلثا وغسل وجهه ثلثا وغسل ذراعيه ثلثا ثم
اخذ ماء فى كفه فصب على صلعة ثم قال من سره ان ينظر الى طهور
رسول الله صلى الله عليه وسلم فلينظر الى هذا وفى رواية عن على انه
توضأ ثلثا ثلثا وقال هذا وضوء رسول الله صلى الله عليه وسلم قال
عبدالله بن محمد بن يعقوب يعنى به من روى عن ابى حنيفة فى هذا
الحديث عن خالد ان النبى صلى الله عليه وسلم مسح راسه ثلثا على انه
وضع يد ه على يا فوخه ثم ملا يديه الى مؤخررأسه ثم الى مقد م راسه
فجعل ذلك ثلث مرات وانما ذلك مرة واحدة لانه لم يباين يده ولا
اخذ الماء ثلث مرات فهو كمن جعل الماء فى كفه ثم مده الى كوعه
الاترى انه بين فى الاحاديث التى روى عنه وهم الجارودبن زيد وخارجة
بن مصعب واسدبن عمر ان المسح كان مرة واحدة وبين ان معناه ما ذكر
نا قال وقد روى عن جماعة مناصحاب النبى صلى الله عليه وسلم كثير ة
على هذا الفظ ان النبى صلى الله عليه وسلم مسح راسه ثلثا منهم عثمان
وعلى و عبد الله بنمسعود وغير هم رضى الله عنهم قال الله وقدروى من
اوجه غريبةعن عثمان تكرارالمسح الا انه مع خلاف الحفاظ ليس حجة
عند اهل العلم فهل كان معناه الا على ماذكرنا فمن جعل ما حنيفة
غالطافى رواية المسح ثلثا فقد وهم وكان هو بالغلط اولى واخلق وقد
غلط شعبة فى هذا الحديث غلطا فاحشاعند الجميع وهورواية هذا

الحديث عن مالك بن عرفطة عن عبد خير عن علي فصحف الا سمين في اسناده فقال بدل خالد مالك وبدل علقمة عرفطة ولو كان هذا الشلط من ابى حنيفة نسبوه الى الجهالة وقلة المعرفة ولا خروج من الدين وهذا من قلةالورع واتباع الهوى.

اور ایک روایت میں عبد خیر سے یوں ہے کہ حضرت علیؓ نے پانی منگایا۔تین مرتبہ ہاتھ دھوئے تین بار ناک میں پانی ڈالا تین بار چہرے کو دھویا تین بار ہاتھ (کہنیوں تک) دھوئے ایک مرتبہ سر کا مسح کیا اور تین مرتبہ پاؤں دھوئے پھر کہا کہ رسول اللہ ﷺ کا پورا وضو یہ ہے (یعنی جو فرض اور سنت دونوں کو شامل ہے)

ایک روایت میں اس طرح ہے کہ حضرت علیؓ نے پانی منگایا تو آپ کے پاس پانی کا برتن اور ایک طشت لایا گیا۔عبد خیر نے کہا کہ ہم ان کی طرف دیکھ رہے تھے انہوں نے سیدھے ہاتھ سے برتن کو پکڑا اور اس کو جھکا کر الٹے ہاتھ پر پانی ڈالا پھر ہاتھ تین بار دھوئے پھر سیدھا ہاتھ پانی میں ڈالا اور اس کو پانی سے بھر کر مضمضہ واستنشاق کیا اس کو تین مرتبہ کیا پھر چہرہ کو تین بار دھویا پھر ہاتھوں کو تین بار دھویا پھر ہاتھ میں پانی لے کر ایک مرتبہ سر کا مسح کیا۔پھر پاؤں تین تین بار دھوئے پھر ایک چلو پانی لیا اور اس کو پی لیا پھر کہا کہ جس کو پسند آئے کہ رسول اللہ ﷺ کے وضو کو دیکھے تو یہ ہے آپ ﷺ کا وضو۔اور ایک روایت میں یوں ہے کہ انہوں نے پانی منگایا اور ہاتھ تین بار دھوئے تین بار مضمضہ کیا اور تین بار استنشاق' تین بار منہ دھویا اور تین بار ہاتھ کہنیوں تک پھر ہاتھ میں پانی لے کر اپنے تالو پر ڈالا۔پھر کہا کہ جو رسول اللہ ﷺ کے وضو کو دیکھنا پسند کرے تو دیکھے وہ یہ ہے۔حضرت علی سے ایک روایت میں اس طرح ہے کہ انہوں نے اعضاء وضو تین تین بار دھوئے اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ کا وضو یہ ہے۔عبد اللہ بن محمد بن یعقوب جو ابو حنیفہؒ سے اسی حدیث کی خالد سے روایت کرتے ہیں کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے مسح کیا سر کا تین مرتبہ بایں طور کہ اپنا ہاتھ پیشانی پر رکھا اور سر کے پیچھے تک کھینچ کر لے گئے پھر پیشانی کی طرف کھینچ کر لائے۔اس طرح تین مرتبہ کیا تو ایک مرتبہ (مسح کیا) کیونکہ نہ ہاتھ سر سے جدا ہوا نہ پانی تین مرتبہ لیا۔یہ ایسا ہے کہ کوئی ہتھیلی میں پانی لے اور اس کو ہتھیلی تک لے جائے کیا تم نہیں دیکھتے کہ ان

احادیث میں جو بروایت جارود بن زید خارجہ بن مصعب اور اسد بن عمر حضرت علیؓ سے مروی ہیں۔حضرت علیؓ نے بیان کیا کہ مسح ایک مرتبہ تھا اور اس کے وہ ہی معنی بیان کیئے جو اوپر بیان ہوئے۔کہا ابوحنیفہؒ نے کہ صحابہؓ کی ایک بڑی جماعت سے یہ ہی لفظ مروی ہے کہ نبی ﷺ نے سر کا مسح تین مرتبہ کیا ان میں سے عثمان،علی عبداللہ بن مسعود وغیرہم ہیں ۔بیہقی نے کہا کہ مسح کی تکرار عثمان سے غریب طرق سے مروی ہے مگر یہ حفاظ حدیث کی روایت کے بھی خلاف ہے اور اہل علم کے نزدیک حجت نہیں لہٰذا تکرار مسح کے وہی معنی ہوسکتے ہیں جو ذکر ہوئے اب جو تین مرتبہ مسح کرنے کی روایت میں امام ابوحنیفہؒ کی طرف غلطی کی نسبت کرتا ہے اس کو خود خطا ہوئی اور وہ خود غلطی کا زیادہ حقدار ہے اور مستحق۔اور البتہ شعبہ نے اس حدیث کی اسناد میں تمام محدثین کے نزدیک کھلی اور فاش غلطی کی ہے وہ یہ کہ روایت کی اس حدیث کی مالک بن عرفطہ سے اور انہوں نے عبد خیر سے اور انہوں نے علیؓ سے کہ باپ بیٹے ہردو کے نام بدل دیئے۔خالد کی جگہ مالک لے آئے اور علقمہ کی جگہ عرفطہ۔اگر یہ غلطی کہیں ابوحنیفہؒ سے سرزد ہوتی تو کہتے کہ وہ علم حدیث سے جاہل ہیں اور اس میں کوتاہ علم اور دین ہی سے ان کو خارج کردیتے۔یہ اتہام تقویٰ کی کمی اور خواہش نفسانی کی پیروی کے باعث ہے۔

ف: مسح کے بارہ میں امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ مختلف القول ہیں۔امام صاحبؒ کے نزدیک ایک مرتبہ مسح کرنا سنت ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک تین مرتبہ نئے نئے پانی سے۔امام شافعیؒ غسل پر قیاس کرتے ہیں۔اور مطلق حدیث ﴿توضا ثلاثا﴾ کو سامنے رکھتے ہیں یعنی کہ آپ نے سب اعضاء تین تین مرتبہ دھوئے۔کیونکہ وضو غسل و مسح ہردو کو شامل ہے۔امام صاحبؒ کی دلیل وہ احادیث ہیں جن میں ایک مرتبہ مسح کا حکم ہے مثلاً روایات ذیل۔البتہ بعض میں تین مرتبہ مسح کرنا آیا ہے مثلاً ذیل میں سب سے پہلے روایت اس نے مخالف خیالات میں طوفان برپا کردیا اور اعتراضات کی بوچھاڑ ہوگئی۔کہ یہ خود اپنے مذہب کی مخالفت کیسے اور حفاظ حدیث سے اختلاف کیوں۔چنانچہ دارقطنی نے حضرت ابویوسفؒ کے طریق سے امام صاحبؒ کی روایت نقل کرکے سب سے پہلے نعرہ بلند کیا ﴿اَنَّ اَبَا حَنِیْفَةَ خَالَفَ الْحُفَاظ فِیْ ذٰلِکَ فَقَالَ ثَلاثًا ثَلا ثَا وَاِنَّمَا هُوَ مَـرَّةً وَاحِدَةً مع خِلا فِه اِيَّا هُمْ قَالَ اِنَّ السُّنَّةَ فِی الْوُضُوْءِ مَسْحُ

الرَّاسِ مَرَّةً ﴾ یعنی ابوحنیفہؒ نے اس میں مخالفت کی حفاظ حدیث کی اور قول کیا تین مرتبہ مسح کرنے کا اور ان کی مخالفت کے ساتھ کہا کہ وضو میں سنت ایک مرتبہ مسح کرنا ہے۔ حالانکہ یہ شبہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا اور واقعیت سے بہت دور ہے امام صاحب کی روایت میں یہاں تثلیث کا لفظ ہے ۔وہاں وہ تثلیث مراد نہیں جو امام شافعیؒ کے نزدیک ہے کہ نئے پانی سے تین بار مسح کیا جائے۔ یہ صرف تین بار سر پر ہاتھ پھیرنے سے عبارت ہے بغیر نیا پانی لئے ہوئے۔ اور ہاتھ سر سے جدا کئے ہوئے۔ اس کی وضاحت خود ان کی روایت میں آ چکی ہے۔ بلکہ بمطابق روایت حسن امام صاحب اسی طریق کو مسنون کہتے ہیں جب نہ پانی لیا۔ نہ ہاتھ سر سے جدا کیا تو یہ صورت درحقیقت ایک مرتبہ مسح کی ہوئی اس میں تین مرتبہ کہاں۔ ہدایہ میں کہا ہے کہ مسح کی یہی صورت مشروع ہے۔ اور امام صاحبؒ سے مروی پھر امام صاحبؒ کی روایات کئی قسم کی ہیں بعض میں ایک مرتبہ کی تصریح ہے بعض مجمل اور محتمل اور بعض ساکت لامحالہ ساکت ومحتمل کو تصریح شدہ پر محمول کریں گے قطع نظر اس کے ذرا سوچنے کی بات ہے کہ مسح کی بنا آسانی وسہولت پر رکھی گئی یہ گویا غسل کی وقت ومشقت سے اس میں مہلت ملی اور طہارت میں ایک گونہ رعایت نصیب ہوئی جب ہر سہ بار نیا پانی لیا تو وہ تو غسل ہو گیا مسح کب رہا۔ اور پھر رعایت وسہولت کب ہوئی؟ اور مقصد مسح فوت ہوا۔ لہٰذا ایک ہی مرتبہ مسح کرنا قرین قیاس ہے اور موافق عقل اور یہ ہی مذہب امام ابوحنیفہؒ کا ہے۔

اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ حُمْرَانَ مَوْلٰی عُثْمَانَ اَنَّ عُثْمَانَ تَوَضَّاَ ثَلٰثًا ثَلٰثًا وَقَالَ هٰكَذَا رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّاُ.

حمران مولی عثمانؓ حضرت عثمانؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے تین تین مرتبہ وضو کیا اور کہا کہ اسی طرح میں نے رسول اللہ ﷺ کو وضو کرتے دیکھا۔

ف: تین مرتبہ مسح کرنے کا ثبوت اس حدیث سے لینا کس قدر کمزور پہلو ہے مگر افسوس ایک رخ کی کمزور بات قوی دکھائی دیتی ہے اور دوسری طرف کی کمزور بات کمزور۔ یہ سراسر انصاف کا خون کرنا ہے۔ امام شافعیؒ کا تین بار مسح کا مذہب مشہور ہے اور طشت از بام لیکن جب امام صاحبؒ کی روایت میں تثلیث کا لفظ آ گیا اور یہ ان کے مذہب کے بظاہر مخالف تھا۔ تو ان پر سخت لے دے مچی کہ اول تو تثلیث کا مذہب ویسے ہی کمزور، صحیح روایات سے ثابت نہیں۔ پھر خود ان کے مذہب کے خلاف یہ کیا ماجرا ہے؟ غرض ہر طرف سے آوازیں آنے لگیں اور لگے تثلیث کو اور کمزور

ثابت کرنے۔مگر جب امام شافعیؒ کا مسلک یہی دیکھا تو اب بڑی پیچیدگی نظر آئی۔کیونکہ تمام اعتراضات کا رخ ادھر پھرتا تھا۔لہٰذا بعض نے تو اس سے انکار ہی کر دیا چنانچہ ترمذی کی عبارت اسی طرف مشیر ہے کہ وہ توحید کے قائل تھے۔بعض سکوت کر گئے اور بعض آخر نہ رہ سکے تو اقرار کر بیٹھے چنانچہ ابن حجر فتح الباری میں کہتے ہیں ﴿انه لم يروفي طريق من الصحيحين ذكر عدد المسح وعليه اكثر العلماء الا الشافعيؒ القائل بالتثليث ﴾ صحیحین کے کسی طریق سے ایک سے زائد مسح کرنے کی روایت نہیں آئی۔اور اس مذہب پر اکثر علماء ہیں۔سوائے امام شافعیؒ کے جو تثلیث کے قائل ہیں یعنی تین مرتبہ مسح کرنے کے۔

(۲۳) باب الوضوء مرة مرة

ابو حنيفة عن علقمة عن ابن بريدة عن ابيه ان النبي صلى الله عليه وسلم توضأ مرة مرة.

ایک ایک مرتبہ وضو کرنے کا بیان

حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک ایک مرتبہ وضو کیا۔یعنی اعضائے وضو کو ایک ایک مرتبہ دھویا)۔

ف: اعضائے وضو کو ایک ایک بار دھونا واجب ہے اور تین تین بار دھونا سنت' نبی ﷺ نے ایک ایک مرتبہ بھی اعضائے وضو کو دھویا۔کہ یہ واجب کا مرتبہ ہے اور دو دو مرتبہ بھی کہ یہ بھی جائز ہے اور تین تین بار بھی اور اسی کی زیادہ روایات ہیں۔کیونکہ آں جناب ﷺ کی عادت مستمرہ یہی تھی۔

ابو حنيفة عن محارب عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ويل للعواقيب من النار.

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ ویل ہے ایڑیوں کے لئے آگ ہے۔

ف: ویل جہنم کے ایک جنگل کا نام ہے مطلب یہ ہے کہ جو لوگ وضو میں اپنی ایڑیاں خشک رکھیں گے' دوزخ کی اس وادی میں ان کو آگ سے عذاب دیا جائے گا۔یوں تو وضو میں کوئی عضو خشک نہ رہنا چاہئے لیکن ایڑیوں کو وعید سے اس لئے مخصوص فرمایا کہ عجلت اور بے احتیاطی میں

ایڑیاں چونکہ نظر سے اوجھل ہیں یہ ہی اکثر و بیشتر سوکھی رہ جاتی ہیں جو وضو خراب کر دیتی ہیں بعض روایتوں میں تلووں کو بھی اس وعید میں شامل کر لیا ہے۔

(۲۴)باب نضح الفرج بفضل الوضوء

ابو حنيفة عن منصور عن مجاهد عن رجل نم ثقيف يقال له الحكم او ابن الحكم عن ابيه قال توضأ النبى صلى الله عليه وسلم واخة حفنة من ماء فنضحه فى مواضع طهوره.

وضو کا بچا ہوا پانی رومالی پر چھڑکنا

حکم ثقفی سے روایت کرتے ہیں کہ وضو کیا نبی ﷺ نے اور ایک چلو پانی لے کر اپنے موضع طہور (رومالی) پر چھڑکا۔

ف: یہ عمل محض وسوسہ اور شک دور کرنے کے لئے ہے ترمذی اور ابن ماجہ نے ابی ہریرہ سے روایت کی ہے کہ آں حضرت ﷺ نے فرمایا کہ حضرت جبریلؑ میرے پاس آئے اور کہا کہ محمد ﷺ جب آپ وضو کیا کریں تو پانی چھڑک لیا کریں۔

(۲۵) باب المسح على الخفين

ابو حنيفة عن الحكم عن القاسم عن شريح قال سألت عائشةامسح على الخفين قالت ائت عليا فاسأله فانه كان يسا فر مع النبى صلى الله عليه وسلم قال شريح فاتيت عليا فقال لى امسح.

موزوں پر مسح کرنے کا بیان

حضرت شریحؒ نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا۔ کیا مسح کروں میں موزوں پر (یعنی نبی ﷺ سے اس کا ثبوت ہے کہ میں بھی ایسا ہی کروں) آپ نے فرمایا کہ حضرت علیؓ کے پاس جا کر پوچھو کہ وہ نبی ﷺ کے ساتھ سفر کیا کرتے تھے۔ شریح کہتے ہیں کہ پھر میں حضرت علیؓ کے پاس آیا تو آپؓ نے فرمایا کہ مسح کرو۔

ف: موزوں پر مسح کرنے کی احادیث حد تواتر تک پہنچتی ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کے رواۃ کی تعداد اسی تک پہنچتی ہے۔ جن میں عشرہ مبشرہ بھی ہیں۔ اسی لئے سلف میں سے کسی نے اس مسئلہ میں خلاف نہیں کیا۔ البتہ امام مالکؒ سے ایک کمزور روایت ہے کہ وہ مقیم کے لئے جائز نہیں

رکھتے تھے۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ میں مسح علی الخفین کو جائز نہیں رکھتا تھا یہاں تک کہ اس باب میں آثار واحادیث روز روشن کی طرح میرے سامنے آ گئیں اور میں ماننے پر مجبور ہوا۔ ہدایہ میں ہے کہ مسح کی احادیث چونکہ مشہور ہیں اس لئے مسح کا اعتقاد نہ رکھنے والا بدعتی ہے۔ کرخیؒ نے کہا کہ میں اس کے بارہ میں کفر کا خوف رکھتا ہوں۔ ایسی ہی روایات ابوحنیفہؒ سے ہیں۔ فرمان ﴿یُرِیْدُاللّٰهُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْر﴾ کے تحت اللہ تعالیٰ نے مسح خفین کے جواز سے ایک بڑی آسانی وسہولت کا راستہ کھول دیا کہ اس کو سنت نبوی ﷺ بنایا۔ جو چاہے پاؤں دھوئے صرف وضو کا ثواب لے جو چاہے مسح کرے رعایت سے فائدہ اٹھانے اور سنت کا ثواب بھی لوٹے بلکہ علماء نے لکھا ہے کہ انسان اگر خوارج وروافض سے دوچار ہو تو ان کو رد کرنے کی غرض سے مسح کرنے میں پاؤں دھونے سے زیادہ ثواب ہے۔

ابو حنیفة عن علقمة عن سلیمان بن بریدة عن ابیه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم توضأ ومسح علی الخفین وصلی خمس صلوات.

حضرت بریدہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وضو کیا اور موزوں پر مسح کیا اور اس سے پانچ نمازیں ادا فرمائیں۔

ف: پنجگانہ نمازوں کی ادائیگی سے یہ وہم دور ہو گیا کہ مسح علی الخفین سے طہارت ناقصہ مقصود تھی۔ نہ طہارت کاملہ۔

ابو حنیفة عن علقمة عن ابن بریدة عن ابیه ان النبی صلی الله علیه وسلم یوم فتح مکة صلیٰ خمس صلوات بو ضوء واحد ومسح علی خفیه فقال له عمر ما رأیناک صنعت هذا قبل الیوم فقال النبی صلی الله علیه وسلم عمدا صنعته یا عمر

حضرت بریدہؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فتح مکہ کے دن ایک وضو سے پانچ نمازیں ادا فرمائیں۔ اور (قدیم عادت کے خلاف) موزوں پر مسح کیا۔ حضرت عمرؓ نے آپ ﷺ سے کہا یا رسول اللہ اس دن سے پہلے ہم نے آپ کو ایسا کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ نبی ﷺ نے فرمایا اے عمر! میں نے قصداً ایسا کیا ہے۔

ف: اس حدیث میں حضرت عمرؓ کا تعجب دراصل دو امور پر مبنی ہے۔ ایک یہ کہ آپ ﷺ

نے پاؤں نہیں دھوئے بلکہ موزوں پر مسح کیا۔ دوسرے ایک وضو سے آنحضرت ﷺ نے چند نمازیں ادا فرمائیں۔ ادھر آں جناب ﷺ نے بھی اپنے ان الفاظ ﴿عَمَدًا صَنَعْتُهُ يَا عُمَرُ﴾ سے یہ بات واضح فرمائی کہ میں ان ہر دو امور کی وضاحت کر دینا چاہتا ہوں کہ مسح دین میں ایک جائز امر ہے اور یہ کہ ہر نماز کیلئے جدید وضو کرنا میرے لئے واجب و فرض نہیں۔ ایک وضو سے میں بھی تمہاری طرح چند نمازیں ادا کر سکتا ہوں مسح کے بارہ میں آں حضرت ﷺ حضرت عمرؓ کے سامنے خاص طور سے مسح کی حقیقت مزید واضح کر دینا چاہتے تھے۔ ورنہ مسح فتح مکہ سے پہلے ہی مشروع و جائز ہو چکا تھا۔ اس کے جواز کا آغاز فتح مکہ سے نہیں ہے۔ رہا معاملہ ایک وضو سے چند نمازیں ادا کرنے کا تو یہ قابل تسلیم واقعہ ہے کہ آں جناب کی پچھلی زندگی میں یہ عمل اپنی مثال نہیں رکھتا یہ بالکل نیا ہی تھا۔ اس پر حضرت عمرؓ کا متعجب ہونا فطری امر ہے بلکہ بہت ممکن ہے کہ حضرت عمرؓ کا تعجب اسی پر مدار رکھتا ہو نہ مسح پر جب مسح پہلے ہی جائز تھا تو اس پر تعجب قرین قیاس نہیں پھر اس کا انکشاف کہ فتح مکہ سے پہلے آپ ﷺ ہر نماز کے لئے نیا وضو کیا کرتے تھے اس کا کوئی حل نہیں ممکن ہے استحباباً اس پر آں جناب ﷺ نے پابندی برتی ہو فرضیت کے سبب سے نہیں اور ہو سکتا ہے کہ آیت ﴿وَاِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ﴾ کے ظاہر پر عمل کرتے ہوئے اپنے لئے جدید وضو کو لازم فرمایا ہو جس طرح بعض کا خیال ہے کہ آیت صرف محدث ہی کے لئے نہیں بلکہ طاہر اور غیر طاہر سب کے لئے ہے کہ جب بھی تم نماز کا ارادہ کرو وضو کرو یعنی جدید۔ چنانچہ دارمیؒ نے عکرمہ سے روایت نقل کی ہے کہ سعدؓ سب نمازیں ایک وضو سے ادا کرتے اور علیؓ ہر نماز کے لئے نیا وضو کرتے اور اس آیت کو پڑھتے مگر خود دارمیؒ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ کا یہ فعل اس طرف مشیر ہے کہ یہ آیت محدث کے لئے ہے نہ طاہر کے لئے اور اس حدیث سے دلیل لاتے ہیں کہ ﴿لَا وُضُوْءَ اِلَّا مَنْ حَدَثٍ﴾ کہ وضو حدث ہی سے ہے یعنی وضو ٹوٹے تو وضو کرو نہ ٹوٹے تو نہ کرو۔ حالانکہ اس اشارہ کی کوئی خاص دلیل نہیں ممکن ہے۔ بہر حال اس قدر ضرور پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ پر وضو فرض تھا۔ خواہ اس آیت سے ہو یا دوسرے طریق سے فتح مکہ پر وہ فرض منسوخ ہوا۔ اور اس کے نسخ کو آں جناب ﷺ نے اپنے عمل سے قصداً ظاہر فرمایا۔ یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ امت کے لئے نئے وضو کی پابندی نہ تھی۔ کیونکہ بخاری، ابوداؤد، ابن ماجہ وغیرہ میں انس بن مالکؓ سے یہ روایت موجود ہے کہ انہوں نے کہا کہ نبی ﷺ ہر نماز کیلئے

وضو کیا کرتے' ان سے پوچھا گیا کہ حضرت آپ لوگ کیا کیا کرتے تھے کہا کہ ہمارے لئے ایک ہی وضو کافی ہوتا جب تک وہ نہ ٹوٹ جاتا۔ اسی طرح ترمذی میں بھی حضرت انسؓ سے روایت ہے۔ اس حدیث سے ان کا خیال بھی رد ہوا جو کہتے ہیں کہ جدید وضو سب ہی پر فرض تھا فتح مکہ پر وہ منسوخ ہوا۔ ملا علی قاری اس کی شرح میں اس راز کا انکشاف کرتے ہیں کہ آں جناب ﷺ اس عمل سے مسح کے جواز کی طرف بھی اشارہ فرماتے ہیں اور اس جانب بھی کہ یہ آیت منسوخ نہیں بلکہ ارجلکم کی جر و نصب کی دونوں قرائتیں اپنے اپنے معنی پر دال ہیں نصب کی غسل رجلین پر اور جر کی مسح خفین پر لیکن یہ خیال بھی خلش سے خالی نہیں کیونکہ مسح کے لئے کعبین کی حد نہیں۔ یہاں کعبین کی حد ہے۔

ابو حنیفة عن عبد الكريم ابی امية عن ابراهيم حدثنی من سمع جرير بن عبد الله يقول رايت رسول الله صلى الله عليه وسلم يمسح على الخفين بعد ما انزلت سورة المائدة.

حضرت جریرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا سورہ مائدہ اترنے کے بعد۔

ف: ابن ماجہ بھی ابراہیم کے ذریعہ یہ حدیث لائے ہیں کہ حضرت جریرؓ نے پیشاب کیا اور پھر وضو کرنے کے بعد موزوں پر مسح کیا۔ لوگ متعجب ہوئے کہ یہ کیا کرتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسا کرتے دیکھا ہے۔ لوگوں کا تعجب اس بناء پر تھا کہ جو مسح خفین کے قائل نہیں وہ کہتے ہیں کہ مسح سورہ مائدہ کے نزول سے پہلے تھا۔ اس کے بعد صرف غسل رہ گیا۔ اسی شبہ کو حضرت جریرؓ دور کرنا چاہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو سورۂ مائدہ کے نزول کے بعد موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ ابوداؤد کی روایت میں یوں ہے ﴿ما اسلمت الابعد نزول المائدة﴾ کہ میں سورۂ مائدہ کے نزول کے بعد ہی تو اسلام لایا ہوں۔

ابو حنيفة عن حماد عن ابراهيم عن همام بن الحرث انه رای جرير بن عبد الله توضأ ومسح على خفيه فساله عن ذلك فقال انی رايت رسول الله صلى الله عليه وسلم يصنعه وانما صحبته بعد مانزلت المائدة.

ہمام بن حارث نے جریر بن عبداللہ کو دیکھا۔ کہ وضو کیا اور موزوں پر مسح کیا۔ ہمامؒ نے اس

کے بارہ میں پوچھا تو (جریر) کہنے لگے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا ہے اور مجھ کو شرف صحبت (یعنی صحابیؓ ہونے کا فخر) نزول مائدہ کے بعد حاصل ہوا ہے۔

ف: حضرت جریرؓ آں حضرت ﷺ کی وفات سے چالیس روز قبل مشرف بایمان ہوئے۔

ابو حنیفه عن حماد عن الشعبی عن ابرهیم بن ابی موسی الاشعری عن المغیرة بن شعبة انه خرج مع رسول الله صلی الله علیه وسلم فی سفر فانطلق رسول الله صلی الله علیه وسلم فقضی حاجته ثم رجع وعلیه جبة رومیة ضیقة الكمین فرفعها رسول الله صلی الله علیه وسلم من ضیق كمها قال المغیرة فجعلت اصب علیه من الماء من اداوة معی فتو ضأوضوءهٔ للصلوة ومسح علی خفیه ولم ینز عهما ثم تقدم وصلی.

حضرت مغیرہ بن شعبہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر میں نکلا (یعنی تبوک کی طرف) آپ ﷺ قضائے حاجت کیلئے تشریف لے گئے اور بعد فراغت واپس تشریف لائے۔ رومی جبہ تنگ آستینوں والا آپ ﷺ نے زیب تن فرما رکھا تھا اس کی آستینیں چست ہونے کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے اس کو اٹھایا (یعنی نیچے کی جانب سے ہاتھ نکالے) مغیرہ کہتے ہیں کہ پھر میں آپ پر پانی ڈالنے لگا اس چھاگل سے جو میرے ساتھ تھی۔ آپ نے نماز کے لئے وضو کیا اور موزوں پر ان کو بغیر اتارے مسح کیا پھر تشریف لے گئے اور نماز ادا فرمائی۔

ف: یہ واقعہ مزید تفصیل سے اور مختلف الفاظ سے آیا ہے ان سب روایات کو سامنے رکھ کر ایک قصہ اخذ کیا جا سکتا ہے۔ جو کئی اہم مسائل کا سر چشمہ ہے وہ یہ کہ مغیرہ بن شعبہ کہتے ہیں کہ غزوہ تبوک میں میں رسول اللہ ﷺ کی ہمرکابی میں تھا۔ آپ ﷺ نے راہ میں سواری بٹھائی اور قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئے' واپسی پر میں نے آپ کے ہاتھوں پر پانی ڈالا' آپ ﷺ نے ہاتھ دھوئے پھر منہ دھویا' پھر کہنیوں تک ہاتھ دھو کر سر کا مسح کیا اور پھر موزوں پر مسح کیا' وضو سے فراغت کے بعد ہم آگے بڑھے کیا دیکھتے ہیں کہ لوگ عبد الرحمٰن بن عوف کو امام بنائے

ہوئے نماز فجر میں مشغول ہیں۔عبدالرحمٰن ایک رکعت پڑھا چکے تھے۔آپ ﷺ سواری سے اتر کر صف میں شریک ہوئے جب عبدالرحمٰن نے سلام پھیرا تو آنحضرت ﷺ نے اپنی پہلی رکعت پوری فرمائی لوگ آپ ﷺ کو دیکھ کر گھبرا اٹھے کہ نبی ﷺ سے نماز میں سبقت کر بیٹھے۔آپ ﷺ نے فرمایا نہیں ٹھیک کیا تم نے یہ قصہ کی اجمالی شکل ہے اگر آپ اس کے تفصیلی پہلو پر نظر ڈالیں گے تو اہم مسائل کا حل دریافت ہوگا۔

مثلاً اس میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کی جبہ کی آستینیں چست وتنگ تھیں گویا انسان چست لباس پہن سکتا ہی خصوصاً جہاد میں کہ اس میں چستی درکار ہے۔ڈھیلے کپڑوں میں چستی پھرتی کہاں نصیب یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر انسان کو کوئی دوسرا وضو کرائے تو اس میں کوئی قباحت نہیں بلکہ جائز ہے۔مسح خفین کا مسئلہ بھی اسی سے ثابت ہوا پھر ایک روایت یوں بھی ہے کہ آپ ﷺ پیشانی پر مسح کیا کرتے تھے۔تو گویا اس سے قدر ربع راس کا مسئلہ حل ہوا اور ﴿امسحوا برؤ سکم ﴾ کا اجمال دور ہوا۔اسی سے اس کا بھی انکشاف ہوا کہ وقت کی تاخیر کا اگر خوف ہو تو اصل امام کا انتظار ضروری نہیں۔پھر یہ بات بھی اس سے واضح ہوئی کہ افضل مفضول کی اقتداء کر سکتا ہے کیونکہ آپ ﷺ نے اپنی امت کے ایک فرد کے پیچھے نماز ادا فرمائی۔اس کا بھی اس سے ثبوت ملا کہ موزے پہنتے وقت پاؤں کی طہارت شرط ہے۔کیونکہ ایک روایت میں یوں ہے کہ مغیرہ موزے اتارنے کے لئے جھکے تو آپ ﷺ نے فرمایا نہیں رہنے دو میں نے اسی وقت موزے پہنے تھے کہ میرے پاؤں طاہر تھے۔

ابو حنيفة عن حماد عن الشعبي عن المغيرة بن شعبةقال وضأت رسول الله صلى الله عليه وسلم وَعليه جبة رومية صيقة الكمين فاخرج يديه من تحتها ومسح على خفيه وفي رواية ان رسول الله صلى الله عليه وسلم مسح على الخفين وعليه جبة شامية ضيقة الكمين فاخرج يديه من اسفل الجبة.

حضرت مغیرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو وضو کرایا۔اور آپ ﷺ رومی جبہ چست آستینوں والا زیب تن فرمائے ہوئے تھے۔تو آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ اس کے نیچے سے نکالے اور موزوں پر مسح کیا۔ایک روایت میں اس طرح ہے کہ آپ ﷺ

نے موزوں پر مسح کیا۔ اور آپ ﷺ شامی جبہ تنگ آستینوں والا زیب تن فرمائے ہوئے تھے تو آپ نے اپنے ہاتھ جبہ کے نیچے سے نکالے۔

ف: یہ جبہ وہی ایک ہی ہے کہیں رومی کے نام سے ہے اور کہیں شامی کے نام سے کیونکہ شام بادشاہ روم کی ماتحتی میں تھا۔ تو بات ایک ہی ہوئی۔ یا یہ صورت ہو کہ ایک ملک کی طرف اس کی وضع قطع کے لحاظ سے نسبت کر دی ہو اور دوسرے کی طرف بناوٹ اور سلائی کی رو سے۔

ابوحنيفة عن حماد عن الشعبي عن المغيرة بن شعبة قال رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يمسح.

حضرت مغیرہ بن شعبہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا۔

ف: یہ حدیث حضرت مغیرہؓ کی مفصل حدیث کا مختصر ہے۔

ابوحنيفة عن ابى بكربن ابى الجهم عن ابن عمرؓ قال قد مت على غزوة فى العراق فاذا سعد بن مالك يمسح على الخفين فقلت ماهذا فقال يا ابن عمر اذا قد مت على ابياك فسئله عن ذلك قال فاتيته فسألته فقال رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يمسح فمسحنا وفى رواية قال قدمت العراق للغزو فاذا سعد بن مالك يمسح على الخفين فقلت ماهذا قال اذا قدمت على عمرؓ فسئله .فقال قدمت على عمرؓ فسألته. فقال رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يمسح فمسحنا. وفى رواية قال قدمت العراق لغزوة جلولا فرأيت سعد بن ابى وقاص يمسح علي الخفين فقلت ماهذا ياسعد فقال اذا لقيت امير المؤمنين فاسأله.قال فلقيت عمر فاخبر ته بما صنع فقال عمر صدق سعد رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يصنعه فصنعنا وفى رواية قال قدمنا على غزوة العراق فرأيت سعدبن ابى وقاص يمسح على الخفين فانكرت عليه فقال لى اذا قدمت على عمرؓ فاسأله عن ذلك قال ابن عمر فلما قدمت عليه سألته وذكرت له ماصنع سعد فقال عمك افقه منك رأينا رسول الله

صلی اللہ علیہ وسلم یمسح فمسحنا.

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں جہاد کی نیت سے عراق پہنچا تو سعد بن مالکؓ کو موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا میں نے کہا حضرت یہ کیا کہا اے ابن عمر جب اپنے باپ کے پاس جاؤ تو اس کے بارہ میں ان سے پوچھنا ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ جب میں والد کے پاس پہنچا تو ان سے (اس بارہ میں) دریافت کیا انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ تو ہم بھی مسح کرنے لگے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ ابن عمرؓ نے کہا کہ میں جہاد کی نیت سے عراق پہنچا تو وہاں سعد بن مالکؓ (سعد بن ابی وقاص جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں) کو موزوں پر مسح کرتے ہوئے پایا۔ میں نے کہا حضرت یہ کیوں؟ انہوں نے کہا کہ جب تم (اپنے والد) عمرؓ کے پاس جاؤ تو ان سے اس کے (جواز کے) بارہ میں پوچھ لینا۔ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ جب میں حضرت عمرؓ کے پاس آیا تو ان سے میں نے اس کے متعلق پوچھا انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا تو ہم نے بھی مسح کیا۔ ایک روایت میں اس طرح ہے کہ ابن عمرؓ نے کہا کہ میں جنگ جلولا میں شرکت کرنے کی نیت سے عراق پہنچا تو میں نے (وہاں) سعد بن ابی وقاص کو موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا میں نے حضرت سعدؓ سے کہا یہ کیسے؟ انہوں نے مجھ سے کہا کہ جب تم امیر المؤمنین (عمرؓ) سے ملنا تو ان سے اس کے بارہ میں پوچھ لینا ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں جب حضرت عمرؓ سے ملا تو میں نے حضرت سعدؓ کے فعل کی خبر ان کو پہنچائی عمرؓ فرمانے لگے سعدؓ سچے ہیں (یعنی اپنے قول یا فعل میں حق بجانب ہیں) میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا۔ تو ہم نے بھی ایسا ہی کیا۔ ایک روایت میں اس طرح ہے کہ کہتے ہیں کہ ہم بہ نیت جہاد عراق گئے تو سعد بن ابی وقاصؓ کو موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا۔ میں نے اس کو نئی بات سمجھا تو وہ مجھ سے کہنے لگے جب تم حضرت عمرؓ کے پاس جاؤ تو اس کے بارہ میں ان سے بھی پوچھنا ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ جب میں ان کے (حضرت عمرؓ کے) پاس پہنچا' میں نے ان سے ذکر کیا فرمانے لگے' تمہارے چچا (حضرت سعدؓ) تم سے زیادہ عالم وفقیہ ہیں ہم نے رسول اللہ ﷺ کو موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا تو ہم نے بھی مسح کیا۔

ف: محدثینؒ کی ایک جماعت نے اس حدیث کی روایت کی ہے بخاریؒ بھی اس کو مرفوع لائے ہیں ان کے الفاظ اس طرح ہیں کہ عبداللہ بن عمرؓ نے حضرت عمرؓ سے پوچھا تو آپ نے ان سے فرمایا بے شک جب سعدؓ تم سے نبی ﷺ کی طرف سے کوئی بات بیان کریں تو پھر کسی دوسرے سے نہ پوچھنا۔

عبداللہ بن عمرؓ کی اس مسئلہ سے لاعلمی یا تو اس بناء پر تھی کہ اس وقت تک ان کو اس مسئلہ کی سرے سے تحقیق ہی نہ ہوئی تھی یا پھر یہ وجہ ہو کہ وہ محض سفر میں مسح خفین کے قائل ہوں۔ نہ حضر میں۔ اس لئے جب حضرت سعد کو حضر میں مسح کرتے دیکھا تو آپ کو تعجب ہوا' اور اس وقت تک موافقت نہیں کی جب تک اپنے والد سے بھی اس کی تحقیق نہ کر لی ورنہ یہ کیسے قرین قیاس ہو سکتا ہے کیونکہ خود ان سے مسح خفین کی مرفوع روایت ثابت ہے یہاں بھی اور موطاء امام محمد میں بھی۔

ابو حنيفة عن حماد عن سالم بن عبد الله بن عمر انه تنازع الوه وسعدبن ابى وقاص فى المسح على الخفين فقال سعد امسح وقال عبد الله مايعجبنى قال سعد فاجتمعنا عند عمرؓ فقال عمر عمك افقه منك سنة.

سالم بن عبداللہ بن عمرؓ کے بیٹے کہتے ہیں کہ مسح خفین کے بارہ میں سعد بن ابی وقاص اور میرے والد کے درمیان اختلاف رائے ہوا۔ حضرت سعدؓ نے کہا کہ مسح کرتا ہوں۔ عبداللہ نے کہا کہ مجھ کو یہ پسند نہیں۔ سعدؓ کہتے ہیں کہ ہم عمرؓ کے پاس جمع ہوئے تو انہوں نے (اپنے صاجزادہ کو خطاب کرتے ہوئے) فرمایا تمہارے چچا (سعدؓ) تم سے زیادہ سنت کے عالم ہیں۔

ف: حضرت عمرؓ نے حضرت سعدؓ کو عبداللہ بن عمرؓ کا چچا کہہ کر اس طرف اشارہ کیا کہ وہ چونکہ اسلام اور مذہبی قربانیوں میں میرے ہم پلہ ہیں اور ہم رنگ اور عمر میں بھی چھوٹے بڑے بھائیوں کی طرح ہم ایک دوسرے کے قریب قریب ہیں' تو گویا وہ میرے بھائی ہوئے اور تمہارے چچا۔ ورنہ نسبی چچا مراد نہیں۔

باب توقيت المسح

ابو حنيفة عن عبد الله بن دينار عن ابن عمر رأيت النبى صلى عليه وسلم يمسح على الخفين فى السفر ولم يوقته.

مسح کی مدت مقرر کرنے کا بیان

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو سفر میں موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا۔ اور آپ نے اس کی مدت مقرر نہیں فرمائی۔

ف: ابن عمرؓ ﴿لَمْ يُوَقِّتْه﴾ سے یہ مراد لیتے ہیں کہ میرے علم میں آپ نے اس کی مدت مقرر نہیں فرمائی یہ نہیں کہ آپ نے اس کی کوئی مدت متعین ہی نہیں کی کیونکہ مسافر و مقیم ہر دو کے مسح کی مدت مقررہ آپ سے بروایات صحیح ثابت ہے غالباً ابن عمرؓ کا ہی واقعہ حضرت سعد سے مسئلہ مسح میں عدم موافقت کا سبب ہوا۔ اور بہت ممکن ہے کہ اسی روایت کے پیش نظر امام مالکؒ نے مسافر کے لئے کوئی مدت مقرر نہ کی ہو اور مسح صرف مسافر کے لئے جائز رکھا ہو۔ نہ مقیم کے لئے جو ایک روایت میں ان سے ثابت ہے ملا علی قاری نے کہا کہ عدم توقیت کے لئے یہ حدیث حجت کیسے بن سکتی ہے جب کہ یاد کرنے والا نہ یاد کرنے والے سے زیادہ قابل حجت ہے صحیح مسلم میں حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے مسافر کے لئے تین دن اور تین رات مقرر کئے اور مقیم کے لئے ایک دن ایک رات کو مدت مقرر نہ کرنے کی روایات بھی ابوداؤد ابن ماجہ وغیرہ میں وارد ہیں مگر ان کی تضعیف کی گئی ہے۔ صحیح روایات توقیت ہی کے بارہ میں ہیں یعنی اس کی مدت متعین ہے۔

ابوحنيفة عن حماد عن ابراهيم النخعي عن ابى عبد الله الجدلى عن خزيمة بن ثابت عن النبى صلى الله عليه وسلم انه قال فى المسح على الخفين للمقيم يوما وليلة وللمسافر ثلثة ايام لياليها لاينزع خفيه اذالبسهما وهو متوضئ وفى رواية المسح على الخفين للمسافر ثلثة ايام وللمقيم يوما وليلة ان شاء اذاتوضأقبل ان يلبسهما.

حضرت خزیمہ بن ثابت نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے مسح خفین کے بارہ میں مقیم کے لئے ایک دن ایک رات کی مدت مقرر فرمائی اور مسافر کے لئے تین دن تین رات کی، موزہ نہ اتارے جب ان کو باوضو ہونے کی حالت میں اس نے پہنا ہو۔ ایک روایت میں اس طرح ہے کہ موزوں پر مسح کرنا مسافر کے لئے تین دن تین رات تک ہے اور مقیم کے لئے ایک دن ایک رات تک اگر چاہے جب کہ پہننے سے پہلے باوضو ہو۔

ف: اس حدیث کی سند میں انقطاع بتاتے ہیں کہ ابراہیم تیمی اور عمرو بن میمون درمیان سے چھوٹ گئے ہیں کیونکہ ابراہیم نخعیؒ کا سماع ابی عبداللہ حدبی سے نہیں مانتے۔اس انقطاع کے سبب حدیث میں سقم نکالا ہے اور اس کی صحت میں کلام کیا ہے ہم کہتے ہیں کہ اول تو اس پر اتفاق نہیں تہذیب التہذیب میں کہا ہے کہ ابراہیم نخعی کو ابی عبداللہ حدبی سے سماع حاصل تھا۔اگر سماع نہ بھی مانا جائے تو امام صاحبؒ کے نزدیک منقطع حجت ہے۔اگر راوی ثقہ ہو۔اور ابراہیم ثقہ ہیں۔تقریب میں کہا ہے کہ ابراہیم ثقہ ہیں۔البتہ یہ اکثر ارسال کرتے ہیں۔تو پھر اس میں کیا قباحت رہی۔پھر اس حدیث کو ابوداؤد و ترمذیؒ بھی لائے ہیں۔اور انہوں نے اس کو صحیح بتایا ہے اور ترمذی نے ابن معین سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے اس کو صحیح کہا ہے ابن حبانؒ نے بھی اس کی تصحیح کی ہے۔کمال ہے کہ ان تمام حقائق پر پردہ ڈال کر اور ان سارے واقعات سے چشم پوشی کر کے نووی شرح المہذب میں کہہ بیٹھے کہ اس حدیث کے ضعیف ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔ایسا دعویٰ کرنا جو حقیقت و واقعیت سے دور ہو عقلمند کے شایان شان نہیں۔

مدت مسح کی تعیین میں بھی شریعت نے خاص راز و بھید مدنظر رکھا ہے۔اکثر و بیشتر کاموں کی مدت کا اندازہ کم از کم ایک دن سے لگایا جاتا ہے چنانچہ مقیم کے لئے شریعت نے یہ ہی مدت رکھی اور آسانی و رعایت کے نقطہ نظر سے رات کو بھی اس میں شامل کیا۔پھر مسافر کے لئے اسی مدت کو تین حصے بڑھادیا کیونکہ مسافر غریب تین زبردست مصیبتوں سے دوچار ہے۔ایک تو وہ طرح طرح کی مشقت کا شکار ہے کہ سفر آخر ہے ہی سقر کی نشانی۔سفر میں آخر کیا کچھ تکالیف نہیں پہنچتی ہے۔لہٰذا اس کے کاموں میں جس قدر سہولت پیدا کی جائے وہ عین انصاف ہے اور خیر پسندی۔پھر سفر میں عام طور پر پانی کا رونا ہے کبھی ہے کبھی نہیں۔اگر ہے تو صرف پینے کی مقدار اس لئے اس کے حق میں پانی کی بچت نہایت مناسب ہے تیسرے جس طرح مسافر کے پاس پانی کی کمی ہوتی ہے وقت کا بھی اس کے پاس سخت گھاٹا ہے۔ہر وقت عجلت و تیزی میں ہے سکون و تاخیر سے یہ آشنا نہیں، پس اس کے مشاغل جس قدر گھٹائے جاسکیں بہتر ہے۔لہٰذا ان ہر سہ عذرات کے پیش نظر شریعت نے اس کو تین دن تین رات کو اور مہلت دی اور دو کی تعداد کو ناپسند کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرد ہے اور وتر کو محبوب رکھتا ہے اور یہ بھی ہے کہ مرتبہ اقل جمع صرف تین ہی ہے تین ہی کی تعداد اکثر وظائف تسبیحات میں ملحوظ رکھی گئی ہے غرض شریعت کی ہر بات پر اسرار ہے۔

ابو حنیفة عن سعید عن ابراهیم التیمی عن عمرو بن میمون الاودی عن ابی عبد اللہ الجدلی عن خزیمة بن ثابت ان النبی صلی اللہ علیه وسلم سئل عن المسح علی الخفین قال للمسافر ثلثة ایام والیالیھن وللمقیم یوما ولیلة.

حضرت خزیمہ بن ثابتؓ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ سے مسح خفین کی مدت کے بارہ میں سوال کیا گیا' آپ ﷺ نے فرمایا مسافر کے لئے تین دن تین رات ہیں اور مقیم کے لئے ایک دن ایک رات۔

ف: مدت مسح کے آغاز میں اختلاف ہے۔ شفعیؒ کے نزدیک موزہ پہننے کے بعد سے شروع ہوتی ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حدث کے بعد سے یعنی فرض کیجئے کوئی مقیم صبح کو موزہ پہن کر مسح کرتا ہے اور ظہر کی نماز بھی اس وضو سے پڑھتا ہے اور بعد نماز ظہر اس کا وضو ٹوٹتا ہے تو دوسرے دن ظہر کے بعد تک مسح کی مدت باقی رہے گی۔ نہ دوسرے دن کی صبح تک یہ ہی مذہب قرین قیاس ہے کیونکہ موزہ کا کام یہ ہے کہ ناپاکی کو پاؤں تک نہ پہنچنے دے اور اس کا یہ کام یا یہ اثر اسی وقت سے شروع ہوگا کہ جب سے وضو ٹوٹے اس سے پہلے تو وہ طاہر ہے۔ اس وقت ناپاکی روکنے کا کیا ذکر ۔ پھر یہ بھی ہے کہ فرض کیجئے ایک شخص نے موزہ پر مسح کیا اور ایک دن ایک رات اس کا وضو نہیں ٹوٹا۔ تو کیا اس کو موزہ اتار دینا چاہئے یا نہیں جب اس کے لئے موزہ اتارنا لازم نہیں ہوا تو معلوم ہوا کہ مدت مسح حدث سے شمار ہوتی ہے نہ پہننے کے بعد سے یہ ہی مذہب امام صاحبؒ کا ہے۔

ابو حنیفة عن الحکم عن القاسم بن محمد عن شریح بن ھانیٔ عن علی عن النبی صلی اللہ علیه ولسم یمسح المسافر علی الخفین ثلثة ایام ولیالیھن والمقیم یوما ولیلة .

حضرت علیؓ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ مسافر موزوں پر مسح کرے تین دن تین رات تک اور مقیم ایک دن ایک رات تک۔

ف: تعیین مدت مسح کی یہ جس قدر بھی روایات ہیں سب امام مالکؒ کے خلاف حجت ہیں کیونکہ وہ تعیین مدت کے قائل نہیں۔

(۲۷) باب فی الجنب اذاارادالعود

ابو حنیفة عن ابی اسحق عن الا سود عن الشعبی عن عائشة قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یصیب من اهله من اول اللیل فینام و لا یصیب ماء فاذا استیقظ من اخر اللیل عادو اغتسل .

جو بحالت ناپاکی پھر جماع کرنا چاہے!

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی بی بی سے صحبت کرتے شروع رات میں پھر سو رہتے اور پانی کو نہ چھوتے (یعنی غسل نہ کرتے) پھر اخیر رات میں جب بیدار ہوتے تو پھر صحبت کرتے اور غسل فرماتے۔

ف: انہی اسود سے دوسری صحیح مرفوع روایات بطریق عائشہؓ نقال ہیں ان میں یوں ہے کہ نبی ﷺ آرام فرمانے سے پہلے وضو کیا کرتے اور اس میں اس طرح ہے کہ بغیر پانی چھوئے آرام فرماتے بعض نے ابواسحق کی طرف وہم و غلطی کی نسبت کی ہے مگر یہ صحیح نہیں۔ کیونکہ وہ ثقہ ضابط۔ صدوق ہیں تقریب میں بھی اس کی تصریح ہے۔ پھر وہ اس روایت میں منفرد بھی نہیں۔ چنانچہ ہشیم عبدالملک نے اور وہ عطاء سے اور وہ عائشہ سے یہی روایت کرتے ہیں۔ ایسے ہی ابن خزیمہ۔ ابن حبان اپنی اپنی صحیح میں ابن عمرؓ سے مرفوع بیان کرتے ہیں کہ کسی نے ان سے پوچھا کہ اگر ہم میں سے کوئی ناپاک ہو تو وہ سوسکتا ہے؟ آپ نے کہا کہ ہاں اگر چاہے وضو کرے۔ گویا یہاں مرضی پر مدار رکھنا صاف بتاتا ہے کہ اگر وضو نہ کرے کوئی حرج نہیں۔ اگر ابواسحاق منفرد بھی ہوں تو چونکہ وہ ثقہ ہیں ان کی زیادتی معتبر ہے۔ لہٰذا اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ ہر دو قسم کی روایات میں تطبیق دی جائے، اس کی دو صورتیں ہیں۔ یا تو یہ کہا جائے کہ آں جناب ﷺ غسل کے لئے پانی کو نہ چھوتے تھے۔ اس سے وضو کا انکار نہیں۔ اس وجہ تطبیق کو بیہقیؒ نے اختیار کیا ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ یہ دو واقعات باختلاف اوقات ہیں اکثر وضو فرمایا کرتے اور کبھی نہیں بھی صرف جواز بتانے کے لیے اور تاکہ آپ ﷺ کی ہمیشگی سے وجوب کا خیال پیدا نہ ہو اس طریق تطبیق کو نوویؒ نے اختیار کیا ہے۔

حماد عن ابی حنیفة عن ابی اسحق عن الاسود عن عائشة قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یصیب اهله اول اللیل و لا یصیب ماء فاذا

استقظ من اخر الليل عادو اغتسل .
حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اول شب میں اپنے اہل سے صحبت کرتے اور پانی کو نہ چھوتے (یعنی غسل نہ کرتے) پھر آخر رات میں جب بیدار ہوتے صحبت کرتے اور غسل فرماتے۔

ف: یہ حدیث پچھلی حدیث کی بجنسہ تکرار ہے۔

(۲۸) باب لاینام الجنب حتی یتوضأ

ابو حنیفة عن حماد عن ابراهیم عن الاسود عن عائشة قالت کان رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا اراد ان ینام وهو جنب توضأو ضوء ه للصلوة.

ناپاک نہ سوئے جب تک وضو نہ کرلے

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب بحالت جنابت سونے کا ارادہ فرماتے تو وضو کرتے جس طرح نماز کے لئے وضو کرتے تھے۔

ف: مسلم میں بطریق اسود حضرت عائشہؓ سے روایت ہے اس میں ﴿یَاکُلُ﴾ کا لفظ زائد ہے یعنی جب آپ ﷺ جب ہوتے اور کھانے یا سونے کا ارادہ فرماتے تو نماز کا سا وضو کرتے بخاری میں عروہ کے طریق سے حضرت عائشہؓ سے یوں مروی ہے کہ جب آں جناب ﷺ بحالت جنابت سونے کا ارادہ فرماتے تو شرمگاہ دھوتے اور نماز کا سا وضو کرتے گویا اس میں شرمگاہ دھونے کا مزید ذکر ہے غرض کتب صحاح میں یہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہے۔

(۲۹) باب المؤمن لاینجس

ابوحنیفة عن حماد عن ابراهیم عن رجل عن حذیفة ان رسول الله صلی الله علیه وسلم مدیده الیه فد فعها عنه فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم مالک قال انی جنب قال له رسول الله صلی الله علیه وسلم ارنایدیک فان المومن لیس بنجس وفی روایة المؤمن لاینجس.

مومن نجس نہیں ہوا کرتا

حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی طرف ہاتھ بڑھایا تو حذیفہؓ نے ہاتھ ہٹالیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ تم کو کیا ہوگیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ میں ناپاک ہوں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ذرا اپنے دونوں ہاتھ دکھاؤ۔ البتہ مومن ناپاک نہیں ہوتا۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ مومن ناپاک نہیں ہوتا۔

ف: شیخین اور دوسرے اصحاب صحاح نے اس حدیث کی روایت کی ہے۔ ابوداؤد حذیفہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ ان سے ملے تو ان کی طرف جھکے حذیفہؓ نے کہا کہ میں ناپاک ہوں' آپ نے فرمایا مومن نجس نہیں ہوتا اس میں بجائے مومن کے مسلم کا لفظ ہے اس سے اس کا پتہ چلا کہ شریعت کی اصطلاح میں مومن و مسلم بمعنی واحد مستعمل ہوتے ہیں لغت میں گوان کے درمیان فرق کیا جاتا ہے اس حدیث سے اس کا انکشاف ہوا کہ جنابت کی نجاست جو حکمی نجاست ہے۔ یہ نماز کی ادائیگی مسجد میں داخلہ اور قرآن کو چھونے وغیرہ سے مانع تو بلا شبہ ہوتی ہے مگر یہ نجاست حقیقی کی طرح انسان کی جلد کو ناپاک نہیں کرتی۔ اس سے نہ خود مومن ناپاک ہوتا ہے نہ یہ ناپاکی دوسرے تک متعدی ہوتی ہے۔ اس لئے جنبی کا پسینہ یا لعاب نجس نہیں۔ یہ حال چھوٹی نجاست کا ہے کہ مثلاً وضو ٹوٹنے سے انسان کا بدن نجس نہیں ہوتا۔ نہ اس کا پسینہ یا لعاب نجس ہوتا ہے۔ نہ یہ دوسرے کو نجس کرتا ہے البتہ انسان نماز پڑھنے سے رک جاتا ہے دوسرے رخ میں حدیث ذیل سے اس کا ثبوت ملا کہ کافر حقیقتاً نجس و ناپاک ہے اسی لئے ارشاد باری ہے ﴿انما المشرکون نجس﴾ کہ مشرک نجس ہیں۔

ابو حنيفة عن حماد عن حذيفة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم مديده اليه فامسكها عنه فقال رسول الله صلى الله وسلم ان المومن لاينجس.

حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنا ہاتھ ان کی طرف بڑھایا تو حذیفہؓ نے اپنا ہاتھ سمیٹ لیا۔ اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مؤمن نجس نہیں ہوتا۔

ف: یہ اگلی حدیث کی تکرار ہے۔

ابوحنيفة عن حامد عن ابراهيم عن الاسود عن عائشة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لهانا ولينى الخمرة فقالت انى حائض فقال ان حيضتک ليست فى يدک.

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے چٹائی یا بوریا طلب فرمایا اس پر انہوں نے جواب دیا کہ میں حائضہ ہوں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمہارا حیض تمہاری ہاتھ میں نہیں ہے۔

ف: ترمذی نے اپنے سلسلہ سے قاسم بن محمد سے روایت کی ہے اور انہوں نے عائشہؓ سے کہ آں جناب ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ ذرا مسجد سے چٹائی اٹھالاؤ۔ میں نے کہا میں تو حائضہ ہوں آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارا حیض تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے۔ اس حدیث سے اس بات کا حل ملا۔ کہ حیض نجاست حکمی ہے نہ حقیقی کہ اس سے پورا بدن ناپاک ہو جائے۔ اور وہ دوسرے کو بھی نجس کر دے۔ چنانچہ احادیث سے اس کا ثبوت ہے کہ جنبی اور حائضہ کا جھوٹا بھی پاک ہے اور پسینہ بھی اس سے معلوم ہوا کہ حائضہ عورت مسجد سے بغیر اس میں داخل ہوئے کوئی چیز اٹھا کر لا سکتی ہے البتہ داخلہ جائز نہیں۔ اسی دخول مسجد کے ممنوع ہونے کی پیش نظر رکھ کر غالباً حضرت عائشہؓ مصلیٰ لانے سے رکیں اور عذر پیش فرمایا ان کو یہ خیال رہا کہ نجاست حقیقی کی طرح حیض کی نجاست پورے بدن کو ناپاک کر دیتی ہے اس میں ہاتھ بھی ہے تو ناپاک ہاتھ سے مصلیٰ کس طرح چھوئیں۔ لہٰذا آنحضرت ﷺ نے تعلیم فرمائی کہ یہ دیکھنے والی نجاست کی طرح بدن میں نہیں سرایت کرتی کہ بدن کو پاک چیز چھونے سے معذور کر دے۔

باب المرأة ترى فى منامها ماير الرجل

ابوحنيفة عن حماد عن ابراهيم قال اخبر نى من سمع ام سليم انها سألت النبى صلى الله عليه وسلم عن المرأة ترى ما يرى الرجل فقال النبى صلى الله عليه وسلم تغتسل .

باب اس امر کے بیان میں کہ عورت کو خواب میں ایسا ہی احتلام ہوتا ہے جس طرح مرد کو!

ام سلیمؓ نے نبی ﷺ سے عورت کے بارہ میں پوچھا۔ کہ اگر وہ خواب میں وہی دیکھے۔ جو مرد دیکھتا ہے (یعنی اگر اس کو مرد کی طرح احتلام ہو تو اس کا کیا حکم ہے) آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ غسل کرے (جب کہ وہ تری دیکھے)

ف: بخاری زینب بنت ابی سلمہ سے روایت لائے ہیں کہ ام سلمہ ام المؤمنین نے کہا کہ ابو طلحہ کی بیوی ام سلیم نبی ﷺ کے پاس آئیں اور کہنے لگیں یا رسول اللہ۔ اللہ تعالیٰ حق سے نہیں

شرماتا، کیا عورت پر غسل ہے جب اس کو احتلام ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں جب تری دیکھے۔

اس میں مسئلہ کی شکل یہ ہے کہ غسل کا مدار تری دیکھنے پر ہے۔ اگر احتلام ہونا یاد ہے تری نہیں دیکھی تو غسل نہیں۔ اگر احتلام یاد نہیں مگر تری پائی تو غسل کرنا لازم ہوا۔ چنانچہ بیہقیؒ نے عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ جب تم میں سے کوئی نیند سے جاگے اور تری دیکھ لے اور اس کو احتلام یاد نہ ہو تو وہ غسل کرے اور جب اس کو خیال ہو کہ احتلام ہوا ہے مگر تری نہ دیکھے تو اس پر غسل نہیں۔ ابوداؤد بھی ایک طریق سے قاسم سے اور وہ عائشہؓ سے ایسی ہی روایت لائی ہیں۔

باب بئس البیت الحمام

ابوحنیفة عن عطاء عن عائشة قالت قال رسول الله صلی الله علیه وسلم بئس لابیت الحمام هوبیت لایستر وماء لایطهر.

باب۔ اس بیان میں کہ حمام بُرا گھر ہے

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ حمام بُرا گھر ہے وہ بے پردہ گھر ہے اور پانی ناپاک۔

ف: حمام کی مذمت و برائی میں بہت حدیثیں وارد ہیں۔ بیہقی عائشہؓ سے اور ابن عدی ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حمام برا گھر ہے اس میں آوازیں اٹھتی ہیں اور ستر کھلتے ہیں۔ مگر اس مذمت کے تحت اس نوعیت کے حمام آتے ہیں جو عرب میں اس زمانہ میں رائج تھے کہ ایک چھوٹا سا حمام ہوتا لوگ ننگے اس سے پانی لے لے کر نہاتے۔ اگر حماموں میں پانی پاک مہیا کیا جائے اور ستر کا بھی مناسب انتظام ہو تو پھر حماموں میں جانا ممنوع نہیں۔ چنانچہ طبرانی نے کبیر میں حاکم نے مستدرک میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں اس مضمون کی روایت کی ہے کہ بچو اس گھر سے جس کو حمام کہتے ہیں جو اس میں داخل ہو وہ ستر ڈھانک کر۔ طبرانی کی روایت میں یوں ہے کہ اس میں ستر پوش ہی جائے بیہقی میں اس طرح ہے کہ نہ داخل ہو اس میں مگر رومال کے ساتھ غرض ان احتیاطوں سے اگر حماموں کا استعمال ہو تو قابل ملامت و سرزنش نہیں۔

(۳۲) باب فرک المنی من الثوب

ابو حنیفة عن حماد عن ابراهیم عن همام ابن الحارث عن عائشة قال کنت افرک المنی من ثوب رسول الله صلی الله علیه وسلم.

باب۔ کپڑے سے منی کو کھرچ دینے کے بیان میں

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نبی ﷺ کے کپڑے پر سے منی کو مسل کر یا کھرچ کر صاف کر دیا کرتی تھی۔

ف: اس حدیث کی تشریح پیوستہ حدیث میں آئی ہے۔

ابو حنیفة عن حماد عن ابراهیم عن همام ان رجلا اضافته عائشة ام المومنین فار سلت الیه بملحفة فالتحف بهااللیل فاصا بته جنابة فغسل الملحفة کلها فقالت ما اراد بغسل الملحفة انما کان یحزیه ان یفر که لقد کنت افر که من ثوب رسول الله صلی الله علیه وسلم ثم یصلی فیه.

ہمام سے روایت ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ نے کسی صاحب کو مہمان ٹھہرایا۔اور ان کے لئے آپ نے ایک لحاف بھیجا۔رات کو انہوں نے اس کو اوڑھا اس میں ان کو احتلام ہوا (یعنی منی سے وہ بھر گیا) انہوں نے سب لحاف کو دھوڈالا۔(آپ ﷺ کو خبر لگی تو) آپ ﷺ نے فرمایا کہ سب لحاف کو کیوں دھویا۔اس کا تو کھرچ دینا کافی تھا۔البتہ میں نبی ﷺ کے کپڑے پر سے منی کو چٹکی سے مسل کر صاف کر دیا کرتی پھر آپ اس میں نماز ادا فرماتے۔

ف: صورت مسئلہ کی یہ ہے کہ منی کی نجاست وطہارت میں ائمہ کا اختلاف ہے۔امام شافعی اور احمد بن حنبلؒ باعتبار مذہب مشہور اس کو طاہر مانتے ہیں۔امام مالکؒ امام ابوحنیفہؒ اور ایک روایت میں امام احمدؒ اس کو نجس مانتے ہیں۔امام شافعیؒ واحمد روایت ودرایت نقل وعقل ہر دو سے اپنے مذہب پر دلیل لاتے ہیں روایت ونقل میں ان کی اصل اصول دلیل ابن عباسؓ کی حدیث ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ منی کھنگار کے مثل ہے اس کو اپنے سے صاف کر دو۔یہ حدیث موقوف بھی ہے اور مرفوع بھی مگر مرفوع علت سے خالی نہیں اس لئے صرف موقوف ہی صحیح ہے چنانچہ بیہقی بطریق عطا ابن عباسؓ سے یہ مرفوع حدیث لائے ہیں مگر کہا ﴿**الموقوف هو الصحیح**﴾ یعنی موقوف ہی صحیح ہے حدیث عائشہؓ سے بھی دلیل لاتے ہیں جس کو ابن خزیمہ دار قطنی بیہقی نے نقل کیا ہے کہ فرماتی ہیں کہ میں نبی ﷺ کے کپڑے سے منی کھرچ دیا کرتی اور آپ اس میں نماز ادا فرماتے جس طرح حدیث ذیل میں ہے عقل ودرایت میں یوں کہتے

ہیں کہ منی کی نجاست کس طرح قرین قیاس ہو جب کہ انبیاءؑ اور اولیاء اللہ کی تخلیق اس سے ہوئی ہے ایسی پلید چیز سے مقدس شخصیتوں کی پیدائش کس طرح سمجھ میں آ سکتی ہے طہارت کی صورت میں امام مالکؒ و امام ابوحنیفہؒ میں بھی ایک ایک گونہ اختلاف ہے امام مالک کہتے ہیں کہ جب تک منی کو نہ دھویا جائے کپڑا پاک نہیں ہوتا۔ امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ خشک کو کھرچ دینے سے کپڑا پاک ہو جاتا ہے اور تر کو بغیر دھوئے کپڑا پاک نہیں ہوتا۔ امام مالکؒ اس کو خون کا حکم دیتے ہیں کہ وہ بھی بغیر دھوئے پاک نہیں ہوتا۔ اب امام صاحبؒ کی نقلی دلیل حضرت عائشہؓ کی وہ حدیث ہے جو صحیح ابوعوانہ میں مروی ہے کہ آپ فرماتی ہیں کہ میں نبی ﷺ کے کپڑے سے منی کھرچ دیا کرتی جب خشک ہوتی اور دھو دیا کرتی جب تر ہوتی اس پر نبی ﷺ کا سکوت صاف اور کھلی دلیل ہے کہ یہ نجس ہے ورنہ آپ ﷺ کیوں بلاوجہ پانی بہانے کی اجازت دیتے اور عائشہؓ کو ناحق مشقت میں ڈالتے اس سے زبردست دلیل یہ ہے کہ مسلمؒ نے عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ منی کو دھویا کرتے اور پھر اسی کپڑے میں نماز کو تشریف لے جاتے اور فرماتی ہیں کہ میں اس میں دھونے کا اثر دیکھا کرتی' یا تو خود بنفس نفیس دھویا کرتے یا حکم دیتے ہر دو صورتیں اس کی نجاست کی کھلی دلیل ہیں پھر دار قطنی عمار بن یاسر سے حدیث نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ﴿**یاعمار انما یغسل الثوب من خمس من الغائط والبول والقیٔ والدم والمنی**﴾ کہ اے عمار کپڑا پانچ چیزوں سے دھویا جاتا ہے۔ پاخانہ' پیشاب' قے' خون اور منی سے۔ اس میں آپ ﷺ نے منی کو پانچ نجس چیزوں میں شمار فرمایا۔ تو لامحالہ حدیث ابن عباسؓ اگر صحیح بھی مانی جائے تو منسوخ ہوگی۔ صرف فرک منی سے کپڑا پاک ہو جانا حدیث ذیل سے بھی ثابت ہے اگر کوئی جواب دے کہ یہ نظافت کے لئے تھا اس لئے نہیں کہ یہ نجس ہے تو اس دعویٰ پر کوئی دلیل نہیں۔

عقلی دلیل یہ ہے کہ منی کا نکلنا سب سے بڑی پلیدی مانا گیا ہے اس لئے اس پر طہارت کبری لازم ہوتی ہے کہ غسل واجب ہوتا ہے ہم نے بدیں وجہ اس کو کم از کم ان چیزوں میں شمار کیا جن سے حدیث اصغر وضو واجب ہوتا ہے پھر طہارت کے قائلین کی دلیل کا مسکت جواب یہ ہے کہ اگر انبیاءؑ اور اولیاء اللہ کی تخلیق منی سے ہونا اس کی طہارت کی دلیل ہے تو کافر مشرک ابوجہل وابولہب کی پیدائش کس سے ہے وہاں کس کی دلیل ہے پھر نجس چیز سے طاہر چیز کی تخلیق میں کیا

قباحت ہے جب کہ دودھ خون سے پیدا ہوتا ہے بلکہ نجس چیز سے پاک چیز کی تخلیق میں قدرت الٰہی کا زیادہ مظاہرہ ہے۔ جانے دیجئے ان سب باتوں کو اگر یہ پاک ہے تو اس کے نکلنے سے طہارت کیوں زائل ہوتی ہے کہیں ایک چیز کے خارج ہونے سے بھی طہارت میں فرق آتا ہے۔

(۴۳) باب ایمااھاب دبغ فقد طھر

ابو حنیفة عن سماک عن عکرمة عن ابن عباس ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال ایما اھاب دبغ فقد طھر.

باب۔ اس بیان میں کہ جس کھال کی بھی دباغت دی گئی وہ پاک ہوگئی!

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو کھال بھی دباغت دی گئی وہ پاک ہوئی۔

ف: مسلم میں بھی یہ حدیث مرفوع ابن عباس ؓ سے مروی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں ﴿**اذادبغ الاھاب فقد طھر**﴾ کہ جب کھال کی دباغت ہوگئی تو البتہ وہ پاک ہوگئی۔ ترمذی نے بھی اس کی روایت کی ابن ماجہ اور دارقطنی ابن عمرؓ سے روایت لائے ہیں۔ اس حکم سے خنزیر ﴿**فَاِنَّهٗ رِجْسٌ**﴾ کے ماتحت نجس عین ہونے کی وجہ سے خارج ہوا اور آدمی شرافت و بزرگی کے سبب سے اس سے نکلا۔ امام شافعیؒ کتے کی کھال بھی اس عام حکم سے اس سے نکالتے ہیں۔ امام صاحب نہیں۔ کیونکہ وہ خنزیر کی طرح نجس عین نہیں۔ اسی لئے اس سے چوکسی کا نفع اٹھانا جائز ہے۔ اور اسی طرح اس کا شکار کیا ہوا حلال ہے ادھر حدیث کے الفاظ بھی عام ہیں جو سب کو شامل ہے استثنا کی بظاہر کوئی وجہ خاص نہیں۔ یہ ہی حدیث امام مالک اور اصحاب احمد کے خلاف بھی حجت ہے کہ وہ جلد میتہ سے نفع لینا جائز نہیں جانتے اور وہ اس حدیث ممانعت کو سامنے رکھتے ہیں جو ابوداؤد و نسائی' ابن ماجہ۔ ترمذی عبداللہ بن حکیم سے لائے ہیں بایں مضمون کہ (عبداللہ بن حکیم کہتے ہیں) ہمارے پاس رسول اللہ ﷺ کی تحریر آئی کہ نہ نفع اٹھاؤ میتہ (مردار) کی کھال اور پٹھے سے۔ کیونکہ اہاب جس سے نفع لینے سے آں جناب ﷺ نے روکا ہے۔ وہ بے دباغت کھال کا نام ہے تو اس سے نفع اٹھانا تو اس حدیث کی رو سے بھی ناجائز ہے معلوم ہوا کہ کھال کو جب تک دباغت نہ دی جائے' پاک نہیں اور اس سے نفع اندوزی منع ہے۔ تو اب ہر دو احادیث میں تعارض و ٹکراؤ کب واقع ہوا کہ اگر نہی کی حدیث مان لی جائے تو حدیث ذیل سے انکار لازم

آئے اور میتہ کی جلد سے نفع اندوزی کا قول متعذر رہو۔

ابوحنیفة عن سماک عن عکرمة عنابن عباسؓ ان رسول الله صلی الله علیه وسلم مربشاة میتة لسودة فقال ماعلی اهلها لوانتفعوا باهابها فسلخوا جلد الشاة فجعلوة سقاء فی البیت حتی صارت شنا.

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا گذر حضرت سودہ کی مری ہوئی بکری پر ہوا۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کے مالکوں کو کیا ہوا کاش وہ اس کی کھال سے نفع اٹھاتے (چنانچہ) انہوں نے اس بکری کی کھال کھینچی اور اس سے گھر کے استعمال کے لئے ایک مشکیزہ بنالیا۔جو آخر استعمال کرتے کرتے پرانا ہو گیا۔

ف: حدیث کی وضاحت حدیثِ بالا کے ذیل میں گذری۔

كتاب الصلوة

ابوحنفة عن حماد عن ابراهيم عن عبد الله عن ابی ذرانه صلی صلوة فخففها واكثر الركوع والسجود فلما انصرف قال له رجل انت صاحب رسول الله صلی الله عليه وسلم وتصلی هذه الصلوة فقال ابو ذر الم اتم الركوع واسجود قال بلی قال فانی سمعت رسول الله صلی الله عليه وسلم يقول من سجد لله سجد ة رفع بها درجة فی الجنة فاحببت ان تؤتی لی درجات اوتكتب لی درجات وفی رواية عن ابراهيم النخعی عمن حدثه انه مربابی ذرؓ بالربذة وهو يصلی صلوة خفيفة يكثر فيها الركوع و السجود فلما سلم ابوذر قال له الرجل تصلی هذه الصلوة و قد صحت رسول الله صلی الله عليه وسلم فقال ابو ذر سمعت رسول الله صلی الله عليه وسلم يقول من سجد الله سجدة رفعه الله بها درجة فی الجنة فلذلک اكثر فيها السجود.

کتاب۔نماز کے بیان میں

حضرت ابوذرؓ کے بارہ میں نقل ہے کہ انہوں نے (ایک روز) نماز پڑھی اور اس کو ہلکا کیا (یعنی کئی رکعتیں ادا کیں مگر قیام میں کم وقت لگاتے گئے) اور رکوع سجدے زیادہ کئے (یعنی

رکعتیں تعداد میں زیادہ ادا کیں جب نماز سے فارغ ہو کر واپس ہوئے تو ایک شخص نے آپ سے کہا کہ آپ رسول اللہ ﷺ کے صحابیؓ ہیں اور پھر ایسی نماز پڑھتے ہیں۔ابوذرؓ بولے۔کیا میں نے رکوع اور سجدے اچھی طرح ادا نہیں کئے۔اس شخص نے کہا کیوں نہیں تو آپ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ جس نے اللہ کے لئے ایک سجدہ کیا تو اللہ نے اس کا ایک درجہ جنت میں بڑھایا تو مجھ کو یہ بات پسند آئی کہ مجھ کو (کئی) درجے نصیب ہوں یا (انہوں نے یہ کہا) کہ میرے کئی درجے لکھے جائیں۔ایک روایت میں اس طرح ہے کہ ایک شخص مقام ربذہ میں حضرت ابوذرؓ کے پاس سے گذرا۔اور وہ ہلکی ہلکی نمازیں پڑھ رہے تھے اور رکوع سجدے زائد کر رہے تھے (یعنی رکعتوں کی ادائیگی میں کم وقت لگا رہے تھے مگر تعداد میں وہ زائد تھیں) جب انہوں نے سلام پھیرا تو ان سے اس شخص نے کہا کہ تم ایسی نماز پڑھتے ہو اور حالانکہ رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہو پس ابوذرؓ نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ جس نے اللہ کے لئے ایک سجدہ کیا اور اللہ نے جنت میں اس کا ایک درجہ بلند کیا' اس لئے میں ان میں سجدے زیادہ کرتا ہوں۔

ف: یہاں ایک لطیف بحث سامنے آتی ہے وہ یہ کہ نماز میں قیام میں زیادہ دیر لگانا اور یوں پوری نماز کو لمبا کرنا' کیونکہ نماز میں ایک قیام ہی تو ایسا رکن ہے جس میں زیادہ ٹھہرنے سے پوری نماز زیادہ وقت لے لیتی ہے افضل و بہتر ہے یا رکعتوں کی تعداد بڑھا کر رکوع اور سجدوں کی تعداد میں اضافہ کرنا زیادہ اجر و ثواب کا باعث ہے' اس میں علماء مختلف الخیال ہیں بعض قیام کی درازی زیادہ مناسب سمجھتے ہیں اور باعث ثواب بعض سجدوں کی کثرت اور ان کے طول کو بہتر خیال کرتے ہیں اور سبب اجر' بعض ہر دو کو برابر جانتے ہیں۔گویا یہاں تین خیال ہیں۔احادیث صحیحہ ہر دو کی فضیلت پر وارد ہیں۔امام احمد نے فرمایا کہ ہر دو رخ میں احادیث وارد ہیں۔اس لئے ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے کی کوئی وجہ معقول نہیں اس لئے خود بھی کوئی فیصلہ نہیں دیا جو کثرت سجود اور درازی کی افضلیت کی طرف جھکے۔ان کے پیش نظر حدیث ذیل بھی ہے اور وہ حدیث بھی جو مسلم میں ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آں جناب ﷺ فرماتے ہیں کہ بندہ اللہ کے سب سے زائد قریب اس وقت ہوتا ہے کہ وہ سربسجود ہو۔تو اس میں دعا زیادہ پڑھو۔اس سے سجدہ کی افضلیت اور

اس میں زیادہ وقت لگانے کی برتری ثابت ہوئی اور جو اصحاب طول قیام کی ترجیح کے قائل ہیں انہوں نے اپنے سامنے وہ احادیث رکھیں جن میں قیام میں زیادہ وقت صرف کرنے کی مدح و ستائش آئی ہے مثلاً صحیح مسلم میں حضرت ابو جابر سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ﴿افضل الصلوٰۃ طول القنوت﴾ کہ نماز کی افضلیت زیادہ تر قیام کی درازی میں مضمر ہے پھر اس میں یہ وجہ عقلی بھی نظر آتی ہے کہ قیام قرأت پر مشتمل ہے اور سجدہ تسبیح پر اور قرأت بہر حال تسبیح سے افضل ہے یہ ہی وجہ سے کہ نبی ﷺ قیام میں سجدہ سے زیادہ وقت لگایا کرتے تھے پھر اجر بقدر مشقت ہوتا ہے قیام میں جو بدنی کوفت اور مشقت جسمانی ہوتی ہے وہ سجدہ میں نہیں بدیں وجہ قرین قیاس یہ ہی ہے کہ طول قیام طول سجدہ سے افضل ہو۔ یہ ہی مذہب ہر سہ ائمہ احناف کا ہے۔ اسحاق بن راہویہ نے ان خیالات میں عجیب پر لطف فیصلہ کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ دن کی نمازوں میں رکوع سجدوں کی کثرت مناسب ہے اور رات کی نمازوں میں طول قیام ترمذی ان کے اس کلام کی یہ نفیس ترجمانی کرتے ہیں کہ انہوں نے یہ اس بناء پر کہا کہ نبی ﷺ کی رات کی نمازوں میں آپ کا قیام میں زیادہ وقت لگانا بنسبت دن کی نمازوں کے زیادہ مروی ہے اس لئے اس خیال کی بنیاد سنت نبوی ﷺ پر ہوئی۔

(۳۴) باب مابین السرة والركبة عورة

ابو حنيفة عن حماد عن ابراهيم قال قال عبد الله قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ومابين السرة والركبة عورة.

باب۔ اس بیان میں کہ ناف اور گھٹنے کے درمیان ستر ہے

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ ناف اور گھٹنے کے درمیان ستر ہے۔

ف: دار قطنی میں ابو ایوبؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ گھٹنوں سے اوپر ستر ہے اور ناف کے نیچے ستر ہے۔ امام احمد نے روایت کی کہ ناف کے نیچے گھٹنے تک ستر ہے۔ غرض ان الفاظ سے بہت سی حدیثیں وارد ہیں۔

حدیث ذیل مسئلہ ستر پر روشنی ڈالتی ہے ستر کے بارہ میں احادیث مذکورہ کے پیش نظر ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ ناف اور گھٹنوں کا درمیان حصہ ستر میں داخل ہے اور اس پر بھی کہ ناف ستر

میں شمار نہیں البتہ گھٹنوں کے ستر ہونے نہ ہونے میں اختلاف ہے۔امام مالکؒ ' شافعیؒ اور احمدؒ فرماتے ہیں کہ گھٹنے ستر میں شامل نہیں احادیث مذکورہ کے ظاہر الفاظ کی رو سے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک گھٹنے ستر میں داخل ہیں اور یہ اس حدیث کی رو سے جس کو دارقطنی عقبہ بن علقمہ کے طریق سے حضرت علیؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ﴿الركبة من العورة ﴾ کہ گھٹنہ ستر میں ہے چنانچہ امام صاحبؒ کے نزدیک ﴿ما بين السرة والركبة ﴾ کے معنی دراصل ﴿ما بين السرة ومنتهى الركبة ﴾ کے ہوں گے یعنی یہ کہ ستر ناف سے گھٹنے کے آخر تک ہے تا کہ تمام احادیث اپنے اپنے معنی پر باقی رہ سکیں۔

(۳۵) باب جواز الصلوة فى الثوب الواحد

ابو حنفة عن عطاء عن جابر انه امهم فى قميص واحد وعنده فضل ثياب يعز فنا بسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم . ابو قرة قال ذكر ابن جريج عن الزهرى عن ابى سلمة عن عبد الرحمن عن ابى هريرة انّ رجلا قال يارسول الله يصلى الرجل فى الثوب الواحد فقال النبى صلى الله على وسلم ولكلكم ثوبان. قال ابوقرة فسمعت ابا حنيفة يذكرعن الزهرى عن سعيد بن المسيب عن ابى هريرة انه سأل النبى صلى الله عليه وسلم عن الصلوة فى الثوب الواحد فقال النبى صلى الله عليه وسلم اليس كلكم يجد ثوبين .

باب۔ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کا بیان

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے نماز پڑھائی ایک قمیص میں' حالانکہ ان کے پاس فاضل کپڑے بھی تھے ۔ یہ ہم کو صرف سنت رسول اللہ ﷺ سکھانے کی غرض سے تھا ۔ابو ہریرہؓ سے روایت کہ ایک شخص نے آں جناب ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا آدمی ایک کپڑے میں نماز پڑھ لے۔آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم میں سے ہر ایک کے پاس دو کپڑے ہیں؟ ابوقرہؒ کہتے ہیں کہ میں نے ابوحنیفہ کو زہری سے روایت کرتے سنا وہ سعید بن مسیّب سے روایت کرتے ہیں اور وہ ابو ہریرہؓ سے کہ انہوں نے نبی ﷺ سے ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کے بارہ میں پوچھا' آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم سب کو دو

کپڑے نہیں ملتے۔

ف: ابن ابی شیبہ نے اسماء بنت ابی بکرؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے اپنے والد کو دیکھا کہ وہ ایک کپڑے میں نماز پڑھتے ہیں۔ میں نے کہا ابا جان آپ ایک کپڑہ میں نماز پڑھتے ہیں حالانکہ آپ کے پاس کپڑے اور بھی رکھے ہوئے ہیں آپ نے فرمایا بیٹی! آخر نماز جو رسول اللہ ﷺ نے میرے پیچھے ادا فرمائی وہ ایک کپڑے میں تھی۔ جامع عبدالرزاق میں ہے کہ حضرت ابیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ میں ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کے بارہ میں اختلاف رائے واقع ہوا۔ حضرت ابی نے فرمایا یہ جائز ہے اس میں کوئی حرج نہیں نبی ﷺ نے ایک کپڑے میں نماز پڑھی ہے۔ ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ یہ اس وقت تھا کہ لوگوں کو کپڑے نصیب نہ تھے۔ مگر جب ان کو فراخی ملی تو اب نماز دو ہی کپڑوں میں ہے یہ سن کر حضرت عمرؓ منبر پر کھڑے ہوئے اور آپ نے حضرت ابیؓ کی رائے پر فیصلہ دیا لیکن افضلیت کا جہاں تک سوال ہے حق ابن مسعودؓ ہی کے ساتھ ہے کہ ایک کپڑے میں نماز اسی وقت تھی کہ لوگوں میں تنگی تھی۔ جب خوشحالی نصیب ہوئی اور ایک سے زائد کپڑے نصیب ہوئے تو افضلیت نماز کی دو کپڑوں میں ہے۔ البتہ ایک کپڑے میں نماز بلا خلاف جائز ہے۔ اگر ہر دو حضراتؓ کے درمیان اختلاف جواز میں تھا جیسا کہ بعض جگہ عبارت سے شبہ ہوتا ہے تو پھر حق حضرت ابیؓ کے ساتھ ہے اور حضرت عمرؓ اپنے فیصلہ میں حق بجانب ہیں۔

ابو حنيفة عن ابى الزبير عن جابر ان رسول الله صلى الله عليه وسلم صلى فى ثوب واحد متوشحابه فقال بعض القوم لابى الزبير غير المكتوبة قال المكتوبة وغير المكتوبة.

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک کپڑے میں نماز پڑھی متوشح ہونے کی صورت میں بعض لوگوں نے ابی الزبیر سے کہا۔ کیا یہ نوافل میں ہے۔ انہوں نے کہا نوافل اور غیر نوافل (فرضوں) سب میں ہے۔

ف: متوشح ہونے کی شکل یہ ہے کہ ایک کپڑے کو سیدھی بغل سے نکال کر الٹے کاندھے پر ڈالیں۔ اور الٹی بغل سے نکال کر سیدھے کاندھے پر ڈالیں اور ایک روایت میں یوں بھی ہے کہ پھر سینہ پر اس کو باندھ بھی لیں۔

باب الصلوة فی مواقیتها

ابو حنیفة عن طلحة بن نافع عن جابر قال سئل رسول الله صلی الله علیه وسلم ای العمل افضل قال الصلوة فی مواقیتها.

باب۔نماز اپنے وقت پر پڑھنے کا بیان

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ کون سا عمل افضل ہے؟ آپ نے فرمایا نماز کا اپنے وقت پر ادا کرنا۔

ف: بخاری میں عبد اللہ بن مسعودؓ سے مرفوع روایت ہے اس میں اس طرح ہے ﴿ای الاعمال احب الیه قال الصلوة علی وقتها ﴾ کہ اللہ کے نزدیک محبوب ترین عمل کونسا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نماز اپنے وقت پر (پوچھنے والے نے پوچھا) پھر کونسا؟ آپ ﷺ نے فرمایا والدین کے ساتھ احسان۔ پوچھا پھر کون سا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ کے راستہ میں جہاد اس حدیث میں نماز کے اوقات کی پابندی پر بہت زور دیا گیا ہے اور اس کی ترغیب ہے کہ سب سے افضل عمل وہ نماز ہے جو اپنے ٹھیک وقت پر ادا کی جائے۔

(۳۷) باب فضیلة الاسفار

ابوحنیفة عن عبد الله عن ابن عمر عن النبی صلی الله علیه وسلم اصفر وابالصبح فانه اعظم للثواب.

باب۔اسفار کی فضیلت

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں (کہ آپ ﷺ نے فرمایا) صبح کی نماز صبح کو خوب روشن کر کے پڑھو' کیونکہ یہ زیادہ باعث ثواب ہے۔

ف: اس حدیث سے وہ مسئلہ حل ہو جاتا ہے جو امام ابو حنیفہؒ اور دیگر ائمہ۔امام مالک' امام شافعی و احمد رحمہم اللہ کے درمیان مختلف فیہ ہے۔یعنی یہ کہ نماز فجر غلس (اندھیرے) میں پڑھی جائے یا خوب روشن ہونے کے بعد ہر سہ ائمہ پہلے خیال کی حامی ہیں اور امام اعظمؒ دوسرے خیال کے امام صاحبؒ کے مذہب کا مدار اس حدیث اسفار پر ہے جو مختلف مگر ہم معنی الفاظ سے کتب صحاح میں منقول ہے۔ابن ماجہ میں رافع بن خدیجؓ سے مرفوع روایت ہے﴿اصبحوا بالصبح فانه اعظم للاجر ﴾ کہ اچھی طرح صبح ہونے دو کیونکہ اس میں بہت بڑا اجر ہے

ابوداؤد کے الفاظ بھی یہی ہیں ترمذی میں یوں ہے ﴿اسفروا بالفجر فانہ اعظم للاجر ﴾ ترمذی نے کہا کہ یہ رافع بن خدیج کی حدیث حسن صحیح ہے۔ اور صحابہ وتابعین میں بہت سے اہل علم حضرات اسی کے قائل ہیں۔ سفیان ثوریؒ کا مذہب بھی یہی ہے نسائی ابن حبان طبرانی میں بھی قریب قریب انہی الفاظ سے یہ حدیث نقل ہے پھر اس حدیث کی تائید دوسری صحیح احادیث سے بھی ہے جو اس حدیث یا اس مذہب کو نہایت مضبوط بنیادوں پر قائم کر دیتی ہیں۔ مثلاً حضرت بلالؓ سے آں حضرت ﷺ نے فرمایا کہ صبح میں روشنی آنے دو اس قدر کہ اسفار کے سبب لوگ اپنے تیر گرنے کی جگہیں دیکھ سکیں۔ ابن ابی شیبہ، اسحٰق اور ابوداؤد نے اپنی اپنی مسانید میں اس کی روایت کی ہے اور سب سے زائد فیصلہ اور جھگڑے کی جڑ کاٹ دینے والی وہ حدیث ہے جو ابن مسعودؓ سے صحیحین میں مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو سوائے دو نمازوں کے ہر نماز کو اپنے وقت پر پڑھتے دیکھا ہے ایک منیٰ میں آپ کا نماز مغرب وعشاء کو جمع کرنا دوسرے مزدلفہ میں صبح کی نماز وقت معمول ومعتاد سے پہلے ادا کرنا یہ نماز آپ نے غلس میں ادا فرمائی تھی کیونکہ مسلم میں یوں ہے ﴿ قبل میقاتھا بغلس ﴾ یہ اس لئے کہ وقوف کا وقت زیادہ مل سکے ابن مسعودؓ جو رسول اللہ ﷺ کے خادم خاص ہیں اور جن کو آں حضرت ﷺ کی خانگی، بیرونی، سفر وحضر، شب وروز کی زندگی سے گہری واقفیت رکھنے کا سب سے زائد شرف وفخر حاصل ہے جب کہیں کہ آں حضرت ﷺ اسفار میں نماز پڑھنے کے عادی تھے تو اب اس میں کسی اور کی شہادت کی ضرورت نہیں رہتی مزید براں طحاوی شرح معانی آلاثار میں ابراہیم نخعی سے صحیح سند سے روایت لاتے ہیں کہ اصحاب رسول اللہ ﷺ نے کسی امر پر ایسا اتفاق نہیں کیا جس طرح اسفار میں نماز پڑھنے پر اس نقل وروایت سے امام صاحبؒ کے مذہب کا ثبوت مکمل ہو جاتا ہے۔ قیاس سے بھی اس مذہب کی پرزور تائید ہوتی ہے کیونکہ جائز حد تک اگر نمازیوں کو جماعت میں زیادہ سے زیادہ تعداد میں شرکت کا موقع دیا جائے تو نہایت بہتر ہے اور موافق مصلحت اور لوگوں کے سامنے ایسی دقتیں رکھنی کہ وہ جماعت میں شریک نہ ہو سکیں۔ مذہباً قابل تحسین نہیں۔ بلکہ قابل سرزنش دیکھئے معاذ بن جبلؓ سے قرات لمبی کر دینے کی لغزش سرزد ہوئی تو آپ نے فرمایا ﴿افتان انت یا معاذ ﴾ کہ تم لوگوں کو فتنہ میں ڈالتے ہو اور عام لوگوں کی شرکت اسفار میں زیادہ ممکن ہے نہ کہ غلس (اندھیری) میں۔ لہٰذا یہی مذہب قرین قیاس ہے۔

اب خیال کا دوسرا رخ پیش نظر رکھئے اور معاملہ کی حقیقت کو سامنے لائیے غلس کے سلسلہ میں چوٹی کی دلیل وہ حدیث ہے جو عائشہؓ نے صحیحین وغیرہ میں مروی ہے ﴿ **ان رسول الله صلى الله عليه وسلم ليصلى الصبح فتنصرف النساء متلفقات بمروطهن مايعرفن من الغلس** ﴾ کہ آں حضرت ﷺ صبح کی نماز ادا فرماتے تو عورتیں چادروں میں لپٹی ہوئی واپس ہوتیں اور اندھیرے کے سبب پہچان میں نہ آتیں۔ پہچان میں نہ آنا بتاتا ہے کہ کافی اندھیرا ہوتا تھا لیکن درحقیقت پہچان میں نہ آنے کے دو سبب تھے ایک اندھیرا ہونا دوسرا ان کا چادروں میں لپٹا ہونا۔ دوسرا سبب ﴿ **متلففات** ﴾ کے ذیل میں ذکر ہوا۔ اور پہلا ﴿ **من الغلس** ﴾ کے لفظ سے۔ اگر محض اندھیرا ہی پہچان میں نے آنے کا سبب ٹھہرتا تو زیادہ اندھیرے کا ثبوت ملتا۔ چادروں میں لپٹ کر معمولی اندھیرا بھی نہ پہچانے جانے کا سبب ہوسکتا ہے اور یہ معمولی اسفار میں بھی ہوتا ہے۔ کیونکہ احنافؒ کے نزدیک نماز صبح کا مستحب وقت وہ ہے کہ انسان ساٹھ سے سو آیات تک پڑھ سکے پھر اگر وضو ٹوٹے تو اس قدر قرات سے پھر نماز کا اعادہ کر سکے تو گویا اس طرح اس حدیث سے پوری مطلب برآری نہ ہوسکی۔ اور یہ بنائے مذہب نہ ٹھہری۔

پھر پتہ چلتا ہے کہ یہ ذکر اس وقت کا ہے کہ ابتدائے اسلام میں عورتوں کو مسجد میں آنے کی اجازت حاصل تھی مگر جب اجازت منسوخ ہوئی اور عورتوں کا گھروں میں نماز پڑھنا بہتر قرار دیا گیا تو ممکن ہے ایسا نہ رہا ہو اور وقت میں تبدیلی ہوئی ہو۔ ان سب احتمالات کے ہوتے ہوئے عبداللہ بن مسعودؓ کا بیان بہت وقعت رکھتا ہے اور ہر حیثیت سے قابل ترجیح ہے مزید یہ کہ حضرت عائشہ کی حدیث فعلی ہے اور اسفار کی حدیث قولی۔ اور احناف کے نزدیک قول فعل پر قابل ترجیح ہے یہاں ہر دو احادیث میں تطبیق کی بھی ایک صورت ہے وہ یہ کہ غلس سے مراد معمولی اندھیرا ہو اور اسفار سے وہ وقت جس میں کچھ تاریکی بھی ہو جس کو غلس سے تعبیر کیا جاسکتا ہے بہر حال مقابلہ سے اگر دیکھا جائے تو اسفار کی روایات مضبوط بنیادوں پر قائم نظر آئیں گی۔

(۳۸) باب وعيد تفويت صلوة العصر

ابو حنيفة عن شيبان عن يحيى عن ابن بريدة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم بكر وابصلوةالعصرو فى رواية عن بريدة الاسلمى قال قال

رسول الله صلى الله عليه وسلم بكر وابصلوة العصر.

وفي رواية عن بريدة الاسلمي قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم بكروا بصلوة العصرفي يوم غيم فان من فاته صلوة العصر حتى تغرب الشمس فقد حبط عمله.

باب۔نمازعصر کے قضا ہو جانے پر وعید کا بیان

ابن بریدہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نماز عصر کی ادائیگی میں جلدی کیا کرو۔ایک روایت میں بریدہ اسلمی یوں کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ عصر کی نماز پڑھنے میں عجلت سے کام لیا کرو۔

ایک اور روایت میں بریدہ اسلمی اس طرح کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نماز کی ادائیگی میں ابر کے دن تیزی سے کام لو کیونکہ جس کی نماز عصر فوت ہوگئی یہاں تک کہ سورج غروب ہوگیا تو اس کا عمل سوخت ہوا (یعنی وہ ثواب سے محروم رہا)۔

ف: اس حدیث کے ذیل میں اس امر کی وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے کہ نماز عصر کا مستحب اور افضل وقت کونسا ہے اور یہ کہ اس مسئلہ میں کیا اختلاف ہے تعجیل کس کے نزدیک مستحب ہے۔اور تاخیر کس کے نزدیک امام احمدؒ شافعیؒ مالک رحمہم اللہ تعجیل کے قائل ہیں کہ نماز عصر بالکل شروع وقت میں ادا کرنی چاہئے۔اور امام ابوحنیفہؒ تاخیر کے حامی ہیں دونوں طرف احادیث مرفوع بھی مروی ہیں اور موقوف بھی۔امام صاحب دراصل ہر دو نوع کی احادیث کو جمع کرتے ہیں اس طرح کہ تعجیل کی احادیث کو ابر والے دن سے مخصوص کرتے ہیں اور تاخیر کو صاف اور کھلے دن کے ساتھ تعجیل کی یہ حدیث بریدہ اسلمی کی حدیث پر حجت ہے اس لئے کہ ابر والے دنوں میں ابر کی وجہ سے نماز فوت وقضا ہونے کا اندیشہ ہے اس لئے بعد کی ادائیگی میں جلدی کرنا مناسب ہے کہ قضا نہ ہو جائے اور وہ نماز کے ثواب سے محرومی کا سبب نہ بنے۔اور تاخیر کی وہ حدیث دلیل ہے جو ام سلمہؓ سے ترمذی میں مروی ہے کہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ظہر کی نماز ادا کرنے میں تم سے زیادہ تعجیل کرتے اور تم عصر کی نماز پڑھنے میں ان سے زیادہ تعجیل کرتے ہو۔یہ حدیث تاخیر نماز عصر کے لئے کھلا ہوا اور صاف ثبوت ہے۔

اب تعجیل کے سلسلہ میں جو احادیث مروی ہیں وہ درحقیقت یا تو مبہم ہیں کہ تعجیل کے

مذہب کا ثبوت بوضاحت ان سے نہیں ملتا۔ یا محتمل کہ امام صاحبؒ کے مذہب تاخیر کی بھی وہ ترجمانی کرتی ہیں مثلاً حضرت انسؓ کا قول کہ نبی ﷺ نمک عصر ادا فرماتے اور ایک شخص عوالی مدینہ بیرون شہر جاتا اور ابھی سورج اٹھا ہوا ہوتا۔ اس سے وقت کی کیا تعیین ہو جب کہ مسافت سواری سے بھی طے کی جاتی ہے اور پیدل بھی تیز رفتاری سے بھی اور دھیمی رفتار سے بھی۔ سرپٹ دوڑا کر بھی اور آہستہ چال سے بھی اور عوالی کی دوری میں بھی اختلاف ہے یا رافع بن خدیج کی روایت کہ ہم آں حضرت ﷺ کے ساتھ نماز عصر ادا کر کے جانور ذبح کرتے ان کو تقسیم کرتے اور غروب آفتاب سے پہلے ہم گوشت پکا کر کھا لیتے۔ کہ جانور کا ذبح کرنا اور ان کو تقسیم کر کے پکا کر کھا لینا کسی قطعی بات کو ثابت نہیں کرتا جب کہ یہ سارے کام تھوڑے وقت میں تیزی سے بھی انجام دیئے جا سکتے ہیں اور آہستگی سے بھی پھرتی بھی کام میں لائی جا سکتی ہے اور سستی بھی۔ یا عائشہؓ کی حدیث جو ترمذی وغیرہ میں نقل ہے کہ آں حضرت ﷺ نے اس وقت نماز عصر ادا فرمائی کہ ابھی دھوپ آپ ﷺ کے حجرہ میں تھی یا مثلاً وہ احادیث جن میں نماز عصر کی ادائیگی ایسے وقت ظاہر کی گئی ہے کہ سورج کی روشنی سفید اور صاف ہوتی تھی کہ یہ احادیث امام صاحبؒ کے مذہب تاخیر پر صحیح بیٹھتی ہیں۔ کیونکہ وہ بھی تاخیر سے یہ ہی معنی مراد لیتے ہیں کہ وقت مکروہ سے پہلے پہلے جب کہ سورج صاف چمکتا ہوا ہو نماز عصر ادا کی جائے روشنی میں زردی نہ آنے پائے چنانچہ امام محمد موطاء میں کہتے ہیں کہ عصر کی تاخیر ہمارے نزدیک افضل ہے جب کہ سورج کی روشنی سفید اور صاف ہو اس میں زردی نہ آتی ہو۔ احادیث بھی اس مضمون کی وارد ہیں اور یہ ہی مذہب امام ابو حنیفہؒ کا ہے چنانچہ ابوداؤد کی حدیث جو علی بن شیبان سے مروی ہے وہ اس امر کو روز روشن کی طرح واضح کر دیتی ہے کہ وہ کہتے ہیں ﴿قدمنا علی رسول الله صلی الله علیه وسلم المدینة فکان یو خر الصلوة مادامت الشمس بیضاء نقیة﴾ یعنی جب ہم آں حضرت ﷺ کے پاس مدینہ میں آئے تو نماز عصر میں تاخیر کی جاتی جب تک دھوپ سفید اور صاف رہتی یہ امام صاحبؒ کے مذہب کی پوری پوری ترجمانی کرتی ہے۔ بلکہ اگر بنظر غور دیکھا جائے تو تعجیل والی احادیث کا مقصد بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ نماز عصر کا چونکہ وقت مختصر ہے اور اس میں بھی کچھ حصہ وقت کا مکروہ اس لئے عجلت کی جائے کہ وقت مکروہ نہ ہو جائے اور اس سے پہلے پہلے جب کہ سورج کی روشنی سفید ہو نماز ادا کر لی جائے یہ بھی خطرہ ہے کہ زیادہ غفلت سے قضا ہو جائے اور

سورج ڈوب جائے جس طرح ابر والے دنوں میں غرض وقت مکروہ سے بچایا ہے اور نماز کے قضا ہونے سے بھی۔

پھر ایک زبردست دینی مصلحت کا تقاضا یہ بھی ہے کہ عصر کی نماز میں تاخیر کی جائے کیونکہ نفلوں کی ادائیگی بہت اجر وثواب کا باعث ہے اور عصر کے بعد ادائیگی نفل کا دروازہ بند ہے لہٰذا نماز عصر میں تاخیر کرنی چاہئے کہ نفلوں کا زیادہ سے زیادہ موقع مل سکے۔ اول وقت میں یہ بات کہاں نصیب۔

ابو حنيفة عن شيبان عن يحيى عن ابن بريدة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من فاتته صلوة العصر فكا نما وتر اهله وماله.

ابن بریدہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جس کی نماز عصر فوت ہوئی تو (گویا) اس کے بال بچے اور اس کا مال چھن گیا۔

ف: یہ شدید دھمکی اور سخت تہدید پتہ دیتی ہے کہ نماز عصر کو خاص اہمیت حاصل ہے جو اور نمازوں کو نصیب نہیں اور یہ کہ وہی نماز وسطیٰ ہے جس کی اہمیت پر قرآن پاک بھی ناطق ہے اکثر روایات بھی اسی نماز عصر کے صلوٰۃ وسطیٰ ہونے پر دال ہیں۔ مال واسباب اور بال بچے چھن جانے کے یہ معنی ہیں کہ ان میں سے برکت سلب ہو جاتی ہے اور ان میں بڑھوتری اور زیادتی رک جاتی ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کی محبوب ترین عبادت میں انسان نے غفلت والا پرواہی برتی اور اس میں تساہل سے کام لیا تو اللہ تعالیٰ اس شومی اعمال کے سبب اس کی محبوب ترین اشیاء میں سے برکت اٹھا لیتا ہے۔

ابو حنيفة عن عبد الملك عن قزعة عن ابى سعيد قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا صلوة بعد الغدوة حتى تطلع الشمس و لابعد صلوة العصر حتى تغيب ولا يصام هذاان اليومان الاضحى والفطر ولا تشد الرحال الا الى ثلثة مساجد الى المسجد الحرام والمسجد الاقصى والى مسجدى هذا ولا تسافر المرأة يومين الا مع ذى محرم .

ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ نماز فجر کے بعد کوئی نماز نہیں تاوقتیکہ آفتاب طلوع کرے اور نہ نماز عصر کے بعد جب تک آفتاب غروب ہو۔ اور نہ

روزہ رکھا جائے عیدالضحیٰ اور عیدالفطر کے دنوں میں اور نہ سفر کیا جائے مگر تین مسجدوں کی طرف (یعنی مسجد حرام مسجد اقصیٰ اور میری (یعنی مسجد نبویؐ) اس مسجد کی طرف اور نہ سفر کرے عورت دودن کا مگر محرم کے ساتھ۔

ف: کتب صحاح میں متعدد طرق سے ہم معنی الفاظ سے اس حدیث کی روایت آتی ہے بلکہ اس قدر کثیر تعداد صحابہؓ سے اس کی روایت ہے کہ احنافؒ نے اس کو متواتر مانا ہے۔

یہ حدیث کئی مسائل کی طرف بیک وقت اشارہ کرتی ہے اول یہ کہ نماز فجر کے بعد طلوع آفتاب سے پہلے اور نماز عصر کے بعد غروب آفتاب سے قبل نماز مکروہ ہے اس امر کی وضاحت سے ان لوگوں کا قول رد ہو گیا جو بعد عصر کے دو رکعتیں جائز قرار دیتے ہیں۔ یا اس نماز فجر کے قائل ہیں جس میں آفتاب طلوع ہو جائے یا جو نماز فجر کے بعد سنتوں کی قضا جائز کہتے ہیں یا جو جمعہ کے روز اوقات مکروہہ میں نماز نفل کے جواز کا فتویٰ دیتے ہیں۔ ان چہار اقوال کی صاف تردید حدیث کے ابتدائی حصہ سے ہوئی۔ بعد عصر دو رکعت کی ادائیگی نبی ﷺ سے بعض روایات صحیحہ مرفوعہ میں ثابت ہے۔ چنانچہ شیخینؒ نے بھی اس کی روایت کی ہے بلکہ آں حضرت ﷺ سے اس پر مداومت و ہمیشگی برتنے کا بھی ثبوت ملتا ہے لیکن ذیل کے پیش نظر یہ نبی ﷺ کی خصوصیت تھی جو آپ ﷺ ہی کے ساتھ خاص تھی۔ اُمت کے لئے یہ حکم امتناعی ہے جس میں جواز کا کوئی راستہ نہیں مثلاً صوم وصال آپ خود رکھتے مگر امت کے لئے ممنوع تھا آں حضرت ﷺ کے ایسے اعمال ہمارے لئے لائحہ عمل نہیں۔

دوسرا مسئلہ روزہ کا ہے جس کو حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ ہر دو عیدوں کے دن روزہ رکھنا ممنوع ہے، شیخینؒ نے ابی سعید خدریؓ سے روایت کی ہے ﴿نھی عن صوم الفطر والنحر﴾ کہ آں حضرت ﷺ عیدالفطر اور عیدالضحیٰ کے دن روزہ رکھنے سے منع فرمایا عیدالضحیٰ کے ساتھ ایام تشریق (گیارہویں، تیرہویں تاریخ بھی اس حکم امتناعی کے تحت آتے ہیں کیونکہ مسلم میں نبیشہ سے مرفوع روایت ہے ﴿ایام التشریق ایام اکل وشرب وذکر اللہ﴾ کہ ایام تشریق کھانے پینے اور ذکر الٰہی کے دن ہیں تو پھر روزہ رکھ کر کھانا پینا خود پر حرام کرنا کس طرح جائز ہوگا۔ غرض ان ایام مذکورہ میں روزہ کے حرام ہونے پر ائمہ متفق الرائے ہیں۔ مگر ان ایام میں حنفیہ کے نزدیک بالخصوص روزہ کی نذر بھی جائز ہے۔ اس نقطہ خیال سے کہ نذر عبادت ہے روزہ

کے لئے دن مقرر کرنے سے اور روزہ کا حرام ہونا فعل روزہ کو روکتا ہے نہ دن کی تعیین کو۔ لہٰذا اس فرق کا یہ نتیجہ ہوگا کہ ان ایام میں نذر صوم تو صحیح ہوگی مگر حدیث ذیل کے سبب روزہ رکھنے کی کوئی سبیل نہ ہوگی اور اس نذر کی قضا دوسرے کسی دنوں میں کرنی ہوگی۔

تیسرے اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کن مساجد کی طرف سفر جائز ہے اور کس کی طرف نہیں بعض حدیث کو ظاہر پر محمول کر کے ان کے سوا دوسری مسجدوں کی طرف سفر کرنا جائز قرار دیتے ہیں مگر وہ مقصد سفر میں ایک گونہ خصوصیت مان کر دوسری مساجد کو اس حکم سے نکالتے ہیں یعنی یہ کہ ممانعت سے یہ مقصد ہوتا ہے کہ بغرض تقرب الی اللہ وعبادت ان ہی ہر سہ مساجد کی طرف عزم سفر کیا جائے کیونکہ ان کو تمام بقیہ مساجد میں خاص عزت وشرف حاصل ہے البتہ اگر تحصیل علم تجارتی اغراض وادائے حقوق کے پیش نظر سفر اختیار کیا جائے تو ایسا سفر دوسری مساجد کی طرف بھی جائز ہے اور وہ اس حکم کے تحت نہیں آتا۔ چنانچہ ملا علی قاری کی عبارت اسی مطلب کی رہنمائی کرتی ہے بعض ممانعت کو افضلیت کے ساتھ خاص کرتے ہیں کہ سفر ان ہر سہ مساجد کی طرف' دوسری مساجد کی نسبت افضل وزیادہ مہتم بالشان ہے نوویؒ نے اس خیال کی نسبت جمہور علماء کی طرف کی ہے پھر بعض مستثنیٰ منہ کے دائرہ کو اور وسیع مان کر زیارت قبور صالحینؒ واخوان وسیر وتفریح کو بھی اس حکم کے ماتحت برا سمجھتے ہیں اور خلاف شرع لیکن درحقیقت یہ امور مذکورہ اس حکم کے ماتحت نہیں آتے' یہ حدیث اس حکم کی افضلیت سے صرف دوسری مساجد کو نکالتی ہے۔ ان میں سے زیارت قبور کا مسئلہ تو مختلف فیہ ہے بعض نے اس کو مباح وجائز قرار دیا ہے اور بعض نے اس سے روکا ہے البتہ زیارت صالحین واخوان یا تجارتی معاملات کے لئے سفر یا سیر وتفریح کے لئے چلت پھرت بلا کراہت جائز ہے۔ چنانچہ عراقی نے اس حقیقت کو صاف کھولا ہے۔ بلکہ روایت امام احمد میں اس کی تصریح بھی ہے۔

چوتھے اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عورت بغیر اپنے خاوند اور محرم یعنی بیٹے۔ بھائی ماموں چچا وغیرہ کے تنہا سفر نہیں کرسکتی ہے اس کی مدت سفر کے لئے احادیث میں مختلف الفاظ وارد ہیں۔ بعض میں دو ہی دن ہیں جس طرح حدیث ذیل میں بعض میں تین دن ہیں جس طرح مسلم میں ہے اور بعض میں ایک دن اور ایک رات بھی ہے اور اگر سفر بمعنی الغوی لیں تو ایک دن ایک رات سے کم میں بھی سفر ممنوع قرار پاتا ہے چنانچہ مسلم کی بعض روایتوں میں ایک رات ہے

اور بعض میں ایک دن اور امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ سے ایک روایت ایسی بھی ہے کہ عورت ایک دن کے لئے بھی بغیر محرم کے سفر نہ کرے مگر مختار مذہب یہی ہے کہ مدت سفر سے کم میں عورت بغیر خاوند محرم کے سفر کر سکتی ہے۔

(۳۹) باب الاذان والاقامة

ابو حنيفة عن علقمة عن ابن بريدة ان رجلا من الانصار مربر سول الله صلى الله عليه وسلم فراه حزينا وكان الرجل اذا طعم تجمع اليه فانطلق حزينا بما راى من حزن رسول الله صلى الله عليه وسلم فترك طعا مه وما كان يجتمع اليه ودخل مسجد ه يصلى فبينما هو كذلك اذانعس فا تاه ات فى النوم فقال هل علمت مما حزن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لا قال فهو لهذا التأ ذين فأته فمره ان يأمر بلالا ان يؤذن فعلمه الاذان الله اكبر الله اكبر مرتين اشهد ان لا اله الا الله مرتين اشهدان محمدا رسول الله مرتين حى على الصلوة مرتين حى على الفلاح مر تين الله اكبر الله اكبر لا اله الا الله ثم علمه الاقمة مثل ذلك وقال فى اخره قد قامت الصلوة قد قامت الصلوة الله اكبر الله اكبر لا اله الا الله كاذان الناس واقا متهم فاقبل الانصارى فقعد على باب النبى صلى الله عليه وسلم فمر ابو بكر فقال استأذن لى وقد راى مثل ذلك فاخبر به النبى صلى الله عليه وسلم ثم استأذن للا نصارى فد خل فاخبر بالذى رأى فقال النبى صلى الله عليه وسلم قد اخبر نا ابو بكر مثل ذلك فامر بلالا يؤذن بذلك.

وفى رواية ان رجلا من الانصار مر برسول الله صلى الله عليه وسلم فراه حزينا وكان الرجل ذاطعام يعشى معه فانصرف لما رأى من حزن رسول الله صلى الله عليه وسلم وترك طعامه فد خل مسجده يصلى فبينما هو كذلك اذ نعس فاتاه ات فى النوم فقال له اتدرى ماحزن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لا قال هوالنداء فاته بان يأ مر بلالا قال الرجل

فعلمه الاذان الله اكبر الله اكبر مرتين اشهد ان لا اله الا الله مرتين اشهد ان محمدا رسول الله مرتين حى على الصلوة مرتين حى على الفلاح مرتين الله اكبر الله اكبر لا اله الا الله ثم علمه الاقامة كذلك ثم قال فى اخره قد قامت الصلوة مرتين كاذان الناس واقامتهم فانتبه الانصارى فاتى رسول الله صلى الله عليه وسلم فجلس بالباب فجاء ابو بكرؓ فقال الانصارى استأذن لى فدخل ابو بكرؓ فاخبر رسول الله صلى الله عليه وسلم بمثل ذلك ثم دخل الانصارى فاخبر النبى صلى الله عليه وسلم بالذى رأى فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم قد اخبرنا ابوبكر فقال مربلا لا بمثل ذلك.

باب۔اذان اور اقامت کے بیان

ابن بریدہؓ سے روایت ہے کہ ایک انصاری رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو غمگین پایا۔اور یہ شخص (انصاری کھاتے پیتے آدمی تھے فقراء ان کے پاس (کھانے کی امید میں) جمع ہوتے تھے رسول اللہ ﷺ کو غمگین دیکھنے کے سبب یہ بھی وہاں سے چلے کھانا بھی چھوڑا۔اور جمع ہونے والے لوگوں کو بھی اور اپنے محلّہ کی مسجد میں جا کر نماز پڑھنے لگے۔اسی حالت میں ان کو غنودگی آ گئی ان کے خواب میں کوئی آیا۔اور اس نے ان سے کہا کیا تم جانتے ہو۔رسول اللہ ﷺ کس سبب سے غمگین ہیں انہوں نے کہا نہیں۔اس شخص نے کہا اسی اذان کے بارہ میں (آپ ﷺ غمگین ہیں) تو خدمت نبوی ﷺ میں جا اور کہہ کہ بلالؓ کو حکم فرمائیں کہ وہ اذان کہیں پس اس شخص نے ان کو اذان سکھائی اس طرح ﴿ الله اكبر. الله اكبر ﴾ دو دو مرتبہ گویا کل چار مرتبہ ﴿ اشهد ان لا اله الا الله ﴾ دوبار ﴿ اشهد ان محمد رسول الله ﴾ دوبار ﴿ حى على الصلوة ﴾ دوبار ﴿ حى على الفلاح ﴾ دو مرتبہ ﴿ الله اكبر الله اكبر لا اله الا الله ﴾ پھر ان کو اقامت سکھائی اسی طرح۔اور اس کے آخر میں کہا ﴿ قد قامت الصلوة قد قامت الصلوة الله اكبر الله اكبر لا اله الا الله ﴾ راوی کہتا ہے جس طرح آج کل لوگوں کی اذان واقامت ہے پھر یہ انصاری (یہ انصاری دراصل

عبداللہ بن زید بن عبدربہ ہیں) مسجد سے نکلے اور نبی ﷺ کے دروازہ پر جا بیٹھے (اتنے میں ابوبکرؓ تشریف لائے۔ انصاری نے ان سے کہا ذرا میرے لئے اجازت طلب فرمائیں۔ خود ابوبکرؓ بھی یہی خواب دیکھ چکے تھے پس نبی ﷺ سے یہ خواب بیان کیا پھر انصاری کے لئے اجازت چاہی تو انصاری آئے اور انہوں نے جو خواب میں دیکھا تھا وہ کہہ سنایا اس پر نبی ﷺ نے فرمایا کہ ابوبکرؓ نے بھی ہم سے ایسا ہی خواب بیان کیا ہے پھر آں جناب ﷺ نے بلال کو حکم دیا کہ وہ اسی طرح اذان دیں۔ اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ انصار میں سے ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور آپ ﷺ کو غمگین وفکر مند پایا۔ اور یہ شخص رات کو کھانا لوگوں کے ہمراہ کھاتے تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ کا غم وفکر دیکھا تو واپس لوٹے اور کھانا چھوڑا۔ اور مسجد میں جا کر نماز پڑھنے لگے وہ اسی حال میں تھے کہ ان پر غنودگی طاری ہوئی اور خواب میں کوئی شخص ان کے پاس آیا اور ان سے کہنے لگا کیا تم جانتے ہو رسول اللہ ﷺ کو کس چیز نے غم زدہ کیا ہے انہوں نے کہا نہیں۔ اس نے کہا وہ اذان ہے (جو آپ ﷺ کے غم کا سبب ہے) تو آپ ﷺ کے پاس جاؤ اور عرض کرو کہ آپ ﷺ بلالؓ کو حکم دیں پھر اس آدمی نے ان انصاری کو اذان سکھائی۔ اس طرح ﴿**اللہ اکبر اللہ اکبر**﴾ دو مرتبہ (گویا کل چار مرتبہ) ﴿**اشھدان لا الہ الااللہ**﴾ دوبار ﴿**اشھدان محمد رسول اللہ**﴾ دو مرتبہ ﴿**حی علی الصلوٰۃ**﴾ دوبار ﴿ **حی علی الفلاح**﴾ دو مرتبہ ﴿**اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ**﴾ پھر اسی طرح ان کو اقامت سکھائی۔ پھر اس کے آخر میں کہا ﴿**قدقامت الصلوۃ**﴾ دو مرتبہ (راوی کہتے ہیں) جس طرح آج کل لوگوں کی اذان و اقامت ہے پس انصاری جاگے اور رسول اللہ ﷺ کے گھر آئے اور دروازہ پر بیٹھ گئے اتنے میں ابوبکر تشریف لائے۔ انصاری ان سے بولے ذرا میرے لئے اجازت طلب کیجئے ابوبکر اندر تشریف لے گئے اور رسول اللہ ﷺ سے انصاری جیسا خواب (جو خود دیکھا تھا) بیان کیا' پھر انصاری اندر آئے اور انہوں نے نبی ﷺ سے جو کچھ دیکھا تھا بیان کیا ۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ابوبکر بھی یہی بیان کر چکے ہیں پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلال کو حکم دو کہ وہ اسی طرح اذان دیں۔

ف: مسئلہ اذان واقامت میں ائمہ کا زبردست اختلاف ہے کیونکہ احادیث اس بارہ میں مختلف وارد ہیں۔امام شافعیؒ کے نزدیک اذان میں تمام کلمات دودومرتبہ ہیں اوراقامت میں ﴿قد قامت الصلوة﴾ کے علاوہ کہ وہ دومرتبہ ہے سب ایک ایک مرتبہ پھروہ اذان میں ترجیع مانتے ہیں یعنی پہلی بارشہادتین کو پست آواز سے دودوباراداکرنا پھردودوبار بلندآواز سے گویا ہر دوچارچار بار۔افراداقامت (یعنی اقامت میں کلمات کوایک ایک بارکہےان کے مذہب کی سنگ بنیادوہ حدیث ہے جوحضرت انسؓ سے بخاری میں مروی ہے﴿امر بلال ان يشفع الاذان ويوتر الاقامة الا الاقامة﴾ کہ حضرت بلالؓ کوحکم دیا گیا کہ اذان میں کلمات دودومرتبہ ادا کریں اوراقامت میں ایک ایک بارمگرکلمہ﴿ قد قامت الصلوة ﴾۔ترجیع کے بارہ میں ان کے مذہب کی بنیادی حدیث حضرت ابی محدورہ کی حدیث ہے جس کومسلم نےنقل کیا ہے کہ ان کو نبی ﷺ نے اذان کی تعلیم فرمائی اورترجیع کے لئے بھی حکم دیاامام مالکؒ بھی ترجیع کے قائل ہیں اورافراد کے بھی مگروہ﴿قد قامت الصلوة ﴾ میں بھی افرادہی کے قائل ہیں ان کے نزدیک بھی ترجیع اورافراد میں اصل اصول حدیث ابی محذورہؓ اورحدیث انسؓ ہیں۔مگرافراد میں حضرت انسؓ کی اس روایت کولیتے ہیں جس میں﴿الا الاقامة ﴾ کالفظ نہیں'جودوسرےطریق سے بخاری میں ہی مروی ہے۔امام احمد ظاہر مذہب میں ترجیع کے قائل نہیں۔امام ابوحنیفہؒ نہ ترجیع کے قائل ہیں نہ افراداقامت کے بلکہ اذان واقامت ہردومیں ان کے نزدیک کلمات دودومرتبہ ہیں سوائے تکبیرات کے کہ وہ چاربارہیں۔امام ابوحنیفہؒ کے پاس ہردوامورمیں فیصلہ کن حدیث یہی حدیث عبداللہ بن زید بن عبدربہؓ کی ہے جواکثروبیشترطرق صحیحہ سے ترجیع کوبھی ردکرتی ہےاورافرادکوبھی جس کوابوداؤدمفصل لائے ہیں ترجیع کواس طرح کی اس میں شہادتیں دودومرتبہ ہیں اورترجیع میں چارچارمرتبہ ہوتے ہیں اورافرادکواس طرح کہ اس میں انصاری کواقامت بھی اسی طرح سکھائی دوسرے ابن ابی شیبہ بھی رجال صحیحین سے روایت لائے ہیں کہ عبداللہ بن زید نبی ﷺ کے پاس آئے اورکہا کہ میں نے خواب میں ایک شخص کودوسبزچادریں پہنے ہوئے کھڑادیکھا جس نے دیوار پرکھڑے ہوکراذان واقامت کہی اوراس نے دودوبارکلمات اداکئے تیسرے طحاوی کہتے ہیں کہ آثاراس بارہ میں متواترہیں کہ حضرت بلالؓ اذان واقامت ہردو میں کلمات کودودوبارادا کرتے تھے۔یہاں تک کہ ان کی وفات ہوئی چوتھے یہی ابی محذورہ کی حدیث امام صاحب کے

مذہب کی بھی زبردست حجت ہے کیونکہ ان کی مفصل حدیث میں کلمات کی دو دو مرتبہ ادائیگی ہے اوران کی مجمل حدیث اور بھی زیادہ قاطع نزاع ہے کہ اس میں انہوں نے گن کر بتایا کہ ان کو اذان کے انیس کلمات سکھائے اور اقامت کے سترہ پانچویں امام نخعیؒ کہتے ہیں کہ اقامت اذان ہی کی طرح تھی مگران بادشاہوں یعنی بنی امیہ نے عجلت پسندی کے ماتحت اس کے کلمات کو ایک ایک بار کردیا۔اب ذرا دیکھئے کہ ان دلائل صریحہ کے مقابلہ میں مذہب امام شافعیؒ میں لے دے کر اگر کوئی حدیث ہے تو وہ حضرت انسؓ کی ہے جس کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ بلال کو حکم دیا گیا کون جانے کس نے حکم دیا نبی ﷺ نے یا کسی اور نے یا کون سمجھے کہ اس حکم پر عمل ہوا یا نہیں ؟ آں حضرت ﷺ کے علاوہ اگر کسی نے حکم دیا ہو تو بہت ممکن ہے کہ وہ اپنی رائے پر چلے ہوں ان کو اپنی رائے پر چلنے کا پورا حق حاصل ہے جب یہ مجمل حدیث اس قدر احتمالات سے پر ہے تو کیا وہ ان صریح احادیث وادلہ کے مقابلہ میں کسی مذہب کی بنیاد قائم کرسکتی ہے یا کسی مذہب کی عمارت اس حدیث پر کھڑی کی جاسکتی ہے اگر افراد کی حدیث صحیح مانیں تو حدیث ابی محذورہ وغیرہ کے پیش نظر اس کو منسوخ ماننا پڑے گا پھر بہت ممکن ہے کہ تعلیم جواز کی خاطر ایک مرتبہ تعلیم فرمائی ہو تو ایسا فعل نہ مستقل سنت بنتا ہے نہ معیار مذہب قرار پاتا ہے یہ تھا معاملہ افراد وتشنیہ کا اب ذرا ترجیع کے مسئلہ کو سامنے لائیے تو اس میں ابی محذورہ کی ترجیع والی حدیث کے مقابلہ میں عبداللہ بن زیدؓ کی حدیث ہے جو اذان کے بارہ میں اصل اصول ہے اور خلاصہ حجت۔اور جو اپنی جگہ اٹل اور ناقابل تردید وتاویل ہے۔دوسری ابن عمرؓ کی حدیث جس کو ابو داؤد،نسائی،دارمی وغیرہ لائے ہیں جس میں ذکر ہے کہ اذان میں کلمات دو دو بار ہیں تیسرے مؤذنین کے سرتاج اور سرگروہ حضرت بلالؓ کا عمل بھی اس باب میں قوی حجت ہے نہ ان کی اذان میں ترجیع تھی نہ ابن ام مکتوم کی اذان میں کہ وہ بھی مسجد نبوی ﷺ کے مؤذنین میں سے تھے۔نہ حضرت سعد کی اذان میں جو مسجد قبا میں اذان کے فرائض انجام دیتے تھے۔یہ کیسے ممکن ہے کہ ان حضراتؓ کا عمل خلاف سنت ہو۔اس کے علاوہ بہت ممکن ہے کہ ابی محذورہؓ سے تعلیماً تکرار کرائی گئی ہو یا اول کلمات شہادت انہوں نے پست آواز سے ادا کیا ہو اور آں جناب ﷺ نے ان کو پھر دوبارہ بلند آواز سے نکلوایا ہو۔طحاویؒ نے بھی یہی کہا ہے۔پھر اس احتمال کی بھی زبردست دلیل یہ ہے کہ انہی ابی محذورہ کی حدیث دوسرے طریق سے ترجیع کے بیان سے خالی ہے معلوم ہوتا ہے کہ وہ وقتی چیز تھی جو ختم ہوئی۔ابن جوزی

تحقیق میں یہ حقیقت ظاہر کرتے ہیں کہ ابی محذورہ تازہ ایمان لائے تھے تو آں جناب ﷺ نے کلمات شہادت کو مکرر نکلوایا کہ یہ کلمات ان کے ذہن نشین بھی ہو جائیں اور اپنے ساتھی مشرکین کے سامنے بھی ان کو دوہرائیں۔وہ یہ سمجھ گئے کہ یہ زائد کلمات اذان کا جزو ہیں۔اسی لئے تعداد بتاتے وقت انیس کلمات گنا گئے ویسے بھی ذرا عقل سے سوچئے تو تکرارت کے زیادہ حقدار تو ﴿حی علی الصلوة - حی علی الفلاح ﴾ کے کلمات ہیں جو بلانے کے کام میں آتے ہیں جب انہی میں یہ تکرار نہیں تو دوسرے کلمات میں یہ کیوں ہونے لگی۔یا دوسرے رخ سے یوں دیکھئے کہ اقامت اذان کی جانشین ہے۔یا قائم مقام اگر اذان غائبین کے بلانے کے لئے ہے تو یہ حاضرین کے بلانے کے لئے' تو تقاضائے عقلی یہ ہے کہ یہ ہر دو ایک ہی صورت میں ہوں اور اقامت میں تو ترجیع نہیں تو اذان میں بھی نہیں ہونی چاہئے۔

ابو حنیفة عن عبد الله قال سمعت ابن عمر يقول كان النبی صلی الله علیه وسلم اذا اذن المؤذن قال مثل يقول المؤذن.

عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ جس وقت مؤذن کی اذان سنتے تو وہ ہی لفظ اپنی زبان مبارک سے ادا فرماتے جو مؤذن ادا کرتا۔

ف: بخاری میں ابی سعیدؓ سے مرفوع روایت ہے کہ جب تم اذان سنو تو جیسا مؤذن کہتا جائے۔تم بھی کہتے جاؤ۔ابن ماجہ میں ابی ہریرۃؓ سے مرفوع روایت ہے کہ جب مؤذن اذان دے تو جیسا وہ کہے تم بھی کہو۔غرض کتب صحاح وسنن میں قریب قریب انہی الفاظ سے یہ حدیث وارد ہے۔لیکن جب مؤذن ﴿حی علی الصلوة-حی علی الفلاح﴾ کے الفاظ ادا کرے تو سننے والے کو ﴿لا حول ولا قوة الا باللہ ﴾ کہنا چاہیے۔کیونکہ طحاوی ومسلم میں مروی ہے کہ جب آنحضرت ﷺ مؤذن کی آواز سنتے تو مؤذن کے مثل کلمات ادا فرماتے اور جب مؤذن ﴿ حی علی الصلوة -حی علی الفلاح ﴾ کہتا تو آپ ﷺ فرماتے ﴿لاحول ولا قوة الاباللہ﴾۔

(۴۰) باب من بنی لله مسجدا

ابو حنیفة قال سمعت عبد الله بنابی اوفی يقول سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم يقول من بنی لله مسجدا ولو كمشحص فطاة نبی الله

تعالیٰ له بیتا فی الجنة.

باب۔اس شخص کے اَجر کا بیان جو اللہ کے لئے مسجد بنائے

عبداللہ بن ابی اوفیٰ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ جس نے اللہ کے لئے مسجد بنائی اگر چہ وہ (اپنے چھوٹے پن میں) قطاۃ (بھٹ تیتر) کے گھونسلے کے مانند ہو اللہ اس کے لئے جنت میں ایک گھر بنائے گا۔

ف: یہ حدیث ہم معنی الفاظ سے اس قدر طرق سے کتب صحاح میں مروی ہے کہ اس کو بعض نے احادیث متواترہ میں سے مانا ہے۔ملا علی قاریؒ نے کہا ہے کہ قطاۃ کے گھونسلہ کے ساتھ مسجد کو تشبیہ اس سبب سے دی کہ محراب مسجد کی شکل اپنی گولائی میں گھونسلہ سے ملتی جلتی ہے اور وہ بھی زمین میں ہوتا ہے اور مسجد بھی زمین ہی میں۔لہٰذا اس مشابہت کے باعث تشبیہ دے دی جاتی ہے۔

اس قسم کی بشارتوں کی حقیقت کلمہ توحید کی بشارت کے مانند ہے کہ فرمایا ﴿مَنْ قَالَ لَا اِلَـهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّة﴾ جس نے ﴿لا اله الّا اللّٰه﴾ کہا وہ جنت میں داخل ہوا جس طرح وہاں یہ مراد نہیں کہ کلمہ توحید کی ادائیگی کے بعد خواہ کس قدر بھی گناہ کرے اور خواہ دوہ مرتد ہی کیوں نہ ہو جائے اس کا جنت میں داخلہ ضروری ہے اسی طرح یہاں یہ مقصد نہیں ہے کہ مسجد کے بنانے سے جنت میں اس کے لئے گھر فوراً تعمیر ہو جائے گا' ادھر حشر برپا ہوا ادھر وہ جنت کے گھر میں جا دھمکا۔خواہ وہ پاپی اور گنہگار ہی کیوں نہ ہو۔بلکہ غرض کلام یہ ہے کہ جسنے صرف اللہ کی مرضی طلب کرتے ہوئے مسجد تعمیر کرائی وہ جنت میں گھر اور قیام کا حقدار ٹھہرے گا۔اگر وہ مرتد ہوا تو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جنت سے محروم ہو رہے گا۔اگر دائرہ اسلام میں ہے اور گنہگار مگر سچی توبہ یا شفاعت یا صاحب حق کی معافی سے اس کے گناہ معاف ہو گئے تو بے شبہ ابتداء ہی میں بغیر سزا بھگتے اس کو جنت نصیب ہو گی اور اس کے مکانات میں اس کار خیر کی بدولت وہ قیام و رہائش سے سرفراز ہوگا۔اور اگر وہ گنہگار بھی ہے اور ہر سہ صورتیں اس کے ساتھ پیش نہیں آئیں تو جب تک وہ سزا نہ بھگت لے جنت میں داخلے اور اس قسم کی بشارتوں سے فائدہ اٹھانے کا حقدار نہیں۔ہاں اگر یہ شرط لگائیں کہ یہ کار خیر اس سے ایسی حالت میں سرزد ہو کہ صدق دخلوص نیت کے بلند درجہ پر وہ فائز ہو اس کا باطن قوی ایمان سے منور روشن ہو اس حد تک کہ اس میں قصور سرزد ہونے کی صلاحیت باقی نہ

رہی ہو یا اگر لغزش ہو بھی جائے تو فوراً توبہ نصوحہ کر کے خدا تعالیٰ سے قصور معاف کرانے کا وہ عادی ہو چکا ہو تو ایسے شخص کے لئے یہ بشارتیں اپنے ظاہری اور حقیقی معنوں میں وارد ہیں کہ قیامت میں ابتداہی میں جنت میں داخلہ اس کے لئے لازم ہوگا اور جنت کے گھر میں اس کار خیر کی بدولت رہے گا۔

(۱۴) باب النهى عن انشادالضوالى فى المسجد

ابو حنيفة عن علقمة عن ابن بريدة عن ابيه ان النبى صلى الله عليه وسلم سمع رجلا ينشد جملا فى المسجد فقال لا وجدت وفى رواية سمع رجلا ينشد بعيرا فقال لا وجدت ان هذه البيوت بنيت لما بنيت له. وفى رواية ان رجلا اطلع رأسه فى المسجد فقال من دعا الى الجمل الاحمر فقال له صلى الله عليه وسلم ماوجدت انما بنيت هذه المساجد لمابنيت له.

باب۔ مسجد میں گمشدہ چیزوں یک ڈھونڈھنے سے ممانعت

حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے کسی شخص کو اپنا اونٹ ڈھونڈھتے ہوئے مسجد میں سنا (کہ وہ اپنے اونٹ کے گم ہو جانے کا اعلان کر رہا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا (بددعا دی) کہ نہ پائے تو (اپنے اونٹ یا بھلائی کو)۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ ﷺ نے سنا کہ ایک شخص مسجد میں اونٹ ڈھونڈھتا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا تو نہ پائے البتہ یہ گھر (مسجدیں) بنائے گئے ہیں اسی کام کے لئے جن کے لئے یہ بنائے گئے ہیں (یعنی یہ مسجدیں نماز اور ذکر الٰہی ہی کے لئے تعمیر ہوئی ہیں لہٰذا اس کے علاوہ کام مسجدوں میں کرنا سخت جرم ہے اور یہ ان کا بے جا استعمال)۔ ایک اور روایت میں اس طرح ہے کہ ایک شخص نے اپنا سر مسجد میں داخل کیا اور کہا کہ مجھ کو میرے سرخ اونٹ کا کون پتہ دے گا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا تو نہ پائے' یہ مسجدیں جس کام کے لئے بنائی گئی ہیں اسی کے لئے استعمال ہوں۔

ف: یہ حدیث بعینہ انہی الفاظ یا اس کے قریب قریب الفاظ سے کتب صحاح میں مختلف طرق سے مروی ہے دارمی میں ابی ہریرہؓ سے مرفوع روایت اس طرح ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ

جس شخص کو تم خرید وفروخت کرتے ہوئے دیکھو تو کہو کہ اللہ تیری تجارت میں نفع نہ دے۔ یا دیکھو کہ کوئی اپنی گم شدہ چیز تلاش کررہا ہے تو کہو کہ اللہ تیری گم شدہ چیز نہ ملائے۔

لیکن آں حضرت ﷺ نے ﴿ان هذه البيوت بنيت لما بنيت له﴾ سے حرمت وممانعت کا ایک معیار کلی بھی بیان فرمایا اور اس طرف اشارہ فرمایا کہ ہر وہ عمل جو مقصد تعمیر مسجد کے خلاف ہو وہ سخت ناجائز ہے اور شریعت میں حرام ہے مسجد کی تعمیر کی غرض وغایت نماز وذکر الہٰی ہے۔ لہٰذا جو کام بھی اس مقصد کے خلاف ہو یا اس میں مخل اور دخل انداز ہو وہ سخت ممنوع ہے اور اس سخت تہدید کے تحت میں یہ اعمال بھی آتے ہیں مثلاً محض دنیوی معاملات میں بات چیت سینا پرونا۔ دستکاری کے دھندے۔ اجرت پر لکھنا پڑھنا۔ اسی طرح ہر وہ کام جو نمازی کو وحشت میں ڈالے۔ مثلاً اونچی آواز سے بولنا۔ یہاں تک کہ علمائے نے ذکر جہری سے بھی روکا ہے۔ بعض نے یہاں تک کہا ہے کہ ہر اس سائل کو خیرات دینا منع ہے۔ جو چلا چلا کر مانگ رہا ہو۔ یا عین خطبہ کے وقت وہ سوال کررہا ہو۔ اور یہ سب کچھ ممانعت مسجد کے احترام کے پیش نظر ہے اور اس باب میں بنیادی حکم اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے ﴿وان المساجد الله فلا تدعوا مع الله احدا﴾۔

(۴۲) باب افتتاح الصلوة

ابو حنيفة عن عاصم عن ابيه عن وائل بن حجر ان النبي صلى الله عليه وسلم اكان يرفع يديه حتى يحاذي بهما شحمة اذنيه.

وفي رواية عن وائل انه رأى النبي صلى الله عليه وسلم يرفع يديه في الصلوة حتى يحاذي شحمة اذنيه.

باب۔ نماز شروع کرنے کا بیان

حضرت وائل بن حجر سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نماز شروع کرتے وقت اپنے ہاتھوں کو یہاں تک اٹھاتے کہ وہ کانوں کی لوتک کے برابر آجاتے۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت وائلؓ نے نبی ﷺ کو نماز (کے شروع) میں ہاتھ اٹھاتے ہوئے دیکھا۔ کہ وہ آپ ﷺ کے کانوں کی لوآ گئے ہیں۔

ف: کتب صحاح میں طرق صحیحہ سے یہ حدیث باختلاف الفاظ وارد ہے۔ لیکن یوں ہے کہ آپ ﷺ ہاتھ اٹھاتے یہاں تک کہ آپ ﷺ کے شانوں کے برابر آجاتے، کہیں اس

طرح ہے کہ ہاتھ یہاں تک اٹھاتے کہ آپ ﷺ کے انگوٹھے کانوں کے برابر آ جاتے۔اور کہیں ایسا بھی ہے کہ ہاتھ شانوں کے برابر آتے اور انگوٹھے کانوں کے برابر۔

اس امر میں حنفیہؒ اور شافعیہؒ کا اختلاف ہے کہ ہاتھوں کو نماز کے شروع میں شانوں تک اٹھانا افضل ہے یا کانوں اور کانوں کی لوتک شافعیہؒ پہلی شق کو اختیار کرتے ہیں اور حنفیہؒ دوسری کو حنفیہؒ کے پیش نظر حدیث ذیل بھی ہے اور اس کے ہم معنی دیگر احادیث جو صحیح طرق سے وارد ہیں جن میں ہاتھوں کے اٹھنے کی آخری حد کانوں یا کانوں کی لو بتائی ہے۔اور شافعیہ اپنے پیش نظر وہ احادیث رکھتے ہیں جن میں شانوں کی حد کا اظہار ہے مثلاً ابی حمید ساعی کی حدیث یا ابن عمرؓ وغیرہ کی حدیث۔

یہ اختلاف دراصل ایک نقطہ خیال پر آ کر مل جاتا ہے اور محض نزاع لفظی باقی رہ جاتا ہے ہر دو رخ میں احادیث صحیحہ ہیں۔جن میں تطبیق بہت آسان ہے۔خود حدیث کے الفاظ تطبیق کی طرف رہنمائی کرتے ہیں چنانچہ ایک دفعہ حضرت شافعیؒ مصر تشریف لے گئے تو لوگوں نے آپ سے سوال کیا کہ حضرت احادیث میں تطبیق کی کوئی شکل بھی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ہاتھوں کی ہتھیلیاں مع پہنچوں کے شانوں کے مقابل رہیں اور انگوٹھے کانوں کی لو کے برابر اور انگلیوں کے پوروے کانوں کے بالائی حصہ کی محاذات میں۔حنفیہؒ نے بھی اس تطبیق کو پسند کیا ہے۔اور احناف میں سے علامہ ابن ہمامؒ نے فتح القدیر میں اسی کو اختیار فرمایا ہے ان احادیث میں اس طرح بھی تطبیق دی جا سکتی ہے کہ نبی ﷺ ہاتھ بغیر کسی خاص صورت کی پابندی کے کبھی شانوں تک اٹھاتے کبھی کانوں کی لو تک اور کبھی کانوں کے بالائی حصہ تک۔

ابوحنيفة عن عاصم عن عبد الرجبار بن وائل بن حجر عن ابيه قال رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يرفع يديه عند التكبير ويسلم عن يمينه ويساره.

حضرت وائل بن حجر سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ تکبیر کے وقت آپ ﷺ اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے تھے اور سلام پھیرتے ہوئے اپنی دائیں اور بائیں جانب مڑتے تھے۔

ف: اس حدیث کے ذیل میں دو امور قابل حل ہیں اور وضاحت طلب ہیں' ایک یہ کہ

ہاتھوں کا اٹھنا اور کلمہ تکبیر کی ادائیگی ایک ساتھ ہوں یا یکے بعد دیگرے پھر اس میں بھی ہاتھ پہلے اٹھیں۔ تکبیر بعد میں یا اس کے برعکس، گویا پہلی شق میں تین صورتیں متصور ہیں۔ دوسرے یہ کہ نماز کے آخر میں سلام دو ہیں یا ایک پہلی صورت کو اکثر فقہاء حنفیہ مثلاً طحاوی۔ قاضی خاں اور امام ابو یوسفؒ نے اختیار کیا ہے اور بیشتر احادیث مثلاً حدیث وائل ابی ہریرہ، ابن عمر، علی بن ابی طالب۔ براء بن عاذب اسی خیال کی تائید کرتے ہیں کہ کسی میں یہ ہے کہ آپ جب تکبیر کہتے تو ہاتھ شانوں تک اٹھاتے یا جب نماز میں داخل ہوتے تکبیر کہتے، ہاتھ اٹھاتے یا جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تکبیر کہتے، ہاتھ اٹھاتے کہ ان میں ہر دو افعال کا اظہار شرط و جزاء کی شکل میں ہے یا معیت کی صورت میں شرط و جزاء بھی مقارنت و معیت زمانی کو چاہتے ہیں یہ بھی حجت لاتے ہیں کہ ہاتھوں کا اٹھانا تکبیر کی سنت ہے تو عقلاً اسی کے ساتھ اس کو وجود میں آنا چاہئے۔ دوسری صورت امام ابو حنیفہؒ امام محمد کے مذہب کی ترجمانی کرتی ہے ان کی عقلی حجت یہ ہے کہ ہاتھ اٹھانا غیر اللہ کی بڑھائی سے انکار ہے اور دست برداری اور تکبیر میں اس کا اثبات ہے اور نفی چونکہ اثبات پر مقدم ہوتی یہ اس لئے رفع ید تکبیر سے پہلے وقوع میں آنا چاہئے۔ چنانچہ ﴿لا الٰـہ الا اللّٰہ﴾ میں بھی نفی ﴿لا الٰـہ﴾ اثبات ﴿الا اللّٰہ﴾ پر مقدم ہے۔ صاحب ہدایہ نے اسی کو صحیح بتایا ہے اور عام مشائخ بھی اسی طرف گئے ہیں اس خیال کے حامی اپنے مذہب کی تائید میں ابن عمرؓ کی مرفوع حدیث پیش کرتے ہیں جس کو ابوداؤد و نسائی نے نقل کیا ہے ﴿کان یرفع یدیہ حذاء منکبیہ ثم یکبر﴾ کہ آپ شانوں تک ہاتھ اٹھاتے پھر تکبیر کہتے۔ اس میں ثم کا لفظ صاف تاخیر کو ثابت کرتا ہے یا ابی حمید ساعدی کے بعض طرق کی حدیث کہ اس میں بھی ثم کا لفظ ہے۔ تیسری صورت کی طرف علامہ ابن ہمام نے اشارہ کیا ہے کہ بعض نے اس کا بھی قول کیا ہے ان کی دلیل یا تو حضرت انس کی مرفوع حدیث ہے جو بیہقی لائے ہیں کہ ﴿اذا افتتح الصلوۃ کبر ثم رفع﴾ کہ آنحضرت ﷺ نماز شروع فرماتے تو تکبیر کہتے پھر ہاتھ اٹھاتے یا وائل بن حجر کی حدیث بعض طریق سے جس میں یوں ہے ﴿فکبر فرفع یدیہ﴾ کہ آپ ﷺ نے تکبیر کہی اور پھر ہاتھ اٹھائے۔ ان احادیث میں تطبیق کی ایک شکل یہ ہے کہ یہ آنحضرت ﷺ کے مختلف اوقات کے مختلف عمل ہیں بروئے قیاس جس کو بھی افضل سمجھ لیا جائے۔

دوسرے امر یعنی سلام کے بارہ میں ہر سہ ائمہ متفق الرائے ہیں کہ دو سلام

ہیں۔تقریباً پندرہ اصحاب نبی ﷺ سے صحیح طرق سے اس کی روایت ہے اور اسی پر آنحضرت ﷺ کا ہمیشہ عمل رہا اور عام صحابہ وتابعین کا بھی یہ مسلک رہا۔امام مالکؒ اپنے اس خیال میں بالکل تنہا ہیں کہ وہ ایک سلام مانتے ہیں اس طرح کہ اگر تنہا نماز پڑھنے والا ہے تو السلام علیک کہے اور سر تھوڑ سا سیدھی جانب پھیرے۔اور پھر سامنے لے آئے اگر مقتدی ہے تو تھوڑا سا سیدھی جانب پھیرے پھر امام کی طرف لے آئے اور اس کی طرف اشارہ کرے۔اس خیال کی بنیادی حدیث حدیث عائشہ ہے جس میں سند کے اعتبار سے کلام ہے پھر اگر صحیح بھی مانیں تو وہ مطلب براری نہیں کرتی۔کیونکہ اس میں اس طرح ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک سلام ایسی بلند آواز سے پھیرتے کہ ہم کو جگا دیتے اس سے دوسرے سلام سے انکار کب نکلا کیا بعید ہے دوسرا سلام پھیرتے ہوں مگر ایسے زور سے نہیں کیونکہ جگانے کے لئے اول ہی سلام کافی ہوتا پھر فقہاء نے صراحت بھی کی ہے اور حدیث سے بھی ثابت ہے کہ دوسرے سلام کی آواز پہلے سے پست ہوگی'

ابوحنيفة عن حماد عن ابراهيم انه قال في وائل بن حجر اعرابي لم يصل مع النبي صلى الله عليه وسلم صلوة قبلها قط اهو اعلم من عبد الله و اصحابه حفظ ولم يحفظوا يعني رفع اليدين وفي رواية عن ابراهيم انه ذكر حديث وائل بن حجر فقال اعرابي صلى مع النبي صلى الله عليه وسلم ماصلّٰے صلوة قبلها اهواعلم من عبد الله وفي رواية ذكر عنده حديث وائل بن حجر انه رأى النبي صلى الله عليه وسلم رفع يديه عند الركوع وعند السجود فقال هواعرابي لايعرف الاسلام لم يصل مع النبي صلى الله عليه وسلم الا صلوة واحدة وقد حد ثني من لا احصى عن عبد الله بن مسعود انه رفع يديه في بدء الصلوة فقط وحكاه عن النبي صلى الله عليه وسلم وعبد الله عالم بشرائع الاسلام وحدوده متفقد لا حوال النبي صلى الله عليه وسلم ملازم له في اقامته وفي اسفاره وقد صلى مع النبي صلى الله عليه وسلم مالا يحصى.

حضرت وائل بن حجرؓ کے بارہ میں ابراہیم نخعی کہتے ہیں کہ وہ ایک دیہاتی آدمی ہیں انہوں نے اس سے پہلے کبھی نبی ﷺ کے ساتھ نماز نہیں پڑھی کیا وہ حضرت عبداللہ بن مسعو؛

ان کے اصحاب سے زیادہ جاننے والے ہیں؟ کہ انہوں نے (یعنی وائل نے) تو یاد یا۔ اور اصحاب عبداللہ رفع یدین کو) یاد نہ رکھ سکے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ ابراہیم نے وائل بن حجر کی حدیث بیان کی پھر کہا کہ وہ تو ایک گاؤں کے آدمی ہیں۔ اس سے پہلے کوئی نماز آنحضرت ﷺ کے ساتھ انہوں نے نہیں پڑھی تو کیا وہ عبداللہ بن مسعودؓ سے زیادہ جاننے والے ہونگے۔

ایک روایت میں اس طرح ہے کہ ان کے سامنے حدیث وائل بن حجر کا ذکر آیا کہ انہوں نے نبی ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ اپنے ہاتھ رکوع اور سجدہ کے وقت اٹھاتے ہیں تو انہوں نے (یعنی ابراہیم نے) کہا یہ گاؤں کے آدمی ہیں۔ یہ (عبد اللہ بن مسعودؓ کی طرح) اسلام کو نہیں پہچانتے انہوں نے نبی ﷺ کے ساتھ ایک بار سے زیادہ نماز نہیں پڑھی، اور مجھ سے بے گنتی راویوں نے عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت بیان کی ہے کہ انہوں نے صرف شروع نماز میں ہاتھ اٹھائے اور اسی کی روایت نبی ﷺ سے کی۔ اور عبداللہ شرائع وحدود اسلام کو جاننے والے، نبی ﷺ کے حالات کی کرید اور ٹوہ میں رہنے والے اور سفر و حضر میں آں جناب ﷺ کے رفیق و دمساز رہے ہیں۔ اور آپ نے نبی ﷺ کے ساتھ ان گنت نمازیں پڑھی ہیں۔

ف: مسئلہ رفع یدین مختلف فیہ مسائل میں چوٹی کا مسئلہ ہے جس میں ائمہ کرام کی آراء کا سخت ٹکراؤ ہوتا ہے اور ہر فریق نے اپنے مذہب کے ثبوت میں اس پر سنگین دلائل قائم کئے ہیں اور ہر ایک نے دوسرے فریق کی رائے کی کمزوری پر پورا پورا زور دیا ہے چنانچہ یہ حدیث اس اہم مسئلہ کی پہلی کڑی ہے مسئلہ کی تحقیق اور اس میں اختلاف کا بیان آئندہ حدیث میں آرہا ہے۔ یہاں حدیث ذیل میں ابراہیم نخعیؒ کی ایک رائے کا ذکر ہے اور ان کے عادلانہ فیصلہ کا بیان جو انہوں نے وائل بن حجرؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کی احادیث میں کیا ہے اور ہر دو شخصیتوں کا آپس میں موازنہ کیا ہے۔ کیونکہ کلام کا وزن متکلم کے حالات سے ہوتا ہے اور اس کے مقدار علم سے مگر فریق ثانی نے ابراہیم کی اس حق پسند بات پر وہ الٹے سیدھے اعتراضات جڑ دیئے۔ جن کو مطلب کلام سے کوئی ربط اور منصف متکلم سے کوئی مناسبت نہیں کہنا صرف اتنا ہے کہ ہر دو اعتراضات کے حالات بتاتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث حدیث وائل بن حجر کے مقابلہ میں زیادہ وزنی قابل حجت اور

قابل اعتماد ہے کون نہیں جانتا کہ وائل بن حجر کو خواہ دربار رسالت میں کچھ بھی اعزاز وفخر حاصل رہا ہو مگر آں جناب ﷺ کے ساتھ صحبت ورفاقت ومسازی وراز شناسی میں عبداللہ بن مسعودؓ سے ان کو کوئی بھی نسبت نہیں۔ تو ایسے مختلف الحال شخصیتوں میں کسی بات پر رائے کا ٹکراؤ ہو جائے تو کس کی بات کا وزن ہوگا۔ انصاف کی بات وہی ہے جو ابراہیم نے کہی بات گو حق تھی مگر چونکہ مذہب پر ٹھیس لگتی تھی اس لئے بات کو پھیر پھار کر اعتراض کے قابل بنایا اور پھر اس پر اعتراضات شروع کر دیئے۔ بیہقیؒ کہتے ہیں کہ وائل ہی کی حدیث ماننی پڑے گی اور ان سے کم مرتبہ آدمی کے قول سے اس کو رد نہیں کیا جا سکتا حالانکہ ابراہیم اپنے قول سے ان کی حدیث کو کب رد کر رہے ہیں بلکہ حضرت عبداللہؓ کی حدیث کو حضرت وائلؓ کی حدیث پر بناء بر حالات واقعیہ ترجیح دے رہے ہیں۔ بخاریؒ کہتے ہیں کہ یہ محض ابراہیم کا گمان ہے۔ وائلؓ نے اور اصحابؓ کو رفع الیدین کرتے ہوئے دیکھا ہے پھر بات اصل نقطہ بحث سے ہٹ گئی کہ معرفت مسائل میں وہ عبداللہؓ کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتے اور عبداللہ سے ابراہیم کو عدم رفع کی روایات بتواتر پہنچی ہیں۔ تو اب گمان کس میں رہ گیا بعض نے ابراہیم کو چھوڑا حضرت عبداللہ کے پیچھے لگ گئے کہ وہ بہت سی باتیں بھول جایا کرتے تھے تو کیا عجب ہے یہ بھی بھول گئے ہوں مثلاً قرآن میں معوذتین کا بھول جانا جمع صلوۃ کی کیفیت بھول جانا وغیرہ وغیرہ اس سے بھی ان کے کلام کی تردید نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ پیش کردہ امور جو نماز کے مقابلہ میں نادر الوقوع ہیں۔ ان میں بھول چوک کا امکان ہے مگر نماز جو دن رات میں پانچ وقت ادا ہوتی ہے اور جب کہ حضرت عبداللہ خدمت نبوی ﷺ میں ہر وقت حاضر ہوں کیا اس میں بھی بھول چوک کا احتمال ہے پھر یوں بھول کس کو نہیں ہوئی نبی بھی بھولے ہیں کہ فرمایا ﴿فنسی ولم نجد له عزما﴾ اسی طرح ﴿ليلة القدر﴾ میں آں جناب ﷺ کے بھول جانے کا قصہ یا ذی الیدین کا واقعہ۔

سفيان بن عيينة قال اجتمع ابو حنيفة والاوزاعي في دار الحناطين بمكة فقال الاوزاعي لابي حنيفة ما بالكم لا ترفعون ايديكم في الصلوة عند الركوع وعند الرفع منه فقال ابو حنيفة لا جل انه لم يصح عن رسول الله صلى الله عليه وسلم فيه شيء قال كيف لا يصح وقد حدثني الزهري عن سالم عن ابيه عن رسول الله صلى الله عليه وسلم انه كان يرفع يديه

اذاافتتح الصلوة وعندالركوع وعند الرفع منه فقال له ابو حنيفة فحدثنا حماد عن ابراهيم عن علقمة والا سود عن ابن مسعود ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان لا يرفع يديه الا عند افتتاح الصلوة ولا يعود لشئ من ذلك فقال الا وزاعى احدثك عن الزهرى عن سالم عن ابيه وتقول حدثنى حماد عن ابراهيم فقال له ابو حنيفة كان حماد افقه من الزهرى وكان ابراهيم افقه من سالم وعلقمة ليس بدون ابن عمر فى الفقه وان كانت لابن عمر صحبة وله فضل صحبة فالا سود له فضل كثير وعبد الله هوعبد الله فسكت.

سفیان بن عینیہ کہتے ہیں کہ ابوحنیفہ اور اوزاعی مکہ میں گیہوں کی منڈی میں ایک دوسرے سے ملے اوزاعی نے ابوحنیفہ سے کہا (اے کوفیین) تم کو کیا ہوا کہ نماز میں رکوع میں جاتے اور اس سے اٹھتے وقت اپنے ہاتھ نہیں اٹھاتے۔ابوحنیفہؒ بولے اس سبب سے کہ رسول اللہ ﷺ سے اس بارہ میں کوئی صحیح حدیث (بغیر معارض کے) نہیں ملی۔اوزاعیؒ نے کہا صحیح حدیث کیوں نہیں ہے۔اورالبتہ حدیث بیان کی مجھ سے زہریؒ نے انہوں نے سالم سے روایت کی انہوں نے اپنے والد عبداللہ بن عمر سے انہوں نے نبی ﷺ سے کہ آپ ہاتھ اٹھایا کرتے جب نماز شروع فرماتے اور رکوع کرنے اور اس سے اٹھنے کے وقت تو ابوحنیفہؒ نے ان سے کہا کہ روایت بیان کی مجھ سے حماد نے انہوں نے روایت کی ابراہیم سے انہوں نے علقمہ اور اسود سے انہوں نے عبداللہ بن مسعودؓ سے کہ رسول اللہ ﷺ ہاتھ نہ اٹھاتے مگر شروع نماز میں اور پھر دوبارہ ایسا (یعنی ہاتھ اٹھانا وغیرہ) نہ کرتے اس پر اوزاعی کہنے لگے کہ میں تم سے حدیث بیان کرتا ہوں زہری سے وہ سالم سے اور وہ اپنے والد سے (گویا علوائے سند کی وجہ سے حدیث کو ترجیح دینا چاہتے ہیں) اور تم کہتے ہو حدیث بیان کی مجھ سے حماد نے اور انہوں نے روایت کی ابراہیم سے (گویا اس سلسلہ کو وہ برتری نصیب نہیں) تو ابوحنیفہؒ نے اس کا جواب دیا (ان کے خیال پر نکتہ چینی کرتے ہوئے کہ حدیث کو ترجیح فقاہت راوی سے ہوتی ہے نہ علو روایت سے) کہ حماد زہری سے زائد فقیہ ہیں اور ابراہیم سالم سے زائد فقیہ اور علقمہ حضرت ابن عمرؓ سے فقہ میں کچھ کم نہیں (زیادہ فقیہ ار با نہیں کہا)﴾

اگرچہ ابن عمرؓ کو شرف صحبت نبوی ﷺ نصیب ہے تو اسود کو (اور کچھ) بہت فضیلت حاصل ہے اور پھر عبداللہ تو عبداللہ ہی ہیں اس پر اوزاعی خاموش ہو گئے۔

ف: امام اوزاعی وامام ابوحنیفہؒ میں یہ مناظرہ چند حقائق مفیدہ کا سرچشمہ ہے اور ایک حیثیت سے سبق آموز) اور نصیحت بخش بھی۔ اس سے امام صاحبؒ کی اس خلاف معمول قوت دماغی اور تیز ور سا سمجھ کا اندازہ ہوتا ہے جس کی روشنی میں آپ احادیث نبویہ کو پرکھا اور جانچا کرتے اور ان سے مسائل اخذ کیا کرتے۔ حدیث کی صحت کا مدار چونکہ رواۃ پر ہوتا ہے اس لئے آپ رواۃ کی جانچ میں ایسی کڑی پرکھ سے کام لیتے کہ گویا بال کی کھال نکالتے فضیلت و برتری جو ایک دوسرے کو آپس میں باریک سی فوقیت نصیب ہوتی ہے اس کو بھی نظر انداز نہ کرتے' لہٰذا یہ مناظرہ اگر ایک طرف امام صاحبؒ کی اس صفت کو اجاگر کرتا ہے تو دوسری طرف اس میں ان غلط بیانی سے کام لینے والوں کا جواب بھی ہے جو آپ کو صاحب الرائے کہتے ہیں کیا امام اوزاعیؒ کے مقابلے میں انہوں نے اپنی رائے پیش کی یا حدیث نبوی؟ پھر وہ حدیث باعتبار سند حدیث اوزاعیؒ سے قوی تر تھی یا کمزور۔

یہ بحث رواۃ کو پرکھنے کا ایک بہترین اصول بھی سامنے رکھتی ہے کہ رواۃ کی برتری تفقہ و تجر علمی پر موقوف ہے نہ علو سند یا عدالت پر اس مناظرہ سے اس کا بھی انکشاف ہوا کہ صحبت نبوی کو گو زبردست فضیلت ہے مگر فقاہت اور تجر علمی اس سے بڑھ چڑھ کر ایک خوبی ہے جو روایت حدیث میں زیادہ قابل لحاظ ہے۔ چنانچہ آپ نے کہا کہ علقمہ ابن عمر سے کچھ کم نہیں غرض یہ حکایت امام صاحبؒ کی منقبت کا ایک باب کھولتی ہے اور آپ کی حدیث دانی پر چار چاند لگاتی ہے۔

اس مسئلہ رفع یدین کی نوعیت اور اس میں اختلاف کی حقیقت یہ ہے کہ نماز میں ہاتھ اٹھانے میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک ابتدائے نماز کے علاوہ رکوع میں جاتے اور اس سے اٹھتے وقت بھی ہاتھ اٹھانا مسنون ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک رفع یدین صرف شروع نماز میں ہے بعد میں پوری نماز میں کہیں نہیں امام مالکؒ سے دو روایتیں ہیں۔ ایک امام شافعیؒ کی موافقت میں اور دوسری امام صاحبؒ کی تائید میں مگر ان کے زیادہ تر شاگرد (پہلی روایت کے حامی ہیں۔ شافعیہ اپنے مذہب کی تائید میں بہت سے صحابہؓ سے روایتیں لاتے ہیں جن میں عشرہ مبشرہ بھی ہیں باعتبار تین احادیث یا الفاظ روایات کے ان کی نقل کردہ احادیث دو

نوع پر تقسیم ہوتی ہیں ایک وہ جن میں رکوع میں جاتے اور اس سے اٹھتے وقت ہاتھوں کا اٹھانا ہے اور باقی جگہ سے انکار، اور بعض میں اور جگہ بھی رفع یدین کا ثبوت ہے مثلاً سجدوں سے اٹھتے وقت یا ہر تکبیر کے وقت یا ہر مرتبہ جھکتے اور اٹھتے وقت بہر حال باقی حدیثوں میں اضطراب ہے جن سے صحیح مقصد کی رہنمائی نہیں ہوتی۔ بلکہ مخالف خیال بات کی بھی اس میں آمیزش ہے جس کو نہ وہ مانتے ہیں نہ ہم۔

لہٰذا درحقیقت ان کی صحیح مطلب براری کی وہی حدیثیں ہیں جن میں رکوع کے علاوہ اور جگہ رفع یدین سے انکار ہے۔ پھر یہ بات بھی خیال میں رکھیں کہ صحابہؓ میں عبداللہ بن مسعودؓ سے جس قدر بھی روایات ہیں خواہ ان کو شافعیہ لائے ہوں یا حنفیہ ان سے عدم رفع کا ثبوت ملتا ہے رفع کا نہیں ان کے علاوہ بہت سے صحابہؓ سے مثلاً خلفاء سے یہ رفع کی روایتیں لاتے ہیں اور حنفیہ عدم رفع کی۔ اس لئے ان میں سے جو یہ کہے کہ عدم رفع میں عشرہ مبشرہ یا خلفاء ہمارے ساتھ ہیں یا کوئی اس غلط بیانی سے بھی کام لے کہ سب صحابہؓ ہمارے ساتھ ہیں تو اس کو قطعاً لغو سمجھیں۔

اب روایات کے میدان میں آیئے اور دیکھئے کہ حق کدھر ہے اور انصاف کا حامی کون بخاری میں ابن عمرؓ سے اس مضمون کی حدیث ہے کہ آں حضرت ﷺ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہاتھ اٹھاتے یہاں تک کہ شانوں کے برابر آ جاتے۔ اور رکوع کے لئے تکبیر کہتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت بھی ایسا ہی کرتے اور سجدوں میں ایسا نہ کرتے مسلم میں بھی اسی کے ہم معنی الفاظ ہیں۔ یا مثلاً حضرت علیؓ کی روایت جو اصحاب سنن لائے ہیں اس میں آخر میں یہ بھی ہے کہ جب آپ ﷺ سجدوں سے اٹھتے تو اسی طرح ہاتھ اٹھاتے۔ یہ رفع یدین کے حامیین کا استدلالی پہلو ہے۔ اب ہم احنافؒ کا استدلالی رخ ملاحظہ فرمایئے۔ اس کو ہم کسی قدر تفصیل سے بیان کریں گے اس سبب سے کہ یہ مشہور کیا جاتا ہے کہ ان کے پاس اس باب میں کوئی صحیح حدیث نہیں۔

سب سے پہلی حدیث عبداللہ بن مسعود ہے جس میں صاف ﴿لا یعود﴾ کا لفظ ہے اس حدیث کے راویوں کے خلاف کیا کوئی دم بھی مار سکتا ہے جب ان کے امام الامام اوزاعی جن کی ہمرکابی میں اپنے کو امام مالکؒ وثوریؒ جیسی جلیل القدر ہستیاں اپنے لئے فخر جانیں دم بخود ہیں۔ تو ان کے پچھلوں کو کیا مجال کلام اور تاب گفتگو ہو سکتی ہے۔ جب معاملہ دیگر راویوں سے گذر کر

صحابیوں پر آیا تو اس کو امام صاحبؒ نے مختصر الفاظ سے یوں حل فرمایا کہ عبداللہ تو پھر عبداللہ ہی ہیں۔ یہ الفاظ ان کی ساری برتری کو شامل ہیں جو ان کے حالات پڑھے گا کہ وہ آں حضرت ﷺ کے ہردم کے ساتھی و رفیق ہیں وہ فوراً یہ باور کرنے پر مجبور ہوگا کہ ان کی بات بوقت ٹکراؤ سب پر وزنی ہونی چاہئے چنانچہ پچھلوں میں ابن حجرؒ نے اصابہ میں عبداللہ بن مسعودؓ کو ابن عمرؓ پر ترجیح دی ہے اور ان کی فضیلت ثابت کی ہے طحاوی حصین و ابراہیم کے طریق سے نقل کرتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعودؓ سوائے شروع نماز کے کہیں ہاتھ نہ اٹھاتے۔ امامؒ بھی اپنی موطاء میں اسی معنی کے الفاظ لائے ہیں ابوداؤد اپنی سنن میں عاصم بن کلیب سے اور وہ عبدالرحمٰن بن اسود سے اور وہ علقمہ سے اور وہ ابن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں ﴿**الا اصلی لکم صلوۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فصلی فلم یرفع یدیہ الا مرۃ**﴾۔ کہ انہوں نے کہا کہ کیا میں تم کو نبی ﷺ کی سی نماز پڑھ کر نہ بتاؤں کہا کہ پھر انہوں نے نماز پڑھی اور صرف ایک مرتبہ ہاتھ اٹھائے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ صرف شروع میں ایک مرتبہ ہاتھ اٹھایا۔ مخالف مذہب حدیث اگر مخالف ہی کی کتاب میں آجائے تو بادل ناخواستہ گوارا کی جاسکتی ہے مگر جو بہرصورت اپنے خیال کو اونچا رکھنا چاہے اور دوسرے کو نیچا' اس سے یہ کب گوارا ہوسکتا ہے کہ ہم مشرب ہی کی کتاب میں مخالف حدیث آجائے چنانچہ بیچارے عاصم بن کلیب کو نشانہ بازی کیلئے تاک لیا ۔ ایک نے کہا یہ حدیث ثابت نہیں ایک بولا ضعیف ہے کسی نے کہا صحیح نہیں۔ اور کسی نے اور کچھ کہا ۔ نوویؒ تو اکثر ایسے امور میں دو قدم آگے رہتے ہیں کہنے لگے کہ اس حدیث کے ضعیف ہونے پر سب کو اتفاق ہے نہ معلوم انہوں نے اتفاق کن افراد کے اجتماع کا نام رکھا ہے یا صرف اپنی رائے کو اتفاق سے تعبیر کرتے ہیں۔ چنانچہ زرکشی سے نہ رہا گیا تو کہہ بیٹھے کہ ﴿**نقل الاتفاق لیس بجید**﴾ کہ اتفاق کا نقل کرنا تو ٹھیک نہیں جب کہ ابن حزم دار قطنی ابن حبانؒ نے اس کی تصحیح کی ہو اور نسائی نے ترک رفع یدین میں رخصت پر باب باندھا ہو۔ اب یہ ہی عاصم جس کی بناء پر ان لوگوں نے اس قدر لے دے مچائی یہ کون ہے؟ یہ وہ ہیں جس سے مسلم نے تخریج حدیث کی ہے اور شیخ نے کہا ہے کہ عاصم ثقہ ہے۔ اگر عبدالرحمٰن میں کچھ شک ہے تو ان سے بھی مسلم تخریج کرتے ہیں تو اب حدیث میں کیا سقم نکل آیا غیر کی حدیث کو اس قسم کی جتھہ بندی سے کمزور دکھانا علماء کے شایان شان نہیں۔ پھر خدارا یہ تو دیکھا کریں کہ یہ کہیں ہماری کتاب میں تو نہیں آگیا یہ اسی عاصم

کے طریق سے عبداللہ بن مسعودؓ سے یہی حدیث ترمذی بھی لائے ہیں اور کہا ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث حسن ہے اور بہت اصحاب نبی ﷺ اور تابعین اہل علم اس طرف گئے ہیں اور سفیان ثوریؒ اور اہل کوفہ کا یہی مسلک ہے جب خود ان کے مذہب کے علمبردار اس حدیث کے راویوں کو مانیں اور اس حدیث کو حسن کہیں تو پھر دوسروں کو اس کو ضعیف ٹھہرانے کا کیا حق پہنچتا ہے بعض نے یہ بار یکی نکالی کہ عبدالرحمٰن کو علقمہ سے سماع نہیں ۔کیا خوب جب عبدالرحمٰن کی وفات اناسی (۷۹) کی ہے جو ابراہیم نخعی کی حیات کا زمانہ ہے اور ان کو تو علقمہ سے بالاتفاق سماع ہے تو کیا عجب ہے اور کیا بعید کہ عبدالرحمٰن کو بھی سماع ہو مزید برآں خطیب نے کتاب المتفق والمتفرق میں عبدالرحمٰن کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ انہوں نے اپنے والد سے بھی سماع حدیث کیا ہے اور علقمہ سے بھی لہٰذا اب ہر پہلو سے حدیث کا دامن اعتراض وسقم سے پاک ہو گیا۔

اب آیئے خلفاء میں سے ابوبکرؓ اور عمرؓ کے مذہب کا پتہ لگایئے اور معلوم کیجئے کہ یہ خلفاء کس کے ساتھ ہیں ۔دارقطنی اور ابن عدی محمد بن جابر سے حدیث نقل کرتے ہیں وہ روایت کرتے ہیں حماد بن ابی سلیمان سے وہ ابراہیم سے وہ علقمہ سے وہ عبداللہ بن مسعودؓ سے ﴿**قال صليت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم و ابى بكر وعمر فلم ير فعوا يدیهم الا عند افتتاح الصلوة**﴾ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی اور ابوبکرؓ وعمرؓ کے ساتھ‘ تو انہوں نے اپنے ہاتھ نہیں اٹھائے مگر نماز شروع کرتے وقت‘ اس میں ان کو محمد بن جابر بن یسار ملے جن کو قابل گرفت سمجھا اور کہنے لگے کہ محمد بن جابر میں کلام ہے اور مجال گفتگو اس کے متعلق مختصراً یوں سمجھ لیجئے کہ جن محمد بن جابر سے ایوب ابن عوف ہشام بن حسان ۔ثوری ۔شعبہ ابن عیینہ جیسے جلیل القدر اصحاب نے روایت کی ہو وہ کیا کچھ درجہ علمی نہ رکھتے ہوں گے ۔ان کے مرتبہ کو کون گرا سکتا ہے ۔پھر ابن عدیؒ نے کہا ہے کہ اسحاق بن اسرائیل محمد بن جابر کو ایسی جماعت پر فضیلت دیا کرتے جو ان سے افضل ہوتی تقریب میں کہا ہے کہ ﴿**محمد بن جابر بن يسار بن طارق الحنفى اليمامى ابو عبد الله اصله من الكوفة صدوق**﴾ کہ یہ کوفہ کے رہنے والے ہیں اور صدوق ہیں ۔لہٰذا ان جلیل القدر والشان خلفائے کی موافقت مذہبی سے مذہب حنفیہ کا پلہ صحت وحقانیت میں نہایت وزنی اور بھاری ہو گیا عبداللہ اول تو خود کیا کچھ کم ہیں پھر وہ تصدیق میں آں حضرت ﷺ کے ساتھ ابوبکر صدیقؓ کی صداقت اور عمر فاروقؓ کی فقاہت کو

بھی ملالیں تو نور علی نور، بلکہ یہ حدیث درحقیقت حدیث شیخین ابوبکرؓ وعمرؓ کی ہوئی جواز سرتا پا نمونہ رسول اللہ ﷺ ہیں۔اور جن کا ایک قدم عمل نبوی ﷺ سے سر مو نہیں ہٹ سکتا۔ یہ حدیث گویا حصار حنفیت کا دوسرا مورچہ ہے۔

اب خاتم الخلفاء حضرت علیؓ کے مذہب کا سراغ لگایئے کہ وہ کیا تھا اس سلسلہ میں آپ کو طحاویؒ اور امام محمدؒ کی صحیح حدیث نظر پڑے گی کہ وہ روایت کرتے ہیں ابی بکر نہشلی سے وہ عاصم سے وہ اپنے باپ سے ﴿ان علیا کان یرفع فی اول تکبیرۃ من الصلوۃ ثم لایعود﴾ کہ حضرت علیؓ اول تکبیر کہتے وقت نماز میں ہاتھ اٹھاتے پھر دوبارہ ایسا نہ کرتے دار قطنیؒ نے بھی ان نہشلی سے یہ حدیث بیان کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث موقوف صحیح ہے نہ مرفوع۔محمد بن ابان بھی عاصم سے ایسی ہی روایت کرتے ہیں دارمی نے عجیب نوعیت کا اس پر اعتراض اٹھایا ہے کہ جواب دینے سے پہلے انسان اس پر ہنسنے پر مجبور ہو جاتا ہے ان کے الفاظ کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ علیؓ سے واہیات طریق سے روایت ہے کہ وہ اول تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھایا کرتے پھر ایسا نہ کرتے بالکل کمزور بات ہے کیونکہ علی کے بارہ میں ایسا کیسے گمان کیا جائے کہ وہ نبی ﷺ کے عمل کے خلاف کریں۔حالانکہ آپ سے یہ مروی ہے کہ آپ رکوع میں جاتے اور اس سے اٹھتے وقت ہاتھ اٹھایا کرتے'' کیا خوب یہ تو آپ کی من مانی بات ہے اور آپ کا حضرت علیؓ سے حسن ظن کہ وہ اس کو آں حضرت ﷺ کی آخری سنت یا غیر منسوخ عمل مانتے تھے۔آپ کے خصم یعنی احناف اس کو کیوں ماننے لگے وہ تو یہ کہیں گے کہ علی کا یہ عمل رسول اللہ ﷺ کے بعد کا ہے اور وہ رفع یدین کے نسخ کو ثابت کرتا ہے آپ اپنے خیال کے موافق ایک بنیاد قائم کرتے ہیں اور اسی پر اعتراض کی عمارت اٹھاتے ہیں ماشاء اللہ دارمی پر گرفت کے بعینہ یہی الفاظ ابن دقیق العید نے کہے ہیں جو امام میں مذکور ہیں۔

حضرت علیؓ سے ہی رفع یدین کے حامی مرفوع روایت پیش کرتے ہیں جس کو ابوداؤد ابن ماجہ اور ترمذی نقل کرتے ہیں مگر خلشوں سے بھری ہوئی اول تو ابوداؤد کی روایت میں عبدالرحمٰن بن زید ہیں تقریب میں کہا ہے کہ یہ صدوق ہیں مگر جب بغداد میں آئے تو ان کے حافظہ میں فرق آچکا تھا۔پھر سب سے بڑی خلش یہ کہ اس میں ﴿اذا قام من السجدتین رفع یدیہ کذلک﴾ کی کھٹک ہے جو سب کے نزدیک یا تو منسوخ ہے یا غیر ثابت پھر اگر ابوداؤد کی حدیث

کوصحیح بھی مان لیں تو وہ آخر مرفوع ہے جو آپ کے فعل کو بتاتی ہے اور یہ حدیث مذکور موقوف جو علیؓ کا خود عمل ظاہر کرتی ہے۔ یوں کیوں نہ سمجھا جائے کہ پہلے علیؓ نے نبی ﷺ سے روایت کی ہے آپ ﷺ کے عمل کی، پھر جب ان کو رفع کا نسخ ثابت ہوگیا تو خود اس عدم رفع پر عمل کرنے لگے جس کی صحیح حدیث امام محمد سے ابھی نقل ہوئی یہ بالکل قرین قیاس ہے اور موافق عقل۔ مگر ان کو ایک ہی ترکیب یاد ہے کہ احناف کی حدیث ضعیف کرڈالو مخالف کی حدیث صحیح مان کر کون لیجیے اور تطبیق کی وقت کون برداشت کرے۔

آپ نے عمرؓ کا مذہب حضرت ابن مسعودؓ کی زبانی سنا تھا لیجئے اب ایک دوسری روایت سے اس کی تائید سنیئے طحاوی اور بیہقی حسن بن عباس کے طریق سے بسند صحیح اسود سے حدیث لاتے ہیں ﴿قال رأيت عمر بن الخطاب رفع يديه في اول تكبيرة ثم لا يعود قال ورأيت ابراهيم والشعبي يفعلان ذلك ﴾ کہ انہوں نے کہا کہ میں نے عمرؓ کو دیکھا کہ آپ نے اول تکبیر پر ہاتھ اٹھائے پھر ایسا نہیں کیا کہتے ہیں کہ میں نے ابراہیم وشعبی کو بھی ایسا ہی کرتے ہوئے دیکھا۔ اس پر طحاوی رقمطراز ہیں کہ حسن بن عباس جن پر یہ حدیث مدار رکھتی یہ ثقہ ہیں یحیٰ بن معین اور دوسروں نے ان کو ثقہ کہا ہے۔ یہ انہوں نے اس لئے کیا کہ جانتے تھے کہ پوری سند میں نشانہ بازی کے لئے انہیں غریب کو چھانٹا جائے گا۔ لہٰذا پہلے سے پیش بندی کردی۔ حاکم نے اس کے خلاف نعرہ بلند کیا کہ طاؤس کے طریق سے ابن عمرؓ سے اس کے خلاف صحیح حدیث موجود ہے ہم کہتے ہیں کہ جب یہ حدیث باعتبار سند صحیح ہے تو مخالف ہوا کرے آخر ہیں تو دونوں احاد پھر اس کی تائید مذکورہ حدیث ابن مسعودؓ سے مل رہی ہے۔ اور عبداللہ بن مسعودؓ کی فضیلت ابن عمر پر جو کچھ ہے وہ تو معلوم ہی ہے۔

اب قائلین رفع کو اس پر ناز ہے کہ ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ کا مذہب ہمارے مذہب کے موافق ہے۔ لیجئے ان کی احادیث کا جائزہ بھی لیجئے کہ یہ کس کے مذہب کے موافق ہیں۔ بخاری نے کتاب المفرد میں بسلسلہ وکیع ابن ابی لیلیٰ حکم مقسم ابن عباسؓ سے حدیث لائے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہاتھ صرف سات جگہ اٹھائے جاتے ہیں شروع نماز میں استقبال قبلہ میں صفا و مروہ پر جمع میں منیٰ میں اور جمرتین میں۔ اور بزار نے نافع کے طریق سے ابن عمر سے یہ ہی حدیث نقل کی ہے تو ان میں رکوع میں رفع ید کا کہاں ذکر ہے ان روایتوں میں یہ خلش نکالتے ہیں کہ ابن

ابی لیلیٰ قابل حجت نہیں۔ حالانکہ یہ وہ تابعی ہیں جنہوں نے ایک سوبیس صحابہ ؓ کو پایا ہے انہیں کی مرفوع حدیث نہ مانی جائے تو کس کی مانی جائے دوسرے یہ کہتے ہیں کہ یہ موقوف صحیح ہے جو بطریق وکیع ہے نہ مرفوع خیر ہمارا مطلب اسی سے حل ہوگیا کہ آخران ہر دو حضرات کا مذہب ہی تو معلوم کرنا تھا کہ ان کا مذہب کس سے ملتا ہے اور کس کے ساتھ ہیں بات خود ان کے اقرر سے پایہ ثبوت کو پہنچی کہ یہ عدم رفع کے قائل تھے۔

احناف ہی کے مذہب کی تائید میں حضرت براء بن عازب حضرت جابر بن سمرہ اور ابو سعید خدریؓ سے بھی صحیح روایات وارد ہیں جن کے بیان کو یہاں نظر انداز کیا جاتا ہے کہ بات بہت طول پکڑتی ہے آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ بحث ومباحثہ کے میدان میں یہ بات ثابت ہوئی کہ احناف کا مسلک صحیح احادیث پر مبنی ہے جو ان کو ضعیف بتاتا ہے وہ نہ صرف اپنے منہ سے اپنی جہالت کا اقرار کرتا ہے بلکہ حق وانصاف کو چھپانے کا بھی وہ مرتکب ہے اب یہ دیکھنا ہے کہ اس بحث وتمحیص کے بعد احناف اپنا کیا عقیدہ قائم کرتے ہیں اس سے آپ کو ان کے جذبہ حق وانصاف پسندی پر داد دینی پڑے گی۔ ان کا یہ مسلک نہیں کہ حدیث دانی کے ٹھیکیدار ہم ہیں جب کسی مخالف کی حدیث ملے اس کے راویوں کو توڑ مروڑ کر ختم کر دیا جائے اور مشہور کر دیا جائے کہ مخالف کے پاس کوئی صحیح حدیث نہیں۔ یہ تو اہل الرائے ہیں اہل حدیث ہم ہیں۔ یہاں احناف کا منصفانہ فیصلہ یہ ہے کہ رفع بھی صحیح احادیث سے ثابت ہے اور عدم رفع بھی اور ان ہر دو نوع احادیث میں صاف تعارض ہے تو لامحالہ تطبیق کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں تطبیق اس طرح کہ عدم ورفع نبی ﷺ کے مختلف اوقات کے دو مختلف عمل ہیں۔ بعد میں رفع منسوخ ہوا۔ عدم رفع باقی رہا چنانچہ بعض بعض صحابہ مثلاً ابن عمرؓ وغیرہ جو رفع کے راوی ہیں خود رفع نہیں کرتے تھے ان کا یہ عمل صاف راہنمائی کرتا ہے کہ وہ نسخ مان چکے تھے کیونکہ یہ طے شدہ امر ہے کہ جب کوئی صحابی حدیث کی روایت کر کے خود اس کے خلاف کرے یہ اس کی دلیل ہے کہ اس کے نزدیک اس کا نسخ ثابت ہو چکا۔ ورنہ حضرت ابن عمرؓ حضرت علیؓ وغیرہما کے بارہ میں کیسے متصور ہو سکتا ہے اور کس طرح ممکن کہ وہ حدیث رسول اللہ ﷺ کے خلاف کریں گے۔ ادھر یہ بھی کھلا اصول ہے کہ جب صحیح احادیث آپس میں ٹکرائیں تو بذریعہ قیاس ترجیح دینی مناسب ہے یہاں قیاس کا فیصلہ بھی یہی ہے کہ عدم رفع ہو کیونکہ رفع سکون وخشوع وخضوع میں فرق لاتا ہے جو عین مقصد نماز ہے اور اس کا

خاص جو ہر نماز میں بہت سے اعمال منسوخ ہو چکے جو خشوع وخضوع میں فرق لاتے تھے۔ کیا عجب یہ بھی انہی میں سے ہو یہاں بعض شافعیہ یہ بھی دعویٰ کر بیٹھے ہیں کہ احادیث رفع متواتر ہیں یا مشہور یہ بے اصل اور بے بنیاد بات ہے ہر دو قسم احادیث درجہ احاد میں ہیں اور ان میں تطبیق کی یہ ہی واحد شکل ہے جو بیان ہوئی اس میں حق کا بھی پاس ہے اور مخالف کی دل جوئی بھی۔

ابو حنیفة عن طریف ابی سفیان عن ابی نصرة عن ابی سعید ن الخدری ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال الوضوءُ مفتاح الصلوة والتکبیر تحریمها والتسلیم تحلیلها وفی کل رکعتین فسلم ولا تجزیٔ صلوة الا بفاتحة الکتاب ومعها غیرها.

وفی روایة اخری عن المقری عن ابی حنیفة مثله وزادفی اخرہ قلت لابی حنیفة مایعنی بقوله فی کل رکعتین فسلم فقال یعنی التشهد قال المقری صدق.

وفی روایة نحوہ وزادفی اخرہ ولا یجزیٔ صلوة الا بفاتحة الکتاب ومعها شیٔ.

ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ وضو نماز کی کنجی ہے اور تکبیر (تحریمہ) اس کی تحریم (یعنی خلاف نماز ہر فعل وحرکت کو حرام کر دینے والی) اور سلام اس کی تحلیل (یعنی سلام نماز کی وجہ سے حرام ہونے والے حرکات وافعال کو پھر حلال کر دیتا ہے) اور ہر دو رکعت پر سلام پھیر (تشہد پڑھ) اور کوئی نماز بغیر الحمد اور دوسری سورت کے ملائے کافی نہیں ہوتی۔

ایک اور روایت میں مقری سے ابو حنیفہؒ سے اسی طرح الفاظ نقل ہیں مگر اس کے آخر میں یہ زائد ہے کہ میں نے پوچھا ابو حنیفہؒ سے کہ ہر دو رکعت پر سلام پھیرنے کے کیا معنی ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اس سے مراد التحیات پڑھنی ہے مقری نے کہا بہت ٹھیک۔

ایک اور روایت میں اسی طرح ہے اور اس کے آخر میں یہ زائد کیا کہ کوئی نماز بغیر فاتحہ الکتاب (الحمد) اور سورت ملانے کے کافی وافی نہیں ہوتی۔

ف: اس حدیث کی ذیل میں کئی مسائل حل طلب ہیں اور قابل تشریح مثلاً فرمایا ﴿ الوضوء

مفتاح الصلوۃ ﴾ اس سے اس مسئلہ کی وضاحت نہایت لطیف اور عقلی اشارہ سے کی کہ وضو میں نیت واجب نہیں بلکہ سنت ہے کیونکہ جب وضو کی حیثیت نماز کی نسبت سے کنجی کی سی ہوئی کہ وہ اس (نماز) کو کھولتا ہے اس کی حقیقت کو قائم کرتا ہے اور اس کو وجود میں لاتا ہے جو محض ایک عبادت ہے تو وہ خود عبادت میں شمار نہ ہوا بلکہ آلہ عبادت وذریعہ عبادت ٹھہرا۔ اور نیت عبادت کی صحت کے لئے شرط ہے کہ وہ نیت کے بغیر ثواب سے خالی ہوتی ہے جب ثواب سے خالی ہوئی تو اس کی صحت گئی۔ یہ کیفیت آلہ عبادت کے ساتھ نہیں باقی اس مسئلہ کی صاف اور کھلے الفاظ میں دلیل ابوداؤد ابن ماجہ کی وہ حدیث ہے جس کے الفاظ یہ ہیں ﴿لاصلوۃ لمن لا وضوء لہ ولا وضوء لمن لم یذکر اسم اللّٰہ علیہ ﴾ کہ اس کی نماز نہیں جس کا وضو نہ ہو۔ اس کا وضو نہیں (یعنی فضیلت سے محروم) جو اس پر اللہ کا نام نہ لے۔

پھر ارشاد ہوا ﴿والتکبیر تحریمھا ﴾ اس میں اختلاف ہے کہ تکبیر تحریمہ کن الفاظ سے کہی جا سکتی ہے۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ سوائے ﴿اللہ اکبر ﴾ یا ﴿اللہ الاکبر ﴾ کے کوئی دوسری صورت جائز نہیں یعنی اکبر کو یا نکرہ لایا جائے یا معرفہ امام مالکؒ اور احمدؒ کے نزدیک صرف اکبر یعنی نکرہ ہی کی صورت جائز ہے قاضی ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ ﴿اللہ الکبیر ﴾ بھی جائز ہے گویا ان کے نزدیک ﴿اللہ اکبر . اللہ الاکبر . اللہ الکبیر ﴾ ہر سہ صورتیں جائز ہوئیں۔ امام ابوحنیفہؒ ومحمدؒ نے ہر اس لفظ کو تکبیر میں ادا کرنا جائز رکھا ہے جس سے اللہ کی تعظیم و بڑائی ظاہر ہو یہ ادائیگی فرض کی حد میں ہے باقی سنت تو وہی اللہ اکبر ہے جس کی طرف حدیث کے ظاہری الفاظ مشیر ہیں امام صاحبؒ کا مسلک کسی قدر وقت نظری پر مدار رکھتا ہے اس لئے وہ وضاحت طلب ہے دراصل فرضیت تحریمہ کا ثبوت سب کے نزدیک آیت ﴿وربک فکبر ﴾ سے ہے۔ دیگر ائمہ بلحاظ لفظ آیت اس کو لفظ اکبر میں محدود کرتے ہیں اور امام صاحبؒ معنی پر نظر رکھ کر کہتے ہیں کہ تکبیر لغت میں تعظیم سے عبارت ہے جس لفظ سے بھی تعظیم ظاہر ہو اس سے تکبیر تحریمہ کہی جا سکتی ہے اور اس حکم خداوندی کی تعمیل ہو سکتی ہے خواہ وہ ﴿اللہ اکبر ﴾ یا ﴿اللہ اجل ﴾ ﴿اللہ اعظم ﴾ ہو خواہ ﴿الرحمن الرحیم ﴾ مثلاً دوسری جگہ فرمایا ﴿فلما راینہ اکبرنہ ﴾ یعنی جب دیکھا انہوں نے اس کو تو بڑا سمجھا اس کو کہ یہاں بھی تعظیم ہی مراد ہے ایک اور جگہ نماز کے سلسلہ میں ارشاد ہوا ﴿واذکر اسم ربہ فصلی ﴾ کہ اس میں ذکر سے مراد تکبیر تحریمہ ہے تو گویا

یہاں تکبیر کا اطلاق مطلق ذکر پر کیا لہٰذا اس کو کس طرح اکبر ہی کے لفظ سے مخصوص کیا جائے۔ بلکہ لفظ اسم کے پیش نظر ﴿و له الاسماء الحسنى﴾ یا حدیث میں وارد ہے ﴿امرت ان اقاتل الناس حتى يقولو الااله الا الله﴾ اگر کسی نے کہا ﴿لا اله الاالرحمن﴾ تو وہ مسلمان مانا جائے گا۔ اور اس کے قتل سے دست کش ہونا پڑے گا۔ جب اصل دین میں بھی یہ وسعت معتبر ہے تو نماز میں جو اس کی فرع ہے کیوں یہ فراخی ملحوظ نہ رکھی جائے۔

پھر ارشاد ہوا ﴿والتسليم تحليلها﴾ اس میں شافعیہ وحنفیہ کا اختلاف ہے کہ نماز سے خارج ہونے کے لئے لفظ سلام کی ادائیگی فرض ہے یا واجب۔ امام شافعیؒ واحمد اس کو فرض کہتے ہیں اور امام ابو حنیفہؒ اس کو واجب قرار دیتے ہیں اور یہی مذہب ہے حضرت مرتضیٰؓ ۔ ابن مسعودؓ ابن مسیتب ابراہیم نخعی۔ سفیان ثوری اور اوزاعی کا امام شافعیؒ کی دلیل ایک تو حدیث ذیل کے یہ الفاظ ہیں ﴿والتسليم تحليلها﴾ کہ اس میں بظاہر تحلیل (نماز سے خارج ہونے) کو تسلیم (لفظ سلام کی ادائیگی) میں محدود کیا ہے۔ یا حدیث ﴿صلوا كمارايتمونى اصلى﴾ کہ جس طرح مجھ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو تم بھی ایسی ہی نماز پڑھو۔ اور آپ لفظ سلام ادا فرماتے پھر وہ تکبیر تحریمہ پر قیاس کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نماز میں داخل ہونے کے لئے تکبیر کہنا بالاتفاق فرض ہے تو ایسے ہی سلام کہنا نماز سے خارج ہونے کے لئے فرض ہوگا۔ امام صاحبؒ کی دلیل ابن مسعودؓ کی حدیث ہے جس کو ابو داؤد نے اپنی سنن میں نقل کیا ہے کہ ﴿اذاقلت هذا او قضيت هذا فقد قضيت صلو تک﴾ کہ جب تو نے ایسا کیا یا اس کو پورا کیا تو تو نے اپنی نماز پوری کر لی کہ اس میں قول وفعل میں اختیار دیا گیا ہے اگر سلام فرض ہوتا تو فرض میں اختیار دینا کیسا۔ پھر اعرابی کی وہ حدیث بھی ان کی حجت ہے جس میں آپ نے اس کو نماز سکھائی مگر سلام کا ذکر نہ فرمایا۔ اگر سلام فرض ہوتا تو اس کو وہ کیسے ترک فرماتے اور یہ بھی ہے کہ دوسرا سلام تو کسی کے نزدیک بھی فرض نہیں تو اس پر قیاس کر کے یہ بھی کیوں فرض ہو۔ اب ان کے قیاس کا مسکت جواب یہ ہے کہ تکبیر وسلام میں زمین وآسمان کا فرق ہے یہ ہر دو آپس میں حقیقت وحالت وتاثیر میں ایک دوسرے سے جدا ہیں۔ تکبیر چونکہ محض ثنا ہے اس لئے خالص عبادت ہے یوں ہی تو بحالت استقبال ادا ہوتی ہے اور اس کی تاثیر ہے کہ یہ عبادت نماز میں داخل کر دیتی ہے تو نماز کی طرح یہ بھی فرض ہوئی بخلاف سلام کے کہ وہ ایسا نہیں وہ ایک حیثیت سے کہ اللہ تعالیٰ کے نام سلام پر مشتمل

ہے ثنا ہے اور ایک حیثیت سے کہ وہ انسانوں سے خطاب ہے اور لوگوں سے بات چیت چنانچہ اسی حیثیت سے نماز میں سلام کرنا ممنوع ہے اور قبلہ سے روگردانی کر کے ادا کیا گیا۔ ایسا ہی وہ تاثیر میں بھی تکبیر سے جدا ہے کہ اگر وہ عبادت میں داخلہ کا سبب ہے تو یہ اس سے خارج ہونے کا اس فرق کی بناء پر یہ سلام تکبیر کی طرح فرض نہ ہوا مگر ایک حیثیت سے چونکہ یہ سلام ثناء بھی ہے یہ نفل وفرض کے بیچ میں درجہ واجب میں رکھا گیا ہے حدیث ذیل کے یہ الفاظ ﴿ والتسلیم تحلیلها ﴾ تو اس سے حصر کا ثبوت نہیں کہ تحلیل سلام ہی سے ہے پھر یہ اخبار آحاد ٹھہریں اور آحاد سے فرضیت کا ثبوت کیسا؟ البتہ آں حضرت ﷺ کے ہمیشگی فرمانے یا حکم فرمانے سے وجوب کا ثبوت ملتا ہے اور یہی امام صاحبؒ کا مذہب ہے۔

ایک اور اختلافی مسئلہ ﴿ لاتجزی صلوۃ ﴾ الخ کے ماتحت محتاج بیان ہے مگر چونکہ یہی ٹکڑا قریب قریب آئندہ حدیث میں آ رہا ہے اس لئے اس کا بیان وہیں ملاحظہ فرمائیں۔

حدیث ذیل میں ﴿ وفی کل رکعتین فسلم ﴾ کے الفاظ دو معنی کے محتمل ہیں یا تو یہ اپنے ظاہر پر رکھے جائیں اور ہر دو رکعت سے مراد نفل ہوں اور یہ حکم ندب کے لئے ہو اور مقصد یہ ہو کہ ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرو۔ جیسا کہ صاحبینؒ کا مذہب ہے کہ نفلیں دو دو رکعت کر کے پڑھنی چاہیں۔ جیسا کہ حدیث ہے ﴿ الصلوۃ مثنی مثنی یا فسلم ﴾ میں سلام کی مراد حقیقی سلام نہ ہو بلکہ تشہد ہو جیسا کہ اسی حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ امام صاحبؒ نے اس کی یہی تشریح فرمائی ہے اس صورت میں یہ امر نوافل ہیں وجوب بمعنی فرض کے لئے ہوگا کہ قدر تشہد ان میں بیٹھنا واجب ہے یا بمعنی واجب ہی ہو تین رکعت یا چار رکعت والی فرض نمازوں میں۔

ابو حنیفة عن عطاء بن ابی رباح عن ابی هريرة قال نادی منادی رسول الله صلی الله علیه وسلم بالمدينة لا صلوة الابقراء ة ولو بفاتحة الکتاب.

ابو ہریرہؓ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ کے منادی نے مدینہ میں ندا دی کہ بغیر قرآن پڑھے کوئی نماز نہیں ہوتی اگرچہ وہ فاتحہ الکتاب (الحمد) ہی کیوں نہ ہو۔

ف: طبرانی نے اوسط میں امام صاحبؒ ہی کے طریق سے ان الفاظ سے اس حدیث کی تخریج کی ہے ﴿ امرنی رسول الله صلی الله علیه وسلم أن انادی فی اهل المدينة لحديث ﴾ کہ مجھ کو رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ میں اہل مدینہ میں پکار کر کہہ دوں۔ دارقطنی

میں بھی قریب قریب اسی مضمون کی حدیث آئی ہے۔

اس میں اختلاف ہے کہ نماز میں فاتحہ پڑھنا اور اس کے ساتھ سورت ملانا فرض ہے یا واجب یا سنت امام شافعیؒ و امامؒ مالک فاتحہ پڑھنے کو فرض مانتے ہیں اور سورت ملانے کو سنت اور امام ابوحنیفہ فاتحہ پڑھنے اور سورت ملانے ہر دو کو واجب کہتے ہیں امام شافعیؒ و امام مالکؒ کی دلیل فاتحہ کے فرض ہونے پر مسلم کی یہ حدیث ہے ﴿**من صلی صلوة لم یقرأفیھا بام القرآن فھی خداج ثلا ثاغیر تمام**﴾ کہ جس نے ایسی نماز پڑھی جس میں الحمد نہ پڑھی تو وہ نماز خداج (ناقص) ہے تین بار فرمایا یعنی مکمل نہیں ہے۔ اور سورۃ ملانے کے سنت ہونے پر یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ آں حضرت ﷺ نے اول دو رکعت میں سورت ملانے پر ہیشگی برتی۔

امام صاحبؒ کے مذہب کے ثبوت پر کئی دلائل ہیں سب سے پہلے یہ کہ فرضیت قرأت قرآن پاک کی آیت ﴿**فاقرء و اماتیسر من القران**﴾ سے ثابت ہے یعنی قرآن کا جس قدر حصہ آسان ہو پڑھو۔ یہ قرآن کے الفاظ عام ہیں اور کم سے کم ایک پوری آیت تک کو شامل ہیں پھر حدیث ظنی سے قرآن کے قطعی حکم میں فاتحہ کی قید لگا کر اس کے عموم و اطلاق کو کس طرح توڑا جاسکتا ہے کیونکہ یہ تو ایک طرح کا نسخ ہے کہ قید سے ایک شے کل کی حیثیت سے نکل کر جزو میں داخل ہوتی ہے اور وہ اپنی کل کی حیثیت کھو بیٹھی ہے تو یہ نسخ ہوا۔ اور نسخ کرنے والی شے منسوخ ہونے والی سے اقوی ہونی چاہئے۔ حالانکہ حدیث ظنی قرآن قطعی سے بدرجہا ضعف و کمزور ہے۔ لہٰذا امام صاحبؒ نے مطلق قرآن کا پڑھنا تو آیت قرآن کے ماتحت فرض مانا اور حدیث چونکہ عمل کے وجوب کو ثابت کرتی ہے اس لئے اس کے پیش نظر قرأت فاتحہ و سورت ملانے کو واجب قرار دیا۔ قرآن و حدیث ہر دو پر عمل ہوا بخلاف فاتحہ کی قراءت کو فرض ماننے والوں کے کہ ان کے مذہب پر آیت قرآنی کا ترک لازم آتا ہے اور سنت پر عمل۔

دوسری حدیث وہ حدیث ہے جس میں آں حضرت اعرابی کو نماز سکھاتے ہیں اس میں پوری شرح و بسط کے ساتھ نماز کی حقیقت کو واضح فرماتے ہیں مگر اس میں فاتحہ کا کہیں ذکر نہیں اگر اس کی قرأت فرض ہوتی تو اس کا ترک کیسا؟ البتہ اتنا ضرور فرمایا ﴿**ثم اقرء ماتیسر معک من القران**﴾ قرآن میں سے جو تجھ کو یاد ہو وہ پڑھ۔

تیسری حدیث یہی ابی ہریرہ کی ہے جس کو وہ خود اپنی دلیل میں لاتے ہیں کہ اس کے

الفاظ درحقیقت ان کے مطلب کی طرف راہ نمائی نہیں کرتے ہیں بلکہ امام صاحب کے مذہب کی طرف آپ نے فرمایا﴿فھی خداج ﴾خداج کے معنی لغت میں ناقص کے ہیں جس کا مقابل تام ہے خود حدیث کے الفاظ﴿ غیر تام ﴾ پتہ دے رہے ہیں کہ ناقص مقابل تام مراد ہے فاسد کے معنی نہیں جو وہ سمجھتے ہیں۔ ناقص ہونے کے معنی یہ ہیں کہ فاتحہ نہ پڑھنے سے واجب کا ترک ہوگا تو نماز ناقص ہوگی اگر قرات فاتحہ ہوتی تو اس کے ترک سے نماز فاسد و باطل ہوتی نہ کہ ناقص وغیر تام۔

چوتھی دلیل حدیث ذیل ہے کہ اس میں ارشاد ہوا﴿ولو بفاتحة الکتاب ﴾اگرچہ سورت فاتحہ ہو یہ صاف کھلا ہوا اشارہ ہے کہ قراءت فاتحہ کی تخصیص نہیں یعنی قرآن کا خواہ کوئی حصہ بھی ہو۔ اگرچہ سورت فاتحہ ہی ہو۔

پانچویں دلیل یہ کہ اگر سورت فاتحہ کو فرض مان کر ان الفاظ حدیث کے یہ ہی معنی مراد لیں کہ نماز سرے سے ہوتی ہی نہیں۔تو یہ الفاظ آں حضرت ﷺ نے ان احادیث میں بھی فرمائے ہیں﴿لا صلوۃ لجار المسجد الا فی المسجد ﴾کہ مسجد کے پڑوسی کی نماز نہیں ہوتی مگر مسجد میں ہے﴿وَلَا صلوۃ لِلعبد الابق حتی یرجع ﴾مکہ بھاگے ہوئے غلام کی نماز نہیں جب تک وہ لوٹ آئے۔﴿ولا وضوء لمن لم یسم ﴾اور نہیں وضو ہے اس کا جو وضو سے پہلے بسم اللہ نہ پڑھے حالانکہ یہاں کمال کی نفی ہے نہ اصل نماز کی۔

چھٹی دلیل یہ کہ فرضیت فاتحہ کے قول پر ایک اور الجھن سر آتی ہے وہ یہ کہ سورت کا ملانا بھی ساتھ ساتھ فرض ہوجاتا ہے کیونکہ﴿لا صلوۃ الا بفاتحة لکتاب ﴾کے ساتھ وسورۃ معہا وغیرہ کا ٹکڑا بھی تو ہے تو فاتحہ کی لپیٹ میں سورت ملانے کی فرضیت کا زبردستی اقرار کرنا پڑتا ہے اور اس پر وہ بھی راضی نہیں۔

لہٰذا ان قوی و سنگین دلائل کی بناء پر صحیح و حق وہ ہی امام صاحبؒ کا مسلک ہے۔

(۴۳) باب لایجھر ببسم اللہ فی الصلوۃ

ابو حنیفة عن حماد عن انس قال کان النبی صلی اللہ علیه وسلم وابوبکر و عمر لایجھرون ببسم اللہ الرحمن الرحیم .

باب۔اس امر کے بیان میں کہ نماز میں بسم اللہ بلند آواز سے پڑھنی جائز نہیں!

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ ابو بکرؓ و عمرؓ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بلند آواز سے نہیں پڑھا کرتے تھے۔

ف: بسم اللہ کو الحمد سے پہلے زور کی آواز سے پڑھنے اور نہ پڑھنے میں امام شافعی و امام ابو حنیفہؒ کا اختلاف ہے امام ابو حنیفہؒ کے ہم خیال ابن مسعودؓ ابن زبیرؓ عمار بن یاسرؓ حسن۔ شعبی ۔نخعی ۔اور اوزاعی سفیان ثوری ۔عبد اللہ بن مبارک ۔قتادہ عمر بن عبد العزیز ۔اعمش ۔زہری۔ مجاہد۔ اسحٰق ہیں اور احادیث صحیحہ سے ہی یہ مذہب پایہ ثبوت کو پہنچتا ہے اس سلسلہ میں حضرت انس ہی سے بخاریؒ میں ہے ﴿ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابا بکر وعمر کانو یفتتحون الصلوۃ بالحمد الله رب العلمین ﴾ کہ نبی ﷺ اور حضرات ابو بکرؓ و عمرؓ ﴿الحمد لله رب العلمین ﴾ سے نماز شروع کیا کرتے تھے۔ مسلم کے الفاظ یہ ہیں ﴿صلیت خلف النبی صلی الله علیه وسلم وابی بکر وعمر وعثمان فلم اسمع احد منهم یقرأ ببسم الله الرحمن الرحیم ﴾ کہ میں نے نماز پڑھی نبی ﷺ ابو بکرؓ عمرؓ عثمانؓ کے پیچھے۔ میں نے ان میں سے کسی کو بسم اللہ پڑھتے ہوئے نہیں سنا امام شافعیؒ اس روایت کو پیش نظر رکھتے ہیں جو دار قطنی میں محمد بن السری سے منقول ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے معتمر بن سلیمان کے پیچھے ان گنت مرتبہ صبح و مغرب کی نماز پڑھی وہ بسم اللہ زور سے پڑھتے اور کہتے میں نقل اتارتا ہوں اپنے والد کی نماز کی اور وہ انسؓ کی اور وہ نبی کریم ﷺ کی مگر یہ حدیث ٹکراتی ہے ابن خزیمہ اور طبرانی کی روایت سے جو وہ اسی معتمر کے طریق سے انسؓ سے بیان کرتے ہیں اس میں یوں ہے کہ نبی ﷺ بسم اللہ دھیمی اور پست آواز سے پڑھا کرتے غرض ان کی تمام پیش کردہ روایات میں کوئی نہ کوئی خلش ہے اور روایتی سقم پھر اگر چاہیں کہ ہر دو نوع احادیث کو جمع کریں تو تاویل کا یہ پہلو نکل سکتا ہے کہ جہر کی حدیثوں کو محض تعلیم کے لئے مانیں۔ یا یوں کہیں کہ خفیف سا جہر تھا جس کو قریب کا آدمی سن سکتا ہے مقتدی اگر امام سے قریب ہو تو اس کی خفیف سی جہر والی آواز بھی سن لیتا ہے یہ صحیح معنی میں جہر نہیں جس طرح روایتوں میں وارد ہے کہ آں حضرت ﷺ کی ظہر کی سری قراءت میں ایک دو آیتیں اقتداء کرنے والے صحابہؓ گاہے گاہے سن لیا کرتے یا اس طرح کہا جائے کہ پہلے جہر پر عمل تھا بعد میں ترک ہوا اور منسوخ۔ چنانچہ ابو داؤد نے سعید بن جبیرؓ سے جو روایت نقل کی ہے اس سے صاف پتہ چلتا ہے کیونکہ اس کے

آخری الفاظ یہ ہیں ﴿فامر الله رسوله باخفائها فما جهر حتّٰی مات﴾ کہ پھر اللہ نے اپنے رسول اللہ ﷺ کو پست آواز سے پڑھنے کا حکم دیا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے پھر تا وفات جہر نہیں کیا۔

ابو حنيفة عن ابى سفيان عن يزيدبن عبد الله بن مغفل انه صلى خلف امام فجهر ببسم الله الرحمن الرحيم فلما انصرف قال يا عبد الله احبس عنا نغمتك هذه فانى صليت خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم وخلف ابى بكر وعمر وعثمان فلم اسمعهم يجهرون بهاوهذا صحابى .قال الجامع وروت جماعة هذا الحديث عن ابى حنيفة عن ابى سفيان عن يزيد عن ابيه عن النبى صلى الله عليه وسلم قيل وهو الصواب لان هذا الخبر مشهور عن عبد الله بن مغفل.

یزید بن عبداللہ بن مغفل سے روایت ہے کہ عبداللہ بن مغفل نے کسی امام کے پیچھے نماز پڑھی پس اس نے بسم اللہ بلند آواز سے پڑھی۔ یہ لوگ جب نماز سے فارغ ہوئے تو اس سے کہا اے اللہ کے بندے اپنے اس گانے کو بند کر (یعنی زور سے بسم اللہ پڑھنا چھوڑ دے) کیونکہ میں نے نماز پڑھی رسول اللہ ﷺ کے پیچھے اور ابوبکر و عمر اور عثمان کے پیچھے ۔میں نے ان کو بسم اللہ کو جہر سے پڑھتے نہیں سنا اور یہ عبداللہ بن مغفل صحابی ہیں ۔جامع کہتا ہے کہ اس حدیث کو ایک جماعت نے ابو حنیفہؒ سے روایت کیا ہے وہ روایت کرتے ہیں ابی سفیان سے وہ یزید سے وہ اپنے والد (عبداللہ بن مغفل) سے وہ نبی ﷺ سے (گویا یہ حدیث مرفوع ہے) اور یہ ہی ٹھیک ہے کیونکہ یہ حدیث عبداللہ بن مغفل سے ہی مشہور ہے (تو ان کے صاحبزادہ یزید پر اس کو ختم نہ ہونا چاہئے)۔

ف: عبداللہ بن مغفل کی حدیث ترمذی اور ابن ماجہ بھی لائے ہیں۔ترمذی نے اس بحث کو دو بابوں پر تقسیم کیا ہے ایک باب ترک جہر میں دوسرا جہر میں پہلے میں عبداللہ بن مغفل کی حدیث لائے ہیں اور دوسرے میں ابن عباسؓ کی حدیث ہم اس مسئلہ کی ضروری وضاحت پیشتر حدیث میں کر چکے ہیں۔

ابوحنيفة عن عدى عن البراء قال صليت مع رسول الله صلى الله عليه

وسلم العشاء وقرأ بالتين والزيتون .

حضرت براء کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی۔آپ نے اس میں سورہ ﴿ والتين والزيتون ﴾ پڑھی۔

ف: یعنی والتین آں جناب ﷺ نے عشاء کی پہلی رکعت میں پڑھی اور دوسری رکعت میں ﴿انا انزلناه فی ليلة القدر ﴾اور صحیحین میں ہے کہ آپ نے عشاء کی نماز میں ﴿اذاالسماء انشقت ﴾پڑھی اور حضرت معاذ سے آنحضرت ﷺ نے نماز عشاء کے بارہ میں فرمایا کہ تم اس میں سورہ بروج اور انشقاق جیسی سورتیں کیوں نہیں پڑھتے صحاح ستہ نے بھی اس کی روایت کی ہے اور انہی الفاظ سے احمدؒ مالکؒ نے بھی۔

ابو حنيفة ومسعر عن زياد عن فطبة بن مالک قال سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقرأفي احدى ركعتي الفجر والنخل بسقت لها طلع نضيد.

حضرت قطبہ بن مالک کہتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو فجر کی ایک رکعت میں ﴿ والنخل باسقات لهاطلع نضيد﴾ پڑھتے ہوئے سنا (گویا پوری سورۃ قاف پڑھی)

ف: اس قسم کی احادیث کے پیش نظر حنفیہ فجر کی نماز میں طوال مسنون کہتے ہیں لیکن زیادہ ترمدار ان کے خیال کا حضرت عمرؓ کا وہ فرمان شاہی ہے جو ایک دینی دستور کے طور پر مختلف عمال کے نام دربار خلافت سے صادر ہوا تھا۔

(۴۴) باب قراءة الامام قراة لمن خلفه

ابو حنيفة عن موسى عن عبد الله بن شداد عن جابربن عبد الله ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال من كان له امام فقراءة الامام له قراءة وفي روايةان رجلا قرأخلف النبي صلى الله عليه وسلم في الظهر اوالعصر واومأ اليه رجل فنهاه فلما انصرف قال اتنهاني ان اقرء خلف النبي صلى الله عليه وسلم فتذاكرا ذلک حتى سمع النبي صلى الله عليه وسلم فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم من صلى خلف الامام فان قراءة الامام له قراءة.

وفي رواية قال جابرٌ قرأ رجل خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم فنهاه

رسول الله صلى الله عليه وسلم .

وفي رواية قال صلى رسول الله صلى الله عليه وسلم بالناس فقرأ رجل خلفه فلما قضى الصلوة قال ايكم قرأخلفي ثلث مرات فقال رجل انايارسول الله فقال من صلى خلف الامام فان قراء ة الامام له قراء ة.

وفي رواية قال انصرف النبي صلى الله عليه وسلم من صلوة الظهر اولعصر فقال من قرأ منكم سبح اسم ربك الاعلى فسكت القوم حتى سأل عن ذلك مرارا فقال رجل من القوم انا يا رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لقدر أيتك تنازعني اوتخالجني القران.

باب۔اس بیان میں کہ امام کی قراءت مقتدی کی قراءت ہے

جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جس کا کوئی امام ہو (یعنی نماز باجماعت پڑھ رہا ہو) تو امام کی قراءت اس کی قراءت ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے نبی ﷺ کے پیچھے نماز ظہر یا نماز عصر میں قرأت کی اور ایک دوسرے شخص نے اشارہ سے اس کو اس سے منع کیا۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوا تو (منع کرنے والے سے) کہنے لگا کہ کیا تو مجھ کو نبی ﷺ کے پیچھے پڑھنے سے روکتا ہے پس اس پر یہ بحث کرنے لگے یہاں تک کہ نبی ﷺ نے ان کی بحث سن لی اور فرمایا کہ جس نے امام کے پیچھے نماز پڑھی تو امام کی قراءت اس کی قراءت ہے۔

ایک اور روایت میں یوں ہے کہ حضرت جابرؓ نے کہا کہ ایک شخص نے نبی ﷺ کے پیچھے پڑھا اور آپ نے اس کو قراءت سے منع فرمایا۔

ایک اور روایت میں اس طرح ہے کہ حضرت جابرؓ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو نماز پڑھائی تو آپ ﷺ کے پیچھے کسی شخص نے قراءت کی جب آپ ﷺ نے نماز ختم کی تو فرمایا کہ میرے پیچھے تم میں سے کس نے قراءت کی تین مرتبہ یہ سوال فرمایا تو ایک شخص بولا میں نے یارسول اللہ ﷺ آپ نے فرمایا جو امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قراءت اس کی قراءت ہے۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت جابرؓ نے کہا کہ نبی ﷺ نے نماز ظہر یا عصر سے

فارغ ہونے کے بعد فرمایا تم میں سے کس نے ﴿سبح اسم ربک الاعلی﴾ پڑھا۔ سب لوگ خاموش رہے یہاں تک کہ آپ ﷺ نے تین مرتبہ یہی سوال فرمایا تو مقتدیوں میں سے ایک بولا میں نے یارسول اللہ آپ ﷺ نے فرمایا البتہ میں نے تم کو دیکھا کہ تم میرے ساتھ قرآن میں جھگڑ رہے ہو۔ یا یہ راوی کی طرف سے شک ہے قرآن مجھ کو خلجان میں ڈال رہے ہو۔

ف: اس حدیث سے ایک اور اختلافی مسئلہ قراءت فاتحہ خلف الامام یعنی امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنا سامنے آتا ہے جس پر ائمہ کرام کی آراء ٹکراتی ہیں۔ صورت اختلاف کی یہ ہے کہ امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ مقتدی خواہ نماز جہری ہو یا سری کسی میں بھی فاتحہ نہ پڑھے یہی مذہب ہے جابر بن عبداللہؓ زید بن ثابتؓ علی ابن ابی طالبؓ عمر بن خطابؓ ابوبکر الصدیقؓ عبداللہ بن مسعودؓ کا اور یہی قول ہے سفیان ثوریؒ سفیان بن عیینہؒ ابن ابی الیلیٰ حسن بن صالح بن حسنؒ ابراہیم نخعیؒ وغیرہ کا غرض مشاہیر صحابہ و تابعین اسی خیال کے پیرو ہیں عینی نے کہا ہے کہ کبار صحابہؓ میں سے اسی صحابہ منع قرأت کے حامی ہیں۔ بعض کے نزدیک اس سے بھی زیادہ تعداد ہے کہ جن کا اتفاق بمنزلا اجماع کے ہے۔ امام شافعیؒ کا مذہب یہ ہے (جب کہ آپ مصر میں تھے) کہ ہر دو نوع نماز یعنی جہری و سری میں امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنی فرض ہے یہی رائے ہے حضرت عبادہ بن صامت عروہ بن زبیر سعید بن جبیرؓ کی اور اوزاعی حسن بصری لیث بن سعد ابوثور وغیرہ بھی انہی کے ہم خیال ہیں امام مالکؒ نماز میں امام صاحبؒ کی موافقت کرتے ہیں اور سری میں امام شافعیؒ کی یہ ہی قول ہے سعید بن مسیت عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعودؓ۔ سالم بن عبداللہ بن عمر کا اور یہ ہی رائے ہے زہریؒ قتادہؒ ابن المبارک اور اسحٰقؒ کی۔ امام احمدؒ امام مالکؒ کے ساتھ متفق الرائے ہیں البتہ جہری نماز میں ان سے خفیف سا یہ اختلاف کرتے ہیں کہ اگر مقتدی امام سے اس قدر فاصلہ پر ہو کہ قرأت امام نہ سن سکے تو وہ فاتحہ پڑھ لے۔ امام شافعیؒ بھی اس خیال کے پیرو تھے جب آپ عراق میں تھے یہ ہی مذہب ہے حضرت ابی بن کعبؓ وغیرہ کا۔

امام صاحبؒ کا مذہب نہایت مضبوط بنیاد پر قائم ہے کیونکہ اس کی حقیقت پر قرآن کریم ناطق ہے حدیث نبوی ﷺ شاہد اور قیاس اس کی تائید کرتا ہے اور اکثر صحابہ کا اتفاق ہے جو قریب قریب اجماع کے ہے دین کے یہ وہ محکم ستون ہیں جن پر دین کا قرار ہے اور اس کے ثبوت

کا مدار پہلے قرآن مجید کی آیت کو سامنے رکھئے کہ فرمایا ﴿اذا قرئ القران فاستمعوا له وانصتوا﴾ کہ جب قرآن پڑھا جائے تو اس کی سنو اور چپ رہو اس پر اتفاق ہے کہ یہ آیت امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کے سلسلہ میں اتری ہے جب کہ ایک شخص نے آں حضرت ﷺ کے پیچھے فاتحہ پڑھ لی تھی بیہقی نے امام احمد سے نقل کیا ہے ﴿اجمع الناس علی ان هذه الاية في الصلوة﴾ کہ لوگوں نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ یہ آیت نماز کے بارہ میں اتری ہے اور مجاہد سے یہ بات نقل کی ہے کہ نبی ﷺ نماز میں قرات فرما رہے تھے کہ آپ نے ایک انصاری نے قرأت کی آواز سنی۔ تو یہ آیت کریمہ اتری ابن مردویہ نے بھی اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہ آیت قرائت خلف الامام کے بارہ میں نازل ہوئی ہے اس کے ساتھ یہ بھی واضح رہے کہ اصول میں یہ بات طے پا چکی ہے کہ مطلق کو اپنے اطلاق پر رہنا چاہیے اور مقید کو اپنی تقیید پر۔ جب یہ ہر دو حقائق سامنے آ گئے تو یوں ملاحظہ فرمائیں کہ آیت مذکورہ میں ﴿اذا قرئ القرآن﴾ میں قرأت مطلق ہے یعنی قرائت جہری ہو خواہ سری ہر ایک میں چپ رہنے کا حکم ہے البتہ فاستمعوا میں استماع سننا نماز جہر کے ساتھ مخصوص ہے کہ بغیر جہر کے کوئی کیا سنے تو گویا پوری آیت کے تفصیلی معنی یہ ہو گئے کہ جب قرآن کی قرائت کی جائے خواہ جہری قراءت ہو یا سری ہو تو جہری میں اس کو سنو اور جہری و سری ہر دو میں چپ چاپ رہو۔ اب چونکہ اس آیت کا نماز کے باب میں اترنا بالاتفاق ثابت ہوا نماز میں تو بہر حال خصوصاً جہری میں تو امام کے پیچھے قرائت کرنا مکروہ تحریمی ہوگا بلکہ خارج نماز بھی چنانچہ خلاصہ میں لکھا ہے کہ اگر ایک شخص بلند آواز سے قرآن پڑھ رہا ہے اور اس کے پہلو میں ایک اور شخص مثلاً فقہ کے لکھنے میں ایسا مصروف ہے کہ قرآن سننے سے عاجز ہے تو قرآن پڑھنے والا گناہ گار ہوگا کیونکہ لکھنے والے پر سننا واجب تھا۔ جب نہ سن سکا تو اس کا گناہ قاری کے سر آیا۔ اسی طرح اگر کوئی رات کو چھت پر زور زور سے قرآن پڑھ رہا ہے اور لوگ سو رہے ہیں تو بھی قاری قرآن ہی گناہگار ہوگا اس سے صاف پتہ چلا کہ قرآن کا سننا نماز اور غیر نماز میں واجب ہے اور سبب حکم گو خاص ہو مگر لفظ عام ہونے کے سبب حکم عام ہی رہتا ہے بعض لوگوں کو ﴿فاستمعوا له وانصتوا﴾ میں جو ایک دوسرے پر عطف ہی اس سے دھوکا لگا ہے وہ ہر دو کو ایک حکم میں لے کر انصتوا کو بھی جہر کے ساتھ مخصوص کرتے ہیں۔ حالانکہ عطف اس کو نہیں چاہتا کہ معطوف و معطوف علیہ حکم کے مورد و محل میں بھی ایک ہوں مثلاً ﴿اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ﴾ میں یہ

نہیں کہ کہ بچہ پر نماز نہیں تو اس کے مال میں زکوٰۃ بھی نہیں بلکہ اس کے مال میں سے زکوٰۃ واجب ہے تو قرآن سننا اور چپ رہنا علیحدہ علیحدہ حکم ہیں ایک خاص ہے دوسرا عام نہ ہی یہ شبہ کیا جا سکتا ہے کہ چونکہ آیت نماز جہری میں اتری ہے اس لئے ہر دو حکم جہر کے ساتھ مخصوص ہوں گے۔ کیونکہ لحاظ واعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے نہ خصوص مورد کا اب رہا یہ شک کہ بدین شک یہ آیت' آیت ﴿فاقرء وا ماتیسر من القرآن﴾ سے ٹکراتی ہے جو اپنے عموم کے سبب امام مقتدی منفرد سب پر قرأت واجب کرتی ہے اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ ان آیات میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ بروئے حدیث صحیح ﴿قرائۃ الامام له قراء ۃ﴾ مقتدی دراصل شرعاً قاری ہی مانا جاتا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ امام کی قرائت حقیقی ہے اور مقتدی کی حکمی یا اس کی ادائیگی الفاظ کی شکل میں اور اس کی سکوت کی صورت میں تو اب آیت ﴿فاقرء وا﴾ کے خلاف کب لازم آیا کہ اس سے تعارض ہوتا دوسرا جواب یہ ہے کہ وہ شخص جو رکوع میں شریک ہو کر رکعت پالے وہ تو بہر حال اس آیت سے مستثنیٰ ہے ہی تو اگر حدیث مذکور کے پیش نظر مقتدی کو بھی مستثنیٰ کر لیں تو اس میں کیا قباحت ہے یوں بھی ہر دو آیات میں تعارض مٹا یہ ہے حصار حنفیت کا ناقابل شکست' اب آیئے حدیث کے میدان میں قدم رکھئے اور ذرا انصاف کیجئے کہ حق وصداقت کا پلہ احناف کی طرف جھکتا ہے یا حدیث دانی کے دعویداروں کی طرف۔ قراءت خلف الامام سے ممانعت میں مختلف صحابہؓ سے احادیث صحیحہ مرفوعہ موقوف اور مراسیل مروی ہیں جن میں حضرت جابر بن عبد اللہؓ ابی الدرداءؓ اور عمران بن حصینؓ بھی ہیں۔ ان میں سے ہم حضرت جابرؓ کی حدیث کا ذکر پہلے لاتے ہیں کیونکہ حدیث ذیل بھی انہی سے مروی ہے اور یہ ہی دراصل احناف کے مذہب کی زبردست دلیل ہے اور اس کے ساتھ ہی یہی وہ حدیث ہے جس کی تردید کے لئے مخالفین نے اپنی پوری طاقت لگا دی ہے اور مخالفت کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا لہٰذا ہم بھی اس حدیث کی صحت پر بیان کو قدرے تفصیل دیتے ہیں پھر حدیث کی تشریح کریں گے۔ دراصل یہ حدیث جابرؓ بھی متعدد صحابہ مثلاً عبد اللہ بن عمرؓ ابو سعید خدریؓ انس بن مالکؓ ابو ہریرہؓ اور ابن عباسؓ سے مروی ہے حدیث جابرؓ ذیل میں مرفوع نقل ہے مخالفین نے جب اس کی سند پر نظر ڈالی تو ان کو اس کی کمزوری یہ دکھائی دی کہ موسیٰ بن ابی عائشہ سے کسی نے اس کو صحیح طریق سے بیان نہیں کیا بلکہ یہ حدیث مرسل صحیح ہے۔ یعنی عبد اللہ بن شداد نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں بغیر واسطہ حضرت جابر کے

چنانچہ دارقطنی نے جو اپنے زبردست مذہب کے مرد مجاہد ہیں اور جو احناف پر بے باک اور بے دھڑک تلوار چلانے کے ماہر ہیں۔ خاص طور پر صدا بلند کی کہ یہ حدیث مرسل صحیح ہے اور مسند صحیح نہیں۔ کیونکہ سفیانین۔ ابا الاحوص۔ شعبہ اسرائیل ابا خالد الدالانی۔ شریک وغیرہ سے یہ حدیث مرسل ہی نقل ہے اور ہم مشربوں نے بھی ان کی ہم نوائی کی۔ اب سوال یہ رہتا تھا کہ آخر امام ابو حنیفہ جیسے جلیل القدر امام سے یہ حدیث مرفوع مروی ہے اس کا کیا جواب ہے یہ تو بہر حال صحیح ماننی چاہئے مگر یہ کس کو بخشنا جانتے ہیں یہ شیر بکری سب کو ایک لکڑی ہانکتے ہیں۔ دارقطنی زور میں کہہ گئے ﴿**هذا الحديث لم يسنده عن جابر بن عبد الله غير ابى حنيفة والحسن بن عمارة وهما ضعيفان**﴾ کہ اس حدیث کو مسند جابر بن عبداللہ سے سوائے ابو حنیفہ اور حسن بن عمارۃ کے کوئی نہیں لایا اور یہ ہر دو ضعیف ہیں ﴿**نعوذ باللہ**﴾ جب اتنا بڑا امام جس میں کسی نے بھول کر بھی کلام نہیں کیا وہ ہی ضعیف ہوا تو اب عدالت کس میں رہ گئی اور قوی کون ٹھہرا۔ ایک لمحہ کے لئے بھی تو نہیں سوچتے کہ ہم کیا کہہ رہے ہیں اور کس کے بارہ میں کہہ رہے ہیں جس کی خود مسند میں احادیث سقیمہ معلولہ منکرہ غریبہ موضوعہ بھری ہوئی ہوں کیا اس کو جرأت ہوسکتی ہے کہ امام صاحبؒ جیسی زبردست ہستی کو ضعیف کہے اور پہلے اپنی خبر نہ لے دوسرے پر زبان کھولے جن کی شان میں مخالف موافق کسی کو نکتہ چینی کے لئے لب کشائی کی تاب نہ ہوسکی ہو جن کے علم وفضل سے سفیان ثوریؒ ابن المبارک حماد بن زید ہشیم وکیع بن جراح جیسے جلیل الشان اشخاص نے خوشہ چینی کی ہو جن کی رائے پر ائمہ ثلاثہ امام مالکؒ شافعیؒ احمدؒ نے فتویٰ صادر کئے ہوں ان کو ضعیف کہنا انصاف کا خون کرنا ہے اور خود اپنی رسوائی کے مترادف ہے بہر حال اس دل خراش بات کا جواب یہ ہے کہ اگر تمہارے نزدیک یہ حدیث مسلسل ہی صحیح ہے تو احناف کے نزدیک مرسل بھی قابل حجت ہے تو جھگڑا رفع ہوا پھر یہ بھی سراسر غلط ہے کہ سوائے ابو حنیفہ کے موسی سے کسی نے اس کو مسند بیان نہیں کیا۔ کیونکہ احمد بن منیعؒ نے اپنی مسند میں دو صحیح طرق سے اس حدیث کو مرفوع بیان کیا ہے ایک میں سفیان وشریک موسیٰ سے روایت کرتے ہیں اور دوسرے میں جریر پہلی اسناد شرط شیخین پر صحیح ہے اور دوسری شرط مسلم پر تو اب دارقطنی کا دعوی کہ سفیان شریک اور جریر وغیرہ سے بواسطہ موسی یہ حدیث مرفوع نہیں غلط ثابت ہوا۔ پھر بیہقی، دارقطنی، طحاوی ابن عدی ایک اور طریق سے اس کو مرفوع لاتے ہیں مگر اس میں بیہقی نے جابر جعفی اور لیث ابن ابی سلیم کو نشانہ بنایا جوابی

الزبیر سے روایت کرتے ہیں اور کہا ﴿جابر ولیث لایحتج بھما﴾ کہ جابر اور لیث قابل حجت نہیں کیونکہ ان کے نزدیک راوی کا ضعیف ہونا خود راوی کے حالات پر موقوف نہیں۔ بلکہ ثقہ سے ثقہ راوی کا مخالف کی حدیث میں آجانا بس یہی اس کے ضعف کی زبردست نشانی ہے خیر یہی سہی مگر خدا کے لئے ساتھ ساتھ یہ بھی دیکھ لیا کریں کہ ہم مشربوں میں سے کسی نے اس کو توثیق تو نہیں کی ہے کہ پھر شرمندہ ہونا پڑے احناف کے پاس تو بقول ان کے حدیث بھی نہیں اسماء الرجال بھی نہیں سب کچھ انہی کا ہے مگر حنفیوں کی تردید میں کم از کم ایک زبان تو ہو جائیں حقیقت میں حق برزبان جاری'' انہیں میں سے کسی ایک منہ سے اللہ احناف کی موافقت میں بات نکلوا دیتا ہے جو احناف کے لئے حجت بن جاتی ہے ورنہ یہ ہم میں سے کس کی ماننے لگے چنانچہ اسی جابر کی توثیق وکیع شعبہ اور سفیان ثوری وغیرہ جیسے ائمہ جرح والتعدیل نے کی ہے ابن عبدالحکیم نے کہا ہے کہ امام شافعیؒ سے بھی اس کی توصیف میں نے سنی اور لیث کے بارہ میں ابن معین نے کہا ہے ﴿لا بأس بہ عبد الوارث﴾ نے کہا ہے ﴿کان من اوعیة العلم﴾ اور پھر جس سے شعبہ نے حدیث بیان کی ہو جیسا کہ میزان میں ہے تو اس میں کیونکر شک کیا جاسکتا ہے اسی طرح ابن ابی شیبہ ابی الزبیر کے واسطہ سے جابر سے یہی مرفوع حدیث لائے ہیں جو ہرنقی میں کہا ہے کہ اس کے رجال سب ثقہ ہیں ابونعیم بھی اس کو مرفوع ہی لائے ہیں پھر تھوڑی دیر کے لئے مان لیں کہ یہ حدیث کسی اور طریق سے مرفوع صحیح نہیں تو امام صاحب چونکہ بلاشک وشبہ ثقہ ہیں اور ثقہ کی زیادتی معتبر ہے اور رفع بھی ایک قسم کی زیادتی ہے تو امام صاحبؒ کا اس کو مرفوع لانا یقیناً قابل حجت ہوگا یہ اس حدیث کے رفع پر بحث تھی یہ موقوف بھی صحیح طریق سے مروی ہے چنانچہ امام محمد امام مالک کے واسطہ سے ذہب بن کیسانؒ سے حدیث نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت جابرؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا ﴿من صلی رکعة لم یقرأ فیھا بام القران ولم یصل الا وراء الامام﴾ کہ جس شخص نے ایک رکعت پڑھی اور اس میں سورت فاتحہ نہ پڑھی تو گویا اس نے نماز نہ پڑھی مگر جب کہ امام کے پیچھے ہو۔

یہ حدیث جابر کی بحیثیت سند تحقیق تھی۔ اب حدیث کی تشریح ملاحظہ فرمائیں پہلی روایت درحقیقت اصل حدیث کا ایک حصہ ہے جو اور روایت میں ذکر ہے۔ حضرت جابرؓ کبھی مجمل حکم بیان فرماتے ہیں اور کبھی پوری تفصیل اس میں ضم فرماتے ہیں دوسری چوتھی پانچویں روایات

سے دو امور کی وضاحت ہوتی ہے ایک یہ کہ قرأت خلف الامام سے ممانعت سری نمازوں میں بھی ہے کیونکہ ظہر وعصر جو سری نمازیں ہیں انہی کا یہ واقعہ ہے اس سے امام مالک وغیرہ کے مذہب کی تردید صاف وکھلے الفاظ میں ہوئی دوسرے یہ کہ نبی ﷺ نے ﴿من صلی خلف الامام﴾ کے الفاظ ﴿یا رأیتک تنازعنی﴾ کی عبارت سے قرأت خلف الامام سے منع فرمایا الفاظ بات کا موقع محل پکار پکار کر اس حقیقت کو کھول رہے ہیں بعض نے یہاں مطلب کو خبط کیا ہے اور مطلب براری کی کوشش کی ہے کہ آں حضرت ﷺ نے صرف یہ فرمایا کہ امام کی قرأت مقتدی کے لئے کافی ہے اگر چاہے خود بھی پڑھ لے یہ معنی نہیں کہ وہ خود ہرگز نہ پڑھے بریں عقل و دانش بباید گریست اگر ایسا ہوتا تو قاری اور مانع کا جب معاملہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش ہوا تو آپ ﷺ منع کرنے والے کی تائید کیوں فرماتے اور قاری کی تردید کیوں کرتے ؟ کیونکہ ان الفاظ میں تو آپ نے کھلم کھلا قرأت سے روکا ہے کہ جب امام کی قرائت کافی ہوئی تو اب تم بلاوجہ کیوں پڑھتے ہو پھر اگر قرائت وعدم قرائت ہر دو کا مجاز ہوتا تو پانچویں روایت میں جو آپ ﷺ نے سوال فرمایا ﴿من قرء منکم سبح اسم ربک الاعلی﴾ تو سب کے سب دم بخود رہ گئے کسی نے جواب نہیں دیا معلوم ہوا کہ آں حضرت ﷺ کے چہرہ حلیہ سے ناراضگی وخفگی کے آثار نمودار تھے سب اس کو تاڑ گئے اور کسی کو جواب دینے کی جرات نہ ہوئی آخر آں جناب ﷺ کو تین دفعہ سوال کرنا پڑا۔ اگر قرائت جائز ہوتی تو آپ سوال ہی کیوں کرتے اور کرتے بھی تو پڑھنے والا اول ہی مرتبہ کہہ دیتا کہ حضور قرائت میں نے کی تھی تھوڑی دیر کے لئے اگر مان بھی لیں کہ کافی ہونے کے یہ معنی ہیں تو اس کا صاف یہ مطلب ہوگا کہ مقتدی کی قرائت کا رکن تام بس یہی ہے کہ اس کی طرف سے امام قرائت کرے تو اب اگر مقتدی بھی قرائت کرے تو لامحالہ یہ قرائت اس حصہ پر زیادتی ہوگی جو شریعت اس کے لئے مقرر کر چکی ہے اور اس قسم کی زیادتی شرعاً جائز نہیں پھر یہ بھی خلش ہے کہ جب امام کے ضمن میں اس کی قرائت مان لی گئی تو اب اگر یہ خود بھی قرائت کرے تو گویا اس نے ایک نماز میں دو قراءتیں کیں۔ اور یہ بھی جائز نہیں اگر ان سے بھی قطع نظر کر لیں تو حدیث سے بہر حال یہ پتہ ضرور چلتا ہے کہ امام کی قرائت مقتدی کی قرائت کا بدل ہے اور ان کا نائب یا جانشین اب اگر مقتدی خود بھی قرائت کرے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اصل ونائب یا بدل ومبدل منہ یک جا جمع ہو جائیں اور یہ ہرگز جائز نہیں یہ بھی واضح رہے کہ

آنحضرت ﷺ کے کلام ﴿من صلی خلف الامام ﴾ کو گہرائی سے دیکھیں تو اس میں ایک لطیف اشارہ اس طرف ہے کہ قرائت کے لئے جہری یا سری نماز کی قید نہیں کیونکہ امام کی قرائت کا مقتدی کی طرف بدل ہونے کا سبب صاف امام کے پیچھے اقتداء کرنے کو ٹھہرایا اور منع قرائت کا دارومدار اس پر رکھا اور اقتدار مطلق ہے جہری وسری ہر دو کو شامل ہے تو اب امام مالکؒ وغیرہ کے مذہب کے موافق جہری کی قید اس میں کیسے لگائی جا سکتی ہے۔ اگر یہ قید لگائیں تو منشاء کلام کے خلاف ہوگا۔

تیسری روایت میں ﴿فَنَهَاهُ﴾ کے لفظ سے صاف ممانعت ظاہر ہوتی ہے اس میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں رہی۔ اب بحث یہ سامنے آتی ہے کہ نہی جب وا۔ د ہوئی تو اس سے مطلق حرمت قرأت ثابت ہونی چاہیے۔ اور نماز فاسد ہونی چاہیے۔ چنانچہ ایک مرجوح روایت ایسی بھی ہے مگر چونکہ اس میں تعارض واقع ہوا اس لئے یہ حرمت سے نکل کر مکروہ تحریمی رہی اور یہی روایت شیخین سے منقول ہے۔

یہ ساری بحث حضرت جابرؓ کی حدیث ذیل پر تھی۔ حضرت ابوسعید خدریؓ سے ابن عدی اپنی کامل میں انہی الفاظ سے روایت لائے ہیں اس میں سقم یہ نکالتے ہیں کہ اس میں اسماعیل بن عمر حسن بن صالح سے روایت کرتے ہیں جو ضعیف ہیں اور ان کی کوئی متابعت نہیں کرتا حالانکہ طبرانی اوسط میں یہی حدیث اور یہی سند ذکر کرتے ہیں اس میں نضر بن عبداللہ بھی حسن بن صالح سے روایت کرتے ہیں حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابو ہریرۃؓ سے دارقطنی اور انس سے ابن حبان کتاب الضعفاء میں یہ ہی حدیث مرفوع لائے ہیں جو اپنی اپنی جگہ صحیح ہے بلا وجہ اس کے ضعیف کرنے کی کوشش کی گئی ہے پھر مان لیا کوئی طریق ضعیف بھی ہو مگر کثرت طرق سے حدیث کا ضعف جاتا رہتا ہے۔ یہ کھلا اصول بھی تو اپنی جگہ صحیح ہے۔

اب آیئے دیگر صحابہؓ کی احادیث کی طرف جو قرأت خلف الامام سے ممانعت پر بالفاظ دیگر دال ہیں۔ ان میں ایک ابو ہریرۃؓ کی حدیث ہے بدیں الفاظ ﴿ **انما جعل الامام ليوتم به فاذا كبر فكبروا واذا قرء فانصتوا واذا قال سمع الله لمن حمده قولوا ربنا لك الحمد** ﴾ کہ امام اس لئے بنایا گیا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے جب وہ تکبیر کہے تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قرأت کرے تو تم چپ چاپ رہو اور جب وہ **سمع الله لمن**

حمدہ کہے تو تم ربنا لک الحمد کہو۔اس حدیث کو مالک ابوداؤد ونسائی وغیرہ لائے ہیں سب کے سب ایک دل ایک زبان ہو کر ﴿اذا قرء فانصتوا﴾ کی زیادتی پر لگ پڑے کہ یہ محفوظ نہیں ۔ابوداؤد۔ابوحاتم۔ابن معینؒ حاکم۔دار قطنی سب نے کہا ﴿لیس بمحفوظة﴾ ابن ہمامؒ نے جواب دیا ہے کہ اگر طریق سند صحیح ہے اور رواۃ بھی ثقہ تو یہ شاذ مقبول ہے۔اسی مذہبی جوش میں ابی خالد راوی کی طرف ابوداؤد وہم کی نسبت کر گئے آخر منذری نے ابوداؤ کی گرفت کی کہ خدا کے لئے کیا کہتے ہو یہ ابوخالد سلیمان بن حیان وہ ہیں جس سے بخاری مسلم حجت لاتے ہیں اور وہ ثقات میں سے ہے پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ امام مسلم اپنی صحیح میں حضرت ابی موسی سے سلیمان تیمی کے واسطہ سے یہ حدیث لائے ہیں اس میں یہ زیادتی موجود ہے۔اور خود امام مسلمؒ نے ابوہریرہؓ کی اس حدیث کی تصحیح کی ہے ان سے دریافت کیا گیا کہ حضرت آپ اس کو صحیح بتاتے ہیں تو اپنی کتاب میں کیوں نہیں لائے آپ نے کہا کہ ہر اس حدیث کو جس کو میں صحیح جانتا ہوں اس کتاب میں لایا ہوں جس پر ائمہ حدیث کا اجماع ہے۔اسی طرح حضرت ابی الدرداء عمران بن حصین۔ابوہریرہؓ سے روایات بطریق صحیحہ منقول ہیں جو ممانعت قرأت کو ثابت کرتی ہیں۔اسی سلسلہ میں آثار صحابہ بھی جید اسناد سے مروی ہیں مثلاً ابن عمرؓ سے روایت نقل ہے کہ وہ امام کے پیچھے قرأت نہ کرتے ابن مسعود سے نقل ہے کہ ان سے کسی نے قرأت کے بارہ میں پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ چپ رہ امام کی قرأت تیرے لئے کافی ہے۔امام محمدؒ اپنی موطاء میں حضرت عمرؓ کے بارہ میں نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کاش امام کے پیچھے پڑھنے والے کے منہ میں پتھر ہو۔اور سعد بن وقاص کے متعلق یہ ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں اس کو پسند کرتا ہوں کہ امام کے پیچھے پڑھنے والے کے منہ میں آگ کی چنگاری ہو غرض اس طرح بہت سے آثار ہیں۔

اب رہے اجماع وقیاس تو جیسا کہ ذکر ہوا جب اسی سے زائد صحابہ سے ممانعت قرأت مروی ہے تو یہ قریب قریب اجماع ہی ہوا اور قیاس تو وہ بھی مذہب حنفی کی پرزور تائید کرتا ہے کیونکہ امام بروئے حدیث ﴿الامام ضامن﴾ قرأت کا ذمہ دار ہونا چاہئے۔چنانچہ ممانعت کی احادیث میں بھی اسی کی طرف اشارہ کیا ہے کہ قرأت کا ذمہ دار امام ہی ہے گویا وہ قرأت کا ضامن ہے تو اب امام کے پیچھے قرأت کرنا گویا اس کی ضمانت کو توڑنا ہے اور حکم شرع کی خلاف ورزی جو حرام نہیں تو مکروہ تحریمی ضرور ہے۔لہٰذا ثابت ہوا کہ مذہب حنفی بروئے قرآن بلحاظ حدیث نبوی اور بتقاضائے

اجماع وقیاس حق ہے اور باور کرنے کے قابل ہے۔

دیگر مذاہب کی تردید گو مذہب حنفیت کے ثبوت کے ذیل میں ہوگی مگر جہری وسری ہر دو نمازوں میں قرأت فرض ماننے والوں کے مذہب کی ہم علیحدہ بھی قدرے تشریح کرتے ہیں اور یہ کہ ان کا حجتی پہلو کس قدر استوار ہے یہ اپنے مذہب پر دلیل نقلی بھی لاتے ہیں اور عقلی بھی نقل میں فرضیت فاتحہ کے لئے ان کے پاس یا تو وہ عام احادیث ہیں جن کا ذکر پیچھے فرضیت قرأت فاتحہ کے ذیل میں گذرا اور جن میں امام مقتدی منفرد نماز جہری وسری کسی کی قید وخصوصیت مذکورہ نہیں۔ ان کے بارہ میں معلوم ہو چکا کہ ان احادیث سے فرضیت کا ثبوت نہیں ملتا پھر یہ عام نہیں۔ بلکہ اقتداء کی حالت اس سے مستثنٰی ہے اگر مان لیں یہ عام ہی ہیں تو ممانعت قرأت سے ان کا عموم کب ٹوٹتا ہے جب کہ مقتدی سکوت سے بھی شرعاً قاری مانا گیا ہے اس کے علاوہ جب رکوع میں شریک ہو کر رکعت پانے والے کو بالاتفاق ان احادیث سے مستثنٰی کر لیا گیا تو ہم ان ممانعت کی احادیث کے پیش نظر مقتدی کو کیوں نہ مستثنٰی کر لیں اب خصوصیت کے ساتھ خلف الامام کے بارہ ایک حدیث عبادہ ہے۔ اس کے الفاظ ہیں ﴿لا صلوة لمن يقرأ بفاتحة الكتاب﴾ لہٰذا اس میں ہمارا وہی جواب ہے کہ مقتدی دراصل قاری ہے اگر خود نہیں تو امام کے ضمن میں۔ نماز فجر کا قصہ ابوداؤد کی روایت سے نقل ہے جو تین طرق سے مروی ہے اور جن کی صحت میں کلام ہے ایک میں محمد بن اسحاق بن یسار ہے جو مدلس ہے اور محدثین میں کسی کے نزدیک قابل حجت نہیں، امام مالکؒ نے اس کو کذاب کہا۔ امام احمد نے اس کو ضعیف بتایا۔ دوسرے میں نافع بن محمود ہے جس کو تہذیب التہذیب میں مجہول کہا ہے طحاویؒ نے کہا ﴿لا یعرف﴾ تیسرے میں مکحول کو عبادت سے سماع نہیں تہذیب التہذیب میں اس ابو بکر رازی سے یہ ہی نقل ہے عقلی دلیل کے ذیل میں ایک تو یہ کہتے ہیں کہ قرأت ایک رکن ہے نماز کا جس میں امام ومقتدی کو شریک ہونا چاہئے۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ قرآن کے مقابلہ میں قیاس ہے جو نا قابل قبول ہے پھر اگر رکنیت میں شریک بھی مانیں تو رکنیت ایک حقیقی قرأت کی شکل میں ہے جو امام کے لئے ہے اور ایک سکوت اور سننے کی صورت میں جو بروئے ﴿اذا قرء فانصتوا﴾ کے مقتدی کے لئے ہے دوسرے یہ منطق چلاتے ہیں کہ سری نماز میں جب مقتدی قرأت نہ سنے گا، نہ خود پڑھے گا تو بے کار رہے گا حالانکہ عبادت ایک شغل ہے نہ بے کاری۔ ہم کہیں گے کہ جب شرع نے اس کے سکوت کو قرأت مانا تو یہ بے کار کب شمار ہوا پھر

یہ بیکار تمہارے مذہب پر بھی لازم آتا ہے کیونکہ آخر فاتحہ پڑھنے کے بعد بھی تو سری نماز میں امام کی فراغت تک بے کار ہی رہا نہ پڑھ رہا ہے نہ سن رہا یہ اسی طرح تشہد میں بھی مقتدی اکثر تشہد۔صلوٰۃ و دعاء پڑھنے کے بعد بے کار ہی بیٹھا رہتا ہے پھر سب سے زیادہ پر لطف بات یہ ہے کہ اس مذہب کے حامیین سے ذرا پوچھئے کہ فاتحہ کب پڑھی جائے کہیں گے سکتہ میں پوچھئے سکتہ کا ثبوت شریعت میں کہاں ہے تو اس کے جواب میں ان کی طرف سے سکتہ ہے یا سکوت حقیقت اس خیال کی یہ ہے کہ ان کے نزدیک امام کیلئے چار سکتے ہیں پہلا تکبیر تحریمہ کے بعد قرأت شروع ہونے تک دوسرا ﴿ولا الضالین﴾ کے بعد ﴿آمین﴾ کہنے سے پہلے تیسرا آمین کے بعد مقتدی کو قرأت فاتحہ کا موقع دینے کی غرض سے چوتھا قرأت ختم کرنے پر رکوع میں جانے سے پہلے حنفیہ کے نزدیک صرف پہلا سکتہ ہے اور نہیں پھر اس میں اور جو اصلی و عقلی پیچیدگی ہے وہ سنئے کہ اول تو اس سکتہ میں اس قدر موقع ملنا دشوار کہ اس میں انسان فاتحہ پڑھ سکے پھر یہ سخت الجھن کہ امام کے لئے ان سکتوں میں ٹھہرنا مستحب گویا وہ مختار ٹھہرے نہ ٹھہرے وہ اس کے ترک پر گنہگار نہیں ادھر مقتدی کے لئے قرأت فاتحہ واجب وہ نہ پڑھے تو گنہگار اگر امام نہ ٹھہرے تو مقتدی بے چارے کی بلاوجہ قرأت ٹلی اور وہ گناہگار ہوا جس کا کوئی چارہ کار نہیں۔

(۴۵) باب نسخ التطبیق

ابو حنیفة عن ابی یعفور عمن حدثه عن سعد بن مالک قال کنا نطبق ثم امرنا بالرکب.

باب۔تطبیق کے منسوخ ہونے کا بیان

حضرت سعد بن مالکؓ کہتے ہیں کہ ہم تطبیق کیا کرتے تھے پھر ہم کو حکم ہوا کہ رکوع میں گھٹنے پکڑیں۔

ف: تطبیق کی شکل یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کو ملا کر ہر دو رانوں کے درمیان و بالیں پہلے رکوع میں یہ صورت رائج تھی۔ پھر فرمان نبوی ﷺ سے یہ صورت منسوخ ہوئی اور رکوع میں ہاتھوں سے گھٹنے پکڑنے کی سنت جاری ہوئی جو اب تک زیر عمل ہے نسخ پر حدیث ذیل بھی دال ہے اور دوسری احادیث صحیحہ بھی۔ اور اسی پر علمائے حنفیہ و دیگر علماء کا عمل ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ اور ان کے تلامذہ تطبیق کے قائل ہیں اس پر بعض مخالفین کو ان کے زعم پر ابو حنیفہؒ پر زریں گرفت کا موقعہ ہاتھ آیا

۔کہنے لگے کیا خوب رفع یدین کے مسئلہ میں تو آپ نے تمام صحابہ کو چھوڑا اور ابن مسعودؓ کے دامن کو پکڑا اور یہاں ابن مسعودؓ سے بھی منہ موڑا۔ذرا گہری نظر سے دیکھیں کہ امام صاحبؒ کا یہ عمل قابل مذمت ہے یا قابل تحسین یا قابل گرفت ہے یا قابل داد ترک رفع یدین میں ان کو ابن مسعودؓ کی صحیح حدیث مل سکی۔اور اس کے نسخ پر کوئی حدیث مرفوع موقوف صحیح ضعیف صراحۃ وکنایۃ نہ ملی نہ مل سکتی تھی جیسا کہ بیان ہوا اس لئے وہ یہ ماننے پر مجبور ہوئے کہ ترک رفع ہی سنت نبوی ﷺ ہے یہاں نسخ تطبیق کی صحیح احادیث پہنچیں تو یہاں نسخ کے قائل ہوئے اور اس کے کہ تطبیق مسنون نہیں۔بلکہ رکوع میں گھٹنوں کا پکڑنا سنت نبوی ﷺ ہے ان کو سنت نبوی ﷺ کی تلاش ہے نہ سنت مسعودؓ کی۔وہ اللہ اور اسکے رسول ﷺ پر ایمان لائے ہیں نہ ابن مسعودؓ پر۔

(۴۶) باب الامام اذاقال سمع الله لمن حمده

ابن ابی السبع بن طلحة قال رأيت ابا حنيفة يسأل عطاء عن الامام اذا قال سمع الله لمن حمده ايقول ربنا لك الحمد قال ماعليه ان يقول ذلك ثم روى عن ابن عمرؓ صلى بنا النبى صلى الله عليه وسلم فلما رفع رأسه من الركعة قال سمع الله لمن حمده فقال رجل ربنا لك الحمد حمدا كثيرا طيبا مباركا فيه فلما نصرف النبى صلى الله عليه وسلم قال من ذا المتكلو بهذه قالها ثلث مرات قال الرجل انايانبى الله قال فو الذى بعثنى بالحق لقد رأيت بضعة وثلثين ملكا يبتد رون ايهم يكتبها لك واول من ير فعها.

باب۔ اس امر کے بیان میں کہ امام کو ﴿سمع الله المن حمده﴾ کے ساتھ ﴿ربنالک الحمد﴾ بھی کہنا چاہیئے یا نہیں؟

ابن ابی السبع کہتے ہیں کہ میں نے ابو حنیفہؒ کو عطاء بن ابی رباح سے یہ دریافت کرتے ہوئے دیکھا کہ امام جب ﴿سمع الله لمن حمده﴾ کہے تو کیا اس کے ساتھ ﴿ربنا لک الحمد﴾ بھی ملائے عطاء نے کہا کہ اس کے لئے یہ کہنا ضروری نہیں پھر عطاء نے ابن عمرؓ سے یہ روایت کی کہ نماز پڑھائی ہم کو نبی ﷺ نے جب آں جناب ﷺ نے رکوع سے سر اٹھایا اور ﴿سمع الله لمن حمده﴾ کہا تو ایک آدمی نے (مقتدیوں میں ہے) ﴿ربنا

لک الحمد حمد اکثیرا طیبا مبارکا فیه ﴾ کہا جب نبی ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ ان کلمات کو ادا کرنے وللا کون تھا؟ تین بار یہ سوال فرمایا۔ ایک شخص بولا یا نبی اللہ میں تھا۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھ کو سچا دین دے کر بھیجا۔ البتہ میں نے دیکھا کچھ اوپر تیس فرشتوں کو جھپٹتے ہوئے کہ کون ان میں سے ان (کلمات) کو تیرے لئے لکھ لے اور سب سے پہلے ان کو اٹھا لے جائے۔

ف: اس بارہ میں ائمہؒ سے مختلف روایات وارد ہیں بہر حال اس پر اتفاق ہے کہ منفرد ﴿سمع اللہ ﴾ بھی کہے اور ﴿ربنالک الحمد ﴾ بھی اور اس پر بھی اکثر کا اتفاق ہے کہ مقتدی ﴿سمع اللہ ﴾ نہ کہے۔ البتہ امام کے متعلق ائمہ مختلف الرائے ہیں شافعیؒ کا ظاہری مذہب یہ ہے کہ امام دونوں کہے اور امام اعظمؒ امام مالکؒ واحمدؒ کا مذہب ہے کہ امام صرف ﴿سمع اللہ ﴾ کہے۔ امام شافعیؒ کی دلیل حدیث ابو ہریرہؓ ہے ﴿ ان النبی صلی اللہ علیه وسلم کان یجمع بین الذکرین ﴾ کہ نبی ﷺ دونوں ذکروں کو جمع فرمایا کرتے اور امام صاحبؒ کی دلیل حدیث ذیل اور اس قسم کی احادیث ہیں کہ مثلاً حدیث ذیل میں آں حضرت ﷺ نے صرف ﴿سمع اللہ لمن حمدہ ﴾ فرمایا۔ چنانچہ حضرت عطا حدیث کے اسی مقام سے استدلال لا رہے ہیں اور یہی خیال موافق عقل ونقل ہے کیونکہ نبی ﷺ نے امام ومقتدی ہر دو کے عمل کی تقسیم فرمادی ہے کہ فرمایا ﴿اذا قال الامام سمع اللہ لمن حمدہ. قولوا ربنا لک الحمد ﴾ کہ جب امام سمع اللہ کہے تو تم ﴿ربنا لک الحمد ﴾ کہو تو امام مقتدی کے کام میں کیونکر حصہ بٹائے اور مقتدی امام کے کام میں کیوں حصہ لے۔ اور حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث انفرادی حالت پر دال ہے۔

(۴۷) باب هیئة السجود

ابو حنیفة عن عاصم عن ابیه عن وائل ابن حجر قال کان النبی صلی اللہ علیه وسلم اذا سجد وضع رکبتیه قبل یدیه واذا قام رفع یدیه قبل رکبتیه .

باب۔ سجدہ کی کیفیت میں!

حضرت وائل بن حجر سے روایت ہے کہ نبی ﷺ سجدہ کرتے وقت ہاتھوں سے پہلے اپنے گھٹنے زمین پر رکھتے اور اٹھتے وقت اپنے ہاتھوں کو اپنے گھٹنوں سے پہلے اٹھاتے۔

ف: اکثر ائمہ مثلاً ابوحنیفہؒ شافعیؒ واحمدؒ اس طرف گئے ہیں کہ سجدہ میں جاتے اور اٹھتے وقت یہ ترتیب ملحوظ رکھنی چاہیئے اور ان کی حجت یہی وائل بن حجر کی حدیث ہے امام مالکؒ اور اوزاعیؒ اس خیال کے حامی ہیں کہ سجدہ میں جاتے وقت گھٹنوں سے پہلے ہاتھ ٹکائیں ان کے پیش نظر ابو ہریرہؓ کی یہ مرفوع حدیث ہے ﴿اذا سجدا حدکم فلا یبرک کما یبرک البعیر ولیضع یدیہ قبل رکبتیہ﴾ کہ جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو نہ بیٹھے جیسے اونٹ بیٹھتا ہے اور گھٹنوں سے پہلے اپنے ہاتھ ٹکائے ابوداؤد اس کی روایت کرتے ہیں یا ابن عمرؓ کی موقوف حدیث کہ آپ گھٹنوں سے پہلے ہاتھ رکھتے حق مذہب ائمہ ثلاثہ کا ہے کیونکہ وائل بن حجرؓ کی حدیث ابو ہریرہؓ کی حدیث سے صحیح تر۔ راجح تر اور واضح تر ہے۔ ترمذیؒ نے اس کو غریب کہا ہے اس کے سلسلہ سند میں عبداللہ بن سعید بن المقربی ہے جس کو یحیٰی بن سعید القطان نے ضعیف کہا ہے پھر یہ سعد بن ابی وقاصؓ کی حدیث سے منسوخ ہے جس کی روایت ابن خزیمہ نے کی ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم گھٹنوں سے پہلے ہاتھ رکھا کرتے لیکن پھر ہم کو ہاتھوں سے پہلے گھٹنے ٹکانے کا حکم دیا گیا مزید براں حدیث ابو ہریرہ میں بڑی گڑبڑ ہے کہ اس کا اول کا حصہ آخری حصہ سے متعارض ہے کیونکہ جب ہاتھ پہلے رکھے اور گھٹنے بعد میں تو اونٹ کی بیٹھک کی نقل ہوئی حالانکہ ابتداء میں اس سے ممانعت ہے۔

ابن الہمام کہتے ہیں کہ حضرت وائل کی حدیث میں وارد ہے ﴿اذا نھض اعتمد علی فخذیہ﴾ کہ آں حضرت ﷺ جب اٹھتے تو اپنی رانوں سے سہارا لیتے۔ اور ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آں جناب ﷺ نے منع فرمایا کہ نماز میں اٹھتے وقت ہاتھوں سے سہارا لے کر اٹھیں۔ اب نبی ﷺ سے جو مروی ہے کہ آپ ﷺ زمین پر ٹیک لے کر اٹھتے اس کو آپ ﷺ کے بڑھاپے کی حالت پر محمول کرنا چاہیئے۔ یا محض جواز بتانے کی غرض سے آں جناب ﷺ کا یہ عمل رہا ہو۔

ابو حنیفة عن طاوس عن ابن عباس اوغیرہ من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم قال اوحی الی النبی صلی الله علیه وسلم ان یسجد علی سبعة اعظم.

حضرت ابن عباسؓ یا اور کسی صحابی سے مروی ہے کہ نبی ﷺ کی طرف وحی بھیجی گئی کہ

آپ سجدہ کریں سات ہڈیوں پر (یعنی پیشانی۔ ہر دو ہاتھ۔ ہر دو گھٹنے اور ہر دو پاؤں پر)۔

ف: متفق علیہ حدیث میں ہے ﴿**امرت ان اسجد علی سبعة اعظم علی الجبهة والیدین والرکبتین واطراف القدمین**﴾ کہ آں حضرت ﷺ نے فرمایا کہ مجھ کو حکم دیا گیا ہے کہ میں سجدہ کروں سات ہڈیوں پر پیشانی دونوں ہاتھ دونوں گھٹنوں اور ہر دو قدم کے اطراف پر اسی حدیث کے پیش نظر امام شافعیؒ نے سجدہ میں ان تمام اعضاء کا زمین پر رکھنا فرض قرار دیا ہے اور امرت کے لفظ سے دلیل پکڑی ہے۔ ہدایہ میں ہے ﴿**ورفع الیدین والرکبتین سنة عندنا**﴾ کہ ہمارے نزدیک ہاتھوں اور گھٹنوں کا رکھنا سنت ہے یعنی فرض وواجب نہیں فرض اس لئے نہیں کہ نص قطعی میں مطلق سجدہ کا حکم ہے خبر واحد سے اس پر زیادتی جائز نہیں، واجب اس لئے نہیں کہ نبی ﷺ نے اعرابی کو جب واجبات کی تلقین فرمائی تو ان میں ان اعضاء کا ذکر نہیں فرمایا۔ اس لئے لامحالہ ﴿اُمِرْتُ﴾ کا لفظ ندبیت پر دلالت کرے گا نہ فرضیت و وجوب پر۔

ابو حنیفة عن ابی سفیان عن ابی نضرة عن ابی سعید قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الانسان یسجده علی سبعة اعظم جبهته ویدیه ورکبتیه ومقدم قدمیه واذا سجدا حد کم فلیضع کل عضو موضعه واذا رکع فلا یدبح تدبیه الحمار.

حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ انسان سات ہڈیوں پر سجدہ کرتا ہے پیشانی ۔ دونوں ہاتھ۔ دونوں گھٹنے اور پاؤں کی انگلیوں کے سروں پر۔ اور جب سجدہ کرے تم میں سے کوئی تو ہر عضو (مذکور) کو اس کی اپنی جگہ پر رکھے۔ اور جب رکوع کرے تو سر جھکا کر گدھے کی طرح نہ جھک جائے۔

ف: اس حدیث میں سجدہ کے ساتھ ہیئت رکوع کی بھی وضاحت ہے کہ رکوع میں سر نہ اٹھا رکھے نہ جھکا ہو۔ بلکہ پشت سے مساوی سطح سے رہنا چاہئے۔ کیونکہ جب سر پشت سے جھکے گا۔ تو پشت میں خم پیدا ہوگا اور پھیلاؤ اور برابری باقی نہیں رہے گی۔ بلکہ ایک کوہانی شکل پیدا ہو جائے گی ۔اور یہ آں حضرت ﷺ کے عمل کے خلاف ہے اور ممنوع چنانچہ ابن ماجہ والبصہ بن معبد سے روایت لائے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ۔جب آپ ﷺ رکوع کرتے تو پشت کو برابر رکھتے یہاں تک کہ اگر اس پر پانی ڈالا جاتا تو

ٹھہر جاتا۔

ابو حنیفة عن ابی سفیان عن ابی نضرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا سجده احد کم فلایمدرجلیه فان الانسان یسجد علی سبعة اعظم جبهته ویدیه ورکبتیه ورجلیه وفی روية اذا سجد احد کم فلا یمد صلبه. وفی روایة قال نهی رسول الله صلی الله علی هوسلم ان یمد الرجل صلبه فی سجوده.

حضرت ابونضرہ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ تم میں سے جب کوئی سجدہ کرے تو اپنے پاؤں کو نہ اٹھائے (بلکہ سمٹا ہوا رکھے) کیونکہ انسان سجدہ کرتا ہے سات ہڈیوں پر پیشانی۔ دونوں ہاتھ دونوں گھٹنے اور دونوں پاؤں پر۔ اور ایک روایت میں ہے کہ جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو وہ اپنی پیٹھ کو نہ پھیلائے۔ ایک اور روایت میں یوں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع کیا کہ انسان سجدہ میں اپنی پیٹھ پھیلی ہوئی رکھے۔

ف: یہ حدیث گویا سابق حدیث کی توضیح اور تشریح ہے۔

ابو حنیفة عن عکرمة عن ابن عباس قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم امرت ان اسجد علی سبعة اعظم ولا اکف شعرا ولا ثوبا.

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ کو حکم دیا گیا کہ میں سات ہڈیوں پر سجدہ کروں اور بالوں اور کپڑوں کو نہ سمیٹوں۔

ف: اس حدیث میں سجدہ کے بیان کا بجنسہ اعادہ ہے مگر اس مضمون کا مزید اضافہ ہے کہ نماز میں سجدہ کرتے وقت انسان نہ بالوں کو سمیٹے نہ کپڑوں کو' یہ حکم امتناعی آستین چڑھانے کو بھی شامل ہے بعض کی عادت ہوتی ہے کہ نماز میں سجدہ کرتے وقت بالوں یا کپڑوں کو اٹھاتے ہیں کبھی آستین چڑھاتے ہیں' یہ ادب کے خلاف ہے کیونکہ یہ عمل خشوع وخضوع کے سخت خلاف ہے نماز کی تمام تر حسن وخوبی اسی خشوع وخضوع میں مضمر ہے اور اس کے سارے مستحسن اثرات وبرکات اسی پر مرتب ہوتے ہیں بلکہ نماز پر فلاح وکامرانی کا وعدہ اسی صورت میں ہے۔ چنانچہ فرمایا ﴿ **قد افلح المؤمنین الذین هم فی صلوتهم خاشعون** ﴾ یعنی وہ مسلمان البتہ کامیاب ہیں جو اپنی نمازوں میں زاری (خشوع وخضوع) کرتے ہیں

ابو حنيفة عن جبلة بن سحيم عن عبد الله بن عمرؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من صلى فلا يفترش ذرراعيه افتراش الكلب .

عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو نماز پڑھے وہ (سجدہ میں) اپنے بازو کتے کی طرح (زمین پر) نہ بچھائے۔

ف: یہ حدیث کتب صحاح میں انہی یا ان کے ہم معنی الفاظ سے وارد ہے یہاں آں حضرت ﷺ نے کتے کے ساتھ مثال دی ہے اور کہیں درندے کے ساتھ جیسا کہ ابوداؤد نسائی وغیرہ میں ہے کہ آں حضرت ﷺ نے کوے کی طرح ٹھونگیں مارنے اور درندے کی طرح بازو پھیلانے سے منع کیا اور اسی طرح اونٹ کی طرح مسجد کی کسی خاص جگہ کو نماز کیلئے مخصوص کرنے سے۔

(۴۸) باب القنوب فی الفجر

ابو حنيفة عن حماد عن ابراهيم عن علقمة عن ابن مسعود ان النبي صلى الله عليه وسلم لم يقنت فيالفجر قط الا شهرا واحد الم يرقبل ذلک ولا بعده يد عوعلى ناس من المشركين .

باب۔صبح کی نماز میں دعا قنوت پڑھنا کیسا ہے؟

حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے صبح کی نماز میں دعائے قنوت کبھی نہ پڑھی مگر ایک ماہ' نہ اس سے پہلے آپ کو پڑھتے ہوئے دیکھا نہ اس کے بعد (اس دعائے قنوت میں) آپ ﷺ چند مشرکین کے حق میں بددعا فرماتے تھے۔

ف: یہ وہ بدعہد بدطینت مشرکین تھے جو معاہد ہونے کے باوجود آں حضرت ﷺ کے چیدہ صحابہ کرام قاریوں کو دھوکے سے لے گئے۔اور لے جا کر بے دردی وسفا کی سے شہید کر دیا اس سے آں حضرت ﷺ کے مزاج اقدس پر اس قدر ملال وصدمہ طاری ہوا کہ ایک ماہ تک مشرکین کے حق میں بددعاء فرماتے رہے۔

یہ حدیث مسئلہ دعائے قنوت کی طرف اشارہ کرتی ہے امام اعظمؒ امام احمدؒ امام شافعیؒ اور مالکؒ کا اس باب میں اختلاف ہے امام شافعیؒ اور مالکؒ کے نزدیک دعائے قنوت فجر میں ہمیشہ پڑھنی مسنون ہے اور امام اعظمؒ اور احمدؒ کے نزدیک نہیں۔یہ کہتے ہیں کہ دعائے قنوت ایک وقتی چیز

تھی جو خاص حالات کے ماتحت مشروع ہوئی تھی۔ اور وہ صرف ایک ماہ رہ کر ختم ہوگئی یہ آں جناب ﷺ کا دوامی عمل نہیں کہ سنت مستمرہ کی جگہ لے۔ امام شافعیؒ و مالکؒ کی دلیل ایک حدیث ہے جو دارقطنی وغیرہ ابی جعفر رازی کے واسطہ سے حضرت انسؓ سے لائے ہیں ﴿ما زال رسول الله صلى الله عليه وسلم يقنت في الصبح حتى فارق الدنيا﴾ کہ آں حضرت ﷺ نماز فجر میں ہمیشہ دعائے قنوت پڑھتے رہے یہاں تک کہ آپ ﷺ نے وصال فرمایا۔

دوسری وہ حدیث ہے جو بخاریؒ ابی ہریرہؓ سے نقل کرتے ہیں ابو ہریرہؓ نماز فجر کی رکعت ثانیہ میں سمع اللہ کے بعد دعاء کرتے مؤمنین کے حق میں اور لعنت بھیجتے کفار پر یا ابی ہریرہؓ کی وہ حدیث جس کے سلسلہ سند میں عبداللہ بن سعید المقبر ی ہے جس میں ہے کہ نبی ﷺ نماز فجر کی دوسری رکعت میں رکوع سے سر اٹھانے کے بعد دعاء قنوت پڑھا کرتے بس یہ گویا ان کی حجت کا لب لباب ہے۔

اب امام اعظمؒ کی حجت کو ملاحظہ فرمایئے سب سے پہلی دلیل حدیث ذیل حدیث عبداللہ بن مسعودؓ ہے جو معاملہ کی حقیقت کو روز روشن کی طرح واضح کر دیتی ہے اور ثابت کرتی ہے کہ فجر کی دعائے قنوت قنوت نازلہ کی شکل میں تھی جس پر ایک ماہ عمل رہا اور پھر کبھی نہیں۔ یہ ہی حدیث ابن ابی شیبہ۔ بزار طبرانی وغیرہ لائے ہیں پہلے ابن مسعودؓ کی شخصیت کو ذہن میں لایئے کہ آپ کے ذہن میں ان کی حدیث کا وزن اور اہمیت قائم ہو۔ یہ وہ بزرگ ہیں جو دربار رسالت ﷺ کے خداموں میں ممتاز شخصیت کے حامل ہیں ہردم ہر گھڑی رفاقت' معیت وصحبت کا فخر ان کو نصیب ہے صاحب مطہرہ والنعلین ہیں۔ آں حضرت ﷺ کے خانگی و بیرونی حالات سے یہ پورے باخبر ہیں کیا ان کے بارہ میں یہ گمان ہوسکتا ہے کہ نماز فجر میں دعائے قنوت لزوم کے ساتھ پڑھی جاتی اور یہ اس سے بے خبر ہوتے مسلسل اس پر عمل ہوتا اور یہ اس سے ناآشنا ہوتے دوسری حدیث ابن عمرؓ کی حدیث ہے جو بیہقی وغیرہ لائے ہیں راوی کہتے ہیں کہ میں نے نماز فجر ابن عمرؓ کے ساتھ پڑھی انہوں نے دعائے قنوت نہ پڑھی میں نے کہا آپ دعائے قنوت نہیں پڑھتے فرمایا کہ مجھے کسی صحابیؓ سے ایسا عمل یاد نہیں بیہقیؒ اس پر خیال آرائی فرماتے ہیں کہ بعض صحابہؓ کا اس کو بھول جانا ان کی تردید نہیں کرتا جو اس کو یاد رکھتے ہیں۔ کیا خوب یہ کوئی ایسی چیز ہے جو کسی کو یاد رہی' کسی کو یاد نہ رہی' امام ذہبی فرماتے ہیں کہ ابن عمرؓ کا اس کو بھول جانا محالات میں

سے ہے جو ہمیشہ صبح کی نماز میں شریک ہوتے جو صحبت نبوی ﷺ سے کسی دم جدا نہ ہوتے اور جو سنت نبوی ﷺ پر ایسے کاربند تھے کہ اپنی مثال آپ ہی تھے۔

ابن ابی شیبہ سعید بن جبیرؒ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ فجر میں قنوت نہ پڑھا کرتے تھے۔ شعبیؒ نے کہا کہ عبداللہ قنوت نہ پڑھتے۔ اگر حضرت عمرؓ پڑھتے تو یہ بھی پڑھتے۔ ابن ابی شیبہ نے کہا ابوبکرؓ عمرؓ عثمانؓ قنوت نہ پڑھتے۔ محمد بن حسن اسود بن یزید سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ میں سفر و حضر میں دو سال حضرت عمرؓ کے ساتھ رہا میں نے ان کو فجر میں قنوت پڑھتے نہ دیکھا ابن ابی شیبہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ دشمن کے دفعیہ کے لئے حضرت علیؓ نے نماز فجر میں دعائے قنوت پڑھی تو مقتدیوں نے اس پر تعجب کیا گویا یہ نئی سی بات تھی یہ مقتدی کون تھے۔ صحابہؓ اور تابعینؒ آپ نے فرمایا کہ ہم دشمن پر مدد چاہتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ قنوت نازلہ تھی اگر ہمیشہ پڑھی جانے والی ہوتی تو صحابہؓ کیونکہ اس پر تعجب کرتے۔

لیجئے ایک مضبوط دلیل اور گوش گذار کیجئے جس کا جواب خاموشی ہے اور کچھ نہیں کہ ابی مالک سعد بن طارق اشجعی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے نماز پڑھی نبی ﷺ کے پیچھے۔ آپ ﷺ نے قنوت نہ پڑھی ابوبکرؓ کے پیچھے نماز پڑھی انہوں نے بھی نہ پڑھی عمرؓ کے پیچھے نماز پڑھی انہوں نے بھی نہ پڑھی عثمانؓ کے پیچھے نماز پڑھی' انہوں نے بھی نہ پڑھی۔ علیؓ کے پیچھے نماز پڑھی انہوں نے بھی نہ پڑھی۔ پھر کہا اے بیٹے یہ بدعت ہے ترمذیؒ نسائی' ابن ماجہ اس کو لائے ہیں۔ ترمذیؒ نے اس کو حسن کہا ہے اور کہا ہے کہ اکثر اہل علم کا یہی مسلک ہے اب اس کے بعد شک و شبہ کی گنجائش کہاں باقی رہتی ہے اب رہا مخالفین کا استدلال تو ذرا اس کی مضبوطی بھی ملاحظہ فرماتے جایئے ان کی فیصلہ کن دلیل حدیث حضرت انسؓ کی ہے جس میں ابی جعفر راوی ہے جس کے بارہ میں ناقدین کے خیالات سنیئے۔ ابن معین نے کہا تخطی خطا کرتا تھا احمد نے کہا قوی نہیں ابوزرعہ نے کہا اس کو وہم ہو جاتا تھا۔ ابن حبان نے کہا کہ یہ منکر حدیثیں لایا کرتا تھا۔

پھر اس کی تردید میں طبرانی کی یہ حدیث ہے جس کو وہ غالب بن فرقد الطحان سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ میں دو ماہ حضرت انسؓ کے پاس رہا آپ نے فجر میں دعائے قنوت نہ پڑھی اسی طرح خطیب انسؓ سے حدیث لائے ہیں کہ نبی ﷺ فجر میں قنوت نہ

پڑھا کرتے مگر جب کہ آپ کسی قوم کے لئے دعا کرتے یا کسی قوم کے لئے بددعا کرتے اس سے معلوم ہوا کہ یہ قنوت نازلہ تھی جو آپ نے کبھی پڑھی اور حضرت ابو ہریرہؓ کی وہ حدیث جس میں عبداللہ بن سعید مقبری ہے تو ابھی سابق میں معلوم ہوا کہ وہ اکثر کے نزدیک قابل حجت نہیں اس کی تردید بھی ابن حبان کی حدیث سے آشکارا ہے جو ابو ہریرہؓ سے مروی ہے ﴿**كان رسول الله صلى الله عليه وسلم لايقنت فى صلوة الصبح الا ان يدعو لقوم او على قوم**﴾ کہ آپ نماز فجر میں قنوت نہ پڑھا کرتے۔ مگر جب کہ کسی قوم کے لئے دعا کرتے یا کسی قوم کے لئے بدعا صاف الفاظ میں پتہ چلا کہ یہ قنوت نازلہ تھی جس کی روایت ابو ہریرہؓ کر رہے ہیں یہی جواب ہے بخاری کی حدیث کا مزید براں مسلم ترمذی وغیرہ میں صبح کی نماز کے ساتھ مغرب کا بھی ذکر ہے اور مغرب میں تو مخالفین بھی قنوت مستمرہ نہیں مانتے۔ تو لامحالہ اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں کہ ہر دو نمازوں میں اس کو قنوت نازلہ پر محمول کریں ورنہ پھر مغرب کی نماز میں بھی قنوت سر آتی ہے یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ ہماری احادیث اپنے معنی ومطلب کے لئے نہایت صریح اور واضح ہیں بخلاف ان کی احادیث کے کہ قنوت نازلہ پر بھی ان کا حمل ہو سکتا ہے اور قنوت قیام طویل پر بھی بولا جاتا ہے جو شریعت میں بالکل عام ہے جیسا کہ فرمایا ﴿**افضل الصلوة طول القنوت**﴾ کہ نماز کی تمام تر فضیلت قنوت وقیام کی درازی میں ہے اور صبح کی نماز تو بہر حال تمام نمازوں میں قیام کے اعتبار سے دراز ولمبی ہوتی ہی ہے۔ اب رہا مسئلہ قنوت نازلہ اب بھی شرعاً جاری ہے یا منسوخ ہو چکی۔ تو خلف کے آثار سے پتہ چلتا ہے کہ نبی ﷺ کے بعد بھی یہ زیر عمل رہی۔ چنانچہ ابو بکرؓ صدیق نے محاربہ کے وقت دعائے قنوت پڑھی۔ حضرت عمرؓ نے بھی پڑھی۔ حضرت علیؓ نے حضرت معاویہؓ کے خلاف میں اور حضرت معاویہؓ نے حضرت علیؓ کے خلاف لڑائی میں قنوت نازلہ پڑھی۔

ابو حنيفة عن عطية عن ابى سعيد عن النبى صلى الله عليه وسلم انه لم يقنت الا اربعين يوما يدعو اعلى عصية وذكوان ثم لم يقنت الى ان مات.

ابی سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے قنوت نہیں پڑھی۔ مگر چالیس دن بددعا کرتے تھے (اس میں) آپ قبیلہ عصیہ اور ذکوان پر پھر آپ ﷺ نے وفات تک قنوت نہیں پڑھی۔

ف: یہ حدیث حدیث سابق کے ہم معنی ہے اور ہم مضمون۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اس میں

قنوت نازلہ پڑھے جانے کی مدت چالیس یوم بتائی ہے اکثر روایت میں ایک ماہ ہے۔

(۴۹) باب صفة الجلوس فی التشهد

ابو حنیفة عن عاصم عن ابیه عن وائل بن حجر قال کان رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا جلس فی الصلوة اضجع رجله الیسری وقعد علیها ونصب رجله الیمنی.

باب۔تشہد میں بیٹھنے کی ہیئت شرعی

حضرت وائل بن حجر کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز میں بیٹھتے تو بایاں پاؤں پھیلاتے اور اس پر بیٹھتے اور دایاں پاؤں کھڑا رکھتے۔

ف: یہ حدیث بھی ایک مسئلہ اختلافی کی طرف مشیر ہے کہ تشہد میں کس ہیئت سے بیٹھنا مسنون ہے امام اعظمؒ ہر دو تشہد میں افتراش کو مسنون قرار دیتے ہیں یعنی بائیں پاؤں کو بچھا کر اس پر بیٹھنا اور دائیں کو کھڑا رکھنا۔امام شافعیؒ پہلے تشہد میں امام صاحبؒ کے ساتھ موافقت کرتے ہیں اور دوسرے میں تورک سرین پر بیٹھنے کو) مسنون فرماتے ہیں۔امام مالکؒ ہر دو تشہد میں تورک کے قائل ہیں امام احمد ایک تشہد والی نماز میں امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ ہم نوائی کرتے ہیں اور دو تشہد والی میں امام شافعی کے ساتھ۔

امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کی ترجمانی خود حدیث ذیل کر رہی ہے کہ نماز میں بوقت تشہد الٹا پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھے اور سیدھا پاؤں کھڑا رکھے۔حضرت وائل ہی کی حدیث کو ترمذی بھی لائے ہیں وہ کہتے ہیں کہ میں مدینہ آیا تو میں نے نبی ﷺ کی نماز دیکھی تو آپ ﷺ تشہد میں جب بیٹھے تو آپ ﷺ نے بایاں پاؤں بچھایا اور بایاں ہاتھ بائیں ران پر رکھا اور سیدھا پاؤں کھڑا رکھا۔ترمذیؒ نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے اور کہا ہے کہ اکثر اہل علم کا یہی قول ہے حضرت عائشہؓ کی حدیث جو مسلم ابی الجوزاء کے واسطہ سے لائے ہیں وہ بھی امام صاحب کے مذہب کی پرزور تائید کرتی ہے۔آپ فرماتی ہیں ﴿**کان یفترش رجله الیسری وینصب رجلالیمنی**﴾ کہ آں جناب ﷺ بایاں پاؤں بچھاتے اور سیدھا پاؤں کھڑا کر لیتے مزید براں احمد رفاع بن رافع سے حدیث نقل کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اعرابی سے فرمایا جب تو بیٹھے (تشہد میں) تو بائیں پاؤں پر بیٹھ۔نسائی ابن عمرؓ کا قول نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا

﴿من سنة الصلوة ان ينصب القدم اليمنى ويستقبل باصابعها القبلة ويجلس على اليسرى ﴾ کہ نماز کی سنت یہ ہے کہ سیدھا قدم کھڑا رکھے اوراس کی انگلیوں کوقبلہ رخ اور الٹے قدم پر بیٹھے۔ یہ قول بھی امام صاحبؒ ہی کے مذہب کی بنیادوں کو مضبوط کرتا ہے اب جن احادیث میں تورّک آیا ہے ان کو کبرسنی اور بڑھاپے کی حالت پر محمول کریں گے کیونکہ سنت تو پچھلی احادیث صحیحہ سے قرار پاچکی جن میں تشہد اولیٰ یا ثانیہ کی کوئی قید نہیں اب چونکہ دوسرے تشہد میں زیادہ دیر بیٹھنا پڑتا ہے اس لئے اس میں مراعات قرین مصلحت ہے اور سہولت قرین قیاس امام شافعیؒ حدیث ابی حمید ساعدی سے دلیل لاتے ہیں جو ترمذی میں ہے مگر واضح رہے کہ حضرت وائل کی حدیث کے ذیل میں ترمذی اس مذہب کی نسبت اکثر اہل علم کی طرف کرتے ہیں اور جہاں حضرت ابی حمید کی حدیث کا حوالہ دیا ہے وہاں کہتے ہیں وبه يقول بعض اهل العلم ﴾ بعض اہل علم اسی کے قائل ہیں گویابیان مذاہب میں مذہب میں امام صاحبؒ کو ترجیح دے گئے۔

ابو حنيفة عن نافع عن ابن عمر انه سئل كيف كن النساء يصلين على عهد رسول الله صلى الله عله وسلم قال كن يتر بعن ثم امرن ان يحتفزن.

حضرت ابن عمرؓ سے سوال کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں عورتیں کس طرح نماز پڑھا کرتی تھیں (یعنی تشہد میں کس طرح بیٹھا کرتی تھیں) آپ نے کہا کہ اول چارزانو بیٹھی تھیں۔ پھران کو حکم ہوا کہ اپنے سرین پر بیٹھیں۔

ف: نشست کی یہی شکل ستر پوشی کے لئے زیادہ موزوں ومناسب ہے اس لئے عورتیں اس ہیئت جلوس کے لئے مامور ہوئیں۔

(۵۰) باب في التشهد

ابو حنيفة عن ابى اسحاق عن البراء عن النبى صلى الله عليه وسلم كان يعلمنا التشهد كما يعلم السورة من القران.

باب۔تشہد کے بیان میں

حضرت براء کہتے ہیں کہ نبی ﷺ ہم کو تشہد ایسے سکھاتے جس طرح قرآن کی سورۃ سکھایا کرتے تھے۔

ف: یعنی نہایت اہمیت وصحت الفاظ ودرستی ادائیگی کے ساتھ تشہد کی تلقین فرماتے کہ اس میں بھول چوک یا اشتباہ کی گنجائش نہ رہے۔

ابو حنفية عن القاسم عن ابيه عن عبد الله قال علمنا رسول الله صلى الله عليه وسلم خطبة الصلوة يعني التشهد.

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو خطبہ صلوۃ کی تعلیم فرمائی یعنی تشہد کی۔

ف: اس حدیث میں تشہد کو خطبہ سے تعبیر کیا کیونکہ خطبہ کی طرح تشہد بھی حمد وصلوٰۃ پر مشتمل ہوتا ہے۔

ابوحنيفة عن حماد عن ابراهيم عن ابى وائل شقيق بن سلمة عن عبدالله بن مسعود قال كنا اذا صلينا خلف النبى صلى الله عليه وسلم نقول السلام على الله . وفى رواية زيادة من عباده السلام على جبر يل وميكائيل فاقبل علينا النبى صلى الله عليه وسلم فقال ان الله هو السلام فاذا تشهد احد كم فليقل التحيات لله والصلوت والطيبات السلام عليك ايها النبى ورحمة الله وبركاته السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين اشهد ان لااله الا الله واشهد ان محمداعبده ورسوله. وفى رواية انهم كانو يقولون السلام على الله السلام على جبريل السلام على رسول الله فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تقولوا السلام على الله ولكن قولوا التحيات الله والصلوات والطيبات الى اخرالتشهد وفى رواية ان رسول الله صلى الله عليه وسلم علمهم التحيات الى اخرالتشهد .وفى رواية علمنا. وفى رواية قال كنا اذا صلينا مع النبى صلى الله عليه وسلم نقول اذا جلسنا فى اخر الصلوة السلام على الله السلام على رسول الله وعلى ملائكته نسميهم من الملا ئكة فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم لاتقولو كذا وقولوالتحيات لله والصلوات والطيبات.

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ ہم جب نبی ﷺ کے پیچھے نماز پڑھتے تو (تشہد

میں) کہتے ﴿السلام علی اللہ﴾. ایک روایت میں یہ زیادتی ہے (کہ کہتے) ﴿من عبادہ السلام علی جبریل و میکائیل﴾ کہ اللہ کے بندوں کی طرف سے جبریل اور میکائیل پر سلام ہے تو نبی ﷺ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ اللہ خود سلام ہے جب تم میں سے کوئی تشہد کے لئے بیٹھے تو کہے ﴿التحیات للہ﴾ الخ ایک اور روایت میں ہے کہ وہ کہا کرتے ﴿السلام علی اللہ السلام علی جبریل السلام علی رسول اللہ﴾ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿السلام علی اللہ﴾ نہ کہو۔ لیکن کہو ﴿التحیات اللہ و الصلوات و الطیبات﴾ آخر تشہد تک اور ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سکھائی لوگوں کو التحیات آخر تشہد تک۔ ایک اور روایت میں علمنا کا لفظ ہے کہ سکھائی ہم کو۔ اور ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے کہا کہ جب ہم نماز پڑھتے نبی ﷺ کے ساتھ اور آخر نماز میں بیٹھتے تو کہتے ﴿السلام علی اللہ السلام علی رسول اللہ و علی ملائکتہ﴾ فرشتوں کے نام لیتے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایسا نہ کہو اور کہو ﴿التحیات اللہ و الصلوات و الطیبات﴾۔

ف: تشہد کے الفاظ متعدد صحابہ سے جن کی تعداد بیس سے کچھ اوپر ہے مختلف ہیں ائمہ بھی اس بارہ میں مختلف القول ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ تشہد عبداللہ بن مسعود کو اختیار کرتے ہیں امام شافعیؒ تشہد ابن عباسؓ کو اور امام مالکؒ "تشہد عمرؓ" کو تشہد ابن مسعودؓ بیشتر بلکہ تمام تر وجوہ سے قابل ترجیح ہے ائمہ حدیث اس کی تصحیح پر متفق ہیں۔ ترمذیؒ نے کہا کہ تشہد میں یہ صحیح ترین حدیث ہے اور کہا کہ اکثر اہل علم صحابہ و تابعین کا عمل اسی پر ہے بزار نے کہا کہ میرے نزدیک تشہد میں صحیح ترین حدیث حدیث عبداللہ بن مسعودؓ ہے مسلم نے کہا کہ لوگوں نے کہا عبداللہ بن مسعودؓ کے تشہد پر اجماع ہے اور ان کے تلامذہ اس میں مختلف نہیں برخلاف دوسرے تشہدوں کے طبرانی نے کہا ہے کہ اس سے اچھی حدیث تشہد میں میں نے نہیں سنی۔

دوسرے چند صحابہؓ بھی اسی تشہد ابن مسعودؓ کے ساتھ موافقت فرماتے ہیں مثلاً ابوبکر صدیقؓ اور حضرت معاویہؓ وغیرہ پھر اس تشہد کی تعلیم میں وثوق و تاکید بہت برتی گئی ہے حماد نے ابوحنیفہ کا ہاتھ پکڑ کر اس کی تعلیم دی اور حمادؒ کا ہاتھ پکڑ کر ابراہیم نے اور ابراہیمؒ کا ہاتھ پکڑ کر علقمہ نے اور علقمہؒ کا ہاتھ پکڑ کر ابن مسعودؓ نے اور ابن مسعود کا ہاتھ پکڑ کر نبی ﷺ نے اس کی تلقین

فرمائی غرض بیس سے کچھ اوپر قوی وجوہ ایسے ہیں جن کے پیش نظر تشہد ابن مسعود ہی قابل وثوق ہے۔

ابو حنیفة عن حماد عن ابراهیم عن علقمة عن ابن مسعودؓ قال کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یسلم عن یمینه السلام علیکم ورحمة الله حتی یری شق وجهه وعن یساره مثل ذلک.

وفی روایة حتی یری باض خده الایمن وعن شماله مثل ذلک .

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سیدھی جانب سلام پھیرتے ﴿**السلام علیکم ورحمة الله**﴾ کہہ کر (اور سلام میں گردن پھیرتے) یہاں تک کہ آپ کے چہرہ کا رخ دکھائی دیتا اور الٹی جانب سلام پھیرتے وقت بھی ایسا ہی کہتے۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ یہاں تک (گردن پھیرتے) کہ آں جناب ﷺ کے دائیں رخسار کی سفیدی دکھائی دیتی اور الٹی جانب سلام پھیرتے وقت بھی ایسا ہی ہوتا۔

ف: گویا سلام پھیرتے وقت گردن اس قدر پھیرنی چاہئے کہ چہرہ کا ایک رخ دکھائی دے اس حدیث کے پیش نظر یہ ہی مسئلہ حق ہے۔

ابو حنیفة عن القاسم عن ابیه عن عبد الله قال کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یسلم عن یمینه وعن یساره تسلیمتین .

حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ دائیں و بائیں طرف دو سلام پھیرتے تھے۔

ف: یہ تقریباً اتفاقی مسئلہ ہے صرف امام مالک کو اس سے اختلاف ہے ان کے نزدیک ایک سلام ہے وہ حدیث عائشہ کو پیش نظر رکھتے ہیں جس میں ہے کہ ﴿**کان یسلم فی الصلوة تسلمة**﴾ آپ ﷺ نماز میں ایک سلام پھیرا کرتے ہم کہتے ہیں کہ نبی ﷺ کی نماز کا صحیح حال جس قدر مردوں پر منکشف ہے اس قدر عورتوں پر نہیں اور مردوں کی تمام تر صحیح روایات دو سلام پر ہی دال ہیں۔ اس مسئلہ پر کچھ روشنی ہم سابق بیانات میں ڈال چکے ہیں۔

(۱۵) باب تخفیف الامام الصلوة

ابوحنیفة عن حماد عن ابراهیم قال کان عبد الله بن مسعود وحذیفة و ابو

موسی وغیر هم من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم اجتمعوا فی منزل فاقیمت الصلوة فجعلوایقولون تقدم یا فلان لصاحب المنزل فابی فقال تقدم انت یا ابا عبد الرحمن فتقدم فصلی صلوة خفیفة وجیزة اتم الرکوع والسجود فلما انصرف قال القوم لقد حفظ ابو عبد الرحمن صلوة رسول الله صلی الله علیه وسلم.

باب۔امام کا نماز کو ہلکی پڑھنا

ابراہیم سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعودؓ حذیفہؓ ابوموسیٰ اور چند اور اصحاب نبی ﷺ کسی مکان میں جمع ہوئے نماز کے لئے اقامت کہی گئی سب نے صاحب خانہ سے کہا جناب (امامت کے لئے) آپ آگے بڑھئے۔انہوں نے انکار کیا اور عبداللہ بن مسعودؓ سے کہا اے ابا عبدالرحمٰن آپ آگے بڑھئے (یعنی امام بنئے) چنانچہ وہ آگے بڑھے اور ہلکی مختصر (مگر) پورے رکوع وسجود کے ساتھ نماز پڑھائی۔جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو ساتھیوں نے کہا کہ ابوعبدالرحمٰن نے رسول اللہ ﷺ کی نماز کو خوب یاد کیا ہے (کہ قرأت وغیرہ میں ہلکی اور مختصر ہے اور رکوع سجدہ میں پوری)۔

ف: اس حدیث سے بیک وقت کئی مسائل شرعیہ پر روشنی پڑتی ہے اول یہ کہ مقتدیوں کی رعایت سے آں حضرت ﷺ خود بھی خفیف وہلکی نماز پڑھتے جس کی نقل ابن مسعودؓ نے اتاری اور اصحابؓ کو بھی اسی کی ہدایت پرزور اور تاکیدی الفاظ میں فرماتے۔ایسی نماز پڑھانے پر سخت خشمگیں ہوتے جو مقتدیوں پر دوبھر ہو اور بار جس سے لوگ اکتائیں اور گھبرائیں۔جس کی وجہ سے لوگ جماعت سے بچیں اور جان چرائیں۔چنانچہ حضرت ابی مسعود انصاریؓ سے ابن ماجہ وغیرہ اس مضمون کی حدیث لائے ہیں کہ ایک شخص آں جناب ﷺ کی خدمت میں آیا اور کہا کہ یا رسول اللہ! میں فلاں شخص کی وجہ سے جماعت نماز فجر میں شرکت سے بچتا ہوں کیونکہ وہ لمبی نماز پڑھاتا ہے۔راوی کہتے ہیں کہ اس دن کے علاوہ میں نے آں جناب کو نصیحت کرتے وقت کبھی اس قدر ناراض وخشمگیں ہوتے ہوئے نہیں دیکھا۔فرمایا اے لوگو تم لوگوں کو نماز سے نفرت دلاتے ہو تم میں جو بھی نماز پڑھائے وہ مختصر نماز پڑھائے کیونکہ مقتدیوں میں کمزور بھی ہوتے ہیں اور بوڑھے اور حاجتمند بھی اسی طرح آں جناب ﷺ ایک مرتبہ لمبی نماز پڑھانے پر حضرت معاذؓ پر

بہت ناراض ہوئے۔

اس قصہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ گھر میں گو دیگر جلیل القدر صحابہ موجود تھے مگر امامت کے لئے ابن مسعودؓ چنے گئے کیونکہ امامت کے لئے شرعاً افقہ زیادہ موزوں سمجھا جاتا ہے گویا تمام حاضرین نے آپؓ کو افقہ جانا کہ امامت کا شرف آپ کو نصیب ہوا اس واقعہ سے ابن مسعودؓ کی فضیلت و برتری علمی پر روشنی پڑی چنانچہ کہا گیا ہے کہ خلفائے اربعہ کے بعد تفقہ میں آپ ہی سب سے مقدم تھے اسی واقعہ سے اس کی بھی ہدایت ملی کہ مقتدیوں کی رعایت سے گو نماز کی قرأت مختصر ہو مگر ارکان نماز کی ادائیگی میں عجلت سے کام نہ لیا جائے بلکہ حسب ہدایت شرع وہ نہایت قرار و سکون طمانیت و وقار سے ادا کئے جائیں اس لئے حدیث ذیل میں صلوٰۃ خفیفہ کے ساتھ ﴿اتم الرکوع والسجود﴾ کی قید لگائی۔

(۵۲) باب الصلوة علی الحصیر

ابو حنیفة عن ابی سفیان عن جابر عن ابی سعید انه دخل علی رسول الله صلی الله علیه وسلم فوجده یصلی وعلی حصیر یسجد علیه.

باب۔ بوریئے پر نماز پڑھنے کے بیان میں

حضرت ابی سعیدؓ سے مروی ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو آپ کو بوریئے پر نماز پڑھتے اور اس پر سجدہ کرتے ہوئے دیکھا۔

ف: اس حدیث سے اس امر کا ثبوت بہم پہنچا کہ زمین پر کوئی فرش وغیرہ بچھا کر نماز پڑھی جائے تو بغیر کراہت جائز ہے۔ اور یہ ہی مذہب جمہور کا ہے خواہ وہ فرش زمین پر اگنے والی شئے سے بنا ہوا ہو یا نہیں یہاں بعض اصحابؒ کو خفیف سا اختلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ زمین پر نماز پڑھنا زیادہ افضل ہے اور مستحب اس نقطہ نظر سے کہ نماز کا اصلی جوہر خشوع و خضوع اور عاجزی ہے اور ان کا اظہار جس قدر زمین پر ہوتا ہے کسی دوسری شے پر نہیں ترمذی ﴿باب ماجاء فی الصلوة علی الحصیر﴾ کے ذیل میں رقمطراز ہیں کہ زیادہ تر اہل علم اسی طرف گئے ہیں ﴿الا ان قوما من اهل العلم اختاروا الصلوة علی الارض استحبابا﴾ یعنی بعض اہل علم نے زمین پر نماز پڑھنے کو مستحب جانا ہے نووی نے بھی اس سلسلہ میں قاضی عیاض کا قول نقل کیا ہے کہ اگر جائے نماز جنس ارض سے نہ ہو تو نماز زمین پر افضل ہے ﴿الا ان الصلوة سرها التواضع﴾

کیونکہ نماز میں تواضع و فروتنی کا راز مضمر ہے۔

(۵۳) باب صلوٰۃ المریض

ابو حنیفة عن عطاء عن ابن عباس ان رسول الله صلی الله علیه وسلم صلی قاعدا وقائما ومحتبئا.

باب۔ مریض کی نماز کے بیان میں

ابن عباس سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے نماز پڑھی بیٹھ کر۔ کھڑے ہو کر اور گوٹ مار کر۔

ف: یہ صورت فرضوں میں بحالت عذر اور نفلوں میں ہر حال میں جائز ہے۔

ابو حنیفة عن ابی سفیان عن الحسن ان رسول الله صلی الله علیه وسلم صلی محتبئامن رمد کان بعینه.

حضرت حسن بصری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آنکھ دکھنے کے باعث (یعنی اس میں درد کے سبب) گوٹ مار کر نماز ادا فرمائی۔

ف: اس سے سابق حدیث کی وضاحت ہوئی کہ ایسی شکل عذر کے وقت جائز ہے۔

محمد بن بکیر قاضی الدامغان قال کتبت الی ابی حنیفةفی المریض اذا ذهب عقله کیف یعمل به فی وقت الصلوٰة فکتب الی یخبرنی عن محمد بن المنکدر عن جابر بن عبد الله قال مر ضت فعادنی النبی صلی الله علیه وسلم ومعه ابو بکر و عمر وقد اغمی علی فی مرضی وجاء ت الصلوٰة فتوضأرسول الله صلی الله علیه وسلم وصب علی من وضوئه فافقت فقال کیف انت یا جابر ثم قال صل ما استطعت ولوان تؤمیٔ.

محمد بن بکیر کہتے ہیں کہ میں نے ابو حنیفہ کو لکھا کہ (بیہوشی کے باعث) جب بیمار کی عقل جاتی رہے تو نماز کے وقت اس کے ساتھ کیا کیا جائے؟ تو انہوں نے مجھ کو لکھ بھیجا۔ محمد بن المنکدر سے روایت کرتے ہوئے کہ جابر بن عبداللہ نے کہا کہ ایک مرتبہ میں بیمار پڑا اور نبی ﷺ ابو بکر و عمرؓ کی معیت میں میری عیادت کو تشریف لائے اور بیماری میں مجھ پر بے ہوشی چھائی ہوئی تھی کہ نماز کا وقت آ گیا رسول اللہ ﷺ نے وضو کیا اور وضو کا پانی مجھ پر چھڑکا

تو میں ہوش میں آیا۔آپ ﷺ نے فرمایا جابر تمہارا کیا حال ہے پھر فرمایا نماز پڑھو جب تک طاقت رکھو (خواہ کھڑے ہو کر خواہ بیٹھ کر) اگرچہ اشارہ کرتے جاؤ (رکوع اور سجود میں)۔

ف: یہ بیمار کی مزید تشریح ہے کہ بیمار کسی حال میں نماز کو خیر باد نہ کہے خواہ کھڑے ہو کر نماز پڑھے خواہ بیٹھ کر' خواہ لیٹ کر سر کے اشارہ سے اس سلسلہ میں حضرت جابرؓ حضرت علیؓ اور حضرت ابن عمرؓ سے مرفوع وموقوف احادیث مروی ہیں اور اسی قسم کی تفصیل ان میں وارد ہے۔

ابو حنیفة عن حماد عن ابراهیم عن علقمة عن عائشة ام المؤمنین قالت لما اغمی علی رسول الله صلی الله علیه وسلم قال مر واابابکر فلیصل بالناس فقیل ان ابابکر رجل حصر وهو بنفسه یکره ان یقوم مقامک قال افعلو اماامر کم به.

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ پر بیہوشی طاری ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا ابوبکرؓ سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں آپ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ ابوبکر ایک رقیق القلب آدمی ہیں (کہ اضطراب کے وقت قرأت سے قاصر رہتے ہیں) اور وہ خود اس کو ناپسند کرتے ہیں کہ آپ کی جگہ وہ کھڑے ہوں آپ ﷺ نے پھر فرمایا جیسا میں تم سے کہتا ہوں ویسا کرو۔

ف: یہ حدیث حضرت ابوبکرؓ کی فضیلت و برتری کو روز روشن کی طرح واضح کرتی ہے کہ امور دینیہ میں ہر حیثیت سے آپ ہی کو فوقیت اور بلندی تقدم وسابقیت حاصل ہے چنانچہ خود سرور کائنات کی زبانی منصب امامت صغریٰ کے لئے آپ کا چناؤ ہوا کیونکہ امامت کے لئے علم وتفقہ اور تقویٰ میں چوٹی کے آدمی کا انتخاب مناسب ہے۔نماز چونکہ اصل اصول دین ہے اس لئے گویا صرف امامت کا منصب آپ کو عطا نہ ہوا بلکہ پورے دین و مذہب کی سرداری وسرکردگی کا سہرا آپ کے سر بندھا۔یہ حضرت صدیق کی زندگی کا وہ طرہ امتیاز ہے جس پر آپ کو جس قدر فخر ہو کم ہے یہ حدیث شیعہ وتفضیلیہ کے عقیدہ پر ایک کاری ضرب ہے کہ وہ آپ کے مرتبہ کو گھٹاتے ہیں اور آپ کی اس فضیلت پر شک کرتے ہیں حالانکہ ان کو شک کرنے کا کیا حق رہتا ہے جب کہ خود حضرت علیؓ نے بوقت انتخاب خلیفہ ان کی فضیلت کا ان کھلے الفاظ میں اعتراف فرمایا ﴿کیف

لانوتره علينا فی امر دنيا ناوقد اتره النبی صلی الله عليه وسلم علينا فی امر دينا ﴾ کہ دینوی امر میں ہم ان کو اپنا خلیفہ کیوں نہ چن لیں جب کہ نبی ﷺ نے دینی امر میں ان کو ہماری پیشوائی کے لئے چنا انہیں روایات کے پیش نظر اہل سنت خلفاء اربعہ کی ترتیب کو حق مانتے ہیں۔

ابوحنيفة عن حماد عن ابراهيم عن علقمة عن عائشة ام المؤمنين قالت لما اغمی علی رسول الله صلی الله عليه وسلم قال مروا ابا بكر فليصل بالناس فقيل له يا رسول الله ان ابابكر رجل حصر وهويكره ان يقوم مقامک فقال مروا ابا بكر فليصل بالناس ياصويحبات يوسف وكرر.

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ پر بے ہوشی طاری ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ابو بکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں ۔آپ سے عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ابو بکر رقیق القلب آدمی ہیں اور وہ ناپسند کرتے ہیں کہ آپ کی جگہ کھڑے ہوں۔آپ ﷺ نے (پھر) فرمایا اے یوسف کی ساتھنوں ابو بکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں اور بار بار فرمایا۔

ف: یہ حدیث زریں ہدایات ونصائح کا سرچشمہ ہے سب سے پہلے انتخاب خلافت میں جو جھگڑا پیش آنے والا تھا۔اس واقعہ سے اس کی جڑ کٹتی ہے اور خلافت میں حضرت صدیقؓ کی اقدمیت واحقیت پر فیصلہ کن حکم ملتا ہے کہ جب نماز جیسے اہم امر دینی میں آپؓ کا سب سے پہلے انتخاب ہوا تو دینوی امر۔امر خلافت میں جو اس سے بدرجہا کمتر ہے کیوں آپ کا چناؤ نہ ہو۔چنانچہ ایسا ہی ہوا تمام مومنین آپ کی خلافت پر متفق الرائے ہوئے پھر ایک طرف امامت کا مسئلہ بھی حل ہوا کہ جب نماز کیلئے امام کا انتخاب ہو تو علم وفضل میں برتر آدمی کو امام بنایا جائے نہ اقرا کو چنانچہ بخاریؒ نے ترجمہ باب انہیں الفاظ سے باندھا ہے ورنہ اقرا حضرت ابی موجود تھے ۔پھر اس مسئلہ دینی پر بھی روشنی پڑی کہ نبی ﷺ کے امام ہونے کی صورت میں امام کا عذر سے بیٹھا رہنا اور مقتدیوں کا کھڑا رہنا جائز ہے اگر ابو بکرؓ کو امام مانیں تو اس مسئلہ کا بھی ثبوت ہوتا ہے کہ فاضل وبرتر' مفضول وکمتر کے پیچھے نماز ادا کرسکتا ہے اس کا بھی پتہ چلا کہ جب شارع دین کی طرف سے حکم ملے تو اس میں حیل وحجت نہیں کرنی چاہئے ورنہ اس پر ملامت کی جاسکتی ہے۔یہ بھی

معلوم ہوا کہ اژدحام کی صورت میں مقتدی امام کے برابر دائیں جانب کھڑا ہو سکتا ہے اور بلند آوازی سے لوگوں تک امام کی تکبیر کو پہنچا سکتا ہے۔

ابوحنیفة عن حماد عن ابراهیم عن الاسود عن عائشةان النبی صلی الله علیه وسلم لمامرض المرض الذی قبض فیه خف من الوجع فلما حضرت الصلوة قال لعائشة مری ابابکر فلیصل بالناس فار سلت الی ابی بکر ان رسول الله صلی الله علیه وسلم یأمرک ان تصلی بالناس فار سل الیها انی شیخ کبیر رفیق وانی متی لا اری رسول الله صلی الله علیه وسلم فی مقامه ارق لذلک فاجتمعی انت وحفصة عند رسول الله صلی الله علیه وسلم فیر سل الی عمر فیصلی بهم ففعلت فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم انتن صواحب یوسف مری ابابکرفلیصل بالناس فلما نوری بالصلوة سمع النبی صلی الله علیه وسلم المؤذن وهو یقول حی الصلوة فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم ارفعونی فقالت عائشة قد امرت ابابکر ان یصلی بالناس وانت فی عذر قال ارفعونی فانه جعلت قرة عینی فی الصلوة قالت عائشة فرفعت بین اثنین وقد ماه تخد ان الارض فلما سمع ابو بکر لحس رسول الله صلی الله علیه وسلم تأخرفاومأ الیه رسول الله صلی الله علیه وسلم فجلس رسول الله صلی الله علیه وسلم عن یسار ابی بکرؓ وکان النبی صلی الله علیه وسلم حذائه یکبر.ویکبر ابوبکر بتکبیر النبی صلی الله علیه وسلم ویکبر الناس بتکبیر ابی بکرحتی فرغ ثم ماصلی بالناس غیر تلک الصلوة حتی قبض وکان ابو بکر الامام والنبی صلی الله علیه وسلم وجع حتی قبض.

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب نبی ﷺ اس مرض میں مبتلا ہوئے جس میں آپ ﷺ کی وفات ہوئی اور (شدت) درد کے باعث ضعیف ہو گئے اور نماز کا وقت آیا تو عائشہؓ سے آپ ﷺ نے فرمایا ابوبکرؓ سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ عائشہؓ نے حضرت ابوبکرؓ کو آدمی کے ذریعہ کہلوایا کہ رسول اللہ ﷺ آپ کو حکم دیتے ہیں کہ آپ

لوگوں کو نماز پڑھائیں حضرت ابو بکر نے عائشہؓ کے پاس جواب بھیجا کہ میں بوڑھا سن رسیدہ رقیق القلب انسان ہوں میں جب رسول اللہ ﷺ کو ان کی جگہ نہیں دیکھوں گا تو دل قابو سے نکل جائے گا تو تم اور حفصہ دونوں مل کر رسول اللہ ﷺ کے پاس جاؤ کہ وہ عمرؓ کے پاس آدمی بھیجیں کہ وہ نماز پڑھائیں (عائشہ فرماتی ہیں کہ) میں نے ایسا ہی کیا اس پر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم یوسف کی ساتھنیں ہو کہو ابو بکر کو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں پھر جب نماز کے لئے اذان دی گئی اور نبی ﷺ نے مؤذن کی ﴿حی علی الصلوۃ﴾ کی آواز سنی تو ارشاد فرمایا کہ مجھ کو اٹھاؤ عائشہؓ نے عرض کیا کہ میں نے ابو بکرؓ کو کہلا بھیجا ہے کہ نماز پڑھائیں اور آپ معذور ہیں (پھر کیوں زحمت فرماتے ہیں) آپ نے فرمایا مجھ کو اٹھاؤ میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز ہی میں ہے۔ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ پھر میں نے اٹھایا اور دو آدمیوں کے بیچ میں آپ ﷺ ایسے چلے کہ آپ ﷺ کے دونوں قدم زمین پر گھسٹتے تھے۔ جب ابو بکرؓ نے رسول اللہ ﷺ کے قدموں کی آہٹ سنی تو پیچھے ہٹنا چاہا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو اشارہ سے پیچھے ہٹنے سے منع فرمایا پس نبی ﷺ ابو بکرؓ کی بائیں جانب بیٹھ گئے (تاکہ آپ ﷺ امامت فرماسکیں) نبی ﷺ ان کے برابر میں تکبیر کہتے تھے۔ اور ابو بکر آں جناب ﷺ کی تکبیر کی تقلید کرتے اور لوگ ابو بکرؓ کی تکبیر کی۔ یہاں تک کہ نماز سے فراغت ہوئی۔ پھر اس نماز کے سوا آں حضرت ﷺ نے کوئی نماز نہ پڑھائی یہاں تک کہ آپ ﷺ کے وفات ہوئی۔ اس کے بعد نمازوں میں ابو بکرؓ ہی امامت فرماتے رہے اور نبی ﷺ بیمار تھے یہاں تک کہ آپ ﷺ نے وصال فرمایا۔

ف: اس حدیث میں واقعہ کی مزید تفصیل ہے اور تشریح۔

(۵۴) باب امامة والدالزنا واعبد والاعراب

حماد عن ابیه عن ابراهیم قال یؤ القوم ولد الزنا والعبدوالاعرابی اذاقرأ القران.

باب۔ والدالزنا۔ غلام اور دیہاتیوں کی امامت کے بیان میں

ابراہیم سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا لوگوں کی امامت ولدالزنا غلام اور دیہاتی جب

قرآن پڑھ سکتا ہو تو کر سکتا ہے۔

ف: گویا بمنشاء حدیث ذیل ان ہر سہ کی امامت جائز نہیں تاوقتیکہ وہ قرآن کی تعلیم حاصل نہ کر لیں امامت کیلئے علم و فضل کی برتری و تقویٰ و بزرگی کا امتیاز لازمی چیز ہے علم کی شرط اسلئے لگائی کہ اکثر و بیشتر ان میں علم مفقود ہوتا ہے اور اسی لئے ان کی امامت کراہت سے خالی نہیں۔ والد الزنا اپنی کمتری نسل و رذالت حسبی کے باعث اکثر تہذیب و شائستگی سے دور رہتا ہے اور علم کی روشنی سے عاری اور تقویٰ کی نعمت سے بے بہرہ اگر وہ علم کے زیور سے آراستہ و پیراسہ ہو جائے تو شرعاً وہ بے کھٹکے امامت کے منصب کو انجام دے سکتا ہے علم و تقویٰ اس کی حسبی کمتری کی تلافی کے لئے کافی وافی ہیں کیونکہ بمطابق ﴿لا تزر وازرة وزر اخری﴾ وہ درحقیقت اپنے ہی گناہوں کا ذمہ دار قرار دیا جا سکتا ہے۔ دوسرے کے گناہوں کا بوجھ اس کے کندھوں پر نہیں ڈالا جا سکتا یا مثلاً غلام کہ اس کے خدمتگاری کے مشاغل عموماً علم کے حصول سے منع رہتے ہیں اور یوں بے علمی کے باعث وہ تقویٰ و پرہیز گاری سے بھی بے بہرہ رہتا ہے اور وہ علم کی دولت بے بہا سے مالا مال ہو جائے اور تقویٰ کی نعمت سے شرف پالے تو اس کی غلامی اس کو امامت کے لئے نااہل ثابت نہیں کر سکتی۔ شریعت کے نقطہ نظر سے انسانیت کی سب سے بڑی لعنت جہالت ہے اور انسانیت کا سب سے بلند شرف علم و تقویٰ ہے علم و تقویٰ سے سب عیبوں پر پردہ پڑ جاتا ہے یہ ہی حال اعرابی کا ہے کہ عام طور پر دیہاتی کو علم و تقویٰ سے کیا سروکار اور اس کو ان فضیلتوں سے کیا تعلق تو وہ کیسے امامت صغریٰ کا حقدار ہو سکتا ہے۔ یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ اب علم دین عام طور پر دیہاتی اور گنوار ہی حاصل کرتے ہیں اور دینی تہذیب سے وہی آراستہ ہوتے ہیں' اس لئے اب دیہاتی کو حقیر جاننا حماقت ہوگی۔ الا ماشاءاللہ۔

(۵۵) باب الاثنین جماعة

ابو حنیفة عن الهیثم عن عکرمة عن ابن عباس ان النبی صلی الله علیه وسلم صلی برجل فصلی خلفه و امرأة خلف ذلک صلی بهم جماعة.

باب۔ اس بیان میں کہ دو بھی جماعت کے حکم میں ہے

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے امامت کی اور آپ کے پیچھے ایک مرد تھا اور اس مرد کے پیچھے ایک عورت تھی (یوں) جماعت سے نماز پڑھائی۔

ف: قصہ میں مرد و عورت کی وضاحت نہیں فرمائی کہ یہ کون تھے۔ یا تو یہ واقعہ حضرت انس اور ان کی والدہ ام سلیمؓ کا ہے کہ انسؓ آں حضرت ﷺ کے پیچھے تنہا تھے اور ان کے پیچھے ان کی والدہ ام سلیم تنہا تھیں۔ یا یہ قصہ حضرت علی اور حضرت خدیجہ کا ہے کہ آں جناب ﷺ کے پیچھے حضرت علیؓ تنہا تھے اور ان کے پیچھے حضرت خدیجہ تنہا امام صاحب اسی سے دلیل لاتے ہیں کہ نماز میں مرد و عورت کی برابری مرد کی نماز فاسد ہو جانے کا سبب ہے ورنہ اگر یہ قباحت نہ ہوتی تو عورت کو مرد کے ساتھ کھڑا کیا جاتا۔ کیونکہ صف میں تنہا کھڑا ہونا بھی امام صاحبؒ کے نزدیک کراہت نماز کا سبب ہے اور امام احمد کے نزدیک فساد نماز کا مگر جب دو قباحتیں یک جا جمع ہوں تو عقلاً چھوٹی قباحت کو گوارا کیا جاتا ہے یہاں چھوٹی قباحت تنہا کھڑا ہونا ہے بہ نسبت مرد عورت کے برابر کھڑا ہونے کے لہٰذا تنہا کھڑے ہونے کو اختیار کیا گیا اور برابر کھڑے ہونے سے گریز کی گئی۔

(۵٦) باب فضیلة وصل الصفوف

ابوحنیفة عن عطاء بن یسار عن ابی سعید الخدری قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان الله وملائکة یصلون علی الذین یصلون الصفوف.

باب۔ صفوں کے ملانے کی فضیلت

ابی سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے البتہ اللہ تعالیٰ اور فرشتے درود بھیجتے ہیں ان لوگوں پر جو صفوں کو برابر کرتے ہیں (بیچ میں فاصلے نہیں چھوڑتے)۔

ف: ابن ماجہ یہی حدیث حضرت عائشہؓ سے مرفوع لائے ہیں۔ اس میں یہ ٹکڑا بھی زائد ہے ﴿**من سد فرجة رفعة الله بهادرجة**﴾ کہ جس نے فاصلہ کو بھرا۔ اللہ نے اس کی وجہ سے اس کا درجہ بڑھایا احمد ابن حبان حاکم وغیرہ بھی اس کی روایت کرتے ہیں غرض صف کو ملانے پر متعدد احادیث مختلف اور نہایت تاکیدی الفاظ سے وارد ہیں اور اس میں غفلت برتنے پر سخت وعید آئی ہے چنانچہ حاکم کی روایت میں جو ابن عمرؓ سے ہے یوں وارد ہے کہ جس نے صف کو کاٹا' اللہ اس کو کاٹے۔ صف کو ملانا یہ ہے کہ بیچ میں ایک دوسرے کے درمیان فاصلے اور دوری نہ ہو کاندھے سے کاندھا اور شانے سے شانہ ملالیا جائے خلفائے اربعہ اپنی اپنی خلافتوں میں اس کی اہمیت پر بہت زور دیتے' حضرت علیؓ وعثمانؓ اس کی بہت دیکھ بھال رکھتے۔ حضرت علیؓ مقتدیوں کو

ہدایت کرتے کہ ایک سیدھ میں مل کر کھڑے ہوں آگے پیچھے نہ رہیں۔

(۵۷) باب من شهد الفجر والعشاء فی جماعة

ابو حنيفة عن عطاء عن ابن عباسؓ قال قال رسول الله صلى لله عليه وسلم من شهد الفجر والعشاء في جماعة كانت له براء تان براء ة من النفاق وبراء ة من الشرك.

باب۔فجر وعشاء کی جماعتوں میں شرکت کرنے کی فضیلت میں!

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جو شخص صبح وعشاء کی جماعتوں میں حاضر رہا تو یہ اس کیلئے دو برائت نامے ہیں ایک برائت نفاق سے دوسری شرک سے۔

ف: نفاق وشرک سے برائت کے لئے نماز پنجگانہ میں سے ان ہر دو نمازوں کو یوں مخصوص فرمایا کہ ان ہر دو اوقات میں انسان پر نیند و سستی کا غلبہ ہوتا ہے طبیعت کے فطری تقاضے جماعت کی شرکت سے روکنے میں پوری طاقت سے کارفرما ہوتے ہیں ۔لہٰذا جس کا ایمان قوی ہوتا ہے ۔نفاق وشرک (ریاکاری) سے اس کا دامن پاک اور بے لوث ہوتا ہے وہ اللہ کے سچے وعدوں اور اس کی وعیدوں کا خوف دل میں رکھ کر نیند کے تقاضوں کو بالائے طاق رکھتا ہے اور شرکت جماعت کے لئے دوڑ پڑتا ہے جب اس نے ان اوقات میں یہ چستی اور خدا ترسی دکھائی تو دوسری نمازوں کو یہ کیوں ترک کرے گا۔بخلاف اس کو جو دل میں شرک ونفاق چھپائے ہوئے ہو وہ ان نمازوں سے خاص طور سے جان چرائے گا نیند کے تقاضوں سے پچھڑ جائے گا سستی کے غلبہ سے مار کھائے گا جب اس نے یہاں یہ شرمناک کمزوری دکھائی تو گویا اس نے اپنے نفاق وریاکاری کا خود ثبوت دیا تو اب اس کے حق میں برائت کیسے لکھی جائے۔

ابو حنيفة عن عطاء عن ابن عباس عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال من داوم اربعين يوما على صلوة الغدوة والعشاء في جماعة كتب له براء ة من النفاق وبراء ة من الشرك.

حضرت ابن عباسؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا جو صبح اور عشاء کی نمازوں کی جماعتوں میں چالیس روز تک برابر شریک ہوتا رہا اس کے لئے نفاق اور شرک سے برائت لکھدی گئی۔

ف: اس حدیث میں برائت کے لکھے جانے کو چالیس روز کی مدت سے مقید فرمایا کہ کم از کم چالیس روز تک پیہم وہ پختگی اور چستی سے شرکت جماعت پر دہ پابندر ہا ہو کیونکہ اس قدر مدت میں کسی کام کو کرنے سے انسان اس کام کا عادی سا ہو جاتا ہے اور اس کے بارہ میں عادۃ خیال کیا جاتا ہے کہ اب یہ اس کو ترک نہیں کرے گا اس لئے شریعت نے یہاں برائت کے لئے اس مدت کی قید لگائی۔

ابوحنيفة عن حماد عن ابراهيم عن الشعبي عن ابن عمر ان النبي صلى الله عليه وسلم رخص في الخروج لصلوة الغداوة والعشاء للنسأء فقال رجل اذا يتخذونه دغلا فقال ابن عمر اخبرک عن رسول الله صلى الله عليه وسلم وتقول هذا.

حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے اجازت دی عورتوں کو نماز صبح اور عشاء میں حاضر ہونے کی۔ ایک شخص (یہ سن کر) بولا یہ شخص عبداللہ بن عمرؓ کے صاحبزادہ بلال تھے جیسا کہ دوسری روایتوں سے پتہ چلتا ہے) تو اب تو لوگ اس (حکم) کو مکر وفریب کا ایک جال بنالیں گے اس پر عبداللہ بن عمرؓ (ترش کر) بولے میں تجھ سے رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کرتا ہوں اور تو ایسا کہتا ہے۔

ف: بجنسہ یہ ہی مضمون دیگر احادیث صحیحہ میں وارد ہے کہیں کہیں کسی جملہ کا گھٹاؤ بڑھاؤ ہے۔ مثلاً مسلم میں خود حضرت بلال ہی سے روایت ہے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں اور وہ نبی ﷺ سے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ عورتوں کو مسجد سے منع نہ کرو ان کو بھی مسجدوں سے برکت اندوزی کرنے دو' بلال بولے قسم اللہ کی ہم منع کریں گے ان کو' حضرت عبداللہؓ نے فرمایا میں تجھ سے کہتا ہوں رسول اللہ ﷺ نے ایسا کہا اور تو کہتا ہے کہ قسم اللہ کی ہم منع کریں گے ان کو امام احمد مجاہد کے واسطہ سے یہ ہی حدیث لائے ہیں اس میں اس مضمون کا بھی اضافہ ہے کہ پھر حضرت عبداللہ اپنے صاحبزادہ سے تاحیات نہ بولے غرض حضرت عبداللہ اس امر پر نہایت برہم ہوئے کہ حدیث پاک کے مقابلہ میں کوئی اپنی عقل کو پیش کرے اور اس حدیث کے خلاف کوئی فیصلہ کرے۔

اس حدیث میں مسئلہ کی نوعیت یہ ہے کہ علماء نے اس رخصت کو بوڑھی اور سن رسیدہ

عورتوں کے لئے مانا ہے جو شہوانی جذبات سے خالی ہو چکی ہوں وہ بھی اس پابندی سے کہ زینت و آرائش، بناؤ سنگھار نہ کریں۔ خوشبو نہ لگائیں اور فی زمانا نا تو اس کو بھی مکروہ جانا ہے کیونکہ موجودہ دور میں فسق و فجور، بدکرداری و بداعمالی کی ہر طرف آندھیاں چل رہی ہیں اور بے تمیزی کا ایک طوفان بپا ہے نہ جوان ہی اس کے اثرات سے بچا ہے نہ بوڑھا بہت ممکن ہے حضرت بلال نے زمانہ کی اس بڑھتی ہوئی بے حیائی کو دیکھ کر یہ اپنا ارادہ پیش کر دیا ہو مگر چونکہ قدرے بے محل و بے موقع تھ کہ گویا حدیث پاک کا صاف مقابلہ نظر آتا تھا۔ اس لئے حضرت عبداللہ سخت برہم ہوئے۔ اس کے علاوہ یہ بھی یہ کہ آں حضرت ﷺ کے زمانہ مبارک میں عورتیں حصول مسائل شرعیہ کے مقصد سے بھی مسجدوں میں حاضر رہا کرتیں اور اب آج کل یہ مقصد بھی فوت ہوا کہ دینی مسائل اپنی پوری وسعت سے پھیل چکے، نہ مردان سے ناواقف ہیں نہ عورتیں ان سے ناآشنا اور موجودہ گندی اور مکدر فضا میں تو ان کے لئے پردہ ہی اہم ترین امر ہے۔

(۵۸) باب اذا حضر العشاء والعشاء

ابو حنيفة عن الزهرى عن انس ابن مالك قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا نودى بالعشاء واذن المؤذن فابدء وابالعشاء.

باب۔ اس بیان میں کہ جب نماز عشاء کا وقت آ جائے اور ادھر کھانا حاضر ہو تو انسان کیا کرے کھانا پہلے کھائے یا نماز پہلے پڑھے؟

حضرت انس ابن مالکؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جب نماز عشاء کے لئے اذان دی جائے اور مکبر تکبیر کہے (اور ادھر کھانا سامنے آ جائے تو کھانا پہلے کھاوے۔

ف: طبرانی کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ یہ حکم مغرب کے بارہ میں ہے اور یہ مراعات روزہ دار کیلئے ہے شیخین نے ابن عمرؓ سے مرفوع روایت بیان کی ہے کہ جب کھانا سامنے آ جائے اور ادھر نماز کی اقامت ہو تو پہلے کھانے سے فارغ ہو لے اور فراغت تک جلدی نہ کرے خود ابن عمرؓ کا یہ عمل تھا کہ جب کھانا ان کے سامنے رکھ دیا جاتا اور نماز کھڑی ہو جاتی تو آپ نماز میں شریک نہ ہوتے جب تک کھانا کھانے سے فراغت حاصل نہ کر لیتے۔ یہاں تک کہ آپ امام کی قرأت کی آواز بھی سنتے ہوتے یہاں حضرت جابر سے ایک مرفوع حدیث وارد ہے جو بظاہر اس حدیث کے معارض ہے اس میں یوں آیا ہے ﴿لاتوخر الصلوة لطعام ولا لغيره﴾ کہ کھانے وغیرہ کی

وجہ سے نماز کو مؤخر نہ کرو۔ ان احادیث میں تطبیق کی شکل بعض نے یہ نکالی ہے کہ تاخیر نماز کی اجازت اس وقت ہے کہ کھانا کھانا شروع کر دیا ہو یا یہ خوف ہو کہ یہ کھانا پھر ہاتھ نہیں آئے گا۔ یا یہ کہ بھوک شدید لگ رہی ہو خیال ہو کہ اگر نماز پڑھی تو دل کھانے میں لگا رہے گا جس طرح پیشاب پاخانہ جب ستاتا ہو تو اس وقت بھی تاخیر نماز کی اجازت ہے اور ممانعت کی حدیث اس موقع کے لئے مخصوص ہے کہ نماز کا وقت نکل جانے کا خطرہ ہو یا ابھی کھانا سامنے نہ آیا ہو بلکہ آنے والا ہو تو ان صورتوں میں نماز کو مقدم رکھنا چاہئے۔ گویا ایسی صورت میں ہدایت ہے کہ کھانا سامنے نہ لایا جائے یہ نہیں کہ آنے کے بعد نہ کھاؤ۔ اور دستر خوان پر سے اٹھ جاؤ اور ساری نماز میں سوچتے رہو کہ کب نماز سے فارغ ہوں اور کب کھانا کھائیں۔

(۵۹) باب من صلی صلوة ثم دخل المسجد وهم يصلون.

ابو حنيفة عن الهيثم عن جابر بن الاسود اولا سود بن جابر عن ابيه ان رجلين صليا الظهر فى بيوتهما على عهد النبى صلى الله عليه وسلم وهما يريان ان الناس قد صلوا ثم اتيا المسجد فاذارسول الله صلى الله عليه وسلم فى الصلوة فقعدا ناحية من المسجد وهما يريان ان الصلوة لا تحل لهما فلما انصرف رسول الله صلى الله عليه وسلم و رأهما ارسل اليهما وجىء بهما وفرائصهما ترتعد مخافة ان يكون قد حدث فى امر هما شىء فسالهما فاخبراه الخبر فقال اذافعلتماذلك فصليا مع الناس ذلك فصليا مع الناس واجعلا الاولى هى الفرض. وقدروى هذا الحديث جماعة عن ابى حنيفة عن الهيثم فقالوا عن الهيثم يرفعه الى النبى صلى الله عليه وسلم .

باب۔ اس بیان میں کہ اگر کوئی تنہا فرض پڑھ آئے اور پھر مسجد میں آئے تو جماعت ہوتی ہو تو وہ کیا کرے؟

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ دو شخصوں نے نبی کریم ﷺ کے عہد میں ظہر کی نماز گھر میں پڑھ لی' اس خیال کے تحت کہ لوگ جماعت پڑھ چکے ہوں گے۔ پھر جب مسجد میں آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں مشغول ہیں تو مسجد کے ایک گوشہ

میں جا بیٹھے یہ خیال کرتے ہوئے کہ (ایک مرتبہ فرض پڑھ لینے کے بعد) اب جماعت میں شریک ہونا ان کے لئے جائز نہیں جب رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے اور آپ ﷺ نے ان کو ایک گوشتہ میں علیحدہ بیٹھے ہوئے دیکھا تو آدمی بھیج کر ان کو بلوایا۔ پس وہ لائے گئے اس حال میں کہ ان کے شانوں کا درمیانی گوشت اس خوف ودہشت سے پھڑک رہا تھا کہ شاید ان کے بارہ میں کوئی سزا کا حکم صادر ہوا ہے آپ نے ان سے جماعت میں شریک نہ ہونے کا سبب پوچھا انہوں نے آپ کو پورا قصہ کہہ سنایا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم ایسا کرو کہ (گھر میں نماز پڑھ آؤ) تو لوگوں کے ساتھ جماعت میں شرکت کر لیا کرو (کہ پہلی نماز کو اپنی فرض جانو۔ ایک جماعت نے اس حدیث کی روایت کی ابو حنیفہ سے اور وہ روایت کرتے ہیں ہیثم سے اور ہیثم اس کو مرفوع بیان کرتے ہیں (گویا یوں یہ مرسل ہے جو حنفیہ ؒ کے نزدیک قابل حجت ہے)۔

ف: یہ حدیث اس فقہی مسئلہ کو حل کرتی ہے کہ اگر کوئی گھر میں نماز پڑھ آئے پھر اس کو جماعت ہوتی نظر آئے تو اس کو چاہئے کہ جماعت میں شریک ہو جائے علیحدہ بچ کر نہ بیٹھے اس کی تنہا نماز فرض شمار ہوگی جسطرح حدیث ذیل میں ہے ﴿واجعلا الاولی هی الفرض﴾ اور جماعت کے ساتھ والی نماز نماز نفل جیسا کہ ترمذی ابوداؤد۔ نسائی وغیرہ میں ہے ﴿انما لک نافلة﴾ مگر حنفیہ کے نزدیک اس حکم سے نماز فجر ومغرب وعصر خارج ہیں اور مستثنیٰ کیونکہ فجر وعصر کے بعد نفلیں بروئے حدیث جائز نہیں پھر دار قطنی ابن عمرؓ سے صحیح طریق سے یہ ہی حدیث ان الفاظ سے لائے ہیں ﴿اذا صلیت فی اهلک ثم ادرکت الصلوة فصلها الا الفجر والمغرب﴾ کہ جب تو اپنے گھر والوں میں نماز پڑھ لے پھر جماعت ہوتی ہوئی پالے تو اس میں شریک ہو جا مگر فجر ومغرب میں نہ شریک ہو۔ خود حدیث میں استثنا موجود ہے اور مغرب کے بعد گو نفلیں جائز ہیں مگر تین نفلوں کا ثبوت نہیں اس لئے یہ ہر سہ اوقات کی نمازیں اس حکم سے خارج ہیں۔

(٦٠) باب الغسل یوم الجمعة

ابو حنيفة عن يحيى عن عمرة عن عائشة قالت كانو يروحون الى الجمعة وقد عرقوا وتلطخوا بالطين فقيل لهم من راح الى الجمعة فليغتسل. وفي

روایة کان الناس عمار ارضهم وکانوا یروحون یخالطهم العرق والتراب فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا حضر ثم الجمعة فاغتسلوا.

باب۔ جمعہ کے دن غسل کرنے کا بیان

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ لوگ جمعہ کی نماز میں شریک ہونے کے لئے آتے تھے اور وہ پسینہ میں شرابور، مٹی میں لتھڑے ہوئے ہوتے۔ لہٰذا ان کو حکم ہوا کہ جو جمعہ کی نماز میں آئے اس کو چاہئے کہ غسل کرے۔ ایک روایت میں اس طرح ہے کہ لوگ کاشتکار پیشہ تھے۔ جب نماز کے لئے چلتے تو پسینہ اور مٹی میں لتھڑے ہوئے ہوتے لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم جمعہ کی نماز کے لئے آؤ تو غسل کر کے آؤ۔

ف: یہ حدیث غسل جمعہ کی طرف اشارہ کر کے اس کا ثبوت بہم پہنچاتی ہے کہ جمعہ کا غسل واجب نہیں بلکہ سنت ہے یہ جمہور علماء اور اکثر ائمہ کا مذہب ہے بعض اس کے وجوب کے قائل ہیں قاضی عیاض نے امام مالکؒ کا مذہب بھی یہی بتایا ہے واجب ماننے والوں کی دلیل یا تو ابن عمرؓ کی مرفوع حدیث ہے جو شیخینؒ لائے ہیں ﴿اذااتی احد کم الجمعة فلغتسل ﴾ کہ جب تم میں سے کوئی جمعہ کے لئے آئے تو وہ غسل کرے بظاہر امر سے وجوب کا پتہ چلتا ہے یا حضرت ابی سعید خدریؓ کی مرفوع حدیث جس کو شیخین وغیرہ لائے ہیں کہ ﴿غسل الجمعة واجب علی کل محتلم ﴾ کہ جمعہ کا غسل ہر بالغ پر واجب ہے کہ اس میں صاف واجب کا لفظ ہے۔

جمہور علماء کئی صحیح احادیث سے حجت لاتے ہیں مثلاً ایک تو حدیث ذیل ہی ان کی حجت ہے کہ اس میں غسل کے لئے اس سبب سے حکم ہوا کہ وہ کاشتکاری کے دھندے کی وجہ سے مٹی اور پسینے میں لت پت ہوتے اور اسی حال میں نماز جمعہ میں آموجود ہوتے اور نمازیوں کی ایذاء کا سبب ٹھہرتے کیونکہ بو میں سڑتے ہوتے۔ ادھر تو ان کے کپڑے موٹے، ادھر عرب کی شدت کی گرمی اور دوپہر کا وقت پھر ان کا کسانی کا پیشہ جس میں گرد وغبار سے بچنا غیر ممکن۔ لہٰذا ان حالات کے تحت ان کو غسل کی تاکیدی حکم دیا گیا مگر جب یہ عذارت باقی نہیں رہے تو وہ حکم جو ان عذرات سے وابستہ تھا وہ بھی ختم ہوا دوسری دلیل حضرت عمر و عثمانؓ کا وہ قصہ ہے جو مسلم وغیرہ میں نقل ہے کہ حضرت عثمانؓ نماز جمعہ میں تاخیر سے تشریف لائے حضرت عمرؓ نے عین خطبہ میں باز پرس فرمائی کہ یہ وقت آنے کا ہے؟ حضرت عثمانؓ نے عذر بیان کیا کہ مشغولیت کے باعث اس قدر تاخیر

ہوئی کہ صرف وضو کر سکا ہوں اس پر حضرت عمرؓ نے مزید تعجب کیا کہ اچھا آپ نے غسل کی سنت بھی چھوڑ دی۔ اگر غسل واجب ہوتا تو حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ کو واپس لوٹاتے اور ان کے صرف وضو پر خاموشی اختیار نہ کرتے پھر حاضرین صحابہ اس پر کیوں نہ بولے کہ حضرت انہوں نے واجب کو ترک کیا ہے ان کو غسل کے لئے واپس لوٹایئے آپ خاموش کیسے رہتے ہیں تیسری حجت عائشہؓ کی حدیث ہے جو مسلم میں ہے جس میں لوگوں سے کہا گیا ہے ﴿لو اغتسلتم﴾ کہ کیا اچھا ہوتا تم غسل کرتے یہ الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ غسل واجب نہیں۔ چوتھی حدیث سمرہ بن جندبؓ کی حدیث ہے جس کو ترمذی ابوداؤد وغیرہ لائے ہیں کہ آں حضرت ﷺ نے فرمایا ﴿**من توضأفبها ونعمت ومن اغتسل فالغسل افضل**﴾ کہ جس نے وضو کیا تو اس نے سنت پر عمل کیا اور کیا خوب ہے یہ سنت اور جس نے غسل کیا تو غسل افضل ہے اب ان احادیث کے پیش نظر جن احادیث سے وجوب کا شبہ ہوتا ہے ان کی تاویل کرنی پڑے گی مثلاً ﴿**فليغتسل**﴾ میں امر وجوب کے لئے نہیں بلکہ استحباب کے لئے ہے اور واجب کے معنی حقیقی واجب کے نہیں بلکہ یہ کہ ہر بالغ کو غسل کے لئے تاکیدی حکم دیا گیا ہے پھر اس غسل کے لئے دوسری وہ غیر واجبی چیزیں بھی تو شریک ہیں یعنی مسواک اور خوشبو لگانا۔ جب وہ واجب نہیں تو غسل کیوں واجب ہونے لگا۔

ابو حنيفة والمنصور ومحمد بن بشر كلهم عن نافع عن ابن عمر ان رسول الله صلى الله عليه سلم قال الغسل يوم الجمعة على من اتى الجمعته.

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جمعہ کے دن غسل ہر اس شخص پر ہے جو جمعہ کی نماز میں آئے۔

ف: بظاہر اس حدیث سے بھی وجوب کا پتہ چلتا ہے لہٰذا اس کے معنی یا تو یہ ہوں گے کہ نماز جمعہ میں ہر شریک ہونے والا نہایت تاکیدی صورت میں غسل کیلئے مامور ہے یا پھر یہ حکم حدیث عائشہؓ و ابن عباس سے منسوخ ہے بہر حال ان قابل تاویل الفاظ سے صاف اور کھلی احادیث صحیحہ رد نہیں کی جاسکتیں وہ اپنی جگہ بہر صورت برقرار رہیں گی۔

(۶۱) باب فی الطبة

ابوحنیفة عن عطیة عن ابن عمر قال کان النبی صلی اللہ علیه وسلم اذا صعد المنبر یوم الجمعة جلس قبل الخطبة جلسة خفیفة .

باب۔خطبہ کے بیان میں

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ جمعہ کے روز جب منبر پر چڑھتے تو خطبہ سے پہلے کسی قدر جلسہ فرماتے۔

ف: ابوداؤد میں ﴿حتی یفرغ المؤذن﴾ کا لفظ بھی زائد ہے یعنی جب تک مؤذن اذان سے فارغ ہوتا آں حضرت ﷺ منبر پر بیٹھے رہتے اس مسئلہ پر ہرسہ ائمہ امام ابوحنیفہؒ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ متفق الرائے ہیں اور جمہور علماء کا یہ ہی مسلک ہے نوویؒ سے غلطی سرزد ہوئی کہ اس جلسہ کو مندوب نہ ماننے کی نسبت امام صاحبؒ کی طرف کردی چنانچہ یہ حدیث آپ ہی کے مذہب کی ترجمانی کرتی ہے۔

ابو حنیفة عن حماد عن ابراهیم ان رجلا حد ثه انه مأل عبد اللہ بن مسعود عن خطبة النبی صلی اللہ علیه وسلم یوم الجمعة فقال له اما تقرأ سورة الجمعة قال بلی ولکن لا اعلم قال فقرأ علیه و اذا رأوا تجارة اولهو ن انفضوا الیها وترکوک قائما.

ابراہیم نخعی کہتے ہیں کہ کسی شخص نے (غالباً وہ علقمہ بن قیس تھے جیسا کہ ابن ماجہ سے پتہ چلتا ہے) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے نبی ﷺ کے جمعہ کے خطبہ کی کیفیت دریافت کی (کہ آپ خطبہ بیٹھ کر پڑھتے یا کھڑے ہوکر) عبداللہ بن مسعود نے کہا کہ کیا تم سورت جمعہ نہیں پڑھتے اس نے کہا کیوں نہیں مگر میں واقعہ نہیں جانتا تو حضرت عبداللہ نے یہ آیت تلاوت فرمائی ﴿واذا رأوا تجارة اولهو ن انفضوا الیها وترکوک قائما﴾.

ف: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے آیت سے بہت خوب استدلال فرمایا اور واقعہ زیر بیان سے مسئلہ قیام الخطبہ کا لطیف استنباط کیا۔ مقام استشہاد ﴿ترکوک قائم﴾ ہے یعنی آپ کو کھڑا ہوا چھوڑ گئے۔ واقعہ تو بہرحال خطبہ کا ہے اس سے معلوم ہوا کہ آں جناب ﷺ کھڑے ہوکر خطبہ پڑھ رہے تھے آپ ﷺ نے اور صحابہؓ سے یہ ہی صورت مروی ہے اور اس سلسلہ میں

متعدد صحابہؓ سے روایات وارد ہیں جن میں جابر بن سمرۃ جابر بن عبداللہؓ ابو ہریرہؓ اور ابن عباسؓ بھی ہیں خطبہ کے ذیل میں چند امور کچھ تشریح طلب ہیں اول تو قیام ہی کا مسئلہ ہے کہ خطبہ کھڑے ہو کر پڑھنا محض سنت ہے یا شرط صحت خطبہ امام صاحبؒ اس کو سنت مانتے ہیں یعنی اگر کسی نے بیٹھ کر خطبہ پڑھا تو خطبہ صحیح ہوگا کیونکہ خطبہ کی حقیقت محض ایک وعظ و نصیحت کی سی ہے جو بیٹھ کر بھی کی جاسکتی ہے لیکن چونکہ یہ عمل خلاف سنت رسول اللہ ﷺ اور صحابہؓ ہے اس لئے یہ عمل مکروہ ہوا البتہ افضل صورت خطبہ میں قیام ہی ہے کہ خطیب کی آواز دور دور تک پہنچ سکے۔امام شافعیؒ اس کو خطبہ کی شرط قرار دیتے ہیں کہ اگر بیٹھ کر خطبہ پڑھا تو گویا خطبہ ہوا ہی نہیں۔ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ وصحابہؓ سے ایسا ہی ثابت ہے اس کے خلاف ثابت نہیں امام مالکؒ بھی ایک روایت میں انہیں کے ساتھ متفق الرائے ہیں اور امام احمد بھی اسی خیال کے پیرو۔امام صاحبؒ کے مذہب پر دلیل کعب بن عجرہ کی حدیث ہے جو مسلم لائے ہیں کہ وہ مسجد میں داخل ہوئے تو انہوں نے عبد الرحمٰن بن ام الحکم کو بیٹھے ہوئے خطبہ پڑھتے دیکھا تو کہا ﴿انظر وا الی ھذا الخبیث یخطب قاعدا﴾۔

﴿واذا رأوا تجارۃ اولھوا لایۃ﴾ نماز فاسد ہونے کی کسی نے تصریح نہیں کی ۔دوسرا امر محتاج بیان قصر خطبہ وطول صلوۃ ہے کہ مسنون یہ ہے کہ خطبہ مختصر ہو اور نماز قدرے لمبی مسلم میں حضرت عمر سے مروی ہے ﴿ان طول صلوۃ الرجل وقصر خطبتہ مئنۃ من فقھہ فاطیلو الصلوۃ واقصروا الخطبۃ فان من البیان لسحرا﴾ کہ انسان کا نماز کو لمبا اور خطبہ کو مختصر کرنا اس کے تفقہ کی نشانی ہے لہٰذا نماز کو دراز کرو اور خطبہ کو مختصر البتہ بعض بیان جادو ہیں مستدرک میں ہے کہ عمار کہتے ہیں کہ آپ ہم کو خطبہ مختصر کرنے کی ہدایت فرمایا کرتے تیسرا امر مستحق بیان خطبہ میں عصا پر ٹیک لگانا ہے یہ بھی حضور اکرم ﷺ سے مروی ہے ابوداؤد میں حکم بن حزن کی حدیث کی ذیل میں مروی ہے کہ ہم جمعہ میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ عصا یا قوس سے سہارا لے کر کھڑے ہوئے تھے۔حضرت براء کہتے ہیں کہ آپ نے عید پر قوس پر سہارا لے کر خطبہ دیا۔

(٦٢) باب مایقرأفی الجمعۃ

ابو حنیفۃ عن احمد بن محمد بن اسمعیل الکوفی عن یعقوب بن یوسف

بن زياد عن ابى جنادة عن ابراهيم عن سعيد بن جبير عن ابن عباس ان النبى صلى الله عليه وسلم كان يقرأفي يوم الجمعة سورة الجمعة والمنافقين .

باب ـ اس بیان میں کہ جمعہ کی نماز میں کیا پڑھا جائے؟

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نماز جمعہ میں سورۃ جمعہ اور سورۃ منافقین پڑھا کرتے تھے۔

ف: یہ آں جناب ﷺ کا عمومی عمل تھا عبید اللہ بن ابی رافع سے روایت ہے کہ مروان نے مکہ جاتے وقت جب حضرت ابو ہریرہؓ کی امامت پر اپنا جانشین مقرر کیا تو انہوں نے نماز جمعہ میں سورہ جمعہ پہلی رکعت میں اور سورہ منافقین دوسری رکعت میں پڑھی اور کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز جمعہ میں یہ ہی ہر دو سورتیں پڑھتے ہوئے دیکھا۔

ابو حنيفة عن ابراهيم عن ابيه عن حبيب بن سالم عن النعمان بن بشير عن النبى صلى لله عليه وسلم انه كان يقرأفي العيدين ويوم الجمعة سبح اسم ربك الاعلى وهل اتاك حديث الغاشية .

حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نماز عیدین و جمعہ میں ﴿سبح اسم ربک الاعلی﴾ اور ﴿هل اتاک حديث الغاشية﴾ پڑھا کرتے۔

ف: بعض روایتوں میں سورہ قاف اور قمر کا ذکر ہے۔ معلوم ہوا کہ آں حضرت ﷺ کا عمل مختلف تھا۔

(٦٣) باب في فضيلة ليلة الجمعة ومن مات فيها

ابو حنيفة عن قيس عن طارق عن ابن مسعود قال قال رسول الله صلى الله عيله وسلم مامن ليلة جمعة الا وينظر الله عزوجل الى خلقه ثلاث مرات يغفر الله لمن لا يشرك به شيئا.

باب ـ شب جمعہ کی فضیلت میں اور اس شخص کی برتری میں جو اس میں مرے!

حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جمعہ کی کوئی رات ایسی نہیں جس میں اللہ عزوجل اپنی مخلوق کی طرف (بنظر رحمت وشفقت) تین مرتبہ نہ دیکھتا

ہو۔ مغفرت فرماتا ہے اس کی جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا (یعنی مؤمنین کی)

ف: ان معاف شدہ گناہوں کے بارہ میں اکثر علماء کا خیال ہے کہ یہ گناہ صغیرہ ہوتے ہیں نہ کبیرہ کہ وہ بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتے۔ بعض ان میں گناہ کبیر کو بھی داخل کرتے ہیں بہر حال وہ گناہ جو حقوق العباد سے تعلق رکھتے ہیں سب کے نزدیک ان سے خارج ہیں کیونکہ ان کی معافی کا دارومدار صاحب حق پر ہے۔

ابوحنیفة عن الهيثم عن الحسن عن ابی هريرة قال قال رسول لله صلی الله عليه وسلم من مات يوم الجمعة وقی عذاب القبر.

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جو شخص جمعہ کے روز مرا وہ عذاب قبر سے محفوظ رہا۔

ف: ترمذیؒ اور بیہقیؒ ابن عمرؓ سے روایت بیان کرتے ہیں اس میں لیلۃ الجمعہ کا بھی اضافہ ہے یعنی یوں ہے کہ جو مسلمان جمعہ کے دن یا شب جمعہ کو مرتا ہے اللہ اس کو فتنہ قبر سے بچا لیتا ہے بعض روایتوں میں اس طرح وارد ہے کہ وہ اللہ سے اس حال میں ملتا ہے کہ اس پر کوئی حساب نہیں ہوتا ہے حکیم ترمذی اس کے راز کا یوں انکشاف کرتے ہیں کہ جمعہ کے دن دوزخ کے دروازے بند ہوتے ہیں اس کی شدت کم ہوتی یہ اس کی بھڑکتی ہوئی شعلہ زن آتش ماند اور ٹھنڈی پڑ جاتی ہے اور بقیہ ایام کا سا جوش چھوڑ چکتی ہے تو ایسے مبارک دن میں جب بندہ دنیا سے رخت سفر باندھتا ہے تو یہ اس کی سعادت و خوش نصیبی کی صاف اور بین دلیل ہوتی ہے کہ وہ ایسے برکت والے دن دنیا سے چل بسا جب کہ مقام عذاب مسدود ہے۔

(۶۴) باب الرخصة للنسآء فی الخروج الی الخير ودعوة المسلمين

ابو حنيفة عن حماد عن ابراهيم عمن سمع ام عطية تقول رخص للنسآء فی الخروج الی العيدين حتی لقد كانت البكران تخرجان فی الثوب الواحد حتی لقد كانت الحائض تخرج فتجلس فی عرض الناس يدعون ولا يصلين.

باب۔ عورتوں کو رخصت دیئے جانے میں کہ وہ مقامات خیر اور مسلمانوں کی دعا میں شریک ہونے کے لئے نکلیں

حضرت ام عطیہ فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ کی طرف سے عورتوں کو اجازت دی گئی کہ وہ نماز عیدین میں شرکت کے لئے نکلیں، یہاں تک کہ دولڑکیاں ایک کپڑے (اوڑھنی) میں لپٹی ہوئی نکلتیں، بلکہ یہاں تک کہ حیض والی عورت بھی نکلتی اور لوگوں سے ہٹ کر ایک کنارہ میں جا بیٹھتی (ایسی عورتیں) دعاء میں شریک ہوتیں اور نماز (بوجہ حیض) نہ پڑھتیں۔

ف: اس حدیث سے ثبوت ملتا ہے کہ آں حضرت کا زمانہ طیبہ میں عورتوں کو مسجدوں اور عید گاہوں میں جا کر نماز میں شریک ہونے کی کھلی اجازت حاصل تھی حتی کہ جوان لڑکیاں اور حیض والی عورتیں بھی پہنچتیں گو نماز میں شرکت نہ کرسکتیں شیخینؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت بیان کی ہے ﴿لا تمنعوا اماء الله مساجد الله﴾ کہ اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مسجدوں سے نہ روکو۔ البتہ خوشبو نہ لگانے کی پابندی ضرور تھی۔ جیسا کہ زینب زوجہ عبداللہ سے مسلم میں مرفوع روایت ہے کہ جب تم میں سے کوئی مسجدوں میں حاضر ہو تو خوشبو نہ لگائے لیکن اس کے ساتھ ساتھ شیخین نے حضرت عائشہؓ کا یہ اثر نقل کیا ہے کہ آپ فرماتی ہیں کہ اگر نبی ﷺ اس وقت کی عورتوں کی موجودہ حالت کو دیکھ پاتے تو البتہ ان کو مسجدوں میں آنے سے روک دیتے یہ ہی وہ نقطہ تحقیق ہے جس کی بناء پر علمائے متاخرین نے عورتوں کو مسجدوں میں آنے سے روکا صیدلانی نے کہا ہے کہ رخصت اس وقت تھی لیکن اب تو عورتوں کا باہر نکلنا مکروہ ہے۔ کیونکہ حالت لوگوں کی دگرگوں ہوگئی۔

•

ابوحنیفة عن عبد الكريم عن ام عطية قالت كان يرخص للنساء في الخروج الى العيدين من الفطر والاضحى. وفي وراية قالت ان كان الطامث لتخرج فتجلس في عرض النساء فتد عوافي العيدين . وفي رواية قالت امر نارسول الله صلى الله عليه وسلم ان نخرج يوم النحرويوم الفطر ذوات الخدور والحيض فاماالحيض فيعتزلن الصلوة ويشهدن الخير ودعوة المسلمين فقالت امراة يارسول الله اذاكانت احدنا ليس لها جلباب قال لتلبسها اختها من جلبابها.

• ام عطیہ کہتی ہیں کہ عورتوں کو عید اور بقرعید کی نمازوں میں شریک ہونے کے لئے نکلنے کے لئے اجازت دیجاتی تھی حتی کہ آں جناب ﷺ کی صاجزادیوں اور ازواج مطہرات کو

بھی اجازت حاصل تھی جیسا کہ ابن ماجہ میں بھی ابن عباسؓ سے روایت ہے۔ایک روایت میں یوں ہے اگر حیض والی ہوتی تو وہ بھی نکلتی اور عورتوں سے ایک طرف جا بیٹھتی اور ہر دو عیدوں کی دعاؤں میں شریک ہوتی (یعنی آمین ہی کہتی)۔ایک اور روایت میں اس طرح ہے کہ ام عطیہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو حکم دیا کہ ہم بقرعید اور عید کے دن پردہ نشین اور حیض والی عورتوں کو باہر عید میں لے جائیں۔البتہ حیض والیاں نماز سے کنارہ کش رہتیں اور مقام عبادت میں حاضر رہتیں اور مسلمانوں کی دعا میں شرکت کرتیں ایک عورت بولی یا رسول اللہ اگر ہم میں سے کسی کے پاس اوڑھنی نہ ہو تو آپ نے فرمایا کہ اس کو اس کی کوئی بہن یا ساتھن اپنی چادر میں شریک کر لے۔

ف: بخاری میں بھی تقریباً اسی مضمون کی حدیث ام عطیہ سے وارد ہے یہ حکم آں حضرت ﷺ کے عہد مبارک کے ساتھ مخصوص ہے جیسا کہ سابق حدیث میں معلوم ہوا۔

(۶۵) باب عدم الصلوة قبل العيد وبعدها

ابو حنيفة عن عدى عن سعيد بن جبير عن ابن عباسؓ ان النبى صلى الله عليه وسلم خرج يوم العيد الى المصلى فلم يصل قبل الصلوة ولا بعد ها شيا .

باب۔اس بیان میں کہ نماز نہ عید سے پہلے ہے نہ اس کے بعد

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ عید کے دن عید گاہ میں تشریف لے گئے نہ آپ ﷺ نے نماز عید سے پہلے کوئی نماز ادا فرمائی اور نہ اس کے بعد۔

ف: یہ حکم عید گاہ کے ساتھ مخصوص ہے کہ عید گاہ میں آں جناب ﷺ نے نہ نماز عید سے پہلے کوئی نماز پڑھی نہ بعد میں کتب صحاح میں اس طرح کی روایات اور بھی وارد ہیں۔بعض روایات میں اس طرح وارد ہے ﴿اذا رجع الى منزله صلى ركعتين﴾ کہ آپ جب کاشانہ نبوت میں واپس لوٹتے تو دو رکعات ادا کرتے۔چنانچہ ابن ماجہ حضرت ابی سعید خدری سے انہیں الفاظ کی حدیث لائے ہیں گویا اب مسئلہ کی پوری حقیقت یہ سامنے آئی کہ احادیث کے پیش نظر نماز عید سے پہلے نہ گھر پر نماز پڑھنا جائز ہے اور نہ عید گاہ میں اور بعد میں گھر پر دو رکعات ادا کر سکتے ہیں عید گاہ میں نہیں۔اگر کسی نے نماز عید سے پہلے یا بعد میں عید گاہ میں نفل ادا کیئے تو اس کا یہ عمل

اگر مکروہ تحریمی نہیں تو مکروہ تنزیہی ضرور قرار پائے گا۔ کیونکہ وہ خلاف اولیٰ عمل کا مرتکب ہوا جو کراہت تنزیہی کو مستلزم ہے اگر اس میں کراہت نہ ہوتی تو آں جناب ﷺ نماز کی شدید حرص رکھتے ہوئے نماز کو کس طرح ترک فرماتے حنفیہؒ کا یہی مسلک ہے اور شافعیؒ وغیرہ بھی اسی خیال کے حامی ہیں بعض نے حنفیہ کو صرف مکروہ جاننے پر اعتراضات کا نشانہ بنایا ہے یہ سراسر ان کی ناانصافی ہے اور ان کی جہالت کی نشانی۔

باب تقصير الصلوة فى السفر

ابو حنيفة عن محمد بن المنكدر عن انس بن مالك قال صلينا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم الظهر اربعا والعصر بذى الحليفة ركعتين .

باب۔ سفر میں نماز کو مختصر کرنے کے بیان میں

حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مدینہ میں ظہر کی چار رکعتیں اور ذی الحلیفہ میں عصر کی دو رکعتیں پڑھیں۔

ف: حضرت انسؓ ہی سے یہ حدیث ترمذی لائے ہیں جس کو انہوں نے حدیث صحیح کہا ہے یہ حدیث سفر میں قصر فی الصلوٰۃ کی دلیل ہے یہ مسئلہ بسط و تفصیل کے ساتھ اگلی حدیث میں آ رہا ہے۔

ابو حنيفة عن حماد عن ابراهيم عن علقمة عن عبد الله بن مسعود قال كان رسول الله صلى الله عله وسلم يصلى فى السفر ركعتين وابو بكر وعمر لايذيد ون عليه .

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سفر میں دو رکعتیں پڑھتے اور ابوبکرؓ و عمر بھی اس پر زیادتی نہ کرتے۔

ف: صورت مسئلہ کی یہ ہے کہ مسافر بحالت سفر چار رکعت والی نمازوں کو قصر سے پڑھے یعنی دو دو رکعت' اختلاف اس میں یہ ہے کہ کیا اس کو چار رکعت بھی پڑھنے کا حق حاصل ہے؟ اور اگر چار رکعت پڑھ لیں تو شریعت میں اس کا یہ عمل کیسا شمار ہوگا امام شافعیؒ کے نزدیک اس کو اختیار ہے چاہے پوری پڑھے چاہے قصر کرے۔ ایک روایت میں امام مالکؒ اور احمدؒ بھی ان کے ہم خیال ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس کو پوری نماز پڑھنے کا کوئی حق نہیں۔ قصر کے سوا اس کے

لئے کوئی صورت جائز نہیں ۔اگر اس نے پوری نماز پڑھی تو گنہگار ہوا اور اس کا یہ فعل مکروہ تحریمی قرار پایا۔امام شافعیؒ قرآن کی اس آیت سے دلیل لاتے ہیں فلیس علیکم جناب ان تقصر وامن الصلوٰۃ یعنی تم پر کوئی گناہ نہیں کہ قصر کرو نماز میں اس کے الفاظ صاف رخصت واختیار کی طرف اشارہ کرتے ہیں یعنی مسافر پر سے پابندی اٹھادی گئی خواہ قصر سے پڑھے خواہ پوری حدیث میں وہ علی ابن ربیعہ کی حدیث کو سامنے رکھتے ہیں کہ انہوں نے عمرؓ سے کہا کہ اب تو دشمن کا خوف بھی نہیں ۔تو اب ہم کیوں قصر کریں۔کیونکہ فرمایا﴿ان خفتم ﴾آپ نے کہا کہ یہ ہی اشکال مجھے بھی درپیش تھا کہ میں نے آں جناب ﷺ سے اسکو حل کیا ارشاد فرمایا کہ یہ ایک قسم کا صدقہ ہے جو اللہ کی طرف سے تم کو دیا گیا ہے تو اس کو قبول کرو۔پھر وہ اس کو روزہ پر قیاس کرتے ہیں جس طرح اس میں مسافر مختار ہے خواہ روزہ رکھے یا افطار یہ ہی حال اس میں رہے گا اسی سلسلہ میں ان کو دو روایات سے اور تقویت ملی ایک حضرت عثمانؓ کی حدیث کہ انہوں نے منیٰ میں مسافر ہوتے ہوئے چار رکعت پڑھیں یعنی پوری نماز دوسری حدیث حضرت عائشہؓ کے بارہ میں کہ آپ نے بھی نماز بحالت سفر پوری پڑھی یہ ہے مذہب شافعیہ کا خلاصہ اور اس کے استدلال کا لب لباب۔

امام صاحبؒ کے مذہب پر مختلف احادیث صحیحہ سے دلیل لائی جاتی ہے اول یہ ہی حضرت انسؓ کی حدیث جو ابھی محمد بن المنکدر کے واسطہ سے گذری کہ آپ نے ذی الحلیفہ میں قصر فرمایا جس کو ترمذیؒ نے حدیث صحیح کہا ہے دوسری حدیث عبداللہ بن مسعود کی جو اس معاملہ میں فیصلہ کن ہے اور جو اس حدیث کے متصل ہی امام صاحبؒ سے مروی ہے اور جو دیگر کتب صحاح میں بھی وارد ہے کہ جب آپ سے کہا گیا کہ حضرت عثمانؓ نے منیٰ میں چار رکعت ادا کیں تو آپ نے انا اللہ پڑھی اور کہا کہ میں نے آں حضرت ﷺ کے ساتھ دو رکعت پڑھیں اور ابو بکرؓ و عمرؓ کے ساتھ دو رکعت پڑھیں غرض آپ نے سخت تعجب کا اظہار کیا۔حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حیثیت اور مقام علمی آپ پہچان ہی چکے ہیں جب وہ کسی امر کو اچنبھے کی بات سمجھیں تو سمجھ لیجئے کہ اس کی شریعت میں کیا حقیقت ہوگی پھر جب کہ وہ آں حضرت ﷺ اور شیخین کا عمل بھی پیش کر رہے ہیں ۔تیسری حجت مذہب حنفیہ کی حضرت عبداللہؓ کی حدیث ہے جو بخاری لائے ہیں جس میں ہر سہ بزرگوں کا عمل پیش کر کے کہ میں نے ان کے ساتھ منیٰ میں نماز پڑھی انہوں نے دو دو رکعت ادا کیں فرماتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے ابتدائے خلافت میں قصر کیا پھر پوری پڑھی۔چوتھی حجت

ترمذی کی حدیث جو وہ عمران بن حصین سے نقل کرتے ہیں جس کو انہوں نے صحیح کہا ہے اور جس کا مضمون یہ ہے کہ ان سے صلوٰۃ مسافر کے بارہ میں پوچھا گیا تو کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حج کیا آپ ﷺ نے دو رکعتیں پڑھیں ابوبکرؓ کے ساتھ حج کیا انہوں نے دو رکعتیں ادا کیں عمرؓ کے ساتھ حج کیا انہوں نے بھی دو رکعتیں پڑھیں اور چھ یا آٹھ برس عثمانؓ کے ساتھ حج کیا انہوں نے بھی دو ہی پڑھیں پانچویں دلیل ابن ماجہ کی حدیث ہے جو وہ ابن عمرؓ سے مرفوع لائے ہیں اس مضمون کی کہ آں حضرت ﷺ جب مدینہ سے باہر نکلتے تو پھر واپسی تک دو ہی رکعتیں ادا فرماتے رہتے ۔لہٰذا یہ احادیث صحیحہ اس عمل پر آں حضرت ﷺ شیخینؓ کی طرف سے مواظبت وہمیشگی کا ثبوت دیتی ہیں جس سے کسی کو مجال انکار نہیں اور اس کا ثبوت بھی بہم پہنچتا ہے کہ سفر میں دو رکعت کی سنت سنت موکدہ ضرور ہے جب اس کو شریعت میں سنت موکدہ کا درجہ حاصل ہوا تو اب اس پر زیادتی کب روا ہوگی اور اس پر زیادتی ایسی ہوگئی جیسے کوئی جمعہ وعیدین میں بجائے دو کے چار رکعت پڑھ لے ۔چنانچہ نسائی ۔ابن ماجہ ۔ابن ابی لیلیٰ کے واسطہ سے حضرت عمرؓ سے روایت لاتے ہیں کہ صلوٰۃ السفر صلاۃ الاضحیٰ صلاۃ الفطر اور صلوٰۃ الجمعہ یہ سب کی سب دو دو رکعت ہیں گویا یہ سب ایک ہی حکم میں شمار ہیں اور حضرت ابن عباسؓ سے صحیح طریق سے مروی ہے ﴿من صلی فی السفر اربعا کمن صلی فی الحضر رکعتین﴾ کہ جس نے سفر میں چار رکعت پڑھیں گویا اس نے حضر میں (بجائے چار کے) دو رکعت پڑھیں گویا ہر دو جگہ حد شرعی کو توڑنا ہے یہ ہے مذہب حنفیہ کا روایتی پہلو جس پر ان کا مذہب برقرار ہے اب مذہب شافعیہ کو ذرا اور گہرائی سے دیکھئے ان کی بنائے مذہب یا بنائے خیال یہ ہے کہ فرض دراصل چار رکعت ہیں اور سفر میں رعایتاً ان کی تخفیف ہو کر دو رکعت کردی گئی ہیں اور مسافر کو اختیار دے دیا گیا ہے کہ وہ اس رعایت سے فائدہ اٹھائے یا نہ اٹھائے ۔حالانکہ یہ بنائے خیال ہی خلاف روایات صحیحہ اور واقعیت اور حقیقت سے دور ہے ۔کیونکہ معاملہ درحقیقت کچھ اور ہے کہ نماز پہلے دو رکعت کی شکل میں فرض ہوئی تھی پھر حضر میں ان پر دو رکعت کا اضافہ کر کے پوری چار رکعت کردی گئیں اور سفر میں وہ دو کی دو ہی فرض رہیں یہ نہیں کہ فرض چار رکعت تھیں اس میں رعایت دی گئی چنانچہ حضرت عائشہؓ کی حدیث جو بخاری میں ہے وہ اس بارہ میں ناطق فیصلہ کرتی ہے ﴿الصلوۃ اول ما فرضت رکعتان فاقرت صلوۃ السفر رکعتان فافرت صلوۃ السفر واتمت صلوۃ

الحضر ﴾ کہ پہلے دو رکعت فرض ہوئی تھیں ۔ پھر سفر میں دو کی دو ہی برقرار رہیں اور حضر میں پوری چار ہوگئیں ۔نسائی نے صحیح طریق سے عمر بن الخطاب سے روایت کی ہے ﴿صلوۃ السفر رکعتان تمام غیر قصر علی لسان بنیکم صلی اللہ علیہ وسلم ﴾ کہ سفر کی نماز میں دو رکعت ہیں ۔ پوری قصر شدہ نہیں تمہارے نبی ﷺ کی زبانی مسلم میں ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ تمہارے نبی ﷺ کی زبانی اللہ نے حضر میں چار رکعت فرض کیں اور سفر میں دو اور خوف میں ایک لہٰذا مذہب شافعیہ کی بنائے خیال ہی استوار نہیں تو اب مذہب میں استواری کیسی ۔

رہا یہ امر کہ حضرت عثمانؓ نے منیٰ میں چار رکعت کیوں پڑھیں اور حضرت عائشہؓ نے سفر میں پوری نماز کیوں ادا فرمائی اس کا بھی جواب سنیئے کہ حضرت عثمانؓ بعد حج کے اقامت کا ارادہ کر چکے تھے جیسا کہ عبدالرزاق بیان کرتے ہیں گویا اس اقامت کو آپ نے توطن کا درجہ دیا اور توطن سے انسان لامحالہ قصر کو ترک کر کے پوری نماز ادا کرتا ہے چنانچہ امام احمد نے یہ ہی قصہ نقل کیا ہے کہ جب لوگوں نے آپ کے اس عمل پر استعجاب ظاہر کیا تو آپ نے یہ ہی عذر ظاہر فرمایا اور فرمایا کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے ﴿من تاھل فی بلد فلیصل صلوۃ المقیم ﴾ کہ جب کوئی کسی شہر میں رہ پڑے اور مع اہل وعیال زندگی اختیار کرلے تو پھر وہ مقیم کی سی نماز پڑھے ۔تو اب تو صورت ہی دوسری ہوئی اب آپ مسافر کب رہے یا ممکن ہے آپ اتمام وقصر ہر دو کے جواز کے قائل رہے ہوں جیسا کہ غالباً عائشہؓ کا خیال تھا زہری کہتے ہیں کہ میں نے عروہ سے پوچھا کہ عائشہؓ کیوں سفر میں پوری نماز پڑھتی ہیں عروہ نے کہا کہ انہوں نے وہ ہی تاویل کرلی جو حضرت عثمانؓ نے کی ہم کہتے ہیں کہ جب آں حضرت ﷺ اور شیخینؓ سے اس قصر پر مواظبت ثابت ہوئی تو یہ ہی عمل بنائے مذہب ٹھہریگا ۔ پھر جانے دیجئے سب ادلہ کو بھول جایئے تمام حجتوں کو ہم ایک بات پر ان سے فیصلہ کرنا چاہتے ہیں کہ آں حضرت ﷺ سے اس سلسلہ میں کوئی بھی حدیث صحیح حسن ضعیف کیسی بھی پیش کردیں کہ آپ نے بھی کبھی سفر میں پوری نماز پڑھی ہوتم ہم سمجھ لیں گے کہ اس مذہب کی کوئی حقیقت اور اس خیال کا کچھ تک ہے جبکہ آں حضرت ﷺ کو نماز کی حرص تھی اور آپ کی آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں تھی تو کبھی تو پڑھی ہوتی جب آپ ﷺ سے کسی طرح کا ثبوت سوائے قصر کے اس بارہ میں نہیں تو لامحالہ انصاف کو بد نظر رکھتے ہوئے ماننا پڑے گا کہ سفر میں پوری نماز پڑھنا کراہت سے کسی طرح خالی نہیں یہ ہی مذہب

احناف کا ہے۔

اب آیئے قیاس کی طرف اور ذرا عقل ودرایت کے میدان میں قدم رکھئے اور جانچئے کہ مذہب شافعیہ کے قیاس میں استوار کس قدر ہے ان سے کوئی یہ پوچھے کہ حضرت یہ دو رکعت جو آپ نے سفر میں مزید پڑھوائیں یہ کیا فرض رکعت ہیں۔ اگر فرض ہی ہیں جیسا کہ آپ کا خیال ہے تو ان کی ادائیگی واجب کیوں نہ ہوئی اختیار پر اس کی بناء کیوں ٹھہری؟ اسی طرح ہر فرض کی قضا ہوتی ہے ان کی قضا کیوں نہیں؟ اور ہر فرض کا ترک گناہ کا سبب ہے' ان کا ترک باعث گناہ کیوں نہیں؟ یہ کیسا فرض ہے کہ فرض کی کوئی علامت نہیں بلکہ یہ علامات آپ کے مطلب کے خلاف نفلوں کی رکھتا ہے۔ یہیں سے روزہ پر قیاس کرنے کی جڑ کٹ گئی کہ روزہ میں گو اختیار ہے مگر اس میں قضا ہے یہاں وہ بھی نہیں جب یہ صورت حال ہے تو اضافہ شدہ رکعات کو فرض کیسے مان لیں یوں ان کے قیاس کی پول بھی کھلی۔ اب صرف آیت رہ گئی جس میں لفظ جناح سے اشتباہ ہوتا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ قصر کرنے یا نہ کرنے میں تم کو اختیار یا رخصت ہے بلکہ یہ لفظ دراصل اس لئے بڑھایا کہ یہ وہم نہ پیدا ہو کہ نماز حضر میں کچھ نقصان ہو گیا کہ چار کی دو رہ گئیں بلکہ یہ علیحدہ فرض ہیں اور پوری یہ نماز حضر کی ادھوری شکل نہیں کہ تم کو نقصان کا شبہ ہو۔ اور تم اس کو گناہ جانو۔

ابو حنيفة عن حماد عن ابراهيم عن علقمة عن عبد الله انه اتى فقيل صلى عثمان بمنى اربعا فقال انا لله وانا اليه راجعون صليت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم ركعتين ومع ابى بكر ركعتين ومع عمر ركعتين ثم حضر الصلوة مع عثمان فصلى معه اربع ركعات فقيل له استر جعت وقلت ما قلت ثم صليت اربعا قال الخلافة ثم قال وكان اول من اتمها اربعا بمنى.

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بارہ میں روایت ہے کہ آپ کے پاس کوئی آیا اور کہا کہ عثمانؓ نے منیٰ میں چار رکعت پڑھیں آپ نے کہا﴿ انا للہ وانا الیہ راجعون ﴾ پھر کہا میں نے پڑھیں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دو رکعتیں اور ابوبکرؓ کے ساتھ دو رکعتیں اور عمرؓ کے ساتھ دو رکعتیں۔ پھر حضرت عبداللہ حضرت عثمان کے ساتھ نماز میں شریک ہوئے تو ان کے پیچھے چار رکعت پڑھیں اس پر ان سے (حضرت عبداللہ سے) کہا گیا کہ آپ نے ﴿انا للہ﴾ پڑھی اور کہا جو کچھ کہ کہا پھر آپ نے (خود ہی چار رکعت پڑھیں آپ نے

جواب دیا کہ یہ خلافت کا پاس ادب ہے پھر آپ نے کہا کہ عثمانؓ سب سے پہلے وہ شخص ہیں جس نے منیٰ میں چار رکعت پڑھیں۔

ف: مسئلہ کی تشریح سابق حدیث میں گذری۔

(٦٧) باب الصلوة على الراحلة

ابو حنيفة عن حماد عن مجاهد انه صحب عبد الله بن عمر من مكة الى المدينة فصلى ابن عمر على راحلة قبل المدينةيؤمئ ايماء الا المكتوبة والوتر فانه كان ينزل لهما عن دابته قال فسألته عن صلاته على راحلته ووجهه الى المدينة فقال لي كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي على راحلته تطوعا حيث كان وجهه يؤمئ ايماء.

باب۔سواری پر نماز پڑھنے کے بیان میں

مجاہد کہتے ہیں کہ مکہ سے مدینہ لوٹتے وقت میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا رفیق سفر رہا۔پس آپ نے اپنی سواری (اونٹ) پر مدینہ کی طرف رخ کی حالت میں نماز ادا فرمائی (رکوع سجود کے لئے) آپ اشارہ کرتے جاتے تھے مگر فرض اور وتر آپ سواری سے اتر کر پڑھتے تھے مجاہد کہتے ہیں کہ میں نے آپ سے سواری پر نماز پڑھنے کے بارہ میں دریافت کیا جب کہ سواری کا رخ مدینہ کی طرف ہو (گویا قبلہ سے پھرا ہوا ہو) تو آپ نے کہا کہ نبی ﷺ نفل نماز ادا فرمایا کرتے تھے اپنی سواری پر خواہ کدھر بھی رخ ہوتا اور (رکوع سجود کے لئے) اشارہ کرتے۔

ف: اس حدیث کے ذیل میں یہ امر حل طلب ہے اور محتاج بیان کہ سفر میں سواری پر کون کون سی نمازیں ادا کی جاسکتی ہیں اور کون سی نہیں۔امام شافعیؒ وامام احمدؒ کا مسلک ہے کہ نفل اور وتر ہر دو نمازیں سواری پر ادا ہوسکتی ہیں محض فرض زمین پر اتر کر ادا کئے جائیں۔امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ صرف نفل نمازیں سواری پر ادا ہوسکتی ہیں باقی وتر اور فرض زمین ہی پر ادا کئے جاسکتے ہیں گویا اس میں سب کا اتفاق ہے کہ فرض زمین پر ادا کئے جائیں اور اس پر بھی سب متحد الرائے کہ نفلیں سواری پر ادا کی جاسکتی ہیں۔نزاع محض وتروں میں رہ جاتا ہے امام شافعیؒ کے مذہب کی دلیل بخاری کی حدیث ہے جو وہ انہیں عبداللہ بن عمر سے بطریق نافع روایت کرتے ہیں جس کے الفاظ

ہیں ﴿کان ابن عمر یصلی علی راحلته ویوتر علیها ﴾ کہ ابن عمر سواری پر نماز پڑھا کرتے اور اسی پر وتر پڑھ لیا کرتے ﴿ویخبر ان النبی صلی الله علیه وسلم کان یفعله ﴾ اور بیان کرتے کہ نبی ﷺ بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ یا سعید بن لیسار کی روایت حجت ہے جس کو مالک لائے ہیں جس کا مضمون یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں ابن عمر کا رفیق سفر تھا۔ راستہ میں میں پیچھے رہ گیا۔ حضرت ابن عمرؓ نے مجھ سے فرمایا۔ کہاں تھے؟ میں نے کہا وتر ادا کر رہا تھا۔ فرمایا کہ کیا تمہارے لئے اس بارہ میں رسول اللہ ﷺ کا کوئی اچھا طریق نہیں ہے میں نے آں حضرت ﷺ کو دیکھا کہ آپ سواری پر وتر پڑھا کرتے تھے۔ مذہب حنفیہ کا مدار بھی ابن عمر ہی کی حدیث پر ہے جو تین صحیح طرق سے مروی ہے ایک مجاہد کے واسطہ سے جو ذیل میں آپ کے سامنے ہے جو صاف ناطق ہے کہ ابن عمر فرض نماز اور وتر زمین پر ادا فرمایا کرتے دوسرے حصین کے واسطہ سے جو کو امام محمدؒ موطا میں لائے ہیں جس میں ہے ﴿فاذا کانت الفریضة اوالوتر نزل فصلی ﴾ کہ جب فرض یا وتر پڑھنے ہوتے تو زمین پر اترتے اور پڑھتے تیسرے نافع ہی کے طریق سے جو طحاوی لائے ہیں جس کے الفاظ ہیں ﴿کان یصلی علی راحلته ویوتر بالارض ﴾ کہ سواری پر نماز پڑھا کرتے اور وتر زمین پر اب جن احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے سواری پر وتر ادا کئے یا سعید بن یسار کا قصہ کہ ان کو آپ نے اس کے لئے ہدایت کی تو اس کی تاویل کرنی پڑے گی کہ غالباً کسی عذر کے سبب ایسا ہوا ہوگا کہ کیچڑ پانی یا کسی اور خوف سے نہ اتر سکے ہوں گے کیونکہ عذر کی وجہ سے تو فرض بھی سواری پر پڑھے جا سکتے ہیں۔ یا بہت امکان ہے کہ اس وقت تک وتروں کا وجوب جناب کے نزدیک ثابت نہ ہوا ہو اور ان کو وہ اہمیت حاصل نہ رہی ہو جو اب ان کو حاصل ہے کیونکہ یہ معلوم ہو چکا ہے کہ اسلام میں بہت سے احکام میں پہلے بہت کچھ آزادی تھی جو بعد میں قیودات اور سختیوں سے بدلتی گئی۔ گویا ان کا شمار محض سنتوں میں رہا ہو جو سواری پر پڑھے جا سکتے ہیں۔ ورنہ کیسے ممکن ہے کہ حضرت ابن عمرؓ ہی سے سواری پر وتر پڑھنا مروی ہو اور آپ ہی اس کے خلاف کریں یا اس کے خلاف ہدایت کریں۔ اور ﴿نعوذ بالله-اتا مرون الناس بالبر وتنسون انفسکم ﴾ کے مصداق بنیں۔

(۶۸) باب الوتر

ابو حنیفة عن ابی یعفور العبدی عمن حدثه عن ابن عمرؓ قال قال رسول

الله صلى الله عليه وسلم ان الله زاد كم صلوة وهى الوتر وفى رواية ان الله افترض عليكم وزاد كم الوتر.

وفى رواية ان الله زاد كم صلوة الوتر وفى رواية ان الله زاد كم صلوة وفى الوتر فحافظوا عليها.

باب۔وتر کے بیان میں!

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ایک نماز (فرضوں پر) زائد کی۔وہ وتر ہیں۔ایک روایت میں یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرض کی نماز تم پر اور زائد کئے تمہارے لئے وتر۔

ایک اور روایت میں اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زیادہ کی تمہارے لئے نماز اور وہ وتر ہیں ۔پس حفاظت کرو ان کی۔

ف: حدیث ذیل کے تحت میں یہ امر قابل تنقیح ہے کہ امام اعظمؒ سے وتروں کے بارہ میں مختلف روایات وارد ہیں یعنی کہ آپ ان کو واجب مانتے تھے یا فرض یا سنت۔واجب ماننے کی روایات صحت سے اقرب تر ہیں۔وتروں کے وجوب پر کئی احادیث صحیحہ سے دلیل لائی جاتی ہے ان میں سے ایک حدیث ذیل بھی ہے۔یہی حدیث مختلف صحابہؓ سے مروی ہے جن میں خارجہ بن حذافہؓ۔عمرو بن عاصؓ۔عقبہ بن عامرؓ ابن عباسؓ۔ابوبصرۃ الغفاریؓ۔ابوسعید خدریؓ وغیرہ ہیں بعض کو ان میں سے کسی کے سلسلہ سند میں کلام ہوا ہے لیکن بہر حال بعض بعض کے ساتھ مل کر ایک دوسرے کو قوی کر دیتی ہیں۔اول یہی حدیث ذیل اپنے تمام طرق سے جن سے یہ مروی ہے وجوب وتر کا پتہ دیتی ہے مثلاً اس میں زادکم کا لفظ ہے جس سے پرزور اشارہ ہے کہ وتر سنت نہیں بلکہ ان سے بلند درجہ واجب ہیں کیونکہ زیادتی کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی نہ نبی ﷺ کی طرف کہ سنت قرار پاتے فرض اس لئے نہیں ہوئے کہ یہ دلیل قطعی نہیں لامحالہ سنت وفرض کے درمیان واجب ٹھہرے دوسرے زیادتی سے بھی لطیف اشارہ اس طرف ہے۔کیونکہ زیادتی مقرر عدد سے ہوگی جو واجبات کی ہے نہ نفلوں کی کیونکہ ان کی کوئی تعداد یا گنتی متعین ومقرر نہیں کہ ان سے زیادتی کی جائے تیسرے ایک شے پر زیادتی اسی کے جنس سے ہونا قرین قیاس ہے یہاں مزید علیہ جس پر زیادتی ہوئی ہے فرض ہیں تو یہ بھی فرض ہونے چاہئیں مگر چونکہ ان کے ثبوت

میں دلیل قطعی نہیں اس لئے یہ فرض تو نہ ہوئے واجب ضرور ٹھہرے اب دوسرے طرق سے مروی الفاظ پر سرسری نظر ڈالئے دار قطنی میں عمر بن شعیب کے طریق میں ہے کہ ہم کو حکم دیا تو ہم جمع ہوئے حمد وثناء کے بعد یہ ہی الفاظ ادا فرمائے ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ نکلے اس حال میں کہ چہرہ سرخ تھا منبر پر چڑھے اور حمد وثناء کے بعد یہ الفاظ ادا کئے لہٰذا جمع کرنا چہرہ کا سرخ ہونا حمد وثناء کہنا یہ سب ان وتروں کی سنتوں سے زائد اہمیت کو ثابت کرتے ہیں ابو بصرہ کی حدیث میں فصلوھا سے صیغہ امر استعمال کیا ہے عمرو بن شعیب کے طریق میں صاف لفظ امر ہے کہ امرنا کہ ہم کو حکم دیا یہ ساری گفتگو اس حدیث پر تھی۔ اب دوسری احادیث جو اسی سلسلہ میں وارد ہیں وہ اس سے زائد وضاحت کے ساتھ وتروں کے وجوب کو ثابت کرتی ہیں۔ ابو داؤد ابی ایوب انصاریؓ سے حدیث لائے ہیں۔ الوتر حق علی کل مسلم حق کی ادائیگی چونکہ واجب ہے اس لئے اس سے بھی وجوب کا علم ہوا ابن بریدہ سے ابو داؤد یہی روایت لاتے ہیں اس میں اس کی زیادتی ہے۔

کہ جس نے وتر ادا نہیں کئے وہ ہم میں سے نہیں ہے تین مرتبہ یہی فرمایا لہٰذا ایسی سخت وعید اور تین مرتبہ اس کا اعادہ بآواز بلند ان کے وجوب پر دلالت ہے مسلم میں ابی سعید سے ﴿اوتروا﴾ کا لفظ مروی ہے جو وجوب کی طرف مشیر ہے۔ امام مالکؒ روایت کرتے ہیں کہ کسی نے ابن عمرؓ سے پوچھا کہ حضرت وتر کیا واجب ہیں آپ نے فرمایا وتر پڑھے آں حضرت ﷺ اور مسلمانوں نے پھر سائل نے وہی سوال کیا اور آپ نے وہی جواب دیا۔ تین مرتبہ ایسا ہی ہوا۔ اس سے بھی آشکارا ہے کہ وتر واجب ہی ہیں۔ گویا بدیگر الفاظ یوں فرمایا کہ یہ کیسے واجب نہ ہوں جبکہ آں حضرت ﷺ اور مسلمانوں نے ان کو ہمیشہ ادا کیا ہو۔ لہٰذا ان تمام روایات کے الفاظ کوئی صراحۃً کوئی کنایۃً اور اشارۃً وتروں کے وجوب پر واضح اور بین دلائل ہیں جن میں کوئی مجال شک نہیں۔

ابو حنیفة عن ابی اسحاق عن عاصم بن ضمرة قال سألت علیا رضی الله عنه عن الوتر احق هو قال اما کحق الصلوة فلا ولکن سنة رسول الله صلی الله علیه وسلم فلا ینبغی لا حد ان یترکه.

عاصم بن ضمرہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علیؓ سے پوچھا۔ وتر کے بارہ میں کہ کیا وہ حق (واجب یا فرض) ہیں آپ نے فرمایا کہ نماز کی طرح تو حق (فرض) نہیں۔ لیکن وہ رسول

اللہ ﷺ کی سنت ہے نہیں جائز ہے کسی کے لئے کہ اس کو چھوڑے۔

ف: یہ حدیث بھی وتر کی اہمیت کو واضح کرتی ہے کہ گو وہ فرض کی طرح دلیل قطعی سے ثابت نہیں کہ فرض ٹھہریں البتہ ان کا وجوب سنت نبوی سے ثابت ہے اور ان کا ترک ہرگز جائز نہیں۔

ابو حنیفة عن حماد عن ابراهیم عن الاسود عن عائشة قالت کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یوتر بثلث یقرأ فی الاولی سبح اسم ربک الاعلی وفی الثانیة بقل یا ایها الکفرون وفی الثالثة بقل هو الله احد.

وفی روایة کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یقرأ فی الرکعة الاولی من الوتر بام الکتاب وسبح اسم ربک الاعلی وفی الثانیة بام القران وقل یا ایها الکافرون وفی الثالثة بام الکتاب وقل هو الله احد وفی روایة ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کان یوتر بثلث .

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ وتر کی تین رکعت ادا فرمایا کرتے اول رکعت میں ﴿سبح اسم ربک الاعلی﴾ پڑھتے۔ دوسری میں ﴿قل یا ایها الکافرون﴾ اور تیسری میں ﴿قل هو الله احد﴾۔

اور ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ پڑھا کرتے وتر کی پہلی رکعت میں ﴿الحمد﴾ اور ﴿سبح اسم ربک الاعلی﴾ دوسری میں ﴿الحمد﴾ اور ﴿قل یا ایها الکافرون﴾ اور تیسری میں ﴿الحمد﴾ اور ﴿قل هو الله احد﴾ اور ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ وتر کی تین رکعت پڑھتے۔

ف: حدیث ذیل کے تحت تعداد رکعات وتر کا مسئلہ قابل وضاحت معلوم ہوتا ہے یہ مسئلہ بھی ائمہ کرامؒ کے درمیان مختلف فیہ ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وتر کی تین رکعات ہیں امام مالکؒ وشافعیؒ ایک رکعت مانتے ہیں۔ ہر دو ائمہ کی اصل اصول اور فیصلہ کن دلیل ابن عمرؓ کی حدیث ہے جو مختلف طرق سے مروی ہے الفاظ قریب قریب ایک ہیں مثلاً ایک شخص نے نبی ﷺ سے شب کی نماز کے بارہ میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا ﴿مثنی مثنی فاذا خشیت الصبح فصل رکعة توتر لک صلوتک﴾ کہ دو دو رکعت ہیں۔ جب صبح ہونے کا تجھ کو خوف ہو تو ایک رکعت پڑھ یہ تیری نماز کو وتر کر دے گی ایک روایت میں ﴿فاوتر بواحدة﴾ ہے کہ ایک رکعت

ملا کر دوگانہ کو وتر کرلے۔اس کی حقیقت کو ہم آخر بیان میں کھولیں گے۔امام صاحبؒ کے مذہب پر سنگین دلائل ہیں جو سپر د قلم ہیں اول حدیث ذیل ہی کہ فرمایا یوتر بثلث کہ آں حضرت وتر کی تین رکعات پڑھا کرتے پھر رکعت کے لئے علیحدہ قرأت کا اظہار ہوا۔اور بظاہر تیسری رکعت کا وصل ہی ہے بغیر فاصلہ تحریمہ کے دوسری حدیث حضرت عائشہ کی حدیث جو حاکم شرط شیخین پر لائے ہیں ﴿**کان رسول الله صلى الله عليه وسلم يوتر بثلث لايسلم الافى اخر هن**﴾ کہ آں حضرت ﷺ وتر کی تین رکعات ادا فرمایا کرتے اور آخر میں سلام پھیرتے۔یا نسائی کی حدیث کہ عائشہؓ فرماتی ہیں ﴿**كان النبى صلى الله عليه وسلم ياسلم فى ركعتى الــوتر**﴾ کہ نبی ﷺ وتر کی دو رکعت پر سلام نہ پھیرا کرتے۔تیسرے دارقطنی میں ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے **وتـر الـلـيـل ثـلاث كـوتـر النهـار صـلـوة المغرب** کہ شب کے وتر تین رکعت ہیں جس طرح دن کے وتر مغرب کی نماز کی تین رکعت ہیں۔اس میں یہ سقم نکالتے ہیں کہ یہ مرفوع صحیح نہیں۔ثوریؒ وغیرہ اس کو موقوف لائے ہیں کبر مرفوع صحیح نہ سہی موقوف بھی قابل حجت ہے مگر یہ تو دیکھئے کہ کیسی قوی حجت ہے جس میں مثال تک دے دی گئی کہ اب تیسری رکعت کو دوسرے سے جدا کرنے کی کوئی صورت باقی نہ رہی پھر اس کی تقویت یوں ملتی ہے کہ طحاوی ابی خالد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے ابا العالیہ سے وتر کے بارہ میں پوچھا آپ نے کہا کہ اصحاب نبی ﷺ نے ہم کو وتر مغرب کی نماز کی طرح سکھائے یہ شب کے وتر ہیں تو وہ دن کے وتر چوتھے بخاریؒ اپنی صحیح میں قاسم بن محمد سے نقل کرتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے لوگوں کو وتر کی تین رکعت پڑھتے ہوئے پایا۔پانچویں حضرت عمرؓ کا عمل یہ ہی تھا چنانچہ حاکم مستدرک میں حبیب معلم سے روایت کرتے ہیں کہ کسی نے حسن سے کہا کہ ابن عمرؓ وتر کی دو رکعتوں کے بعد سلام پھیرتے ہیں۔حسن بولے کہ عمرؓ ابن عمرؓ سے زیادہ افقہ تھے اور وہ تو دو کے بعد تکبیر کہتے ہوئے اٹھ جاتے چھٹے ابن ابی شیبہ حسن سے روایت لائے ہیں کہ انہوں نے کہا ﴿**اجتمع المسلمون على ان الوترثلث الايسلم الافى اخر منها**﴾ کہ مسلمانوں نے اس پر اتفاق کیا کہ وتر کی تین رکعات ہیں اور نہ سلام پھیرے انسان مگر آخر میں پھر امام محمد موطا میں ابن مسعودؓ سے روایت لائے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ ایک رکعت ہرگز کافی نہیں۔اب آیئے ہر دو ائمہ کرامؒ کی مذکورہ دلیل کی طرف توجہ کریں تو ﴿**تـوتـرلـك صـلـوتـك يـا فـاوتـر**

بـــواحـــدة ﴾ اگر مذہب شافعیہ و مالکیہ کے لئے حجت ہے تو مذہب حنفیہ کی بھی یہی دلیل ہے ۔کیونکہ اس کے یہ معنی کیوں نہ کئے جائیں ۔کہ اس دوگانہ نماز کے ساتھ ایک رکعت ملا کر تین رکعت کے وتر کر لے۔ نہ یہ کہ وتر کو نئی تحریمہ سے علیحدہ ایک رکعت کی شکل میں پڑھ لے ۔یہ ترجمانی حدیث کی نہیں بلکہ اپنے خیال کی ہے ۔پھر ایسے الفاظ جو درمیانی کا احتمال رکھتے ہوں وہ نزاع کب چکا سکتے ہیں خصوصاً جب کہ مخالف کے پاس صاف اور کھلے الفاظ میں صحیح احادیث مرفوعہ وموقوفہ موجود ہوں ۔دوسرے یہ حکم ﴿فاذاخشیت الصبح ﴾ کے پیش نظر صبح کے طلوع ہونے کے خوف کے ساتھ مشروط ہے گویا یہ حکم بغیر وجود اس شرط کے کالعدم ہے اور غیر نافذ اور مزید برآں اخبار صحیحہ کی رو سے بتیراء کی صورت جائز نہیں اور ایک رکعت کو دوگانہ سے بذریعہ نئی تحریمہ جدا کر کے پڑھنا صاف بتیراء کی شکل ہے جو ہر گز جائز نہیں ۔یہ ہیں طرفین کے استدلالی پہلو اور ان کا اجمالی بیان یا خلاصہ۔

ابـو حـنيـفة عـن زبيد بن الحارث اليامى عن ابى عمر عن عبد الرحمن بن ابـزى قـال كـان رسـول الـلـه صلىّ الله عليه وسلم يقرأفي وتره سبح اسم ربک اعلى وقل ياايهاالكافرون فى الثانية وقل هوالله احد فى الثالثة وفى رواية ان الـنـبـى صـلـى الله عليه وسلم كان يقرأفي الوترفي الركعة الاولى سبـح اسـم ربـک الاعـلـى وفـى الـثـانية قـل لـلـذيـن كـفـروايعنـى قل ياايهاالكفرون فهكذافى قراء ة ابن مسعود وفى الثالثة قل هوا الله احد

وفى رواية انه كان يقرأفي الوترفي الركعة الاولى سبح اسم ربک الاعلى وفى الثانية قل يا ايهاالكفرون وفى الثالثة قل هوالله احد .

وفـى رواية كان يوتر بثلث ركعات يقرأ فيها سبح اسم ربک الاعلى وقل ياايها الكافرون وقل هو الله اهد

ابـوحـنيـفة عن ابى سفيان عن ابى نضرة عن ابى سعيد قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا فصل فى الوتر .

ابـو حنيفة عن عبد الله عن ابن عمر قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسـلـم يـقـول الـوتـراول الـلـيـل سـحطة للشيطان و كل السحرو مرضاة

الرحمن .

حضرت عبدالرحمٰن بن ابزیٰ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے وتروں (کی پہلی رکعت) میں ﴿سبح اسم ربک الاعلی ﴾ پڑھا کرتے۔ دوسری میں ﴿قل یا ایھاالکافرون ﴾ اور تیسری میں ﴿قل ھوا اللہ احد﴾۔

اور ایک روایت میں ہے کہ نبی ﷺ وتر کی پہلی رکعت میں ﴿بسبح اسم ربک الاعلی﴾ پڑھتے دوسری میں ﴿قل اللذین کفروا ﴾ یعنی ﴿قل یاایھاالکافرون ﴾ اور یہ ہی روایت ہے ابن مسعودؓ کی اور تیسری میں ﴿قل ھو اللہ احد﴾۔

ایک اور روایت میں اس طرح ہے کہ آپ وتر میں پہلی رکعت میں ﴿سبح اسم ربک الا علیٰ﴾ پڑھتے دوسری میں ﴿قل یاایھا الکافرون ﴾ اور تیسری میں ﴿قل ھو اللہ احد﴾۔

ایک اور روایت میں یہ کہ آپ وتر کی تین رکعات ادا فرماتے تھے پڑھا کرتے ان میں ﴿بسح اسم ربک العلی - قل یا ایھالکافرون اور قل ھوا للہ احد﴾ ۔

حضرت ابوسعید کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ وتر (شفع اور آخری رکعت کے درمیان) میں کوئی فاصلہ (نئی تحریمہ سے) نہیں۔

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ شروع رات کے وتر شیطان کو برافروختہ اور غصہ کرتے ہیں اور (رمضان میں اسحری کھانا خدائے رحمٰن کی رضامندی اور خوشنودی کا سبب ہے۔

ف: اول رات کے وتر شیطان کے غصہ کو یوں ابھارتے ہیں کہ ان سے اس کی امیدوں پر پانی پھرتا ہے اس کے ارادے خاک میں ملتے ہیں اور اس کے سارے منصوبے ہوا ہو جاتے ہیں ۔اگر نمازی سو جاتا اور غلبہ نیند سے وتر قضا ہو جاتے تو خوشی کے تازیانے بجاتا۔ مارے خوشی کے پھولا نہ سماتا کہ وتر جیسی اہم نماز نیند کا شکار ہوگئی۔ مگر شروع رات میں وتر پڑھنے سے اس کی خوشی رفو چکر ہوئی بلکہ خوشی کی جگہ غصہ اور صدمہ نے لے لی۔

سحری کی فضیلت میں دوسری صحیح احادیث بھی وارد ہیں کہ حضرت انسؓ سے روایت ہے ﴿فی اکل السحور برکة ﴾ کہ سحری کے کھانے میں برکت ہے اول تو سنت نبوی ﷺ

طریق مصطفوی ﷺ کی پیروی ومتابعت میں ہی خیر وبرکت ہے دوسرے روزہ دار زیادہ نقاہت وکمزوری وناطاقتی وناتوانی کا شکار نہیں ہوتا۔ چستی وچالاکی سے عبادت الٰہی ویاد خداوندی میں دن کاٹتا ہے۔

ابو حنیفة عن حماد عن ابراهیم عن ابی عبد الله الجدلی عن ابی مسعود الانصاری قال اوتر رسول الله صلی الله علیه وسلم اول اللیل واوسطه واخره لکی یکون واسعا علی المسلمین ای ذلک اخذوابه کان صوابا غیر انه من طمع لقیام اللیل فلیجعل وتره فی اخر اللیل فان ذلک افضل. وفی روایة عن ابی عبد الله اجدلی عن عقبة بن عامر وابی موسی الاشعری انهما قالا کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یوتر احینا اول اللیل واوسطه واخره لیکون سعة للمسلمین.

حضرت ابوسعید انصاری کہتے ہیں کہ وتر پڑھے رسول اللہ ﷺ نے اول شب میں وسط شب میں اور آخر شب میں تاکہ مسلمانوں کو عمل کرنے میں سہولت نصیب ہو۔ اس میں سے جس پر بھی عمل کرلیں وہ ٹھیک ہے۔ البتہ جو بھروسہ رکھتا ہو رات کو (تہجد کے لئے) اٹھنے پر اس کو چاہئے کہ وتر اخیر شب میں پڑھے کیونکہ یہ (اخیر شب میں وتر پڑھنا) ہی افضل ہے۔
ایک اور روایت میں عقبہ بن عامر اور ابی موسیٰ اشعری ہر دو اصحاب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کبھی وتر شروع رات میں ادا فرماتے کبھی وسط شب میں اور کبھی اخیر شب میں تاکہ مسلمانوں کو اس بارہ میں وسعت اور آزادی نصیب ہو (کہ ان ہر سہ اوقات میں سے جس وقت میں چاہیں وتر ادا کرلیں وہ موافق سنت ہوگا)۔

ف: آں حضرت ﷺ نے اپنے عمل سے وتروں کیلئے میدان عمل وسیع فرمادیا کہ رات کے جس حصہ میں بھی ادا کیئے جائیں موافق سنت ہے اور موجب اجر وثواب۔ اب رہ جاتی ہے افضلیت تو وہ آخر شب میں ہی ہے کیونکہ دوسری احادیث صحاح میں اس کی وجہ بیان فرمادی ﴿**فان قرائة القران فی اخر اللیل محضورة وهی فضل**﴾ کہ اخیر شب کی تلاوت میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور اسی لئے وہ افضل ہے۔

(۶۹) باب سجدتی السهو

ابو حنيفة عن حماد عن ابراهيم عن علقمة عن عبد الله ابن مسعودؓ ان رسول الله صلى الله عليه وسلم صلى صلوة اما الظهر واما العصر فزاد اونقص فلما فرغ وسلم فقيل له احدث في الصلوة ام نسيت قال انسى كما تنسون فاذا انسيت فذكروني ثم حول وجهه لى القبلة وسجدسجدتي السهو تشهدفها ثم سلم عن يمينه وعن شماله.

باب۔سجدہ سہو کا بیان

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھائی ظہر یا عصر کی اور اس میں کچھ زیادتی ہوئی یا کچھ کمی جب آپ نماز سے فارغ ہوئے اور سلام پھیرا۔تو آپ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ حضرت نماز میں کوئی نئی بات رونما ہوئی ہے۔یا جناب ﷺ بھول گئے ہیں ارشاد فرمایا کہ میں بھی بھولتا ہوں جس طرح تم بھولتے ہو۔لہٰذا جب بھول جایا کروں تو مجھ کو یاد دلا دیا کرو۔پھر آپ ﷺ نے اپنا چہرہ قبلہ رخ کیا اور دو سجدے سہو کے کیئے اور اس میں تشہد پڑھا پھر دائیں بائیں جانب سلام پھیرا۔

ف: یہ حدیث ایک الجھن پیدا کرتی ہے کہ آں حضرت ﷺ نے کلام فرما کر سجدہ سہو کیسے ادا فرمایا۔کیونکہ کلام منافی نماز ہے اور منافی نماز فعل کے ارتکاب سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اور نماز کا اعادہ لازم ہوتا ہے نہ سجدہ سہو اس کا بہتر اور حقیقت سے قریب تر جواب یہ ہے کہ واقعہ اس وقت کا ہے کہ نماز میں کلام جائز تھا اور نماز کے لئے موجب فساد نہ تھا جس طرح کہ عبداللہ بن مسعودؓ کی ابھی آنے والی حدیث سے پتہ چلتا ہے۔یہ ہی تاویل قرین قیاس ہے اور موافق روایت اور اس سے الجھن مذکور بحسن وخوبی رفع ہو جاتی ہے البتہ امام شافعیؒ نے جو یہاں تاویل بیان فرمائی ہے وہ کسی طرح ٹھیک نہیں بیٹھتی۔کہ یہ کلام آں جناب ﷺ کا سہواً تھا نہ عمداً۔اور سہواً کلام جائز ہے کیونکہ اگر نبی ﷺ کے اس کلام کو سہواً تسلیم کریں تو ذی الیدین یا دوسرے صحابیوں نے جب کلام کیا تو ان کی نمازیں قابل اعادہ ٹھہرتی ہیں حالانکہ آپ نے ان کو اعادہ نماز کا حکم نہیں دیا۔پھر اس پر یہ کہنا کہ بے شک ان کی نمازوں کا اعادہ ہونا چاہئے تھا۔مگر چونکہ مقتدی امام کا تابع ہے اس لئے ان کی نمازوں میں کوئی قباحت لازم نہیں آتی۔جبکہ امام کی نماز قباحت سے پاک ہے پہلی بات سے بھی زائد رکیک ہے کیونکہ صرف مقتدی کی نماز میں جب فساد ہوتا ہے تو مقتدی کی نماز

فاسد ہوتی ہے نہ امام کی۔

باب سجدة التلاوة

ابو حنیفة عن سماک عن عیاض الاشعری عن ابی موسیٰ الاشعری ان النبی صلی الله علیه وسلم سجد فی صٓ.

باب۔ سجدہ تلاوت کا بیان

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ صٓ میں سجدہ کیا۔

ف: آں حضرت ﷺ کا یہ سجدہ حضرت داؤد علیہ اسلام کی متابعت واقتداء میں تھا۔ اس کو امام ابوحنیفہؒ اور امام امالکؒ آیات سجدہ میں سے مانتے ہیں' نہ شافعیؒ انکے مذہب کی تائید یا تو ابن عباسؓ کی اس حدیث سے نکلتی ہے جو بخاری لائے ہیں کہ کہا سجدہ صٓ عزائم میں سے نہیں ہے۔ یا ابی سعید کی حدیث جس کی روایت۔ ابوداؤد نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ پڑھتے وقت سورۂ ص پڑھی تو آپ ﷺ نے بھی سجدہ ادا فرمایا اور صحابہؓ نے بھی۔ پھر پڑھی تو صحابہؓ نے سجدہ کی تیاری کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ تو نبی کی توبہ ہے حالانکہ ہر دو احادیث کے ان الفاظ سے ان کے مذہب کی وضاحت نہیں ہوتی غزائم میں سے نہ ہونے کے یہ معنی ہیں کہ فرائض میں سے نہیں بلکہ واجبات میں سے ہے جو شکر کے طور پر داؤد علیہ السلام کی اقتداء میں واجب ہوا اور دوسری حدیث میں جو سجدہ کی وجہ بیان فرمائی کہ یہ تو نبی کی توبہ ہے تو یہ بھی اس کے وجوب کو باطل نہیں کرتی۔ کیونکہ تمام فرائض وواجبات اللہ تعالیٰ کی بیش از بیش نعمتوں کے شکر میں تو فرض یا واجب ہوئے ہیں۔ لہٰذا یہ بھی ان میں سے ایک ہے امام صاحبؒ کے مذہب کی حجت امام احمدؒ کی حدیث سے نکلتی ہے جو وہ بکر بن عبداللہ المزنی کے واسطہ سے ابوسعید خدریؓ سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ سورۂ ص لکھ رہا ہوں۔ جب آیت سجدہ پر پہنچا کیا دیکھتا ہوں کہ دوات' قلم یا جو کچھ موجود تھا سربسجود ہو گئے کہتے ہیں کہ یہ قصہ میں نے آں حضرت ﷺ سے بیان کیا اس کے بعد آپ سجدہ کرتے رہے۔ اس سے صاف پتہ چلا کہ اس واقعہ کے بعد سجدہ کا عمل جاری رہا اور اس پر مواظبت رہی اگر اختیار تھا تو اس قصہ سے پہلے ہوگا نہ اس کے بعد۔

(۱۷) باب منع الکلام فی الصلوة

ابـو حنيفة عن حماد عن ابراهيم عن ابى وائل عن عبد الله بن مسعود ؓ انه لـمـا قـدم من ارض الـحبشة سـلـم على رسول الله صلى الله عليه وسلم وهـو يـصـلـى فلم يرد عليه السلام فلما انصرف رسول الله صلى الله عليه وسـلـم قال ابن مسعود اعوذ بالله من سخط نعمة الله قال النبى صلى الله عـليه وسلم وما ذاک قال سلمت عليک فلم ترد على قال ان فى الصلوة لشغلا قال فلم نرد السلام على احد من يومئذ .

باب۔نماز میں بات چیت کی ممانعت

حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے کہ جب یہ حبشہ سے آئے تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو سلام کیا۔جب کہ آپ نماز میں مشغول تھے۔آں جناب ﷺ نے سلام کا جواب نہیں دیا جب آں حضرت ﷺ نماز سے فارغ ہوئے حضرت ابن مسعود ؓ نے کہا پناہ مانگتا ہوں میں اللہ اوراس کی نعمت (نبی ﷺ) کے غصہ سے نبی ﷺ نے فرمایا کہ پناہ مانگنے کا کیا سبب ہے انہوں نے کہا کہ میں نے آپ کو سلام کیا اور آپ نے جواب نہیں دیا۔آپ نے فرمایا کہ نماز میں توجہ الی اللہ ہے اور مشغولیت ہے (اس میں دوسرے کام کی مہلت کہاں) حضرت ابن مسعود ؓ کہتے ہیں پھر اس دن کے بعد ہم اصحاب کسی کے سلام کا جواب نہ دیتے۔

ف: یہ حدیث اس تاریخی واقعہ کو واضح کرتی ہے کہ ابتدائے اسلام میں نماز میں بات چیت اور جواب سلام جائز تھا جیسے جیسے اسلام ترقی کرتا گیا قیودات و بندشیں بڑھتی گئیں۔چنانچہ شیخین نے زید بن ارقم ؓ سے روایت نقل کی ہے کہ پہلے ہم نماز میں اپنے ساتھی سے بات چیت کرلیا کرتے تھے یہاں تک کہ ﴿قوموا الله قانتين﴾ کی آیت اتری تو ہم کو سکوت کا حکم ملا اور ہم بات کرنے سے روکے گئے۔لہٰذا ابن مسعود ؓ حبشہ جانے سے پہلے یہ آزادی کا زمانہ دیکھ چکے تھے کہ بات چیت اور سلام کلام کی آزادی و پروانگی حاصل تھی جب وہاں سے آئے تو وہی خیال دل میں لے کر آئے حالانکہ اس بیچ میں آزادی سلب ہو چکی تھی۔بارگاہ الٰہی سے ﴿قوموا الله قانتين﴾ کا فرمان شرف صدور پا چکا تھا چنانچہ نبی ﷺ کی طرف سے جب سلام کا جواب نہ ملا تو لرز اٹھے کانپ گئے اور سمجھے کہ مزاج اقدس میں ان کی طرف سے کچھ تکدر پیدا ہو گیا ہے پھر خود استفسار فرمایا

اور معاملہ کی وضاحت فرمائی کہ نماز تو سراسر مشغولیت اور مصروفیت ہے اس میں کلام وسلام کی کہاں گنجائش اور مولیٰ سے مناجات کیوقت بندوں سے بات چیت کا کیا موقع تو اب جان میں جان آئی طبیعت کو قرار وسکون ہوا۔ اور یہ ممنوع شدہ کلام سہو وعمدہ ہر دو کو شامل ہے۔

ابو حنیفة عن حماد عن ابراهیم عن الاسود عن عائشة قالت کان النبی صلی الله علیه وسلم یصلی منْ اللیل وانانائمة الی جنبه وجانب الثوب واقع علی .

حضرت عائشہ ؓ کہتی ہیں کہ نبی ﷺ شب کو نماز ادا فرماتے اور میں سوئی ہوئی ہوتی آپ کے پہلو میں اور کپڑے کا ایک حصہ مجھ پر پڑا ہوتا۔

ف: یہ حدیث صحیحین میں یوں ہے کہ نبی ﷺ شب کو نماز ادا فرماتے اور میں آپ ﷺ کے اور قبلہ کی بیچ میں جنازہ کی طرح لیٹی ہوئی ہوتی اس سے پتہ چلتا ہے کہ عائشہ ؓ آں حضرت ﷺ کے بالکل سامنے لیٹی ہوئی ہوتیں۔ اور حدیث ذیل میں پہلو کا ذکر ہے لہٰذا یا تو پہلو کے معنی سامنے ہی کے کر لیئے جائیں کہ تمام روایات متفق المعنی ہوں یا اس کو اپنے حقیقی معنی پر رکھا جائے کہ عائشہ ؓ آں جناب ﷺ کے دائیں یا بائیں جانب لیٹی ہوئی ہوتیں مسئلہ کی رو سے جو تشریح حدیث کی ہونی چاہئے وہ آئیندہ سے پیوستہ حدیث میں آرہی ہے۔

(۷۲) باب التسبیح للرجال والتصفیق للنسآء

ابوحنیفة عن نافع عن ابن عمر ان رسول الله صلی الله علیه وسلم سن فی الصلوة اذانا بهم فیه شیء التسبیح للرجال والتصفیق للنساء .

باب۔ نماز میں مردوں کو تسبیح کہنا' اور عورتوں کو ہاتھ پر ہاتھ مارنا!

حضرت ابن عمر ؓ کہتے ہیں کہ نماز میں یہ طریقہ بتایا گیا کہ جب ان کو (مقتدیوں کو) نماز میں کوئی اچانک بات پیش آئے (جس پر امام کو متنبہ کرنا ہو) تو مردوں کے لئے سبحان اللہ کہنا ہے اور عورتوں کے لئے ہاتھ پر ہاتھ مارنا۔

ف: عورتوں کو سبحان اللہ کہنے سے یوں روکا گیا کہ عورتیں اپنی آواز مردوں کو نہ سنائیں ۔ کیونکہ بعض علماء کے نزدیک عورت کی آواز بھی ستر میں شمار ہے۔

باب مایقطع الصلوة ومالایقطع

ابو حنيفة عن حماد عن ابراهيم عن الاسود بن يزيد انه سأل عائشة عما يقطع الصلوة فقلت يا اهل العراق ترعمون ان الحمار والكلب والسنور يقطعون الصلوة قرنتمونابهم ادرأما استطعت كان النبى صلى الله عليه وسلم يصلى و انا نائمة الى جنبه عليه ثوب جانبه علي .

باب۔کون سی چیز نماز کو توڑتی ہے اور کون سی نہیں!

اسود بن یزید نے حضرت عائشہؓ سے اس چیز کے بارہ میں پوچھا جو (نمازی کے سامنے سے گذر کر) نماز کو توڑ دیتی ہے؟ آپ نے کہا اے اہل عراق تم یہ خیال رکھتے ہو کہ گدھا کتا بلی (نمازی کے سامنے سے گذر کر) نماز کو توڑ دیتے ہیں (گویا) تم نے ہم (عورتوں) کو ان کے ساتھ ملا دیا جہاں تک بس چلے گذرنے والے کو گذرنے سے روکو۔ نبی ﷺ نماز پڑھا کرتے اور میں آپ ﷺ کے پہلو میں سوئے ہوئے ہوتی آپ کے کپڑے کا ایک حصہ مجھ پر پڑا ہوتا۔

ف: صحیح مسلم میں اس مضمون کی حدیث وارد ہے کہ آں حضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ نمازی کے سامنے اگر سترہ نہ ہو تو عورت گدھے اور کالے کتے کا گذرنا اس کی نماز کو توڑ دیتا ہے اس حدیث کے پیش نظر ارباب ظاہر کا یہی مذہب قرار پایا کہ ان چیزوں کا گذرنا نماز کے ٹوٹ جانے کا سبب ہے۔امام ابوحنیفہؒ مالکؒ اور شافعیؒ کا مذہب اس کے خلاف ہے امام احمد عورت اور گدھے میں کوئی قطعی فیصلہ نہیں کرتے اور کتے کو قطع کا سبب مانتے ہیں۔یہ ہے مسئلہ کی نوعیت اور اس میں ائمہ کے اختلاف کی حقیقت اب وجہ استدلال ملاحظہ فرمائیں۔ائمہ ثلاثہ کے سامنے دوسری صحیح احادیث اس کے معارض ہیں جن کی بناء پر وہ قطع کی حدیث کے نسخ کے قائل ہوئے یا اس کی تاویل کے ان میں سے ایک حدیث مذکورہ حدیث عائشہ ہے جو کتب صحاح میں معمولی لفظی اختلافات سے وارد ہے اور جس میں کسی کو کلام نہیں۔یہ عورت کے معاملہ میں عدم قطع نماز کا قطعی فیصلہ صادر کرتی ہے کہ اس کے سامنے رہنے یا گذر جانے سے نمازی کی نماز میں کوئی فرق نہیں آتا خود آں حضرت ﷺ کا عمل اس کی بین دلیل ہے گدھے کے بارہ میں حضرت ابن عباس کی صحیح حدیث ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور آپ نماز پڑھ رہے تھے تو میں نے گدھے کو صف کے سامنے چھوڑ دیا۔اور آپ نے اس کی پروانہ کی۔اب رہا کتے کا مسئلہ تو

حدیث قطع میں کتے کا عطف مراۃ وحمار اُ پر ہے جن کا حکم شرعی معلوم ہوا۔لہٰذا کتے کا عطف ان پر صاف متقاضی ہے کہ یہ بھی قطع کے نیچے آ کر ان ہی ہر دو کے ساتھ شریک حکم ہو۔امام احمدؒ بھی ہر دو احادیث عدم قطع کو مد نظر رکھتے ہوئے عورت وگدھے کے بارہ میں قطع حکم نہ لگا سکے۔البتہ کتے کے متعلق ان کو چونکہ کوئی معارض حدیث نہ ملی اس لئے وہ اس میں بدستور قطع ہی کے قائل رہے علامہ ابن جوزی نے اس حقیقت کو کھولا یہ دیگر ائمہ حدیث قطع میں قطع صلوۃ سے خشوع وخصوع کا چلا جانا مراد لیتے ہیں نہ نماز کا ٹوٹ جانا جیسا کہ ظاہر الفاظ بتاتے ہیں۔

(۷۴) باب صلوة الكسوف

ابو حنيفة عن حماد عن ابراهيم عن علقمة عن عبد الله قال انكسفت الشمس يوم مات ابراهم بن رسول الله صلى الله عليه وسلم فقام رسول الله صلى الله عليه وسلم فخطب فقال ان الشمس والقمر ايتان من ايات الله لاتنكسفان لموت احد ولا لحياته فاذارايتم ذلك فصلوا واحمد والله وكبروه وسبحوه حتى ينجلى ايهماانكسفاثم نزل رسول الله صلى الله عليه وسلم وصلى ركعتين .

باب۔نماز کسوف کا بیان

عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے صاحبزادہ حضرت ابراہیم کے انتقال کے روز سورج گرہن ہوا تو آں جناب ﷺ کھڑے ہوئے اور خطبہ دیا اور فرمایا کہ سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے نشانیاں ہیں۔ان میں کسی کی موت کے سبب یا کسی کی پیدائش کے باعث گرہن نہیں ہوتا لہٰذا جب تم ان کو ایسا (گرہن کی حالت میں) دیکھو تو نماز پڑھو۔اللہ کی حمد کرو۔تکبیر کہو۔اور تسبیح پڑھو یہاں تک کہ ہر دو گہن سے نکل جائیں پھر منبر سے آپ اترے اور دو رکعت (نماز کسوف) ادا فرمائیں۔

ف: یہ حدیث نماز کسوف کی حقیقت کو واضح کرتی ہے اس کی ادائیگی میں ائمہ میں قدرے اختلاف ہے جو کچھ تشریح طلب ہے پیوستہ حدیث کے ذیل میں اس کی تشریح ملاحظہ فرمائیں۔

ابو حنيفة عن عطاء عن ابيه عن ابن عمر قال انكسفت الشمس يوم مات ابراهيم بن رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال الناس انكسفت

الشمس لموت ابراهيم فقام النبی صلی الله علیه وسلم قیاما طویلا حتی ظنوا انه لایر کع ثم رکع فکان رکوعه قد رقیامه ثم رفع رأسه فکان قیامه قدر رکوعه ثم سجد قد رقیامه ثم جلس فکان جلوسه بین السجد تین قدر سجوده ثم سجد قد رجلوسه ثم صلی الرکعة الثانیة ففعل مثل ذلک حتی اذا کانت السجدة منها بکی فاشتدبکاؤه فسمعناه وهو یقول الم تعدنی ان لاتعذ بهم وانا فیهم ثم جلس فتشهد ثم انصرف واقبل علیهم بوجهه ثم قال ان الشمس والقمر ایتان من ایات الله یخوف الله بهما عباده لایکسفان لموت احدو لا لحیاته فاذاکان کذلک فعلیکم بالصلوة ولقد رأیتنی ادنیت من الجنة حتی لوشئت ان اتنا ول غصنا من اغصان شجر ها فعلت ولقد رأیتنی ادنیت من النار حتی جعلت اتقی ولقد رأیت سارق رسول الله صلی الله علیه وسلم وفی روایة سارق بیت رسول الله صلی الله علیه وسلم یعذب بالنار ولقد رأیت فیها عبد بن دعدع سارق الحجاج بمحجنة ولقد رأیت فیها امرأة ادماء حمیر یة تعذب فی هرة لها ربطتها فلم تطعمها ولم تد عها تأکل من خشاش الارض وحشراتها .

وفی روایة نحوه وفیه لقد رأیت عبد بن دعدع سارق الحجاج بحجنة فکان اذا خفی ذهب واذارأه احد قال انما تعلق بمحجنی وفی روایة کان اذا خفی له شیء ذهب به واذا طهر علیه قال انما تعلق بمحجنی .

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صاحبزادہ حضرت ابراہیمؓ کے انتقال کے دن سورج گرہن ہوا۔لوگوں نے کہا کہ حضرت ابراہیم کے انتقال کے باعث سورج گرہن واقع ہوا ہے آں حضرت ﷺ نماز کے لئے کھڑے ہوئے اوراس قدر لمبا قیام فرمایا کہ لوگوں نے خیال کیا کہ آپ رکوع نہیں کریں گے پھر آپ ﷺ نے رکوع کیا تو آپ کا رکوع قیام ہی کے برابر تھا۔پھر رکوع سے سر اٹھایا تو آپ کا قیام رکوع کے برابر تھا پھر سجدہ کیا قیام کے برابر پھر بیٹھے دو سجدوں کے درمیان تو آپ کا بیٹھنا سجود کے مقدار تھا پھر سجدہ کیا بیٹھنے کے مقدار پھر آپ نے دوسری رکعت ادا فرمائی تو ایسا ہی کیا یہاں

تک کہ جب دوسری رکعت کے سجدہ میں گئے تو بہت زیادہ روئے اور ہم نے آپ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ (اے اللہ) کیا تو نے مجھ سے وعدہ نہیں فرمایا کہ تو ان کو عذاب نہیں کرے گا جب کہ میں ان میں ہوں پھر آپ بیٹھے اور تشہد پڑھا۔ پھر نماز سے فارغ ہونے کے بعد ہماری طرف رخ فرما کر ارشاد فرمایا کہ سورج اور چاند گرہن اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں ڈراتا ہے اللہ ان کے ذریعہ اپنے بندوں کو نہ کسی کی موت سے ان میں گرہن واقع ہوتا ہے نہ کسی کی پیدائش سے لہٰذا ایسے موقع پر) نماز کی پابندی کرو اور البتہ میں نے خود کو دیکھا کہ مجھ کو نزدیک کیا گیا جنت سے حتی کہ اگر میں چاہتا تو اس کے درختوں کی کسی شاخ کو بھی لے سکتا تھا۔ اور مجھ کو نزدیک کیا گیا دوزخ سے یہاں تک کہ میں اس کی سوزش سے بچنے لگا۔ اور البتہ میں نے دیکھا رسول اللہ ﷺ کے چور کو اور ایک روایت میں ہے رسول اللہ کے گھر کے چور کو جو دوزخ میں عذاب دیا جاتا تھا۔ اور البتہ دیکھا میں نے اس میں عبد بن ودع حاجیوں کے چور کو (جو چُراتا تھا حاجیوں کے کپڑے وغیرہ) اپنی خمدار لکڑی سے اور البتہ میں نے دوزخ میں دیکھا قبیلہ حمیر کی ایک سانولی رنگت کی عورت کو جو عذاب دی جاری تھی ایک بلی کے سبب جس کو اس نے باندھ رکھا تھا نہ اس کو چھوڑتی تھی کہ وہ زمین کے کیڑے مکوڑے کھالیتی۔

اور ایک روایت میں اسی جیسا ہے اور اس میں ہے البتہ میں نے دیکھا عبد بن ودع کو اپنی خمیدہ لکڑی سے حاجیوں کی چوری کرنے والے کو اگر کسی نے نہیں دیکھا تو لے اڑا اور اگر کسی کی اس پر نظر پڑی تو کہا کہ میری خمدار لکڑی میں یہ الجھ گیا اور ایک اور روایت میں ہے کہ جب کوئی چیز کسی کی نظر سے اوجھل ہوتی لے اڑتا اور جب دیکھ لی جاتی تو کہتا کہ یہ تو میری ٹیڑھی لکڑی میں الجھ کر رہ گئی تھی۔

ف: کیفیت نماز کسوف میں امام شافعیؒ و امام مالکؒ اور امام اعظمؒ کے مابین اختلاف رائے ہے کہ اس کی ہر رکعت میں ایک رکوع ہے یا دو ہر دوائمہ ہر رکعت میں دو رکوع کے قائل ہیں اور امام اعظمؒ دیگر نمازوں کی طرح ایک ہی رکوع مانتے ہیں۔ ہر دوائمہ کی دلیل حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے جو صحاح ستہ میں وارد ہے مگر درحقیقت یہ تعدد رکوع کی حدیث اس قدر مضطرب ہے کہ اس کا یہ شدید اضطراب اس کو نہ قابل احتجاج رکھتا ہے اور نہ قابل عمل بلکہ ایک راوی کی روایت میں بھی

اضطراب ہے مثلاً عائشہؓ سے دو رکوع کی بھی روایت وارد ہے اور تین کی بھی حضرت جابر سے دو رکوع کی بھی روایت ثابت ہے اور تین کی بھی حضرت ابن عباسؓ سے چار رکوع کی روایت ہے اور حضرت ابی سے پانچ کی لہٰذا حنفیہ نے مجبور ہو کر آں حضرت ﷺ کی قولی و فعلی ان روایات کی طرف رجوع کیا جو موافق قیاس ہیں یعنی عام نمازوں سے ملتی جلتی قولی حدیث مثلاً امام نسائی نعمان بن بشیر سے روایت لاتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا ﴿اذاخسفت الشمس والقمر فصلوا کاحدث صلوة صلیتموھا من المکتوبة﴾ کہ جب سورج یا چاند میں گرہن واقع ہو تو ایسی نماز پڑھو جیسے کہ تم نے ابھی فجر کی فرض نماز پڑھی ہے۔ کیونکہ یہ کسوف اس وقت ہوا تھا کہ بمطابق حدیث حضرت سمرہ کے سورج دو نیزہ افق سے اٹھا تھا۔ فعلی حدیث مثلاً حدیث ذیل ہے جس سے ایک ہی رکوع کا ثبوت ہے پھر بہت ممکن ہے کہ اژدحام کے باعث گڑبڑ پیدا ہو گئی ہو کہ نبی ﷺ نے چونکہ خلاف معمول رکوع میں تاخیر فرمائی آگے پیچھے کھڑے ہونے والوں نے دھوکے سے سر اٹھا لیا ہو اور ان کو دیکھ کر ان سے پیچھے والوں نے ایسا کیا ہو پھر جب اگلوں نے دیکھا کہ آں حضرت ﷺ تاہنوز رکوع میں ہیں پھر سر جھکا کر رکوع میں چلے گئے ہوں تو پیچھے والوں نے بھی ان کی متابعت کی اور یوں دو یا تین رکوع کا دھوکہ لگتا چلا گیا ہو۔ اور زیادہ بھیڑ میں ایسا اشتباہ ہو جانا بعید از وقوع اور دور از خیال نہیں۔ جیسا کہ نبی ﷺ کے احرام میں اختلاف پڑ گیا تھا۔

(۷۵) باب صلوة الاستخارة

ابوحنیفة عن ناصح عن یحیی عن ابی سلمة عن ابی ھریرة قال کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یعلمنا الاستخارة کمایعلمنا السورة من القران .

باب۔ استخارہ کی نماز کا بیان

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہم کو استخارہ (اس کی نماز اور دعائے استخارہ وغیرہ) اسی طرح سکھاتے تھے جس طرح کہ قرآن کی سورت سکھاتے تھے۔

ف: تفصیل متصل حدیث میں آ رہی ہے۔

ابوحنیفة عن حماد عن ابراھیم عن علقمة عن عبد الله قال کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یعلمنا الاستخارة فی الامر کمایعلمنا السورة من

القرآن وفی روایة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا ارادا حد کم امرا فلیتوضأ ولیرکع رکعتین من غیر الفریضه ثم لیقل اللهم انی استخیرک بعلمک واستقدرک بقدرتک واسألک من فضلک فانک تعلم ولا اعلم وتقدرو لا اقدر وانت علام الغیوب اللهم ان کان هذا الامر خیر الی فی معیشتی وخیر الی فی عاقبة امری فیسره لی وبارک لی فیه. وازدفی روایة وان کان غیره فاقدر لی الخیر حیث کان ثم رضینی به.

حضرت عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہم کو قرآن کی سورت کی طرح استخارہ کی ترکیب وغیرہ سکھایا کرتے تھے۔

ایک روایت میں اس طرح ہے انہوں نے کہا کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جب تم میں کوئی کسی کام کا ارادہ کرے تو اس کو چاہئے کہ وضو کر کے دو رکعت نفل پڑھے پھر یہ دعا پڑھے اے اللہ میں تیرے علم کے طفیل خیر کا خواستگار ہوں اور تیری قدرت کے صدقہ میں تجھ سے قدرت کا طالب ہوں اور تیرے فضل کا میں طلبگار ہوں۔ کیونکہ تو جاننے والا ہے اور میں انجان ہوں اور تو قدرت والا ہے اور میں بے قدرت اور تو چھپی باتوں سے خوب باخبر ہے اے میرے اللہ اگر یہ کام میرے لئے بہتر ہے میری زندگی میں اور میرے کام کے نتیجہ میں تو اس کو میرے لئے آسان کردے اور اس میں میرے لئے برکت پیدا کر اور ایک روایت میں یہ زیادتی ہے کہ اگر اس کے خلاف ہے تو میرے لئے بھلائی مقدر کر جہاں کہیں بھی وہ ہو پھر مجھ کو اس پر راضی رکھ۔

ف: نماز استخارہ ایسے اہم ضروری اور قلیل الوقوع امور کے لئے ہے جن کے خیر و شر نفع ونقصان کے بارہ دل میں تردد واقع ہو اور انسانی عقل کسی خاص رخ کو ترجیح دینے میں قاصر وعاجز رہتی ہو مثلاً سفر تعمیر مکان معاملت تجارت و پیشہ وغیرہ۔ اور ایسے امور میں استخارہ کا بے جا استعمال ہے جو آئے دن روزمرہ پیش آتے ہیں مثلاً روزانہ کا کھانا پینا وغیرہ۔

(۷۶) باب صلوة الضحی

ابو حنیفة عن الحارث عن ابی صالح عن ام هانی ان النبی صلی الله علیه

وسلم یوم فتح مکة وضع لأمته ودعا بماء فصبه علیه ثم دعا بثوب واحد فصلی فیه وزاد فی روایة متوشحا .

وفی روایة ان النبی صلی الله علیه وسلم وضع لأمته یوم فتح مکة ثم دعا بماء فاتی به فی جفنة فیها حبز العجین فاستتر بثوب فاغتسل ثم دعا بثوب فتوشح به ثم صلی رکعتین قال ابو حنیفة وهی الضحی. وفی روایة ان النبی صلی الله علیه وسلم وضع یوم فتح مکة لأمته ودعا بماء فاتی به فی جفنة فیها السمابحین فاغتسل وصلی اربعا اورکعتین فی ثوب واحد متوشحا .

باب ۔ چاشت کی نماز کا بیان

حضرت ام ہانی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن زرہ اتاری اور پانی منگا کر غسل فرمایا پھر ایک کپڑا طلب فرمایا اور اس میں نماز ادا فرمائی اور ایک روایت میں ﴿متوشحا﴾ کا لفظ زائد ہے یعنی متوشح کی صورت میں کہ ایک کپڑے کو ہر دو بغل سے نکال کر پیچھے گدی پر اس میں گرہ دے لی جاتی ہے۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی زرہ اتاری۔ فتح مکہ کے دن پھر پانی طلب فرمایا تو لکڑی کے ایک بڑے کونڈے میں پانی پیش کیا گیا جس میں گوندھا ہوا آٹا لگا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے کپڑے کا پردہ ڈال کر غسل فرمایا۔ پھر کپڑا طلب فرمایا اور توشح کیا پھر دوگانہ نماز ادا فرمائی۔ ابوحنیفہ ؒ نے فرمایا کہ یہ چاشت کی نماز تھی۔ ایک اور روایت میں اس طرح ہے کہ فتح مکہ کے دن نبی ﷺ نے زرہ اتاری اور پانی طلب فرمایا تو ایک بڑے پیالہ میں جس میں گوندھے ہوئے آٹے کے نشانات تھے۔ پانی پیش کیا گیا۔ آپ نے غسل فرمایا اور چار رکعت یا دو رکعت ایک کپڑے میں متوشح کی شکل میں ادا فرمائیں۔

ف: یہ نماز چاشت تھی جیسا کہ ابوحنیفہ ؒ کی زبانی خود حدیث ذیل میں اس کی وضاحت آئی بعض کہتے ہیں کہ نماز شکرانہ تھی جو فتح مکہ کی خوشی و مسرت پر ادا کی گئی تھی بعض کا خیال ہے کہ یہ آں جناب ﷺ کا ورد تھا جو فتح مکہ کے ہنگامہ میں قضا ہو گیا تھا۔ آپ ﷺ نے اس کو ادا فرمایا۔

(۷۷) **باب الاعتکاف**

ابو حنیفة عن الهیثم عن رجل عن عائشة ان النبی صلی الله علیه وسلم کان اذا دخل شهر رمضان قام ونام واذا دخل العشر الاوخر شدالمیزر واحیی اللیل .

باب۔اعتکاف کا بیان

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب رمضان کا مہینہ آتا تو رسول اللہ ﷺ شب بیداری بھی فرماتے اور سوتے بھی۔اور جب پچھلے دس دن آتے تو لنگوٹ باندھ لیتے (یعنی عبادت الٰہی و یاد خداوندی کے لئے نہایت مستعدی سے کمر بستہ ہو جاتے) اور تمام رات عبادت فرماتے اور عورتوں سے اجتناب فرماتے)۔

(۷۸) باب التهجد

ابو حنیفة عن زیاد عن المغیرة قال کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یقوم عامة اللیل حتی تورمت قدماه فقال له اصحابه الیس قد غفر لک ماتقدم من ذنبک وما تاخر قال افلا اکون عبد اشکورا .

باب۔تہجد کا بیان

حضرت مغیرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ شب کے اکثر حصہ میں نماز کے لئے قیام فرماتے یہاں تک کہ آپ کے قدم مبارک متورم ہو جاتے صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ کیا اللہ نے آپ کے اگلے پچھلے گناہ نہیں بخش دیئے۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا پھر میں اللہ کا شکر گذار بندہ نہ بنوں۔

ف: بخاریؒ نے بھی اس حدیث کو حضرت مغیرہ سے مرفوعاً بیان کیا ہے اس میں "وساقاہ" کا لفظ بھی زائد ہے یعنی آپ ﷺ کی پنڈلیاں بھی سوج جایا کرتیں۔

ابو حنیفة عن ابی جعفر ان صلوة النبی صلی الله علیه وسلم باللیل کانت ثلث عشرة رکعة منهن ثلث رکعات الوتر ورکعتا الفجر .

حضرت ابو جعفر کہتے ہیں کہ نبی ﷺ کی نماز شب میں تیرہ رکعتیں تھیں۔ان میں سے تین رکعات وتر کی اور دو رکعات سنت فجر کی۔

ف: یہ حدیث وتر کی آٹھ رکعات کا پتہ دیتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ وتر کے بارہ میں بھی

مذہب حنیفہ پر مہر صداقت ثبت کرتی ہے وتر کا بیان گو مفصل گذر چکا مگر چونکہ حدیث ذیل بھی اس کے سلسلہ ادلہ کی ایک کڑی ہے اس لئے اگر یہاں بھی وتر کے مسئلہ کو قدرے کھولا جائے تو غالباً بے جا نہ ہوگا۔

تہجد کے ذیل میں امام ترمذیؒ حضرت عائشہؓ سے حدیث نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات سے زائد تہجد نہ پڑھا کرتے چار رکعت پڑھتے جن کی درازی وحسن وخوبی کے بارہ میں نہ پوچھو۔ پھر چار رکعت پڑھتے ان کی درازی وحسن وخوبی کے بارہ میں نہ پوچھو۔ پھر تین پڑھتے (یعنی وتر) اس حدیث کو ترمذی نے حسن صحیح کہا ہے مسلم حضرت ابن عباسؓ سے نماز تہجد کے سلسلہ میں حدیث لاتے ہیں آخر میں ہے ﴿ثـــــم اوتر بثلث﴾ کہ پھر تین رکعت وتر کی پڑھیں۔ اب یہ ہر دو احادیث جو نماز تہجد کے ذیل میں تقریباً قطب الاحادیث ہیں۔ اس امر کی بین دلیلیں ہیں اور اس کا کھلا ثبوت بہم پہنچاتی ہیں کہ وتر کی تین ہی رکعات ہیں۔ اس سے کمی زیادتی کی روایات اس وقت کی ترجمانی کرتی ہیں جب کہ وتر کے معاملہ نے قرار نہیں پکڑا تھا۔ بعد میں تین ہی رکعات کی شکل طے پائی۔ اور اسی پر عمل رہا جس کی طرف حدیث عائشہ صاف اشارہ کرتی ہے لہٰذا ان احادیث صحیحہ کے سامنے آجانے پر بھی اگر کوئی مخالف مذہب اپنی ہٹ دھرمی پر ڈٹا رہے اور کہتا رہے کہ وتر کی تین رکعات پر کوئی صحیح حدیث نہیں تو عقل وتہذیب وشائستگی کے دائرہ میں اس کے لئے اب کوئی جواب نہیں۔

فجر کی سنتوں کو نماز تہجد میں شمار کر لیا گیا ہے محض قرب وقت کے سبب اور بدیں وجہ کہ اکثر روایات کی رو سے آنجناب ﷺ ان کے بعد آرام نہیں فرماتے اور بعض روایات میں تو بعد "تبین الفجر" کے لفظ بھی ہیں کہ طلوع صبح صادق کے بعد سنت ادا فرماتے اس سے حقیقت کی اور وضاحت ہوگئی اور کسی میں "بین الندائین) کا لفظ بھی ہے یعنی اذان واقامت کے درمیان یہ سنتیں ہوتیں۔ بہرحال سب کا اتفاق ہے کہ وہ تہجد کے ساتھ ادا نہ کی جاتیں بلکہ ظہور فجر کے بعد۔

نماز تہجد کے بارہ میں مختلف روایات وارد ہیں کسی میں تیرہ کی تعداد آئی ہے کسی میں گیارہ کی کسی میں سات کی اور کسی میں پانچ کی بھی بہرحال تیرہ سے زائد کی کوئی روایت نہیں پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ نماز تہجد صرف آں حضرت ﷺ پر فرض تھی یا امت پر بھی پھر بعد میں منسوخ ہوئی مختار مذہب موخر الذکر ہے۔

(۷۹) سنة الفجر

ابو حنيفة عن علقمة عن ابن الاقمر عن حمران قال مالقى ابن عمر قط الا واقرب الناس مجلسا حمران فقال ذات يوم يا حمران لا اراک تواظبنا الا وانت تريد لنفسک خيرا فقال اجل يا ابا عبد الرحمن قال اما اثنتان فانى انهاک عنهما واما واحدة فانى امرک بها فانى سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يا مربها.

قال ماهى تلک الخصال الثلث يا اباعبدالرحمن قال لا تموتن وعليک دين الاديناتدع به وفاء ولا تسمعن من تلاوة اية فانه يسمع بک يوم القيمة كما سمعت به قصاصا ولا يظلم ربک احدا .واماالذى امرک به كما امرنى رسول الله صلى الله عليه وسلم فركعتا الفجر فلا تدعهما فان فيهما الرغائب .

باب۔سنت فجر کا بیان

حمران کیبارہ میں روایت ہے کہ جب بھی کسی نے حضرت ابن عمرؓ سے ملاقات کی تو حمران کو مجلس میں آپؓ سے قریب ترین پایا ایک روز حضرت ابن عمرؓ بولے اے حمران میں تجھ کو اپنی صحبت میں ہمیشہ و پیوستہ (غالباً) صرف اسی لئے دیکھتا ہوں کہ تو (ہماری صحبت سے) اپنے نفس کے لئے کسی بھلائی کا استفادہ کرنا چاہتا ہے انہوں نے کہا جی بیشک اے ابا عبدالرحمٰن۔حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ (اچھا تو) میں دو باتوں سے تجھ کو روکتا ہوں اور ایک بات کا تجھ کو حکم دیتا ہوں کیونکہ میں نے بھی نبی ﷺ کو اس کا حکم دیتے ہوئے پایا حمران نے کہا اے ابا عبدالرحمٰن وہ تین خصلتیں کون کون سی ہیں آپ نے کہا کہ تو نہ مرے ایسے حال میں کہ تجھ پر قرض ہو مگر اس قدر کہ اس کی ادائیگی کے لائق تو مال چھوڑ جائے۔اور نہ پڑھ ایک آیت بھی (لوگوں کو) سنانے کے لئے (یعنی ریا کاری کی غرض سے) ورنہ قیامت کے دن تیری تشہیر کی جائے گی جیسا کہ تو نے پڑھنے کو (بغرض شہرت) لوگوں کو سنایا۔یہ محض بدلے کے طور پر کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا ہے اب وہ چیز جس کا میں تجھ کو حکم دیتا ہوں جس طرح مجھ کو رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا سنت فجر کی دو رکعتیں ہیں پس نہ چھوڑ ان کو کیونکہ انمیں بہت اسباب رغبت ہیں۔

ف: اس حدیث میں ریا کاری اور دکھاوے کی مذمت ہے کہ خدا تعالیٰ چونکہ سمیع و بصیر ہے ہر عبادت اسی کو دکھانا چاہئے۔ اور قرائت قرآن اسی کو سنانا چاہئے۔ ان میں نام و نمود۔ شہرت پسندی سخت حرام و نا جائز ہے اور اس پر سخت وعید ہے کہ قیامت کے روز اس کا قصاص لیا جائے گا اس حدیث میں سنت فجر کی اہمیت کو بھی واضح فرمایا ہے۔

ابو حنیفة عن عطاء عن عبید ابن عمیر عن عائشة قالت ماکان رسول الله صلی الله علیه وسلم علی شیء من النوافل اشد عمامدة منه علی رکعتی الفجر .

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کسی دوسرے نوافل کا اس قدر سختی سے اہتمام نہ فرماتے جس قدر سنت فجر کی دو رکعت کا۔

ف: یہ حدیث اور زیادہ صاف الفاظ میں آں حضرت ﷺ کے فعل کی روشنی میں اس کی وضاحت کرتی ہے کہ انسان دیگر نوافل و سنن کے مقابلہ میں سنت فجر کا بہت لحاظ رکھے کہ وہ ناغہ نہ ہو جائیں اور ان کی ادائیگی پر سختی سے پابندی رکھے۔ احادیث صحیحہ میں ان کی ممتاز اہمیت مختلف الفاظ میں ظاہر کی گئی ہے کہیں آں حضرت ﷺ نے یوں فرمایا کہ دنیا و مافیہا سے زیادہ مجھ کو یہ دو رکعتیں محبوب ہیں۔ جیسا کہ مسلم میں ہے کہیں اس طرح ارشاد ہوا کہ ان کو ہرگز نہ چھوڑو اگر چہ تم کو گھوڑے روند ڈالیں یا کچل دیں۔ جیسا کہ ابوداؤد ہے یہ۔ طبرانی میں ہے کہ عائشہؓ کہتی ہیں کہ نبی ﷺ نے فجر کی سنتوں کو کبھی بھی ترک نہیں فرمایا نہ سفر میں نہ حضر میں نہ بیماری میں نہ صحت میں۔

اسی اہمیت کے سلسلہ میں یہ امر بھی قابل بیان ہے کہ احناف اور اکثر ائمہ کے نزدیک مؤکدہ سنتیں پانچ ہیں۔ اول یہ ہی فجر کی سنتیں دوسرے مغرب کے بعد کی دو رکعت سنت۔ تیسرے ظہر کے بعد کی دو رکعت سنت چوتھے عشاء کے بعد کی دو رکعت سنت پانچویں ظہر کے پہلے چار رکعت سنت ان پانچوں سنن مؤکدہ کی اہمیت ترتیب مذکور ہے۔

ابو حنیفة عن نافع عن ابن عمر قال رمقت النبی صلی الله علیه وسلم اربعین یوما او شهرا فسمعته یقرأ فی رکعتی الفجر بقل هو الله احد وقل یاایها الکفرون .

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا نبی ﷺ کو چالیس دن یا ایک ماہ تک کہ آپ سنت فجر کی ہر دو رکعات میں ﴿قل هوا لله احد﴾ اور ﴿قل یا ایها الا کفرون﴾ پڑھتے

تھے۔

ف: بہت سی احادیث میں ایسا ہی ہے اور بعض میں مثلاً ابوداؤد میں ابن عباسؓ سے جو روایت ہے وہ یوں ہے کہ آپ سنت فجر کی پہلی رکعت میں ﴿امنا باللہ وما انزل علینا﴾ کی آیت تلاوت فرماتے اور دوسری میں ﴿امنا باللہ واشهد بانا مسلمون﴾ کی آیت۔

ابوحنیفة عن سماک عن جابر ابن سمرة قال كان النبی صلی الله عليه وسلم اذا صلى الصبح لم يبرح عن مكانه حتى تطلع الشمس وتبيض.

حضرت جابر بن سمرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز فجر ادا فرما لیتے تو اپنی جگہ سے نہ ہلتے یہاں تک کہ سورج طلوع کر آتا اور ایک دو نیزہ کی مقدار اٹھ کر اس کی روشنی سفید ہو جاتی۔

ف: غالباً آں جناب ﷺ کی یہ نشست قبلہ رو نہ تھی۔ بلکہ دائیں بائیں یا قبلہ کو پشت دے کر لوگوں کی طرف رخ کرتے ہوئے جیسا کہ آں جناب ﷺ سے مروی ہے بعض نے بعد نماز قبلہ رخ پھرنا مکروہ جانا ہے۔ ابوداؤد سماک سے روایت لاتے ہیں اور وہ حضرت جابرؓ سے کہ آں حضرت نماز فجر کی ادائیگی کے بعد مصلی پر سے نہ اٹھتے یہاں تک کہ سورج نکل آتا پھر آپ ﷺ نماز اشراق کے لئے کھڑے ہو جاتے۔

(۸۰) باب من صلى اربع ركعات بعد العشاء فی المسجد

ابوحنیفة عن محارب عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من صلى بعد العشاء اربع ركعات قبل ان يخرج من المسجد عدلن مثلهن من ليلة القدر.

باب۔ بعد عشاء مسجد میں چار رکعات نفل پڑھنا

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جس نے نماز عشاء کے بعد مسجد سے نکلنے سے پہلے پہلے چار رکعت (نفل) پڑھ لیں تو وہ برابر ہوئیں شب قدر کی اتنی ہی رکعت کے (یعنی گویا کہ اس نے شب قدر میں چار رکعت نفلیں ادا کیں)۔

ف: یہ ان نفلوں کی انتہائی فضیلت و برکت کا اظہار ہے جس طرح عشاء کے پہلے چار نفلوں کے بارہ میں آیا ہے کہ جس نے وہ ادا کیں گویا کہ اس نے تہجد کی نماز ادا کی۔ سعید بن منصور نے اپنی مسند میں اس حدیث کے ساتھ یہ ٹکڑا بھی نقل کیا ہے۔

ابو حنيفة عن محارب عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من صلى اربعا بعد العشاء لايفصل بينهن بتسليم يقرأفى الاولى بفاتحة الكتاب وتنزيل السجدة وفى الركعة الثانية بفاتحة الكتاب وحم الدخان وفى الركعة الثالثة بنفاتحة الكتاب ويس وفى الركعة الاخيرة بفاتحة الكتاب وتبارك الملك كتب له كمن قام ليلة القدر وشفع له فى اهل بيته كلهم ممن وجبت له النار واجير من عذاب القبرورروى موقوفاعن ابن عمر

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جو شخص نماز عشاء کے بعد چار رکعت پڑھے جن کے بیچ میں سلام نہ پھیرے پہلی رکعت میں ﴿الحمد﴾ اور ﴿تنزیل سجدہ﴾ پڑھے دوسری میں ﴿الحمد﴾ اور ﴿حم الدخان﴾ تیسری میں ﴿الحمد﴾ اور ﴿یٰسٓ﴾ ۔اور چوتھی میں الحمد اور تبارک الملک تو اس کے لئے شب قدر میں قیام کا ثواب لکھا جائے گا اور اس کی شفاعت مقبول ہوگی اسکے ان تمام گھر والوں کے حق میں جن کے لئے دوزخ واجب ہو چکی ہے اور وہ خود عذاب قبر سے چھٹکارا پائے گا۔ یہ حدیث حضرت ابن عمرؓ سے موقوفاً بھی مروی ہے۔

ف: ابوداؤد انھیں چار رکعت کے ثبوت میں حضرت عائشہؓ سے یہ حدیث لائے ہیں حدیث کے الفاظ یہ ہیں ﴿ماصلى رسول الله صلى الله عليه وسلم العشاء قط فدخل على الاصلى بعد هااربع ركعات اوستا﴾ کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی نماز عشاء ادا فرما کر میرے پاس تشریف لاتیتو چار یا چھ رکعت ادا فرماتے۔

باب الركعتين بعد صلوة الظهر

ابو حنيفة عن الحكم عن مجاهد عن ابن عباس قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلى عبد الظهرركعتين .

باب۔نماز ظہر کے بعد دو رکعت ادا کرنا

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ بعد نماز ظہر دو رکعات ادا فرمایا کرتے تھے۔

ف: بہت سی احادیث صحیحہ سے ثبوت ہے کہ آں جناب ﷺ نے ان دو رکعات پر مواظبت فرمائی گویا ان کا شمار سنن مؤکدہ میں ہوا۔

(۸۲) باب الصلوة فی البیوت

ابوحنیفة عن نافع عن ابن عمر قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم صلوا فی بیوتکم ولا تجعلوها قبورا .

باب۔گھروں میں نفل نماز پڑھنا

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ گھروں میں نمازیں (سنن ونفل) پڑھا کرو اور ان کو قبرستان نہ بناؤ۔

ف: آں حضرت ﷺ نے گھروں میں نفل نماز ادا کرنے کی ترغیب دی ہے بعض روایات میں یوں ہے ﴿اجعلوا من صلوتکم ولا تتخذوھا قبورا ﴾ کہ اپنی نماز کا کچھ حصہ گھروں کے لئے بھی رکھو اور ان کو قبرستان نہ بناؤ۔ جمہور علماء کا یہ ہی مسلک ہے کہ یہ حدیث سنن ونوافل کے بارہ میں ہے۔ نہ فرضوں کے متعلق چنانچہ دوسری حدیث میں اس طرح وارد ہے ﴿افضل الصلوة صلوة المرء فی بیته الا المکتوبة ﴾ کہ زیادہ فضیلت کی نماز انسان کی اس کے گھر میں ہے سوائے فرض نماز کے بعض اس کو حدیث ﴿ اجعلوا من صلو تکم ﴾ الخ کے پیش نظر فرض نماز کے لئے مانتے ہیں۔ جیسا کہ قاضی عیاض نے لکھا ہے اور وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ گھر میں بعض فرض نماز پڑھنے سے جو لوگ مسجد میں نہیں آتے ہیں مثلاً غلام بیمار عورتیں وہ بھی شریک جماعت ہوسکیں اور ان کو اقتداء کا موقع مل سکے مگر مختار مذہب پہلا ہی ہے گھروں میں نماز نہ ادا کرنے سے گھروں کو آں حضرت ﷺ نے قبرستان سے یوں تشبیہ دی کہ قبرستان میں بھی چونکہ نماز نہیں پڑھی جاتی اس لئے نماز نہ پڑھے جانے میں گھر قبرستان کے مشابہ ٹھہرے اور ان سے ملتے جلتے۔ یہ حکم دوسرے اسرار بھی اپنے اندر رکھتا ہے کہ گھر میں نماز پڑھنے سے ریاکاری' دکھاوے' نام نمود سے بہت حد تک انسان کو نجات ملتی ہے اور اللہ تعالیٰ کو وہ ہی عبادت پسند ومرغوب ہے جس میں ریاکاری نہ ہو۔ اور گھر میں برکت پھیلتی ہے۔ رحمت کے فرشتے نازل ہوتے ہیں شیطان بھاگتا ہے ناپاک ارواح کے اثرات کم ہوتے ہیں چنانچہ مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے یہ حدیث مروی ہے اور اس میں یہ الفاظ زائد ہیں ﴿ان الشیطان ینفر من البیت الذی تقرء فیه سورة البقرة ﴾ کہ اس گھر سے شیطان بھاگتا ہے جس میں سورۂ بقرہ پڑھی جاتی یہ بعض روایات میں آں حضرت ﷺ کے اس مضمون کے الفاظ ہیں کہ وہ گھر جس میں اللہ کا ذکر کیا جائے اور وہ جس میں ذکر نہ ہو یہ ہر دو گھر زندہ ومردہ انسانوں کی طرح ہیں۔

(۸۳) سنة الركعتين فى الكعبة

ابوحنيفة عن نافع عن ابن عمرؓ قال سألت بلالا اين صلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فى الكعبة وكم صلى قال صلى ركعتين ممايلى العمودين اللتين تليان باب الكعبة والبيت اذاذاك على ستة اعمدة .

باب۔ کعبہ میں دو رکعت نماز پڑھنا

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت بلالؓ سے پوچھا کہ (فتح مکہ کے دن) رسول اللہ ﷺ نے کعبہ میں کہاں اور کتنی رکعتیں پڑھیں۔ انہیں نے کہا کہ (ادا کیں) دو رکعتیں ان دوستونوں کے قریب جو دروازہ کے نزدیک ہیں اور اس وقت کعبہ کے چھ ستون تھے۔

ف: یہ فتح مکہ کیدن کا واقعہ ہے کیونکہ آں حضرت جب کعبہ میں داخل ہوئے تو آپ کے ہمراہ حضرات اسامہ بلال اور عثمان بن طلحہ تھے۔ اور دروازہ بند کر دیا گیا تھا۔ حضرت ابن عمرؓ آں حضرت ﷺ کے ساتھ نہ تھے۔ اسی لئے جب آنحضرت ﷺ باہر تشریف لائے تو حضرت ابن عمرؓ نے حضرت بلالؓ سے آں حضرت ﷺ کی نماز کے بارہ میں استفسار فرمایا۔

ابوحنيفة عن حماد عن سعيد بن جبير عن ابن عمر ان رجلا سأله عن صلوٰة النبى صلى الله عليه وسلم فى الكعبةيوم دخلها فقال صلى فى الكعبة اربع ركعات فقال له ارنى المكان الذى صلى فيه فقال فبعث معه ابنه ثم ذهب تحت الاسطوانة بحيال الجذعة .

وفى رواية ان ابن عمر قال صلى النبى صلى الله عليه وسلم فى الكعبة اربع ركعات قلبت له ارنى المكان الذى صلى فيه فبعث معى ابنه فارانى الاسطوانة الوسطى تحت الجزعة.

حضرت ابن عمرؓ سے کسی شخص نے پوچھا کہ نبی ﷺ جب کعبہ میں داخل ہوئے تو نماز کس جگہ اور کتنی رکعتیں پڑھیں۔ انہوں نے کہا کہ آپ نے کعبہ میں چار رکعات ادا فرمائیں اس شخص نے کہا کہ ذرا مجھے وہ مقام دکھایئے جہاں آں حضرت ﷺ نے نماز ادا فرمائی تو حضرت ابن عمرؓ نے اپنے صاجزادہ کو اس کے ہمراہ کر دیا (کہ وہ جگہ دکھادیں) پھر وہ گئے بیچ کے ستون تک کھجور کے تنے کے مقابل میں۔

ایک رَوایت میں یوں ہے کہ ابن عمرؓ نے کہا کہ نماز پڑھی نبی ﷺ نے کعبہ میں چار

رکعات ۔تو میں نے (سعید بن جبیر راوی حدیث نے) ان سے کہا کہ ذرا مجھ کو وہ مقام دکھایئے جہاں آں حضرت ﷺ نے نماز ادا فرمائی تو انہوں نے اپنے فرزند کو میرے ہمراہ کیا اور انہوں نے مجھ کو وہ بیچ والا ستون بتا دیا جو تنہ کھجور کے نیچے ہے۔

ف: یہ غالباً حجۃ الوداع کا واقعہ ہے۔

(۸۴) باب الجنائز

ابوحنیفة عن علقمة عن ابن بریدة عن ابیه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم مامن میت یموت له ثلثة من الولد الا ادخله الله تعالیٰ الجنة فقال عمر اوا ثنان فقال صلی الله علیه وسلم او اثنان.

باب ۔میت کے مختلف احکام

حضرت بریدہؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے نہیں مرتا ہے کوئی مرنے والا ایسا کہ جس کے تین (نابالغ) بچے مرگئے ہوں ۔مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل فرمانا حضرت عمرؓ بولے یا دو؟ آپ ﷺ نے فرمایا (ہاں) یا دو۔

ف: یہ حدیث مختلف مگر قریب قریب الفاظ سے کتب صحاح میں وارد ہے مسلم و ابن ماجہ میں یوں آیا ہے کہ جس مسلمان کے تین بچے نابالغ مرجائیں تو وہ اس کا جنت کے دروازوں پر استقبال کرتے ہیں۔ جنت کے آٹھوں دروازوں میں سے جس میں سے وہ چاہے داخل بہشت ہو بعض میں اس طرح ہے کہ اس کو آتش دوزخ برائے نام ہی چھوئے گی بعض میں یوں ہے کہ وہ بچے اس کے لئے مضبوط و سنگین حصار ہو جائیں گے۔

ابوحنیفة عن عبد الملک عن رجل من اهل الشام عن النبی صلی الله علیه وسلم قال انک لتری السقط محبنطئا یقال له ادخل الجنة فیقول له لاحتی یدخل ابوای.

کسی شامی شخص سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ تو دیکھے گا حشر میں پیٹ سے گرے ہوئے بچہ کو کسی کی تلاش میں ہکا بکا۔اس سے کہا جائے گا جا جنت میں چلا جا تو وہ کہے گا نہیں (جاؤں گا جنت میں) جب تک میرے ماں باپ جنت میں نہ جائیں۔

ف: اس باب میں کثیر تعداد میں احادیث وارد ہیں جن کے الفاظ ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔طبرانی کبیر میں یہی حدیث لائے ہیں۔اس میں آخر میں یہ ٹکڑا بھی ہے ﴿فیقال له ادخل

الجنة انت وابواک ﴾ پس اس سے کہا جائے گا کہ جا تو اور تیرے ماں باپ سب جنت میں جاؤ۔ یہ ہے پروردگار عالم کی بندہ نوازی اور بندہ پروری کہ اول تو نابالغ بچوں کو ماں باپ کے لئے ذریعہ نجات و بخشش ٹھہرایا۔ اور تین بچوں کے مرجانے پر جنتی قرار پائے۔ پھر تین سے گھٹ کر دو کے مرجانے پر بھی یہ ہی فیضان رحمت جاری رہا۔ بلکہ کئی روایت میں ایک تک کی تعداد بھی آئی ہے چنانچہ ابن مسعودؓ۔ سے مرفوع حدیث ہے کہ جو شخص تین نابالغ بچوں کو اپنے آگے اس دنیا سے بھیجدے تو وہ اس کے لئے آگ سے بچاؤ کا قلعہ یا حصار ہو جائیں گے۔ حضرت ابوذرؓ اپنی مثال سامنے رکھ کر بولے یا رسول اللہ ﷺ میں دو بھیج چکا ہوں۔ ارشاد عالی ہوا ہاں اگر دو بھی ہوں ادھر حضرت ابیؓ نے اپنی مثال پیش کی کہ میں نے حضرت ﷺ ایک ہی بھیجا ہے تو ارشاد ہوا اگرچہ ایک بھی ہو پھر یہاں تک کہ پروردگار عالم نے اپنی عنایات خسروانہ کا دائرہ وسیع فرمایا کہ پیٹ کے گرے ہوئے بچہ کو بھی سبب داخلہ جنت ٹھہرایا۔ جس پر حدیث ذیل شاہد ہے۔

ابو حنيفة عن سليمان بن عبد الرحمن الدمشقي عن محمد بن عبدالرحمن التستری عن يحيى بن سعيد عن عبد الله ابن عامر عن ابيه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا مات العبد والله يعلم منه شرا ويقول الناس في حقه خيرا قال الله تعالى لملا ئكته قدقبلت شهادات عبادى على عبدى وغفرت علمي .

حضرت عامر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی بندہ مرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی بدکرداری کو جانتا ہے مگر لوگ اس کو بھلائی سے یاد کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے فرماتا ہے کہ میں نے اس بندہ پر اپنے بندوں کی شہادت قبول کی اور معاف کردیئے وہ گناہ جو میرے علم میں تھے۔

ف: اس باب میں کتب صحاح میں بہت سی احادیث مختلف مگر قریب قریب الفاظ سے وارد ہیں طبرانی حضرت سلمہ بن الاکوع سے مرفوع روایت لاتے ہیں ﴿انتم شهداء الله على الارض والملائكة شهداء الله في السماء ﴾ کہ تم زمین میں اللہ کے گواہ ہو۔ اور فرشتے آسمان میں اللہ کے گواہ ہیں۔

ابو حنيفة عن اسماعيل عن ابى صالح عن ام هانئ قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من علم ان الله يغفرله فهو مغفور له .

حضرت ام ہانیؓ کہتی ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جو جانتا ہے کہ اللہ اسے بخش دے گا تو وہ بخشا ہوا ہے۔

ف: اس حدیث کی اصل وہ حدیث ہے جو بخاری مسلم اور نسائی میں وارد ہے کہ ایک بندہ گناہ کا مرتکب ہوتا ہے اور کہتا ہے اے رب میں نے گناہ کیا مجھ کو بخش دے۔ اس پر اس کا رب فرماتا ہے کہ کیا میرے بندہ نے یہ جانا کہ اس کا رب ہے جو گناہ کو معاف بھی کرتا ہے اور اس میں اس کی گرفت بھی کرتا ہے تو میں نے اپنے بندہ کا گناہ بخش دیا۔ پھر کچھ مدت ٹھہرتا ہے جب تک اللہ چاہتا ہے اور بار دیگر گناہ کا ارتکاب کرتا ہے اور یہ ہی کہتا ہے کہ اے رب مجھ سے دوسرا گناہ سرزد ہوا۔ اس کی بخشش فرما۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کیا میرے بندہ نے سمجھا کہ اس کا رب ہے جو گناہ کو معاف بھی کرتا ہے اور اس پر پکڑ بھی لیتا ہے پس میں نے اپنے بندہ کا گناہ بخش دیا۔ پھر کچھ مدت ٹھہر کر جب تک اللہ چاہے۔ تیسری بار گناہ کرتا ہے اور وہی الفاظ زبان پر لاتا ہے کہ اے رب میں پھر گناہ کا مرتکب ہوا لہٰذا میرا گناہ بخش دے۔ اللہ تعالیٰ پھر ارشاد فرماتا ہے کہ کیا اس نے جانا کہ اس کا رب ہے جو گناہ معاف بھی کرتا ہے اور اس پر اس کی گرفت بھی کرتا ہے پس میں نے اپنے بندہ کا گناہ تیسری بار معاف کیا مگر یہ اسی صورت میں ہے کہ ارتکاب گناہ کے بعد ہی توبہ نصوح کرنے کا بھی انسان عادی ہو اور پھر اچانک بتقاضائے انسانیت لغزش سرزد ہو جائے اسکا یہ مطلب نہیں کہ اس فرمان کے ذریعہ ﴿نعوذ باللہ من ذلک﴾ انسان کے لئے گناہ کرنے کا ایک وسیع اور سہل تر راستہ کھولا گیا ہے کہ گناہ کرتا رہے اور ہر گناہ و قصور پر یہود کی طرح ﴿سیغفر لنا﴾ کا نعرہ لگاتا رہے۔ یہ گناہ کی معافی کی خواستگاری نہیں۔ بلکہ نعوذ باللہ اللہ کے ساتھ مسخری ہے۔ اور اس کی شان میں گستاخی۔

ابو حنیفة عن منصور عن سالم بن ابی الجعد عن عبید بن نسطاس عن ابن مسعود انه قال من السنة ان تحمل بجوانب السریر فمازاد علی ذلک فهو نافلة.

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ مسنون طریقہ یہ ہے کہ تو جنازہ کے چاروں پایوں کو اٹھا دے ایک مرتبہ اب اس پر جو زیادتی ہو وہ نفل ہے' (گویا زیادہ بھلائی ہے اور زیادہ موجب اجر و ثواب)۔

ف: یہ حدیث جنازہ کے اٹھانے کے مسئلہ کو حل کرتی ہے اور ایک اختلافی مسئلہ میں ایک فریق کے لئے حجت قوی ہے امام شافعیؒ اس کے قائل ہیں کہ جنازہ کو آگے پیچھے یعنی سیروں کی جانب

سے اٹھایا جائے اگلا آدمی اپنی گدی پر رکھے اور پچھلا اپنے سینہ پر امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جنازہ چارپائی کے پایوں سے اٹھایا جائے امام شافعیؒ کے مذہب پر بہت احادیث موقوفہ سے دلیل لائی جاتی ہے جن میں اصل اصول حدیث حضرت سعد بن معاذؓ کے بارہ میں ہے جسکو ابن سعد طبقات میں نقل کرتے ہیں کہ آپ کے جنازہ کو اسی طرح اٹھایا گیا تھا۔ امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کی دلیل ایک تو یہ حیث ذیل ہی ہے جو اس امر کو روز روشن کی طرح واضح کرتی ہے کہ ہر چہار رخ سے جنازہ کا اٹھانا مسنون ہے۔ صحابیؓ کا من السنۃ کا لفظ استعمال کرنا حدیث کے مرفوع ہونے کا بین ثبوت ہے پھر دوسری صحیح روایات بھی اس خیال کی تائید وتقویت کرتی ہیں۔ مثلاً ابن ابی شیبہ اور عبدالرزاق اپنی اپنی مصنفات میں علی الازدی سے روایت نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے ابن عمرؓ کو اسی طرح جنازہ اٹھاتے ہوئے دیکھا عبدالرزاق حضرت ابوہریرہؓ سے روایت لاتے ہیں کہ جس نے جنازہ کو ہر چہار رخ سے اٹھایا تو اس نے پوری ذمہ داری جو اس پر تھی وہ ادا کی اس سے صاف پتہ چلا کہ سنت محض یہ ہی طریقہ ہے نہ کوئی اور۔

اب مذہب شافعیہ پر جس قدر احادیث موقوفہ ہیں وہ محتمل ہیں اور قابل تاویل اور مختلف عذرات پر مبنی ہیں مثلاً حضرت سعد کے بارہ میں جو روایت ہے اور جو اس مذہب کا خلاصہ حجت ہے وہ ایک خاص واقعہ کا پتہ دیتی ہے جو ایک خاص عذر پر مبنی تھا کہ ستر ہزار فرشتوں کے ان کے جنازہ میں شرکت کے لئے اتر آنے سے غیر معمولی اژدحام ہوگیا تھا کہ چلنا تک دشوار ہوگیا تھا۔ جنازہ کو کندھا دینا تو در کنار تو لامحالہ پھر یہ ہی کہا جاتا تھا کہ جہاں جس کو موقع مل سکا جنازہ اٹھا کر داخل حسنات ہوا یہاں تک آیا ہے کہ خود آں حضرت ﷺ بسبب اژدحام کے اپنے پاؤں کے پنجوں پر چل رہے تھے بعض وقت راستہ کی تنگی ہوتی ہے تو جنازہ اٹھانے کی یہ ہی شکل اختیار کرنی پڑتی ہے اور اسی طرح کبھی اٹھانے والوں کی کمی کے باعث بھی یہ ہی صورت برتی جاتی ہے کہ مثلاً دو ہی اٹھانے والے ہیں تو وہ لامحالہ اسی شکل سے اٹھائیں گے اور چارۂ کار ہی کیا ہے۔ مگر یہ تو نہیں کہ جو صورت ان مجبوریوں کی بناء پر جائز ہو۔ وہ مستقل مسئلہ بن جائے۔ اور ایک مستقل سنت کی جگہ لیلے۔ پھر قیاس کی رو سے بھی مذہب حنفیہ قابل ترجیح ہے کیونکہ اس شکل میں میت کا احترام زائد ہے تیز گامی کی سنت بھی بسہولت ادا ہوسکتی ہے ورنہ اس کے خلاف صورت میں تیز چلنا تو کجا بعض وقت اٹھانا اور چلنا ہی دشوار ہو جائے گا اگر اتفاق سے میت ہوئی بھاری جسم کی اور اٹھانے والے ٹھہرے کمزور جسم کے اور شافعیؒ مذہب تو آفت آگئی اور ایک سخت وقت کا سامنا ہوا جب کہ پھر قبرستان بھی اگر دور ہو تو پھر تو آفت پر آفت ہے۔

پھر جنازہ اٹھانے میں مسنون طریقہ یہ ہے کہ ہر پایہ کو اٹھا کر کم از کم دس قدم چلے کیونکہ ابن عساکر واثلہ سے مرفوع حدیث لائے ہیں جس کا مضمون یہ ہے کہ جس نے چاروں طرف سے جنازہ کو اٹھایا اس کے چالیس گناہ معاف ہوئے تو گویا ہر پایہ پر جب انسان دس قدم چلا تو ہر قدم پر ایک گناہ معاف ہوا اور ہر پایہ پر دس گناہ یوں چالیس قدم پر چالیس گناہ معاف ہوئے۔

ابو حنيفة عن على ابن الاقمر عن ابى عطية بن الوداعى ان رسول الله صلى الله عليه وسلم خرج فى جنازة فراى امرأة فامر بها فطردت فلم يكبر حتى لم يرها .

حضرت ابوعطیہ بن الوداعی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک جنازہ کے ساتھ تھے۔ کہ آپ کو ایک عورت اس (جنازہ) کے پیچھے آتی دکھائی دی۔ آپ نے حکم صادر فرمایا تو وہ نکال دی گئی۔ پھر جب تک وہ نظر سے اوجھل نہ ہوگئی آپ ﷺ نے تکبیر نہیں کہی۔

ف: سنن بیہقی میں ابن عمرؓ سے مرفوع روایت ہے کہ جنازہ کے پیچھے جانے میں عورت کے لئے کوئی اجر نہیں طبرانی ابن عباسؓ سے مرفوع حدیث لاتے ہیں کہ عورتوں کے لئے جنازہ میں کوئی حصہ نہیں۔

ابو حنيفة عن حماد عن ابراهيم عن غير واحد ان عمر بن الخطاب رضى الله عنه جمع اصحاب النبى صلى الله عليه وسلم فسألهم عن التكبير قال لهم انظروا اخر جنازة كبر عليها النبى صلى الله عليه وسلم فوجد وه قد كبر اربعا حتى قبض قال عمرؓ فكبروا اربعا .

کثیر ثقہ لوگوں سے روایت ہے کہ عمر بن الخطابؓ نے اصحاب رسول اللہ ﷺ کو جمع کیا اور تکبیرات نماز جنازہ کے بارہ میں ان سے سوال فرمایا کہ وہ کتنی ہیں) اور کہا کہ یاد کرو کہ اخیر جنازہ جس پر نبی ﷺ نے نماز پڑھی۔ اور تکبیریں کہیں کونسا تھا۔ (کہ وہ پچھلے عمل کا ناسخ ہو اور وہی عمل حجت ہو) لہٰذا اصحابہ نے ایسی مثال سوچ نکالی۔ (اور کہا) کہ آپ نے وفات تک چار تکبیریں کہیں۔ تب حضرت عمرؓ نے نماز جنازہ میں چار تکبیریں کہے جانے کا حکم صادر فرمایا۔

ف: ائمہ اربعہ اس پر متفق الرائے ہیں اور متحد الخیال کہ نماز جنازہ میں چار تکبیریں ہیں۔ کیونکہ اکثر صحابہؓ کا اسی پر عمل ہے حاکم نے مستدرک میں اور ابو نعیم نے حلیہ میں ابن عباسؓ سے حدیث بیان کی ہے کہ فرشتوں نے آدمؑ پر جب نماز پڑھی تو چار تکبیریں کہیں اور کہا کہ اے بنی آدم تمہارے

لئے سنت یہی ہے۔

ابو حنیفة عن شیبان عن یحیی عن ابی سلمة عن ابی هریر ة ان النبی صلی الله علیه وسلم کان یقول اذاصلی علی المیت اللهم اغفر لحینا ومیتنا وماشاهدنا وغائبنا ومغیر نا وکبیر نا وذکرنا وانثانا .

حضرت ابی ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جنازہ کی نماز پڑھتے تو کہتے ﴿اللہم اغفر لحینا ومیتنا وشاہدنا وغائبنا وصغیرنا وکبیر ناوذکرنا وانثانا ﴾ یعنی اے اللہ مغفرت فرما ہمارے زندوں کی اور مردوں کی ہمارے حاضرین کی اور غائبین کی' ہمارے چھوٹوں کی اور بڑوں کی' ہمارے مردوں کی اور عورتوں کی۔

ف: دوسری روایات میں یہ الفاظ بھی زائد ہیں ﴿**اللهم من احیبة منا فاحیه علی الاسلام ومن نوفیة منافتوفه علی الایمان**﴾ اور بعض میں اس سے بھی زائد الفاظ ہیں۔

ابو حنیفة عن علقمة عن ابن برید ة عن ابیه قال الحد للنبی صلی الله علیه وسلم واخذ من قبل القبلة ونصب علیه اللبن نصبا.

حضرت بریدہؓ کہتے ہیں کہ لحد تیار کی گئی نبی ﷺ کے لئے اور آپ اتارے گئے قبلہ کی جانب سے اور کچی اینٹیں آپ پر نصب کی گئیں۔

ف: حدیث ذیل کے ماتحت دوامور قابل بیان ایسے ہیں جن پر ائمہ کا اختلاف رائے ہے ایک لحد وشق کا مسئلہ کہ لحد (بغلی قبر) میت کے لئے زیادہ افضل ہے یا شق (صندوقی قبر) امام صاحب پہلے خیال کے حامی ہیں۔اور امام شافعیؒ دوسرے کے دوسرا مسئلہ میت کو قبر میں اترانے کا ہے کہ قبلہ کی جانب سے میت کو قبر میں اتارنا سنت ہے یا سر کی طرف سے امام صاحبؒ پہلی صورت کو مسنون کہتے ہیں کہ اگر کوئی عذر نہ ہو تو یہ ہی سنت ہے اور امام شافعیؒ دوسری صورت کو۔

مسئلہ لحد وشق میں مذہب حنفیہ کی پہلی دلیل ابن عباس کی مرفوع حدیث ہے جو ترمذی بدیں الفاظ لائے ہیں ﴿**اللحدلنا والشق لغیرنا**﴾ کہ لحد ہمارے لئے ہے ہم اس کو اختیار کرتے ہیں اور پسند کرتے ہیں اور شق ہمارے غیر کے لئے کیونکہ یہود میں اس شکل کی قبر کا رواج تھا۔دوسری دلیل یہ کہ خود آں حضرت ﷺ کے لئے لحد تیار کی گئی۔اس سے بڑھ کی افضلیت کا کیا ثبوت ہوسکتا ہے گو صحابہؓ نے ہر دو قسم کی قبر کھودنے والوں کو بلایا۔اور معاملہ قدرت پر چھوڑا کہ جو پہلے آجائے وہ اپنا کام کرے مگر قدرتی طرف سے آں جناب ﷺ کیلئے لحد کا انتخاب ہوا۔اور لحد کھود

نے والے صاحب پہلے آ پہنچے اس لئے آپ ﷺ کے لئے لحد تیار ہوئی۔

تیسری دلیل یہ کہ مسلم میں ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے اپنے لئے وصیت فرمائی کہ میرے لئے لحد تیار کریں ایسے جلیل القدر صحابیؓ جب اپنے لئے لحد پسند فرمائیں تو یہ اس کی افضیلت کی قطعی دلیل ہے اور پختہ حجت۔

دوسرے مسئلہ اختلافی میں امام شافعیؒ کی زبردست دلیل ابن عباسؓ کی حدیث ہے جو مسند امام شافعی میں مذکور ہے کہ ﴿سل رسول الله صلى الله عليه وسلم من قبل راسه﴾ کہ آپ ﷺ سر کی جانب سے نکالے گئے اور قبر میں اتارے گئے۔ اس کی شکل ایسی ہے کہ جنازہ کو قبر کی پائتی رکھا جائے کہ سر میت کا قبر کی پائتی کے پاس رہے پھر جب قبر میں اتارا جائے تو سر کی جانب سے میت کو اتارا جائے۔ اس کی یہ صورت بھی ہوسکتی ہے کہ جنازہ کو قبر کے سرہانے رکھا جائے۔ اور میت کے پاؤں قبر کے سرہانے ہوں اور میت کے پاؤں کی طرف سے اس کو اتارا جائے بعض اس طرف بھی گئے ہیں اور ان کے مذہب کی موافقت میں چند روایات بھی ہیں۔ مگر امام شافعیؒ سے پہلی شق کی روایت ہے۔ مذہب حنفیہ کی طرف سے استدلال شافعیہ کا جواب یہ ہے کہ آں حضرت ﷺ کے دفن کے سلسلہ میں جو احادیث وارد ہیں ان میں سخت اضطراب ہے کیونکہ اس مضمون کی بھی صحیح احادیث مروی ہیں کہ آپ کو قبلہ کی جانب سے قبر میں اتارا گیا چنانچہ ابن ابی شیبہ اپنی مصنف میں اور ابوداؤد اپنی مراسل میں ابراہیم نخعی سے مرفوع مرسل حدیث لاتے ہیں کہ آپ کو قبر میں قبلہ کی رخ سے اتارا گیا اور آپ سر کی جانب سے نہیں نکالے گئے۔ استقبال کی صورت یہ ہے کہ جنازہ قبر سے جانب قبلہ رکھا جائے اور میت کو قبر میں اتارنے والے قبلہ رو ہو کر میت کو قبر میں اتاریں اور اسی طرح ابن ماجہ اپنی سنن میں حضرت ابوسعید خدریؓ سے مرفوع حدیث لائے ہیں کہ آں جناب ﷺ کو قبر میں قبلہ کے رخ سے اتارا گیا۔ اور قبلہ رو ہو کر آپ کو لایا گیا جب احادیث میں تعارض واقع ہوا تو لامحالہ قیاس کی طرف رجوع کریں گے اور قیاس مذہب حنفیہ کی پرزور تائید کرتا ہے کیونکہ ہر امر خیر میں قبلہ کا رخ اختیار کرنا بہتر مانا گیا ہے نہ کہ اس وقت کے انسان کو اس کے مولیٰ کے پاس پہنچایا جا رہا ہو اور ہمیشہ ہمیش کی خواب گاہ میں اس کو رکھا جا رہا ہو پھر اس تعارض کو بھی جانے دیجئے تھوڑی دیر کے لئے مان لیجئے کہ مذہب شافعیہ کی موافقت میں حدیث صحیح ہے تو ہم یہ کہیں گے کہ اس وقت ایک خاص عذر دامنگیر تھا جس کی بناء پر استقبال کی سنت پر عمل نہ ہوسکا کہ قبر شریف دیوار کی جڑ میں تھی اس لئے قبلہ کی جانب جنازہ نہیں رکھا جاسکتا تھا کہ جسد اطہر کو قبلہ رخ کر لیتے اس

مجبوری سے ایسا کر لیا گیا کہ آپ کو سر کی جانب سے اتارا گیا نہ یہ کہ یہی طریقہ سنت ہے۔ کیونکہ اگر یہ عمل صحابہ کا عذر پر مبنی نہ ہو تو یہ تو صحابہؓ کا فعل ہے ہمارے پاس خود آں حضرت ﷺ کے عمل کی حدیث صحیح اس کے خلاف موجود ہے کہ ترمذی ابن عباسؓ سے روایت بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ رات کو قبر میں اترے آپ ﷺ کے لئے چراغ کی روشنی کی گئی آپ ﷺ نے میت کو قبلہ کی جانب سے لیا اور فرمایا رحم کرے اللہ تجھ پر تو خوف الٰہی میں بہت رونے والا تھا اور قرآن کا بہت پڑھنے والا تھا اور چار تکبیریں کہیں۔ اس حدیث کو ترمذیؒ نے حسن کہا ہے۔ لہٰذا اس حدیث سے کیسے درگذر کی جاسکتی ہے پھر صحابہؓ کا عمل بھی اس پر شاہد ہے کیونکہ ابن ابی شیبہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے یزید بن المکفف پر چار تکبیریں کہیں اور ان کو قبلہ کی طرف سے اتارا۔

(۸۵) باب السؤال فی القبر

ابو حنیفة عن علقمة عن رجل عن سعد بن عبادة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا وضع المؤمن فی قبره اتاه الملک فاجلسه فقال من ربک فقال الله قال ومن نبیک قال محمد قال ومادینک قال الاسلام .

قال فیفسح له فی قبره ویری مقعده من الجنة . فاذا کان کافرا اجلسه الملک فقال من ربک فقال هاه لاادری کالمضل شیئا فیقول من نبیک فیقول هاه لا ادری کالمضل شیئا فیقال مادینک فیقول هاه لاادری کالمضل شیئا .

فیضیق علیه قبر ه ویری مقعده من النار فیضر به ضربة یسمعه کل شیء الا الثقلین الجن والانس .

ثم قرأرسول الله صلی الله علیه وسلم یثبت الله الذین امنوا بالقول الثابت فی الحیوة الدنیا وفی الاخرة ویضل الله الظالمین ویفعل الله مایشآء.

باب۔ قبر میں سوال وجواب کی کیفیت

حضرت سعد بن عبادہ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جس وقت مومن اپنی قبر میں رکھا جاتا ہے تو اس کے پاس فرشتہ آتا ہے اور اس کو بٹھاتا ہے پھر اس سے کہتا ہے تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے اللہ۔ فرشتہ پوچھا ہے تیرا نبی کون ہے؟ مومن کہتا ہے محمد ﷺ پھر سوال کرتا ہے کہ تیرا دین کیا ہے؟ مؤمن کہتا ہے اسلام۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر اس کی قبر فراخ

اور کشادہ کردی جاتی ہے اور اس کو اس کی جنت کی جگہ دکھادی جاتی ہے اور جب مردہ کافر ہوتا ہے تو فرشتہ اس کو بٹھاتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے ایک بھولے ہوئے آدمی کی طرح ہائے ہائے میں نہیں جانتا پھر فرشتہ پوچھتا ہے تیرا نبی کون ہے؟ وہ کہتا ہے ہکا بکا ہو کر ہائے میں نہیں جانتا پھر (تیسری بار) فرشتہ اس سے سوال کرتا ہے تیرا دین کیا ہے اور وہ کافر اسی عالم حیرانی میں کہتا ہے ہائے ہائے میں نہیں جانتا۔ اس کے بعد اس کی قبر تنگ کردی جاتی ہے اور دوزخ میں اس کا مقام اس کو دکھادیا جاتا ہے اور فرشتہ اس پر ایک ایسی ضرب لگاتا ہے کہ جس کی آواز سوائے جن وانس کے ہر شے سنتی ہے پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت پاک پڑھی ﴿یثبت اللہ الذین امنوا بالقول الثابت فی الحیوۃ الدنیا وفی الاخرۃ ویضل اللہ الظالمین ویفعل اللہ مایشآء﴾۔

ف: قبر کے سوال وجواب کے سلسلہ میں احادیث مختلف عبارات سے وارد ہیں اور بعض زیادہ تفصیلی بیان پر مشتمل ہیں۔

ابو حنیفۃ عن اسماعیل عن ابی صالح عن ام ھانیٔ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی القبر ثلث سؤال عن اللہ تبارک وتعالی ودرجات فی الجنان وقراءۃ القران عند راسک۔

حضرت ام ہانیؓ نے روایت کی ہے نبی ﷺ سے کہ قبر میں تین چیزیں (پیش آنے والی) ہیں ایک اللہ تبارک وتعالیٰ کے بارہ میں سوال دوسرے درجات (یا مقامات) جنت کا مؤمن کے سامنے پیش کیا جانا) تیسری پڑھنا قرآن کا سر کے نزدیک۔

ف: یہ گویا قبر کی ابتدائی زندگی کا مختصر حال ہے اور اجمالی خاکہ جس کی تفصیل یا ترجمانی دوسری مفصل احادیث ہیں۔

ابو حنیفۃ عن علقمۃ عن ابن بریدۃ عن ابیہ قال خرجنا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی جنازۃ فاتی قبر امہ فجاء وھو یبکی اشد البکاء حتی کادت نفسہ ان یخرج من بین جنبیہ قال قلنا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مایبکیک قال استأذنت ربی فی زیارۃ قبر ام محمد فاذن لی واستأذنتہ فی الشفاعۃ فابی علی۔

وفی روایۃ قال استأذن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ربہ فی زیارۃ قبر امہ فاذن

لہ فانطلق وانطلق معہ المسلمون حتی انتھوالی قریب من القبر فمکث المسلمون ومضی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فمکث طویلا ثم اشتد بکاؤہ حتی ظننا انہ لایسکن فاقبل وھو یبکی فقال لہ عمرؓ مابکاک یا نبی اللہ بابی انت وامی قال استذنت ربی فی زیارۃ قبر امی فاذن لی واستأذنۃ فی الشفاعۃ فابی فبکیت رحمۃ لھا وبکی المسلمون رحمۃ للنبی صلی اللہ علیہ وسلم.

حضرت بریدہ کہتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کے ہمراہ ایک جنازہ کے ساتھ نکلے (دفن میت کے بعد) آپ ﷺ اپنی والدہ کی قبر پر تشریف لائے اور ایسا پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کیا کہ معلوم ہوتا تھا کہ عنقریب روح پاک جسم اطہر سے پرواز کر جائے گی ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ اس قدر کیوں روتے ہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اللہ سے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی اجازت مانگی تو مجھ کو اجازت ملی پھر میں نے شفاعت کی اجازت طلب کی تو منظور نہ ہوئی۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ اجازت چاہی نبی ﷺ نے اپنے پروردگار سے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی پس آپ کو اجازت ملی تو آپ ﷺ تشریف لے گئے اور آپ کے ہمراہ مسلمان بھی یہاں تک کہ قبر کے قریب پہنچے تو مسلمان تو ٹھہر گئے اور نبی ﷺ قبر تک تشریف لے گئے اور قبر پر بہت دیر تک ٹھہرے رہے پھر آپ ﷺ نے شدید رونا شروع کیا۔یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ آپ کا رونا نہیں رکے گا پھر ہماری طرف روتے ہوئے پلٹے تو حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ جناب کو کس چیز نے رُلایا ہے اے نبی اللہ آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں ۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اپنے پروردگار سے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی اجازت مانگی تو مجھ کو اجازت دی اور میں نے شفاعت کی اجازت طلب کی تو منظور نہ ہوئی۔لہٰذا مجھ کو ان پر شفقت کی وجہ سے رونا آ گیا اور مسلمان آپ ﷺ پر شفقت کرتے ہوئے رو پڑے۔

ف: یہاں ایک نازک اور شدید اختلافی مسئلہ سامنے آتا ہے جس میں علمائے متقدمین ومتاخرین آپس میں مختلف الخیال رہ چکے ہیں وہ یہ کہ آں حضرت ﷺ کے والدین نے اسلام پر وفات پائی یا غیر اسلام پر علمائے متقدمین دوسری شق کے حامی ہیں اور متاخرین پہلی کے متقدمین کے سامنے حدیث ذیل یا اس جیسی احادیث ہیں جن سے بظاہر ہر دو اصحاب کے کفر کا پتہ چلتا ہے اور اسی

ذیل میں جوان آیات قرآن کو بھی پیش نظر رکھتے ہیں کہ فرمایا﴿ماکان للنبی والذین امنوان یستغفروا للمشرکین ولو کانوا اولی قربی ﴾یا ارشاد ہوا﴿ولا تسئل عن اصحاب الجحیم ﴾متاخرین اس امر میں نہایت محتاط ہیں اور وہ اس مسلک پر ہیں کہ آں جناب ﷺ کے والدین مسلمان ہیں۔ان کا مسلک درحقیقت تفصیلی پہلو سے تین نقطہ ہائے خیال پر تقسیم ہوتا ہے ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ فرما کر ان کو ایمان نصیب فرمایا۔اس بارہ میں ان کے پاس احادیث موجود ہیں جن کو انہوں نے صحیح یا حسن ثابت کیا ہے۔اور جن تک ممکن ہے متقدمین کی رسائی نہ ہوئی ہو۔﴿والله یختص برحمة من یشاء ﴾دوسرا یہ کہ آں جناب ﷺ کے والدین نے زمان فترت پایا یعنی قبل بعثت کا زمانہ اور اللہ تعالیٰ موحد غیر سرکش کو عذاب نہیں دیتا جیسا کہ فرمایا﴿وان العذاب علی من کذب وتولی ﴾تیسرا یہ کہ وہ قدیم ملت ابراہیم پر تھے جس کے ماتحت مستحق عذاب نہیں۔بہرحال یہ مقام نہایت ادب واحتیاط کا ہے کھلم کھلا کفر کی نسبت ان کیطرف کرنی شان ایمانی کے سراسر خلاف ہے اور کس طرح زیبا نہیں اگر اس باب میں انسان کو کچھ ادلہ بھی ملیں اور خیال ادھر جھکے تو پھر بھی سکوت ہی قرین مصلحت ہے اور موافق ادب کیونکہ چھوٹا منہ بڑی بات مسلمان کو کہاں زیبا ہے کہ سرور کائنات وسرکار دوعالم کے ماں باپ کو جن کی پوری نوع انسانی ممنون ہے اور مرہون احسان کفر کا مصداق ٹھہرائے۔پھر یہ ان مسائل میں سے نہیں کہ جن پر ہر مسلمان کو کچھ نہ کچھ فیصلہ کرنا ہی ہو کہ بغیر اس فیصلہ کے اس کا ایمان ناقص رہے۔لہٰذا کیا ضرور ہے کہ ایک غیر ضروری مسئلہ میں پڑ کر اپنی زبان گندی کرے۔دل میں شکوک لائے اور ایمان کو ٹھیس لگائے﴿والله اعلم بحقیقة الحال والیه المرجع والمآل﴾۔

(۸۶) باب زیارة القبور واسلام علی اهلها

ابو حنیفة عن علقمةبن مرثد وحماد انهما حدثاه عن عبدالله بن بریدة عن ابیه عن النبی صلی الله علیه وسلم انه قال کنت نهیتکم عن القبور ان تزوروها فزوروها ولا تقولوا اهجرا.

باب۔قبرستان میں جانے اور مردوں پر سلام کرنے کا بیان

حضرت بریدہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے پہلے تم کو منع کیا تھا قبروں کی زیارت کرنے سے سو اب زیارت کرو قبروں کی۔لیکن بُری بات زبان سے نہ کہو۔

ف: ابوداؤد کی روایت میں اس کے ساتھ یہ الفاظ زائد ہیں فان فی زیارتها تذکرة کہ البتہ

قبروں کی زیارت میں نصیحت ہے ترمذی میں یوں ہے ﴿**فقد اذان لمحمد فی زیارة قبر امه فزوروها فانها تذکر الاخرة**﴾ کہ البتہ محمد ﷺ کو اپنی والدہ کی قبر کی اجازت ملی تو تم بھی قبروں پر جاؤ کیونکہ وہ آخرت کو یاد دلاتی ہیں۔

یہاں یہ امر قابل وضاحت ہے کہ قبروں پر جانا شرعاً کیسا ہے تو واضح رہے کہ قبروں پر جانا بالاجماع مستحب ہے کیونکہ اس میں بیش از بیش فوائد و منافع ہیں دل میں رقت و نرمی پیدا ہوتی ہے آخرت کا خیال بندھتا ہے انسان کو خود اپنی موت یاد آتی ہے۔ دنیا کی فناء و ناپائیداری کا خیال دل میں سماتا ہے۔ غرض دل پر بہت اچھے اثرات طاری ہوتے ہیں جو تقویٰ و بزرگی کے لئے اکسیر اعظم کا کام دیتے ہیں اس میں مشغلہ یہ ہے کہ مردوں کے حق میں دعائے خیر کرے اور ان کے گناہوں کی معافی کا خواستگار ہو۔ رہا یہ مسئلہ کہ سوائے انبیاء علیہم السلام کے اوروں کی ارواح سے مدد مانگنا کہاں تک روا ہے تو اکثر علمائے فقہ نے تو اس سے روکا ہے اور مشائخ صوفیہ اور بعض فقہاء نے اس کی اجازت دی ہے بلکہ اہل کشف و کمال کے تو اس پر فیصلے ہیں۔ امام شافعیؒ نے تو فرمایا کہ حضرت کاظم کی قبر اجابت دعاء کے لئے تریاق مجرب ہے۔ اب اس کے بعد رہ جاتا ہے مسئلہ عورتوں کے قبروں پر جانے کا۔ تو بعض نے ان کو اس سے روکا ہے اس حدیث کے پیش نظر جو ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبروں پر جانے والیوں پر لعنت کی ہے ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے بعض نے اجازت دی ہے اس خیال کے ماتحت کہ آں حضرت ﷺ کا یہ امتناعی حکم اس وقت کا ہے جب کہ مردوں اور عورتوں سب کو زیارت قبور سے روک دیا گیا تھا لیکن جب آں حضرت ﷺ نے اجازت مرحمت فرمائی جیسا کہ حدیث ذیل میں ہے تو اس عام اجازت میں عورتیں بھی شامل ہوئیں۔ اور بعض نے جو عورتوں کو قبروں پر جانے سے روکا ہے وہ محض اس بناء پر کہ وہ ضبط و تحمل پر قدرت نہیں رکھتیں۔ اس لئے قبروں پر جا کر جزع فزع کرنے لگتی ہیں اور یہ ناجائز ہے اگر وہ اس سے بچ سکیں تو پھر کوئی مضائقہ نہیں یہ اجازت عام ان کے لئے بھی ہے چنانچہ علمائے حنفیہ نے زیارت قبور کو ان کے لئے جائز جانا ہے جیسا کہ عالمگیری میں ہے۔

ابو حنیفة عن علقمة عن ابن بریدة عن ابیه قال کان النبی صلی الله علیه وسلم اذا خرج الی المقابر قال السلام علی اهل الدیار من المسلمین وانا ان شآء الله بکم لاحقون نسأل الله لنا ولکم العافیة .

حضرت بریدہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جب قبرستان میں تشریف لے جاتے تو فرماتے

(یہ الفاظ دعا کے زبان مبارک پر ہوتے ﴿ اسلام علی اھل الدیار من المسلمین وانا انشاء اللہ بکم لاحقون نسال اللہ لنا ولکم العافیۃ ﴾ کہ اے قبروں میں رہنے والے مسلمانوں سلامتی ہو تم پر ہم بھی انشاء اللہ تم سے ملنے والے ہیں ہم اپنے لئے اور تمہارے لئے اللہ سے عافیت کے خواستگار ہیں۔

ف: دیگر احادیث صحیح میں بھی یہ ہی الفاظ وارد ہیں۔

کتاب الزکوۃ

باب الرکاز

ابو حنیفۃ عن عطاء عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الرکاز مارکزہ اللہ تعالی فی المعادن الذی ینبت فی الارض .

زکوٰۃ کے احکام

باب۔ رکاز کا حکم

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ رکاز وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے کانوں میں گاڑا ہے (اور) جو پیدا ہوتی ہے زمین میں۔

ف: یہ حدیث رکاز کی حقیقت کو کھولتی ہے کہ رکاز دراصل وہ چیز ہے جس کو اللہ تعالیٰ کانوں میں مرکوز پیدا کرتا ہے اور جس کی تخلیق زمین میں ہوتی ہے یہ حدیث دراصل امام شافعیؒ یا امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے درمیان ایک مبحث اختلافی پر روشنی ڈالتی ہے خلاف کی نوعیت یہ ہے کہ ہر دو ائمہ کانوں میں زکوٰۃ مانتے ہیں اور رکاز کو ایام جاہلیت کے دفینوں کے ساتھ مخصوص کرتے ہیں اور ان میں وہ خمس مانتے ہیں۔ امام صاحبؒ کے نزدیک رکاز کان اور دفینہ ہر دو کو شامل ہے چنانچہ وہ ہر دو میں خمس کے قائل ہیں۔ امام شافعیؒ و مالکؒ کے مذہب کی حجت قوی بلال بن الحارث المزنی والی حدیث ہے جس کو مالکؒ موطاء میں لائے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرع کے نامیہ میں معاون قبیلہ کو بلال بن حارث المزنی کی جاگیر میں دے دیا تھا پس ان معاوی سے کچھ نہیں لیا جاتا ہے آج تک مگر زکوٰۃ۔

امام صاحبؒ کے مذہب کی حقانیت پر قرآن شاہد ہے سنت رسول حجت ہے اور قیاس اس کا موید مگر قبل اس کے کہ ان ہر سہ پر بحث ہو لفظ رکاز کی لغوی تحقیق سن لیجئے کہ اختلاف کی

جڑ یہیں سے کٹ جائے درحقیقت زمین سے نکالا جانے والا مال تین ناموں سے موسوم ہے کنز ۔معدن۔رکاز۔کنز دہ خزانہ ہے جس کو انسان زمین کے نیچے گاڑے۔معدن وہ جس کی تخلیق زمیں کی تخلیق کے ساتھ ہوئی ہو رکاز ان ہر دو کو شامل ہے اور عام۔اب قرآن اس طرح مذہب حنفیہ کی حقانیت پر شاہد ہے کہ فرمایا﴿و اعلموا انما غنمتم من شئ فان الله خمسه ﴾ کہ جانو تم یہ کہ جو کچھ لوٹ لو کسی چیز سے پس تحقیق واسطے اللہ کے ہے پانچواں حصہ اس کا اور یہ ظاہر ہے کہ دفینہ اور اس کا محل زمین ہر دو پر لفظ غنیمت صادق آتا ہے کیونکہ پہلے وہ کفار کے قبضہ میں تھے پھر مسلمانوں نے ان کو چھینا' لوٹا۔اور قبضہ میں کیا جب یہ غنیمت میں شمار ہوئے تو اس کے حکم خمس کے نیچے بھی آئے اور ان میں خمس واجب ہوا سنت کی حجیت اس طرح کہ صحاح ستہ میں حدیث وارد ہے﴿العجماء جبار والبیر جبار والمعدن جبار وفی الرکاز الخمس ﴾ کہ جانوروں میں بدلہ نہیں کنوئیں میں بدلہ نہیں کان میں بدلہ نہیں اور رکاز میں خمس ہے۔لہٰذا بنا بر تحقیق لغوی رکاز کے ماتحت معدن بھی آتی ہے۔اور دفینہ بھی اور ہر دو میں خمس ثابت ہوتا ہے۔اب یہاں بقول شافعیہ رکاز کو صرف دفینہ کے لئے لینا کوئی وجہ نہیں رکھتا خصوصاً جب کہ خود آں حضرت ﷺ کی زبانی اس کی تائید ملتی ہو کہ امام محمدؒ نے اپنی موطا میں اور بیہقی نے نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے جب فرمایا کہ رکاز میں خمس ہے تو آپ سے پوچھا گیا کہ یارسول اللہ ﷺ رکاز کیا چیز ہے آپ نے فرمایا وہ مال جس کو اللہ تعالیٰ نے زمین میں ان معادن میں پیدا کیا ہو جب کہ آسمان وزمین کو پیدا فرمایا۔اب شافعیہؒ کے استدلال کا جواب سنیے کہ حدیث بلال بن الحارث المزنی اول تو منقطع ہے جیسا کہ ابو عبید نے کتاب الاموال میں اس کی تصریح کی ہے پھر اس میں اس کا اظہار کب ہے کہ نبی ﷺ نے اس کا حکم دیا تھا کہ معادن سے زکوٰۃ لیجائے بلکہ قرین قیاس ہے کہ یہ اہل ولات کا اجتہاد ہے کیونکہ اس باب میں نبی ﷺ سے کوئی روایت نہیں۔

رہی مذہب حنفیہ کی بروئے قیاس تائید تو وہ بدیں صورت کہ معدن کو پوری پوری غنیمت کی حیثیت حاصل ہے جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا کہ پہلے یہ معدن کی زمین کفار کے قبضہ میں تھی پھر مسلمانوں نے اس کو بقوت وطاقت اپنے قبضہ میں کیا تو غنیمت ہوئی اور غنیمت میں چونکہ بلاشک وشبہ خمس ہے تو اس میں خمس کیوں نہ ہو۔

(۸۸) باب کل معروف صدقة

ابو حنیفة عن عطاء عن جابرؓ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم کل

معروف فعلته الی غنی وفقیر صدقة .

باب۔ بھلائی کا ہر کام صدقہ ہے

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ ہر وہ بھلائی جو تم کسی غنی یا فقیر کے ساتھ کرو وہ صدقہ ہے۔

ف: یہ حدیث بعینہ الفاظ یا اس کے قریب قریب الفاظ ساتھ مختلف کتب صحاح میں وارد ہے ۔طبرانی میں ابن مسعودؓ سے روایت ہے اس میں بجائے ﴿فعلته﴾ کے ﴿ صنعته ﴾ کا لفظ ہے حاکم جابر سے روایت کرتے ہیں ۔اس میں اس قسم کا مضمون بھی زائد ہے کہ مسلمان جو خود اپنے نفس پر صرف کرے یا اپنے گھر والوں پر یا اس سے اپنی عزت بچائے تو وہ صدقہ میں لکھ لیا جاتا ہے۔

(۸۹) باب کون الصدقة هدية للغير

ابو حنيفة عن حماد عن ابراهيم عن الاسود عن عائشة قالت تصدق على بريدة بلحم فرأه النبى صلى الله عليه وسلم فقال هولها صدقة ولنا هدية .

باب۔ فقیر صدقہ کا مال دوسرے کو ہدیہ کے طور پر دے سکتا ہے!

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ بریرہؓ کو گوشت بطور صدقہ دیا گیا۔ نبی ﷺ نے اس کو دیکھا اور فرمایا کہ یہ گوشت اس کے (بریرہؓ) کے لئے صدقہ ہے اور ہمارے لئے ہدیہ۔

ف: آں حضرت ﷺ کا مقصد کلام یہ ہے کہ مختلف حیثیات سے چیز کے تبادلہ سے حکم بدل جایا کرتا ہے مثلاً موقع زیر بیان میں بریرہؓ کی ملک بیچ میں آ جانے سے گوشت کا حکم بدل گیا۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے کہ اگر کوئی فقیر صدقہ سے کسی غنی کی ضیافت کرے تو غنی کے لئے صدقہ کی چیز کھانا روا ہے اور جائز۔ یا اگر غنی اس کو خرید لے تو بھی روا ہے۔ ہاں غنی یا نبی ہاشم کو براہ راست مال صدقہ کو تصرف میں لانا اور اس کو اپنی ملک میں لینا ہرگز جائز نہیں۔ چنانچہ آں حضرت ﷺ نے اپنے عمل اور الفاظ مذکورہ سے اسی مسئلہ کی وضاحت فرمائی۔

كتاب الصوم

باب فضيلة الصوم

ابو حنيفة عن عطاء عن ابى صالح ن الزيات عن ابى هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول الله تعالى كل عمل ابن ادم له الا الصيام فهو

روزہ کے احکام

باب۔ روزے کی فضیلت

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ سب عمل انسان کے اس کے واسطے ہیں۔ مگر روزہ کہ وہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔

ف: یہ حدیث روزہ کی فضیلت و برتری کو انسان کے دیگر اعمال پر نہایت پرزور الفاظ میں ثابت کرتی ہے مقصد کلام یہ ہے کہ انسان کے دیگر اعمال میں ریا کاری دکھاوے نام نمود ظاہر داری کو دخل ہو سکتا ہے اور اس کے امکانات ہیں اور اسی کے باعث انسان کے بہت سے اعمال اللہ کی نظر سے گر جاتے ہیں بلکہ بالکل سوخت ہو جاتے ہیں مگر روزہ میں یہ سب کچھ نہیں یہ محض خدا کے لئے رکھا جاتا ہے اس میں ریا کاری کو کیا دخل اور کیا گنجائش۔ چنانچہ بیہقی شعب الایمان میں ابو ہریرہ سے مرفوع روایت لاتے ہیں کہ ﴿الصیام لاریاء فیه قال الله تعالیٰ هولی و انا اجزی به یدع طعامه و شرابه من اجلی﴾ کہ روزہ میں ریا کاری نہیں۔ وہ خالص میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔ روزہ دار میری خاطر اپنا کھانا اور پینا چھوڑتا ہے اسی بنا پر روزہ کی نسبت اپنی طرف کی پھر اس طرف بھی اشارہ فرمایا کہ ہر عمل انسانی کا بدلہ اس کی مشقت کے اعتبار سے ہے جو دس گنا سے بڑھتا ہوا سات سو گنا تک پہنچتا ہے۔ مگر روزہ کے اجر کی کوئی مقدار متعین نہیں۔ خدا تعالیٰ اپنی عنایات بے پایاں سے جو چاہے اور جس قدر چاہے عنایت فرمائے۔

ابو حنيفة عن اسماعيل عن ابی صالح عن ام هانی قالت قال رسول الله صلی الله عليه وسلم مامن مؤمن جاع يوما فاجتنب المحارم ولم ياكل مال المسلمين باطلا الا اطعمه الله تعالی من ثمار الجنة .

حضرت ام ہانیؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جو بھی مؤمن بھوکا رہے دن بھر اور حرام کاموں سے بچتا رہے (مثلاً غیبت وغیرہ سے) اور نہ کھائے ناجائز طریقہ سے مسلمانوں کا مال تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے پھل کھلائے گا۔

ف: حدیث ذیل میں اگر بھوکا رہنے سے مراد عام بھوکا رہنا ہے۔ خواہ روزہ کی شکل میں ہو یا ویسے کسی مجبوری سے تو روزہ سے اس کا تعلق اس طرح ہے کہ گویا یہ روزہ کی فضیلت ظاہر کرتی ہے اور مؤمن کی رعایت و پاسداری کو جو اللہ تعالیٰ کو منظور ہے کہ جب بغیر روزہ کے مؤمن کا بھوکا رہنا اس

قدر خدا تعالیٰ پر شاق ہیکہ اس کے بھوکے رہنے کا اجر جنت کے پھلوں سے فرماتے ہے اور دنیا کی بھوک کو جنت کے پھلوں کی سیری سے بدلتا ہے تو روزہ کی بھوک جو مجسم عبادت ہے اور افضل ترین عبادت اس کا بدل کیا کچھ دیتا ہوگا۔

ابو حنیفة عن ابراهیم عن ابیه عن حمید بن عبدالرحمن الحمیری عن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال لرجل من اصحابه یوم عاشوراء مر قومک فلیصوموا هذا الیوم قال انهم طعموا قال وان کانوا قد طعموا .

حمید بن عبدالرحمٰن الحمیری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عاشورہ کے دن اپنے اصحاب میں سے ایک صاحب سے فرمایا کہ اپنی قوم کو حکم دو کہ وہ آج روزہ رکھیں۔انہوں نے عرض کیا کہ وہ لوگ کھانا کھا چکے ہیں یا کھا چکے ہوں گے آپ نے فرمایا اگرچہ وہ کھانا کھا چکے ہوں (یعنی بلحاظ حرمت دن۔باقی حصہ دن میں کچھ نہ کھائیں)۔

ف: آں حضرت ﷺ نے اس دن کی اہمیت واحترام کو نہایت پرزور الفاظ میں ظاہر فرمایا کہ جس نیکھانا کھالیا ہے وہ بقیہ دن میں احتراماً کچھ نہ کھائے اور جس نے نہیں کھایا ہے وہ شام تک اپنا روزہ پورا کرے یہ رمضان کی فرضیت سے پہلے کا قصہ ہے کہ جب تک اس کا روزہ لازم تھا یہاں تک کہ صحابہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد ہم اور ہمارے بچے روزہ رکھتے غرض اس دن کے روزہ کی اہمیت میں بہت احادیث وارد ہیں جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو آں حضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو چاہے اس دن روزہ رکھے جو چاہے نہ رکھے۔

ابوحنیفة عن الهیثم عن موسی بن طلحة عن ابن الحوتکیة عن ابن عمر رضی الله عنهما قال اتی رسول الله صلی الله علیه وسلم بارنب فامر اصحابه فاکلوا وقال للذی جآء بها مالک لاتاکل منها قال انی صائم قال وما صومک قال تطوع قال فهلا البیض .

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں (پکا ہوا) خرگوش پیش کیا گیا آپ ﷺ نے اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ کھاؤ۔انہوں نے کھانا شروع کیا آں جناب ﷺ نے لانے والے سے فرمایا کہ تم کیوں نہیں کھاتے انہوں نے کہا کہ میرا روزہ ہے آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ کیسا روزہ ہے انہوں نے کہا کہ نفلی روزہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایام بیض کے روزے کیوں نہیں رکھتے۔

ف: یہاں چند امور ہیں جو محتاج بیان ہیں جن کو ہم مختصراً قلمبند کرتے ہیں اول ایام بیض کی فضیلت اس حدیث سے صاف آشکارا ہے۔ ایام بیض ہر ماہ کی تیرہویں چودھویں اور پندرھویں تاریخیں ہیں۔ ان کی برکت اور بھی صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ دوسرا امر خرگوش کے گوشت کھانے کا ہے کہ اس کی اباحت میں بعض نے اختلاف کیا ہے احنافؒ کے نزدیک وہ بلاشک مباح ہے اور حدیث ذیل اس پر قوی شاہد ہے۔ تیسرا امر نفلی روزہ کا ہے کہ اس کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک اتفاقی کہ بوجہ عذر مثلاً ضیافت وغیرہ اس کو افطار کر سکتے ہیں اس پر سب متفق ہیں اور روایات سے اس کا ثبوت ہے۔ دوسری اختلافی وہ یہ کہ پھر اس کی قضا واجب ہے یا نہیں۔ پہلی شق مذہب حنفیہ کی ترجمانی کرتی ہے۔ ان کی دلیل حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے کہ وہ کہتی ہیں کہ میں اور حفصہ روزہ سے تھیں۔ ہمارے پاس ایسا کھانا آیا۔ جو ہم کو مرغوب تھا ہم نے اس کو کھایا۔ حضرت حفصہؓ نے یہ قصہ آں حضرت ﷺ سے بیان کیا آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کی جگہ دوسرے دن روزہ قضا رکھ لو۔ امر بظاہر وجوب کیلئے ہے اس لئے اس کے وجوب پر ثبوت ملا۔ اب یہاں یہ شک پیدا کرنا کہ ممکن ہے وہ روزہ قضا یا نذر کا ہو۔ تو یہ بعید از خیال ہے اگر ایسا ہوتا تو اس کے بارہ میں پوچھنے کی کیا ضرورت تھی اس کا وجوب کب ساقط ہوتا ہے کہ اس پر استفسار کا موقع آتا پھر یہ بھی ہے کہ ایسی صورت میں آں حضرت ﷺ ان کو ایسے فعل پر زجر فرماتے۔ اس کے علاوہ صحابہ کرامؓ خود فرائض وواجبات پر سختی سے پابندی کرتے وہ کسی حالمیں ان کو نہ چھوڑتے۔ نہ کہ ایک ذراسی کھانے کی لذت یا زبان کے چٹخارہ کے باعث جس کو معمولی لوگ دین کی باتوں پر قربان کر ڈالتے ہیں۔

ابوحنیفة عن عبد الله عن ابن عمرؓ قال قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم ان بلالا ینادی بلیل فکلوا واشربوا حتی ینادی ابن ام مکتوم فانه یؤذن وقد حلت الصلوة .

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بلالؓ رات کو اذان دیتے ہیں تو تم کھاتے پیتے رہو۔ جب تک کہ ابن ام مکتوم اذان نہ دیں کیونکہ وہ اذان دیتے ہیں کہ نماز کا وقت ہو جاتا ہے۔

ف: یہ حدیث بایں الفاظ بخاری۔ مسلم ترمذی وغیرہ میں وارد ہے اس کے ذیل میں ایک اور اختلافی مسئلہ محتاج تشریح ہے جو مختصراً سپرد قلم ہے۔ امام شافعیؒ مالکؒ واحمدؒ اس کے قائل ہیں کہ نماز صبح کی اذان بالخصوص وقت سے پہلے یعنی طلوع فجر کے قبل دینا جائز ہے۔ اور امام ابوحنیفہؒ کے

نزدیک وقت سے پہلے نہ تو صبح کی اذان جائز ہے۔ نہ کسی اور وقت کی ائمہ ثلاثہ کی حجت حدیث ذیل ہی ہے احنافؒ کے پیش نظر دیگر صحیح احادیث ہیں جو ناطق ہیں کہ فجر کی اذان وقت سے پہلے ہرگز جائز نہیں۔ چنانچہ ابوداؤد شداد سے روایت لاتے ہیں کہ حضرت بلالؓ نے ایک مرتبہ طلوع فجر سے پہلے اذان دے دی تو آں حضرت ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ پکار کر کہہ دیں کہ بندہ یعنی میں وقت سے غافل ہو گیا کہ وقت سے پہلے اذان دے دی۔ یہ صرف اس لئے کہ لوگوں کی غلط فہمی دور ہو۔ یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ اذان وقت سے قبل جائز ہے۔

اب رہی حدیث ذیل جو ان کو اشتباہ میں ڈالتی ہے نہ ہم کو تو اس کے صاف الفاظ اس کے خود مطلب کو حل کرنے کے لئے بس ہیں۔ وہ یہ کہ یہ معاملہ محض رمضان کا ہے۔ جیسا کہ امام محمد نے تصریح کی ہے کہ رمضان میں حضرت بلالؓ کی اذان سحری کھانے کا ایک اعلان سا ہوتا نہ نماز صبح کی معتاد اذان اور ابن ام مکتومؓ کی اذان محض نماز کیلئے ہوتی۔ اور بعد طلوع فجر تو اس کے بعد کھانا پینا کب جائز ہونے لگا۔ لہٰذا حضرت بلالؓ کی اذان کو نماز فجر کی اذان خیال کرنا اور سال بھر اس کو قابل عمل جاننا اور ﴿کلوا واشربوا﴾ کے الفاظ سے چشم پوشی کرنی حدیث کی دوراز خیال ترجمانی ہے جو حدیث دانی پر بٹہ لگاتی ہے بہت ممکن ہے بلکہ بالکل قرین قیاس ہے کہ آں حضرت ﷺ کی غرض کلام یہ ہو کہ بلالؓ چونکہ غلطی کرتے ہیں۔ اس لئے سحری ختم کرنے کا مدار ان کی اذان پر نہ رکھو۔ گویا ان کی اذان قابل اعتماد نہیں۔ بلکہ ابن ام مکتوم کی اذان پر۔ کیونکہ وہ چونکہ نابینا تھے وہ جب ہی اذان دیتے کہ بالکل صبح ہو جاتی۔ اور لوگ ان سے کہتے صبح ہو گئی صبح ہو گئی۔ جیسا کہ موطا امام مالکؒ میں ہے تو اس وقت البتہ کھانا پینا بند کر دینا چاہئے۔ اب ذرا انصاف کو سامنے رکھ کر غور کیجئے کہ حدیث سمجھنے کا سلیقہ احناف کو حاصل ہے یا حدیث دانی کے دعویداروں کو۔ کیا اب بھی کسی کو یہ کہنے کا حق حاصل ہے کہ حنفی حدیث کو کیا سمجھیں۔ ان کے پاس محض رائے ہے اور قیاس۔ ﴿نعوذ باللہ من ذالک الکذب الصریح﴾۔

(۱۹) باب فسخ الافطار بالحجامة

ابوحنیفة عن ابی السوار ویقال له ابوالسورآء وهو السلمی عن ابن حاضر عن ابن عباس ان رسول الله صلی الله علیه وسلم احتجم بالقاحة هو صائم. وفی روایة قال احتجم رسول الله صلی الله علیه وسلم بالقاحة وهو محرم صائم وفی روایة ان النبی صلی الله علیه وسلم احتجم واعطی الحجام اجره

ولو کان خبیثاما اعطاہ .

باب۔ پچھنے لگوانے سے روزہ ٹوٹ جانے کا حکم منسوخ ہے!

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پچھنے لگائے مقام قاحہ میں جب کہ آپ ﷺ روزہ سے تھے۔

اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ نبی ﷺ نے پچھنے لگوائے اور دی پچھنے لگانے والے کو اس کی مزدوری۔ لہٰذا اگر یہ مزدوری حرام ہوتی تو آپ ﷺ اس کو نہ دیتے۔

ف: حدیث مذکور کے پیش نظر جمہور کا مذہب یہ ہی ہے کہ روزہ میں اگر پچھنے لگوائے جائیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں اور روزہ میں کوئی نقصان نہیں آتا۔ دوسری روایت حجام کی مزدوری کے مسئلہ کو زیر بیان لاتی ہے کہ وہ جائز ہے یا حرام جن احادیث سے حرمت کا پتہ چلتا ہے۔ ان میں یا تو حرمت کو کراہت تنزیہی پر محمول کیا جائے یا پھر سرے سے حرمت کو منسوخ مانا جائے جس کو طحاوی نے اختیار کیا ہے۔

ابو حنیفة عن ابی سفیان عن انس قال احتجم النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعد ماقال افطر الحاجم والمحجوم .

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے (روزہ کی حالت میں) پچھنے لگوائے اس کے بعد کہ آپ فرما چکے تھے کہ پچھنے لگانے والے اور لگوانے والے کا روزہ جاتا رہا۔

ف: اس روایت سے صاف پتہ چلا کہ ممانعت آں جناب ﷺ کے خود کے عمل سے جو بعد میں وقوع پذیر ہوا منسوخ قرار پائی۔

ابوحنیفة عن الزہری عن انس رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احتجم وھو صائم وفی روایة قال ابو حنیفة اخبرنی ابن شہاب ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احتجم وھو صائم ولم یذکر انسا .

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پچھنے لگوائے جب کہ آپ ﷺ کا روزہ تھا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ کہا ابو حنیفہؒ نے خبر دی مجھ کو ابن شہاب نے کہ رسول اللہ ﷺ نے پچھنے لگوائے جب کہ آپ ﷺ کا روزہ تھا۔ گویا اس سند میں حضرت انسؓ کا ذکر نہیں کیا۔

ف: یہ حدیث پچھلی حدیث کے مضمون کا اعادہ کرتی ہے۔

(۹۲) باب الاصباح جنبافی الصوم

ابوحنیفة عن عطاء عن عائشةؓ قالت کان یصبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنبامن غیر احتلام ثم یتم صومہ .

باب۔ جنابت کی حالت میں روزہ دار کا صبح کرنا

حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ آں حضرت ﷺ بحالت جنابت صبح فرماتے احتلام کے (یعنی بہ سبب جماع کے) پھر اپنا روزہ پورا فرماتے۔

ف: اس سے اس مسئلہ کی وضاحت ہوئی کہ صبح ہونے کے بعد ناپاکی کا غسل کرنے سے روزہ میں کوئی شرعی قباحت لازم نہیں آتی ۔

ابوحنیفة عن حماد بن ابی سلیمان عن ابراھیم عن الاسود عن عائشة قالت کان رسول اللہ صلی علیہ وسلم یخرج الی صلوۃ الفجر ورأسہ یقطر ماء من غسل جنابة وجماع ثم یظل صائما .

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز فجر کے لئے تشریف لے جاتے اور آپ ﷺ کے سر مبارک سے پانی کے قطرے ٹپکتے ہوئے غسل جنابت کرنے کے بعد جو جنابت بسبب جماع ہوتی پھر آپ ﷺ (دن بھر) روزہ دار رہتے۔

ف: اس حدیث سے بھی اسی امر کی طرف اشارہ ہوا کہ جنابت روزہ کو فاسد نہیں کرتی۔ لفظ جماع کی زیادتی سے اس طرف بھی اشارہ کیا کہ جنابت احتلام سے آں جناب ﷺ مبرا تھے اور پاک کیونکہ احتلام شیطان کے اثر سے ہوتا ہے اور آں جناب ﷺ کی ذات اقدس چونکہ شیطانی اثرات سے پاک و بری تھی۔ اس لئے جنابت احتلام سے آں حضرت ﷺ منزہ تھے۔

(۹۳) باب قبلة الصائم

ابوحنیفة عن حماد عن ابراھیم عن الاسود عن عائشة قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یخرج الی الفجر ورأسہ یقطر ویظل صائما.

وباسنادہ کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقبل نساء ہ فی رمضان .

باب ۔ روزہ کی حالت میں بوسہ لینا

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز فجر کے لئے تشریف لے جاتے اور آپ کے سر مبارک سے (غسل کے پانی کے) قطرے ٹپکتے ہوتے (پھر) آپ روزہ دار

رہتے۔اور اسی سند سے ہے کہ نبی ﷺ بوسہ لیتے اپنی بیبیوں کا رمضان میں۔

ف: اس حدیث میں اس کی تشریح بھی ملی کہ روزہ میں بوسہ لینے سے روزہ میں فساد نہیں آتا ۔عائشہ ؓ سے بخاری میں مرفوع روایت ہے کہ آپ ﷺ بحالت روزہ بوسہ لیتے ۔مباشرت کرتے اور آں حضرت ﷺ تم سے زیادہ اپنی خواہشات پر قابو رکھتے تھے۔منشائے کلام یہ ہے کہ آں حضرت ﷺ کو چونکہ جذبات پر پورا قابو تھا۔اس لئے آں جناب ﷺ کے لئے یہ سب کچھ روا تھا۔مگر تم اس قدر قابو نہیں رکھتے۔چنانچہ اس حدیث کے پیش نظر حنفیہ اس کے قائل ہوئے کہ بوسہ بوڑھے آدمی کے لئے جائز ہے نہ جوان کے لئے یا محض اس صورت میں روا ہے کہ انسان کو اپنے جذبات وخواہشات پر پورا بھروسہ واعتماد ہو۔اسی لئے کتب فقہ میں قبلہ کے ساتھ ﴿ان امن ﴾ کی قید بڑھائی ہے کہ وہ جماع تک بڑھ جانے سے بالکل بے خوف ہو۔امام شافعیؒ اس کی اباحت کو کسی قید کے ساتھ مقید نہیں کرتے۔

ابو حنیفة عن الهیثم عن عامر ان لشعبی عن مسروق عن عائشة کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یصیب من وجهما وهو صائم یعنی القبلة .

حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ بحالت روزہ آپ کا بوسہ لیتے تھے۔

ف: بخاریؒ میں یوں ہے کہ آں جناب ﷺ روزہ میں ہمارے چہروں سے پرہیز نہیں فرماتے۔

ابو حنیفة عن زیاد عن عمر وبن میمون عن عائشة ان النبی صلی الله علیه وسلم کان یقبل وهو صائم .

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ بوسہ لیتے (اپنی بیبیوں کا) جب کہ آپ ﷺ روزہ سے ہوتے۔

ف: اس میں بھی بوسہ کی اباحت ثابت کی ہے۔

باب رخصة الافطار فی السفر

ابوحنیفة عن الهیثم ابن حبیب ن الصیر فی عن انس بن مالک قال خرج رسول الله صلی الله علیه وسلم لیلتین خلتا من شهر رمضان من المدینة الی مكة فصام حتی اتی قدید افشكا الناس الیه الجهد فافطر فلم یزل مفطر احتی اتی مكی۔

باب۔سفر میں روزہ کھولنے کا حکم

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ماہ رمضان کی تیسری تاریخ مدینہ سے مکہ روانہ ہوئے اور آپ ﷺ روزہ رکھتے رہے۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ قدید پر پہنچے لوگوں نے آپ ﷺ سے تکلیف کی شکایت کی تو آپ نے افطار فرمایا۔ پھر آں جناب ﷺ نے روزہ چھوڑے رکھا یہاں تک کہ آپ ﷺ مکہ پہنچ گئے۔

ف: حدیث کے ماتحت یہ امر محتاج بیان ہے کہ جمہور علماء کا اس پر تو اتفاق ہے کہ مسافر روزہ رکھنے اور نہ رکھنے میں مختار ہے اور آزاد۔ خواہ رکھے خواہ چھوڑے پھر قضا کرے۔ البتہ افضلیت میں اختلاف ہے کہ روزہ رکھنا افضل ہے یا ترک بعض ہر دو صورتوں میں فرق نہیں کرتے جیسا کہ حدیث ﴿ان شئت فصم و ان شئت فافطر﴾ سے آشکار ہے کہ اگر چاہو روزہ رکھو چاہو نہ رکھو۔ بعض نے روزہ کو افطار پر ترجیح دی ہے اور بعض اس کے عکس کے قائل ہیں۔ امام صاحبؒ اور امام شافعیؒ روزہ کو افضل جانتے ہیں بشرطیکہ مسافر روزہ کی طاقت رکھے چنانچہ حدیث کے الفاظ اسی پر شہادت دیتے ہیں کہ ﴿فمنا الصائم ومنا المفطر فان من قدر علیه یرحجه و اختاره فصام و من لا فلا﴾ یعنی ہم میں سے بعض روزہ دار تھے اور بعض بغیر روزہ کے جس نے قدرت رکھی اس نے اسی کو اچھا سمجھا اور روزہ رکھا اور جو ایسا نہ تھا اس نے ایسا نہ کیا۔

ابو حنیفة عن مسلم عن انس قال سافر النبی صلی الله علیه وسلم فی رمضان یرید مکة فصام و صام الناس معه .

وفی روایة خرج من المدینة الی مکة فی رمضان فصام حتی انتهی الی بعض الطریق فشکاالناس الیه الجهد فافطر فلم یزل مفطرا حتی اتی مکة .

وفی روایة قال سافر رسول الله صلی الله علیه وسلم فی رمضان یرید مکة فصام و صام المسلمون حتی اذا کان ببعض الطریق شکابعض المسلمین الجهد فد عابماء فافطر وافطر الملمون .

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ رمضان میں مکہ کی جانب عازم سفر ہوئے اور روزہ رکھا آپ ﷺ نے اور آپ کے ہمراہ لوگوں نے۔

ایک روایت میں ہے کہ نکلے نبی ﷺ مدینہ سے مکہ کی طرف رمضان میں اور روزہ رکھتے رہے یہاں تک پہنچے بعض راستہ (مقام) پر لوگوں نے تکلیف کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے افطار کیا اور مکہ تک افطار ہی کرتے رہے۔

اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رمضان میں سفر کیا مکہ کا ارادہ کرتے ہوئے، پس آپ ﷺ نے بھی روزہ رکھا اور مسلمانوں نے بھی یہاں تک کہ جب کسی راستہ (مقام) پر پہنچے بعض مسلمانوں نے تکلیف کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے پانی طلب فرمایا اور افطار فرمایا اور مسلمانوں نے بھی افطار کیا۔

ف: حدیث ذیل میں پچھلی حدیث کے مضمون کا اعادہ اور تکرار ہے۔

(۹۵) باب النهى عن صوم الصمت وعن صوم الوصال

ابو حنيفة عن عدى عن ابى حازم عن ابى الشعشاء عن ابى هريرة ان النبى صلى الله عليه وسلم نهى عن صوم الوصال وصوم الصمت.

باب۔صوم وصال اور صوم صمت (خاموشی) کا روزہ ممنوع ہے

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے منع فرمایا صوم وصال اور صوم صمت سے۔

ف: صوم وصال یہ کہ انسان روزہ پر روزہ رکھے اور شب میں کچھ نہ کھائے صوم صمت یہ کہ دن بھر کلام و بات چیت کرنا قطعاً بند رکھے خیر و بھلائی کی بات بھی منہ سے نہ نکالے صوم وصال کی آں حضرت ﷺ نے صاف اور کھلے الفاظ میں ممانعت فرمائی ہے۔دوسری میں اس طرح بھی آیا ہے کہ ایک شخص نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ تو رکھتے ہیں یعنی پھر ہم کو آپ کیوں منع فرماتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے مجھ جیسا کون ہے۔میں رات گذراتا ہوں اس حال میں کہ مجھ کو میرا رب کھلاتا بھی ہے اور پلاتا بھی علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ صوم وصال جائز ہے یا حرام یا مکروہ بعض نے اس کو جائز مانا ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ ممانعت محض امت پر رحمت وشفقت کی بناء پر تھی نہ حرمت کے باعث مگر جمہور کا یہ ہی مسلک ہے کہ یہ ناجائز ہے اور مکروہ۔چنانچہ سوائے امام احمدؒ کے ائمہ ثلاثہ سے اس پر تصریح وارد ہے صوم صمت نصاریٰ کا دینی شعار ہے اور ان کی رسم مذہب۔لہٰذا دین اسلام میں اس سے بھی ممانعت وارد ہوئی کیونکہ ان سے مشابہت قطعاً منع ہے۔

ابو حنيفة عن شيبان عن يحيى عن المهاجر عن ابى هريرة قال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن صوم الصمت وصوم الوصال.

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے صوم صمت اور صوم وصال سے منع فرمایا۔

ف: یہ پچھلی حدیث کا اعادہ ہے۔

(۹۲) باب النهی عن صیام ایام التشریق

ابوحنیفة عن عبد الملک عن قزعة عن ابی سعید ان رسول الله صلی الله علیه وسلم نهی عن صیام ثلثة ایام التشریق وبه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم نهی عن صیام الیوم الذی یشک فیه من رمضان.

باب۔ ایام تشریق اور یوم شک کا روزہ رکھنا منع ہے

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایام تشریق کے تین دن (گیارھویں۔ بارھویں۔ تیرھویں تاریخ) روزہ رکھنے سے منع فرمایا۔ اور اسی سند سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا اس دن روزہ رکھنے سے جس میں شک کیا جائے رمضان کا۔ (یعنی بتاریخ ۲۹ رشعبان ابروغبار کے باعث چاند نہ دیکھنے پر شک ہو کہ یہ رات یکم رمضان کی ہے یا تیس شعبان کی تو آئندہ دن چونکہ شک کا دن ہے۔ روزہ رکھنا منع ہے۔

ف: حدیث ذیل میں شک کے دن کا روزہ محتاج تشریح ہے کہ مسئلہ کی رو سے اس کی کیا حقیقت ہے اور اس میں ائمہ کا کیا اختلاف ہے شک کہ دن روزہ رکھنےکی ممانعت کئی اور احادیث سے ثابت ہے ترمذی' نسائی وغیرہ میں یوں ہے کہ جس نے اس دن روزہ رکھا اس نے ابو القاسم ﷺ کی نافرمانی کی۔ یہ ممانعت دراصل ایک دوراندیشی پر مبنی ہے اور ایک راز پر مدار رکھتی ہے وہ یہ کہ رمضان سے ایک یا دو دن پہلے روزہ رکھنے سے رمضان کے روزوں میں اضافہ سا معلوم ہوتا ہے اور نصاریٰ سے گہری مشابہت پیدا ہوتی ہے کیونکہ ان پر روزے چونکہ موسم گرما میں فرض ہوئے تھے جو ان کے لئے ناقابل برداشت تھے۔ اس لئے انہوں نے ان کو اپنی جگہ سے ہٹا کر ان پر چند روزوں کی زیادتی کردی تھی۔ لہٰذا اگر اس صورت کی عادت ہو جائے تو جاہل تو خصوصاً اس غلط فہمی کے شکار ہو جائیں کہ یہ روزے بھی فرض ہیں تو گویا پیش بندی کے طور پر ممانعت وارد ہوئی اختلاف کی وضاحت یہ ہے کہ شک کے دن روزہ کے بارے میں ائمہ آپس میں مختلف الرائے ہیں۔ ائمہ ثلاثہ امام ابوحنیفہ' شافعی' مالک' فرض وواجب روزوں کو شک کے دن اسی ممانعت کی حدیث کے پیش نظر مکروہ قرار دیتے ہیں اور نفلی روزے کو نہیں۔ بلکہ اس کو مستحب جانتے ہیں کیونکہ دوسری احادیث میں اس حکم امتناعی سے نفلی روزہ کی استثناء بھی وارد ہے مثلاً آں جناب ﷺ کا قول ﴿لا تقدموا رمضان بصوم یوم اویومین الا رجل کان یصوم صوما فیصومه﴾ کہ رمضان سے

ایک دو دن پہلے روزہ نہ رکھو۔ مگر وہ شخص جو کسی دن روزہ رکھتا ہو وہ اس دن رکھ لے۔ یعنی کوئی شخص کسی دن نفلی روزہ رکھنے کا عادی ہے مثلاً دوشنبہ کا دن اور اتفاق سے دوشنبہ شک کا دن ٹھہرتا ہے تو وہ شخص دوشنبہ کے دن حسب معمولی روزہ رکھ لے یا یہ صورت خواص علماء کرام اور مفتیان عظام کے لئے جائز ہے جو اس کا اعلان نہ کریں۔ اور عوام کے لئے شک کے دن نصف یوم تک انتظار جائز ہے پھر وہ افطار کر لیں۔ ورنہ عوام کے لئے اس نفلی روزہ کی عادت اسی قباحت کا باعث ہوگی جس کا ابھی ذکر ہوا اور یہ نفلی روزہ بھی اس مصلحت پر مبنی ہے کہ ہر ماہ کو عبادت یعنی روزہ پر ختم کرنا مسنون ہے لہٰذا اس فخر سے شعبان کیوں خالی جائے عوام میں چونکہ ایک اور خرابی کا خطرہ تھا۔ اس لئے ان کے لئے اجازت مسدود ہوئی۔

باب الاعتكاف و الايفاء بنذره

ابو حنيفة عن نافع عن ابن عمر قال قال عمر بن الخطاب نذرت ان اعتكف في المسجد الحرام في الجاهلية فلما اسلمت سالت رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال اوف بنذرك.

باب۔ اعتکاف اور اپنی نذر پوری کرنے کا بیان

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے جاہلیت کے زمانہ میں مسجد الحرام میں اعتکاف کی نذر مانی تھی جب میں اسلام لایا تو میں نے اس بارہ میں رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا (کہ کیا میں اپنی نذر پوری کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنی نذر پوری کرو۔

ف: شیخین بھی اس کی روایت لائے ہیں۔ اس میں رات کا اضافہ ہے کہ میں نے ایک رات اعتکاف کرنے کی نذر مانی تھی دوسری روایت میں دن کا لفظ ہے ابوداؤد نسائی اور طبرانی میں روزہ کا لفظ بھی ہے کہ انہوں نے روزہ کی نذر بھی مانی تھی۔ چنانچہ اس کے جواب میں مروی ہے کہ آپ ﷺ نے عمرؓ کو روزہ کا بھی حکم دیا۔

كتاب الحج

باب التعجيل فى الحج

ابوحنيفة عن عطيةعن ابى سعيد قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من اراد الحج فليحجل .

حج کے احکام

ادءحج میں جلدی کرنا

حضرت ابوسعید کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جو شخص حج کا ارادہ کرلے تو اس کو چاہئے کہ پھر (اپنے ارادہ کو عمل میں لانے کے لئے) شتابی سے کام لے۔

ف: بیہقی میں یہ الفاظ بھی زائد ہیں جو عجلت وشتابی کی وجہ کو کھولتے ہیں ﴿فان احد كم لايدرى مايعرض له من مرض او حاجة ﴾ یعنی تم میں سے کوئی نہیں جانتا کہ اس کو کیا بیماری لگ جائے اور کیا مشغولیت پیش آجائے بدیں وجہ اس بارہ میں اپنے ارادہ حج کو پہلی فرصت میں عملی جامہ پہنانے کی کوشش کرے۔ اسی لئے ہمارے ائمہ میں سے امام ابویوسفؒ فی الفورحج کے وجوب کے قائل ہیں۔

(۹۹) باب مغفرة الحاج

ابوحنيفة عن علقمة عنالنبى صلى الله عليه وسلم الحاج مغفور له ولمن استغفرله الى انسلاخالمحرم .

باب۔حاجی کی بخشش کا بیان

حضرت علقمہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ حاجی بخشا بخشایا ہے اور وہ بھی جس کے لئے حاجی بخشش چاہے انتہائے محرم تک۔

ف: ابن ماجہ میں حضرت ابوہریرہؓ سے مرفوع روایت ہے کہ حج وعمرہ ادا کرنے والے اللہ کے وفد ہیں کہ اگر اس سے دعا کریں مقبول ہو۔ اگر اس سے بخشش چاہیں تو ان کی بخش ہو۔ امام احمد ابن عمرؓ سے مرفوع روایت کرتے ہیں کہ جب تم حاجی سے ملو تو اس کو سلام کرو۔ اس سے مصافحہ کرو اور اس سے درخواست کرو کہ وہ گھر میں آنے سے پہلے پہلے تمہارے لئے بخشش گناہ کی دعاء مانگے کیونکہ وہ بخشا ہوا ہے۔

(۱۰۰) باب الحج الحج والثج

ابو حنيفة عن قيس عن طارق عن ابن مسعود قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم افضل الحج العج والثج فاما العج فالعجيج واماالثج فثج البدن قال فثج الدم وفي رواية فاما لثج فنحر الهدى.

حج زور سے لبیک کہنے اور قربانی کا نام ہے

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ افضل (اعمال) حج عج اور ثج ہیں۔ عج تو تلبیہ ﴿لبیک اللھم لبیک الخ﴾ بلند آوازی سے کہنا ہے۔ اور ثج جانور قربانی کا خون بہانا ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ثج جانور قربانی کا ذبح کرنا ہے۔

ف: یعنی باعتبار فضیلت وبرتری۔ وبزرگی اعمال حج میں ان ہر دو اعمال کو خاص امتیاز حاصل ہے جو دوسرے اعمال کو نصیب نہیں تلبیہ میں حاجی نہایت عاجزانہ مووبانہ اور پردرد الفاظ میں اپنی حاضری ظاہر کرتا ہے جو حضرت باری عزاسمہ کو نہایت محبوب ہے اور قربانی سے حاجی خدا کی راہ میں جان پیش کرتا ہے جو دربار الٰہی میں بہت قدر ومنزلت رکھتی ہے۔

باب مواقيت الحج

ابو حنيفة عن يحيى ان نافعاقال سمعت عبد الله بن عمرؓ يقول قام رجل فقال يا رسول الله ابن المهل قال يهل اهل المدينة من ذي الحليفة ويهل اهل العراق من العقيق ويهل اهل الشام من الحجفة ويهل اهل نجد من قرن.

باب۔ احرام باندھنے کی جگہوں کی نشاندہی

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے کھڑے ہوکر پوچھا یارسول اللہ احرام باندھنے کی کون سی جگہ ہے آپ نے فرمایا کہ احرام باندھیں اہل مدینہ ذی الحلیفہ سے اہل عراق عقیق سے اہل شام جحفہ سے اور اہل نجد قرن سے۔

ف: ان مقامات سے بغیر احرام باندھے آگے بڑھنا حرام ہے۔ اگر ان سے آگے جاکر احرام باندھا تو دم لازم آئے گا البتہ اگر پھر میقات کو لوٹ کر وہاں سے احرام باندھا تو اکثر علماء کے نزدیک دم ساقط ہوا۔

ابو حنيفة عن حماد عن ابراهيم عن الاسود بن يزيد ان عمر بن الخطاب۔۔

خطب الناس فقال من ارادمنكم الحج فلا يحرمن الامن الميقات والمواقيت التي وقتها نبيكم صلى الله عليه وسلم لاهل المدينة و من مربها من غير اهلها ذو الحليفة و لاهل الشام ومن مربها الحجفة و لا هل نجد ومن مربها من غير اهلها قرن ولا هل اليمن ومن مربها من غير اهلهايلملم ولا هل العراق ولسائرالناس ذات عرق .

اسود بن یزید سے روایت ہے کہ عمر بن الخطابؓ نے لوگوں کے سامنے خطبہ دیا اور فرمایا کہ جو تم میں سے حج کا ارادہ کرے تو وہ نہ احرام باندھے مگر میقات سے جن کو تمہارے نبی ﷺ نے نامزد فرما دیا ہے (یعنی) اہل مدینہ اور ان کے لئے جو اس کے راستہ سے جائیں ذوالحلیفہ ہے۔ اہل شام اور ان کے لئے جو براہ شام جائیں جحفہ ہے اہل نجد اور ان کے لئے جو براہ نجد جائیں قرن ہے۔ اہل یمن اور ان کیلئے جو براہ یمن جائیں یلملم ہے اور اہل عراق اور تمام لوگوں کے لئے ذات عرق ہے۔

ف: شافعیہ وحنفیہ کا اس میں اختلاف ہے کہ اہل عراق کے لئے ذات عرق کی تعیین و نامزدگی نبی ﷺ سے مروی ہے یا عمرؓ کی اجتہادی چیز ہے۔ شافعیہ اس خیال کے پیرو ہیں کہ یہ گو صحابہؓ کا اجماعی مسئلہ ہے مگر یہ عمرؓ کا اجتہاد ہے۔ نبی ﷺ سے اس کی توقیت نقل نہیں۔ بخاری کی حدیث جو ابن عمرؓ سے مروی ہے بظاہر اس خیال کی تائید کرتی ہے۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ خود آں حضرت ﷺ نے اس کی تعیین فرمائی۔ یہ حضرت عمرؓ کا محض اجتہاد نہیں ان کی دلیل اول حدیث ذیل ہی ہے یا اس کے ماقبل کی حدیث کہ یہ ہر دو احادیث حنفیہ کی تائید کرتی ہیں ناطق فیصلہ صادر کرتی ہیں دوسرے مسلم ابی الزبیر کے واسطہ سے یہ حدیث نقل کرتے ہیں اور وہ جابر بن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں۔ کہتے ہیں ﴿احسبه رفع الى النبى صلى الله عليه وسلم﴾ کہ میرا خیال ہے کہ اس کو مرفوع بیان کیا باب روایت میں گمان کا حکم چونکہ یقین کا سا ہے اس لئے گویا الفاظ رفع حدیث پر صاف دلالت کرتے ہیں تیسرے ابوداؤد وغیرہ میں عائشہؓ سے حدیث مرویہ کہ خود آں حضرت ﷺ نے اہل عراق کے لئے ذات عرق موضع احرام مقرر فرمایا چوتھے ابن ماجہ کی حدیث جو وہ بواسطہ ابی الزبیر حضرت جابر سے لائے ہیں اس کی تائید کرتی ہے پھر بہت ممکن ہے کہ عمرؓ کی اجتہادی چیز ہو اور نبی ﷺ کی توقیت ان تک نہ پہنچ سکی ہو۔ اور عمر کی رائے اور نبی ﷺ کی توقیت آپس میں مل گئی ہوں۔

(۱۰۲) باب مایلبس المحرم

ابو حنیفة عن عبد الله بن دینار عن ابن عمر ان رجلا قال یا رسول الله ماذایلبس المحرم من الثیاب قال لایلبس القمیص ولا العمامة ولا القباء ولا السراویل ولا البر نس ولا ثوب مسه ورس اوزعفران ومن لم یکن له نعلان فلیلبس الجفین ولیقطعهما اسفل من الکعبین .

باب۔محرم لباس

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ! محرم کیا کپڑے پہنے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہ پہنے قمیص نہ باندھے عمامہ نہ پہنے عبا اور نہ پاجامہ نہ اوڑھے لمبی ٹوپی اور نہ پہنے وہ کپڑا جس میں کسم اور زعفران کی رنگت ہو۔اور جس کے پاس چپلیں نہ ہوں تو وہ موزوں کو ٹخنوں کے نیچے سے کاٹکر چپلیں بنا کر پہن لے۔

ف: سوال و جواب میں بظاہر مطابقت نہیں ہے کیونکہ سوال ان کپڑوں کے متعلق تھا جو احرام میں پہنے جاسکتے ہیں اور آں جناب ﷺ نے وہ کپڑے گنائے جو نہیں پہن سکتے۔دراصل یہ عدم مطابقت کلام رسالت کی فصاحت و بلاغت پر چار چاند لگاتی ہے۔کیونکہ پہنے جانے کے کپڑے کوئی ایک دو ہیں کہ ان کو کوئی گنا دے البتہ احرام میں نہ پہننے کے کپڑے چند ہی ہیں۔جو آں حضرت ﷺ نے گنائے اور جن کے بارہ میں سوال ہونا چاہئے تھا بلکہ درحقیقت جواب میں سوال کی اصلاح ہے اور سائل کو سبق کہ سوال ممنوعہ کپڑوں کے بارہ میں ہونا چاہیے تھا نہ جائز شدہ کپڑوں کے متعلق۔

ابو حنیفة عن عمر وبن دینار عن جابر بن زید عن ابن عباس قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من لم یکن له ازار فلیلبس سراویل ومن لم یکن له نعال فلیلبس خفین .

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جس کے پاس تہبند نہ ہو تو وہ پاجامہ پہنے اور جو نہ پائے نعلین تو وہ موزے پہنے (بدستور سابق کہ ٹخنوں کے نیچے سے انکو کاٹ لیا جائے کہ ٹخنے کھلے رہیں)۔

ف: بخاری و مسلم میں ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا پائجامہ اس شخص کے لئے ہے جو تہ بند نہ باندھ پائے۔اور موزے اس کیلئے جو نعلین نہ پاسکے۔

باب الطيب للمحرم

ابوحنيفة عن ابراهيم بن المنتشر عن ابيه قال سألت ابن عمر ايتطيب المحرم قال لان اصبح انضح قطرانا احب الى من ان اصبح انضح طيبا فاتيت عائشة فذكرت لها فقالت انا طيبت رسول الله صلى الله عليه وسلم فطاف في ازواجه ثم اصبح تعني محرما .

باب۔محرم کے لئے خوشبو کا استعمال

منتشر کہتے ہیں کہ میں نے ابن عمرؓ سے پوچھا کہ کیا محرم خوشبو لگا سکتا ہے۔آپ ﷺ نے کہا کہ اگر وہ صبح کرے ایسی حالت میں کہ اس سے قطران کی بو آتی ہو تو یہ میرے نزدیک بہتر ہے اس سے کہ خوشبو کی مہک آتی ہو۔پھر میں نے آ کر حضرت عائشہؓ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے خوشبو لگائی (شب میں) رسول اللہ ﷺ کے اور آپ نے طواف کیا اپنی ازواج پر اور صبح کو آپ ﷺ محرم تھے۔

ف: حضرت ابن عمرؓ کے قول اور حضرت عائشہؓ کی حدیث میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے مگر درحقیقت ایسا نہیں کیونکہ ابن عمرؓ صرف بحالت احرام خوشبو کے استعمال کو سختی سے ممنوع قرار دے رہے ہیں اور عائشہؓ اس خوشبو کو جائز ٹھہرا رہی ہیں جو احرام سے پہلے لگائی جائے مگر اس کی مہک احرام کے بعد بھی باقی رہے تو اس میں ہر دو کے نزدیک مضائقہ نہیں اور بحالت احرام خوشبو کا استعمال ہر دو کے نزدیک ناجائز ہے۔لہٰذا اب کوئی تعارض نہیں۔

باب التمتع

ابوحنيفة عن ابى الزبير عن جابر ان النبى صلى الله عليه وسلم امر اصحابه ان يحلوا من احرامهم بالحج ويجعلوا عمرة .

باب۔حج تمتع کا بیان

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے اپنے اصحاب کو حکم دیا۔کہ اپنے احرام حج سے حلال ہو جائیں اور اس کو عمرہ کر دیں۔

ف: اس کے یہ معنی ہیں کہ صحابہ کرام نے حج کے لئے احرام باندھا تھا مگر آپ کے حکم کی وجہ سے اس احرام کو عمرہ کے لئے کر دیا اور بعد طواف وسعی حلال ہو گئے۔

ابوحنيفة عن ابى الزبير عن جابرؓ قال لما امر رسول الله صلى الله عليه

وسلم بما امر به فی حجة الوداع قال سراقة بن مالک یا رسول الله اخبرنا عن عمر تنا النا خاصة ام للا بد قال هی للابد.

حضرت جابر کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں حکم کیا جو کچھ کہ کیا (کہ حج کو فسخ کرایا اور عمرہ پر بس کیا اور عمرہ حج کے مہینوں میں ادا کرایا) تو سراقہ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ ہمارے عمرہ کے بارے میں بتائیے۔ کہ یہ ہم صحابہؓ کے ساتھ خاص ہے یا ہمیشہ ہمیش کے لئے ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ ہمیشہ کے لئے ہے۔

ف. حقیقت یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں حج کے مہینوں میں عمرہ سخت ممنوع تھا اور نہایت قبیح سمجھا جاتا تھا۔ لہٰذا آں حضرت ﷺ نے اس عمل سے اس رسم بد کو توڑا۔ اور اس خیال باطل کی تردید فرمائی۔

ابو حنیفة عن الهیثم عن رجل عن عائشة انها قد مت وهی متمتعة وهی حائض فامرها النبی صلی الله علیه وسلم فرفضت عمر تها.

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ وہ داخل ہوئیں بہ نیت تمتع اور حائض ہوگئیں تو نبی ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ عمرہ کو توڑ دیں۔

ف: حضرت عائشہؓ قبل طواف حائض ہوگئیں تو آپ ﷺ نے عمرہ فسخ کرا دیا اور بعد میں مقام تنعیم سے بمعیت عبدالرحمٰن بن ابی بکر عمرہ کی قضا کرائی اور دم دیا۔

ابو حنیفة عن حماد عن ابراهیم عن الاسود عن عائشة انها قد مت متمتعة وهی حائض فامرها النبی صلی الله علیه وسلم فرفضت عمر تها.

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آپ مکہ میں داخل ہوئیں بہ نیت حج تمتع اور حائض ہوگئیں تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو عمرہ توڑنے کا حکم دیا۔

ف: حج کی تین قسمیں ہیں (۱) افراد جس کی صورت یہ ہے کہ میقات سے صرف حج کا احرام باندھے اور مکہ پہونچنے کے بعد صرف حج ادا کرے اور ایسا شخص حج سے فراغت تک احرام سے حلال نہیں ہوسکتا (۲) تمتع جس کی صورت یہ ہے کہ میقات سے صرف عمرہ کا احرام باندھے اور مکہ پہونچنے کے بعد عمرہ کر کے احرام سے حلال ہو جائے اور جب حج کی تاریخیں آئیں تو دوسرا احرام اہل مکہ کی طرح باندھ کر حج کرے (۳) قرآن جس کی صورت یہ ہے کہ میقات سے حج وعمرہ دونوں کا ایک ساتھ احرام باندھے اور مکہ پہونچنے کے بعد عمرہ کرے مگر یہ حلال نہ ہوسکے گا تاوقتیکہ اسی احرام سے

حج ادا نہ کرلے۔ اور حنفیہ کے نزدیک تیسری صورت ہی افضل ہے اور تمتع وقرآن کی صورت میں شکر بھی واجب ہوتا ہے۔

ابو حنیفة عن حماد عن ابراهیم عن الاسود عن عائشة انها قدمت متمتعة وهی حائض فامرها رسول الله صلی الله علیه وسلم فرفضت عمرتها واستانفت الحج حتی اذا فرغت من حجها امرها رسول الله صلی الله علیه وسلم ان تصدر الی التنعیم مع اخیها عبد الرحمن .

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے حج تمتع کی نیت کی تھی پھر (بعد تلبیہ واحرام) حائض ہوگئیں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے عمرہ کو فسخ کرادیا اور بوقت حج نئے سرے سے حج کے لئے احرام باندھا پھر جب افعال حج سے فارغ ہوگئیں تو آپ ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ اپنے بھائی عبدالرحمٰن کے ساتھ تنعیم جا کر بہ نیت عمرہ احرام باندھ کر آئیں۔

ف: تنعیم مکہ سے تقریباً تین میل دور ہے۔ وہاں سے عمرہ کی نیت کرکے احرام باندھتے ہیں اور بعد طواف وسعی اور حلق حلال ہو جاتے ہیں عورتیں حلق کے حکم میں شامل نہیں۔

ابو حنیفة عن الهیثم عن رجل عن عائشة ان رسول الله صلی الله علیه وسلم ذبح لرفضها العمرة بقرة .

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہؓ کے عمرہ توڑنے کی وجہ سے گائے ذبح کی۔

ف یہ فسخ عمرہ کی بناء پر دم دینا پڑا۔

ابو حنیفة عن عبدالملک عن ربعی بن حراش عن عائشة ان النبی صلی الله علیه وسلم امر برفضها العمرة دما .

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب انہوں نے عمرہ فسخ کردیا تو نبی ﷺ نے دم دینے کا حکم دیا۔

ف: یہ حدیث سابق کا اعادہ ہے۔

ابو حنیفة عن حماد عن ابراهیم عن الاسود عن عائشة انها قالت یا نبی الله یصدر الناس بحجة وعمرة واصدر بحجة فامر النبی صلی الله علیه وسلم عبد الرحمن بن ابی بکر فقال انطلق بها الی التنعیم فلتهل ثم التفرغ منها ثم

لتعجل علی فانی انتظرها ببطن العقبة .

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا یا نبی اللہ لوگ حج وعمر کر کے جائیں گے اور میں صرف حج کر کے۔ تو نبی ﷺ نے عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کو حکم دیا اور فرمایا کہ ان کو تنعیم لے جاؤ وہاں جاکر احرام باندھیں عمرہ کیلئے پھر عمرہ سے فارغ ہوکر مجھ سے جلد آملو میں بطن عقبہ میں تمہارا انتظار کروں گا۔

ف: سابق احادیث میں واقعہ کی تشریح سامنے آئی۔

باب اکل المحرم لحم الصید

ابوحنیفة عن محمد بن المنکدرعن عثمان بن محمد عن طلحة بن عبید الله قال تذاکرنا لحم صید یصیده الحلال فیا کله المحرم ورسول الله صلی الله علیه وسلم نائم حتی ارتفعت اصواتنا فاستیقظ رسول الله صلی الله علیه وسلم وقال فیما یتنا زعون فقلنا فی لحم صید یصیده الحلال فیاکله المحرم قال فامرنا باکله .

باب۔ محرم کے لئے شکار کا گوشت کھانا!

حضرت طلحہ بن عبید اللہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سوئے ہوئے تھے اور ہم نے (آپ کے پاس) اس پر بحث چھیڑ دی کہ حلال (غیر محرم شخص) کا مارا ہوا شکار محرم کھا سکتا ہے (یا نہیں) یہاں تک کہ ہماری آوازیں بلند ہوئیں تو رسول اللہ ﷺ جاگ پڑے اور ارشاد فرمایا کہ کس بات میں جھگڑ رہے ہو ہم نے عرض کیا کہ اس شکار کے بارہ میں جس کو حلال شکار کرے کیا محرم اس کو کھا سکتا ہے حضرت طلحہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ہم کو اس کے کھانے کی اجازت دی۔

ف: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر شکار غیر محرم شخص کا مارا ہوا ہو۔ خود محرم نے اس کو نہ مارا ہو تو محرم اس کو کھا سکتا ہے اور بلا شبہ وہ شکار اس کے لئے حلال ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ حضرت ابوقتادہ کی حدیث کی رو سے (جس کا اختصار متصل ہی آرہا ہے) یہ شرط ہے کہ محرم نے غیر محرم کو شکار کے لئے اشارہ بھی نہ کیا ہو اور نہ کسی دوسری قسم کی مدد پہنچائی ہو۔ ورنہ پھر یہ شکار اس کے لئے ایسا ہی حرام ہو جاتا ہے کہ گویا خود اس نے ہی شکار کیا ہے۔

ابوحنیفة عن محمد بن المنکدر عن ابی قتادة قال خرجت فی رهط من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم لیس فی القوم حلال غیری فنظرت

نعامة فسرت الى فرسي فركبتها وعجلت عن سوطي فقلت لهم ناولونيه فابوا فنزلت عنها فاخذت سوطي فطلبت النعامة فاخذت منها حمارا فاكلت واكلوا.

حضرت ابوقتادہؒ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کی ایک جماعت کے ساتھ نکلا اور پوری جماعت میں میرے سوا کوئی حلال (غیر محرم) نہ تھا میری نظر گورخروں پر پڑی ۔میں اپنے گھوڑے کی طرف بڑھا اور اس پر سوار ہوا مگر جلدی میں اپنا چابک بھول گیا میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا ذرا مجھے یہ چابک اٹھا دیجئے انہوں نے اس سے (چابک اٹھانے سے) انکار کیا تو میں خود گھوڑے سے اترا۔اور اپنا چابک اٹھایا۔اور پھر گورخروں کے پیچھے ہولیا یہاں تک کہ ان میں سے ایک کو میں نے شکار کرلیا پس میں نے بھی کھایا اور انہوں نے بھی۔

ف: یہ حدیث ابوقتادہ کی جس کی مزید تفصیل دیگر کتب صحاح میں آئی ہے ایک مسئلہ اختلافی میں ایک فریق کے لئے حجت اور قوی دلیل ہے۔صورت مسئلہ اور نوعیت اختلاف یہ ہے کہ جس شکار کو غیر محرم شخص مارے اس کو محرم کھاسکتا ہے یا نہیں۔امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کھا سکتا ہے بشرطیکہ اس نے شکاری کو کسی قسم کی مدد نہ دی ہو خواہ اسی کی خاطر شکار کیوں نہ کیا جائے امام شافعیؒ کے مذہب کی دلیل حضرت جابر کی مرفوع حدیث ہے جس کو ابوداؤد ترمذی نسائی ان الفاظ سے لائے ہیں کہ آپ نے فرمایا ﴿**صيد البر لكم حلال مالم تصيدوه اويصاد لكم**﴾ کہ خشکی کا شکار تمہارے لئے حلال ہے تاوقتیکہ تم اس کا شکار نہ کرو۔یا وہ تمہارے لئے شکار نہ کیا جائے۔امام صاحب کے مذہب کی حجت حدیث ذیل ہے جس کی تفصیل دیگر صحاح ستہ میں آئی ہے کہ ایک سفر میں یہ اور چند اصحابہ آنحضرت ﷺ سے پیچھے رہ گئے راہ میں ابوقتادہؒ نے گورخر شکار کیا بعض اصحاب نے اس کو کھایا اور بعض نے اس سے پرہیز کیا جب آں حضرت ﷺ سے آن ملے تو معاملہ آں جناب ﷺ سے صاف کرنا چاہا آپ ﷺ نے صرف یہ سوال فرمایا کہ کیا تم میں سے کسی نے ابوقتادہ کو شکار بتایا تھا یا اس پر آمادہ کیا تھا؟ سب نے اس سے انکار کیا تو فرمایا کہ بقیہ گوشت بھی کھالو۔معلوم ہوا کہ گوشت کے حلال نہ ہونے کے اسباب بس یہ ہی تھے جو آں حضرت ﷺ نے دریافت فرمائے اگر ان کے علاوہ کوئی اور چیز بھی حلت کو رد کرنے والی ہوتی مثلاً یہ کہ شکار تمہارے لئے تو نہیں مارا تھا تو آپ اس کو بھی صاف کرلیتے اور کھول کر پوچھ لیتے۔لہٰذا حضرت جابر وحضرت ابی قتادہ کی احادیث میں تعارض واقع ہوا جس میں حضرت ابی قتادہؒ کی حدیث قابل ترجیح ہے کیونکہ وہ صحیحین میں بھی ہے اور دیگر کتب صحاح میں بھی

بخلاف حدیث مخالف کے کہ وہ صحیح میں نہیں۔ یا حدیث مخالف میں تاویل کریں گے کہ ہر دو میں تطابق ہو جائے کہ ﴿او یصاد لکم﴾ کے یہ معنی ہیں کہ تمہارے حکم اور فرمائش سے وہ شکار نہ کیا گیا ہو۔ اور اکثر ایسا ہی ہوتا ہے کہ فرمائش ہی سے کسی کے لئے کوئی چیز حاصل کی جاتی ہے۔

(١٠٦) باب مايجوز للمحرم قتله

ابو حنيفة عن نافع عن ابن عمر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال يقتل المحرم الفارة والحية والكلب والحداة والعقرب.

باب۔محرم کے لئے موذی جانوروں کو قتل کرنا جائز ہے

حضرت ابن عمرؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ محرم مار سکتا ہے چوہے۔ سانپ کتے چیل اور بچھو کو۔

ف: جن جانوروں کو بحالت احرام مار ڈالنا جائز ہے ان کی تعداد میں احادیث مختلف اللفظ ہیں کہیں کچھ کمی ہے کہیں کچھ زیادتی بعض میں کلب کے ساتھ عقور کی قید بھی ہے یعنی کٹ کھنا کتا بعض میں سبع کا یعنی درندہ کا لفظ زائد ہے کسی میں غراب (کوے) کا اضافہ ہے۔ انہیں جانوروں کے ذیل میں مختلف عنوانات پر علماء میں معمولی اختلافات ہیں۔ مثلاً اس میں علماء مختلف الرائے ہیں کہ ان جانوروں کا مار ڈالنا جائز ہونا کس نقطہ خیال پر مبنی ہے۔ امام شافعیؒ کا خیال ہے کہ یہ جانور کھائے نہیں جاتے اور جو جانور کھائے نہ جائیں ان کا مار ڈالنا محرم کے لئے جائز ہے اور اس پر کوئی فدیہ نہیں۔ امام مالکؒ اس خیال کے پیرو ہیں کہ یہ ایذاء رساں جانور ہیں اور ہر ایذاء رساں جانور کو محرم مار سکتا ہے اسی لیئے جو درندے ایذاء رساں نہیں مثلاً لومڑی بلی بجو وغیرہ انکا مارنا محرم کے لئے جائز نہیں۔ اگر ان میں سے کسی کو مار ڈالے گا تو ان کے نزدیک اس پر فدیہ آئے گا پھر کلب (کتے) کے بارہ میں راویوں کا اختلاف ہے بعض اس سے معروف کتا مراد لیتے ہیں۔ چنانچہ اوزاعیؒ ابو حنیفہؒ وغیرہ سے یہ ہی روایت ہے اور اسی کے حکم میں ہے بھیڑیا اور امام زفرؒ کے نزدیک اس سے صرف بھیڑیا مراد ہے۔

باب نكاح المحرم

ابو حنيفة عن سماك عن ابن جبير عن ابن عباس قال تزوج رسول الله صلى الله عليه وسلم ميمونة بنت الحارث وهو محرم.

احرام کی حالت میں نکاح کرنا

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نکاح کیا حضرت میمونہ بنت

حارث سے اور آپ ﷺ محرم تھے۔

ف: حدیث ذیل کے ماتحت ایک زبردست اختلافی مسئلہ قابل ذکر ہے اور محتاج بیان اس لئے فریقین کے نقطۂ خیال اور وجوہ استدلال بالاختصار قلمبند کیئے جاتے ہیں۔ مسئلہ اختلافی یہ ہے کہ محرم اور محرمہ بحالت احرام نکاح کر سکتے ہیں یا نہیں حنفیہ پہلی شق کے قائل ہیں اور یہ یہی مسلک ہے عبداللہ بن مسعودؓ عبداللہ بن عباسؓ انس بن مالکؓ کا اور یہ ہی مذہب ہے سعید بن جبیر عطاء طاؤس مجاہد عکرمہ جابر عمرو بن دینار اور اہل عراق کا۔ شافعیہ، مالکیہ، حنبلیہ دوسری شق کے حامی ہیں اور یہ ہی تحقیق ہے حضرت عمر و حضرت علیؓ کی مذہب حنفیہ کی صحت پر قرآن ناطق ہے۔ سنت رسول اللہ ﷺ اس پر شاہد اور قیاس اس کا موئد چنانچہ فرمایا حضرت باری عز اسمہ نے ﴿**فانکحوا ما طاب لکم من النساء یا وانکحوا الایامی منکم**﴾ کہ یہ حکم مطلق ہے۔ محرم و غیر محرم سب کو شامل ہے خبر واحد سے عدم احرام کی اس میں قید لگانا کتاب پر زیادتی ہے جو کسی طرح روا نہیں۔ احادیث میں حدیث ذیل مذہب حنفیہ کی صداقت پر زبردست حجت اور پختہ دلیل ہے یہ حدیث صحاح ستہ میں مختلف سلسلہ ہائے سند سے مروی ہے طحاوی مجاہد۔ عطاء طاؤس سعید بن جبیر عکرمہ جابر بن زید کے وسائط سے ابن عباسؓ سے اس کی روایت کرتے ہیں اول تو حضرت ابن عباسؓ کی وسعت علمی، وقت نظری، اور آپ کا بے پایاں تبحر خیال میں لایئے کہ آں حضرت ﷺ کی دعاء کی برکت سے آپ علم کے بحر زخار تھے اور معلومات کے سمندر ناپیدا کنار تھے۔ قرآن کے سب سے بڑے ترجمان تھے اور کلام رسول ﷺ کے معنی شناس۔ یہ ہی وجہ ہے کہ آپ کی صغرسنی نے کبھی آپ کے علم پر بٹہ نہیں لگایا بلکہ اور چار چاند لگائے حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ ابن عباسؓ اگر ہماری جیسی عمر پالیں تو ہم میں سے کوئی ان کا عشر عشیر نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا آپ کی تنہا حدیث مذہب حنفیہ کی صداقت وصحت کے ثبوت میں بس ہے جب کہ پھر اس کے ساتھ ساتھ اور روایات صحیحہ بھی اس کی موید ہوں مثلاً حدیث عائشہؓ جو امام طحاویؒ معانی الآثار میں اور بزار اپنی مسند میں لائے ہیں اس مضمون سے کہ آں حضرت ﷺ نے اپنی بعض عورتوں سے بحالت احرام نکاح کیا سہیلی نے کہا کہ بعض سے مراد حضرت میمونہ ہیں۔ طحاویؒ کہتے ہیں کہ اس کے سب ناقلین ثقہ ہیں۔ یا حدیث ابی ہریرہ جس کو دار قطنی اور طحاوی لائے ہیں۔ اس مضمون سے کہ آں حضرت ﷺ نے بحالت احرام حضرت میمونہؓ سے نکاح کیا۔

قیاس کی تائید کئی وجوہ سے ہے۔ اول یہ کہ نکاح دیگر عقود کے مثل ہے جو بحالت احرام جائز ہیں پھر اس میں حرمت کی کیا خاص وجہ ہے۔ دوسرے اگر بحالت احرام نکاح جائز نہ ہوتو قیاس کا

تقاضہ یہ ہے کہ احرام سے پہلے والا نکاح بھی باقی نہ رہے۔ کیونکہ جو چیزیں نکاح کے منافی ہیں یا اس کا باطل کرنے والی ہیں وہ نہ نکاح ہونے دیتی ہیں نہ اس کو باقی رکھتی ہیں ان میں ابتداء اور بقاہر دو برابر ہیں۔ تیسرے نکاح تو بہر حال وطی کی طرح تو ہے نہیں کہ محرم کے لئے حرام ہو۔ البتہ یوں کہنا پڑے گا کہ جائز ہے مگر ترک اولیٰ ہے جس طرح خطبہ (منگنی) کرنا اور آپ کا عمل محض جواز کے لئے ہے اگر کہیں کہ نکاح اس لئے ناجائز ہے کہ یہ وطی کا سبب ٹھہراتا ہے اور اس کا باعث ہوتا ہے تو چاہئے تھا کہ بحالت احرام اپنی عورت کو ساتھ رکھنا بھی ناجائز قرار پاتا۔ کیونکہ یہ معیت بھی تو وطی کا سبب بن سکتی ہے۔ ہاں البتہ بوس وکنار اور عورت کو چھونا مذہب حنفیہ میں بھی ناجائز ہیں جو درحقیقت وطی کے اسباب ودواعی ہیں۔ چوتھے حضرت میمونہؓ حضرت ابن عباسؓ کی خالہ ہوتی تھیں۔ ان کو نکاح کے بارہ میں جو علم ہوسکتا ہے وہ دوسرے کو کب نصیب غرض یہ ہیں مذہب حنفیہ کے تین ستون جن پر یہ مذہب برقرار اور متمکن ہے۔

اب آیئے مذہب مخالفین کی طرف۔ ان کے پاس محض احادیث کا ذخیرہ ہے اور ان میں لب لباب اور خلاصہ حجت تین احادیث ہیں ایک خود حضرت میمونہؓ کی حدیث دوسری یزید بن الاصم کی تیسری ابورافع مولی نبی ﷺ کی۔ یہ فعلی احادیث ہیں اور ایک قولی حدیث ہے جو حضرت عثمانؓ سے مروی ہے گویا کل چار احادیث ہیں حضرت میمونہؓ کی حدیث ابوداؤد ترمذی مسلم وغیرہ لائے ہیں کہ آپؓ فرماتی ہیں کہ مجھ سے نکاح کیا نبی ﷺ نے اور ہم دونوں حلال تھے۔ یہ چونکہ صاحب معاملہ ہیں اس لئے یہ کہتے ہیں کہ ان کی بات کا بہت وزن ہونا چاہئے ہم کہتے ہیں بے شک ان کی بات وزنی ہونی چاہئے تھی مگر کس بات میں نکاح کے معاملہ میں جس میں یہ صاحب معاملہ ہیں یا آں حضرت ﷺ کے احرام کے بارہ میں جو اصل میں نقطہ نزاعی ہے اور اس کے علم میں یہ اور دیگر اصحابہ برابر ہیں بلکہ حضرت ابن عباسؓ کا قول بسبب اتقان۔ تفقہ وحفظ قابل وثوق ہے پھر حضرت میمونہؓ کو آں حضرت ﷺ سے زیادہ قرب وملابست جو نصیب ہوئی وہ مقام سرف میں حلال ہونے کی صورت میں جب زفاف ہوا۔ نہ بحالت احرام کہ ان کا قول اوروں پر مقدم ہو۔ اب اس حدیث کا اسنادی پہلو ملاحظہ ہو۔ اول تو اس کو بخاریؒ نہیں لائے۔ جو اس حدیث کی کمزوری کی نشانی ہے۔ دوسرے ترمذی اس کو حدیث غریب کہتے ہیں تیسرے اس کی سند میں جریر بن حازم ابن زید بن عبداللہ الازدی ہیں جن کے بارہ میں تقریب میں کہا ہے کہ جب یہ اپنے حافظہ سے روایت کرتے ہیں تو ان کو وہم ہوجاتا ہے چوتھے یہ بھی حقیقت ہے کہ مرد عورتوں سے بہر حال حفظ واتقان

اور تفقہ میں قوی تر ہیں۔ لہٰذا حضرت ابن عباسؓ کے مقابلہ میں ان کی حدیث حجت نہیں بن سکتی ۔دوسری حدیث یزید بن اصم کی ہے جن کے بارہ میں کہتے ہیں کہ اگر حضرت ابن عباسؓ کو حضرت میمونہؓ کے بھانجے ہونے کے سبب برتری حاصل ہے تو ان یزید کو بھی ان کے بھانجے ہونے کے باعث فضیلت ہونی چاہئے تو ہر دو برابر ہوئے۔ ان کی حدیث طحاویؒ و دیگر کتب میں وارد ہیں اور مضمون یہ ہی ہے کہ آں حضرت ﷺ نے حضرت میمونہؓ سے حلال ہونے کی حالت میں نکاح کیا ۔اس کے جواب میں ہم احناف کہتے ہیں کہ اگر ترجیح قرابت ہی پر ٹھہرتی ہے تو ابن عباسؓ کا پلہ پھر بھی بھاری رہتا ہے کیونکہ اگر آپ ایک طرف حضرت میمونہؓ کے بھانجے ہیں تو دوسری طرف خود آنحضرت ﷺ کے چچازاد بھائی بھی تو ہیں ۔یہ مبارک رشتہ اور بابرکت قرابت یزید کو کہاں نصیب ۔پھر ہم محض قرابت کو بنائے ترجیح کب قرار دیتے ہیں بلکہ قرابت مع آپ کی ممتاز وجاہت علمی کے یوں بھی کہاں یزید کہاں حضرت ابن عباسؓ چنانچہ عمرو بن دینار سے نقل ہے کہ انہوں نے زہری کو یہ کہہ کر ساکت کر دیا کہ ابن الاصم ایک پیشاب کرنے والا اعرابی کیا جانے کیا تم اس کو ابن عباسؓ کے برابر کرتے ہو۔اس کے علاوہ یزید کے مقابلہ میں صرف ابن عباسؓ ہی نہیں بلکہ جیسا کہ ابھی بیان ہوا۔ حضرت عائشہؓ اور ابی ہریرہؓ بھی ہیں کہ جن میں سے ہر ایک یزید سے زائد قابل ترجیح ہے اور قابل وثوق ۔لہٰذا اب یہ ہی صورت رہ جاتی ہے کہ حدیث یزید و حدیث میمونہؓ میں تاویل کر کے ان کو حدیث ابن عباسؓ کے موافق کر لیا جائے۔ اس طرح کہ تزوج سے مراد زفاف ہو نہ عقد کیونکہ تزوج زفاف کے لئے سبب عادی ہے اور یہ بے شک حلال ہونے کی حالت میں ہوا۔ یہ تاویل قرین قیاس ہے اور موافق حقیقت ۔نہ یہ کہ حدیث ابن عباسؓ میں احرام کو دخول فی الحرم یا دخول فی شہر الحرام کے معنی میں نہیں ۔کیونکہ حقائق شرعیہ معانی لغویہ پر مقدم ہیں ورنہ پھر فقہاء میں یہ نزاع لفظی ہو کر رہ جائے گا۔ اور یہ تاویل بھی کچھ معنی نہیں رکھتی ۔جیسا کہ بعض شافعیہ نے کی ہے کہ حدیث ابن عباس میں تزوج وھو محرم کے یہ معنی نہیں کہ نکاح ہو جانے کا مسئلہ اس وقت کھلا ہے اور ظاہر ہوا ہے جب کہ آپ محرم تھے کیونکہ بعینہ یہ تاویل حنفیہ کی طرف سے یزید کی حدیث میں بھی کی جاتی ہے اور یہ قرین قیاس بھی ہے اور موافق بیشتر روایات کہ تزوج میمونۃ وھو حلال کے یہ معنی ہیں کہ نکاح ہو جانے کا معاملہ اس وقت ظاہر ہوا ہے کہ آپ حلال تھے اکثر روایات اسی پر شاہد ہیں کہ یہ حل طاری کا واقعہ ہے گویا نکاح احرام میں ہو چکا تھا۔ واقعہ حال اصلی کا ہو جو احرام سے پہلے ہوتا ہے ۔اب لیجئے معاملہ ابو رافع کی حدیث کا کہ یہ بھی ان کے دلائل میں شمار کی جاتی ہے کیونکہ یہ نکاح کے

انعقاد میں سفارت و رسالت کا کام انجام دے رہے تھے اور رسول و سفیر معاملہ کو بہت قریب سے دیکھتا ہے اس کے جواب میں اول تو ہم وہی کہتے ہیں جو حضرت میمونہؓ کی حدیث کے جواب میں کہا تھا کہ ان کی رسالت و سفارت نکاح کے معاملہ میں ان کی بات کو وزنی کرتی ہے نہ آں حضرت ﷺ کے محرم یا غیر محرم ہونے کے معاملہ میں جس میں دراصل نزاع ہے اور اس میں یہ اور دوسرے صحابہ یکساں ہیں۔ بلکہ دوسرے صحابہؓ کو خصوصاً حضرت ابن عباسؓ کو بہرصوت ان پر ترجیح ہے پھر اسنادی پہلو سے بھی یہ حدیث تقسیم ہے کہ اول تو صحیحین میں یہ حدیث نہیں اور ترمذیؒ اس کو لائے ہیں تو انہوں نے اس کو صرف حسن کہا ہے گویا ان کے نزدیک صحت کے درجہ تک یہ نہ پہنچ سکی۔ دوسرے اس کے اتصال پر ابن عبدالبر کو اعتراض ہے کیونکہ ابورافع کی وفات سلیمان بن یسار کی ولادت کے تین ہی سال بعد ہوئی ہے تو اب سلیمان کا ابورافع سے کس طرح سماع ثابت ہو سکتا ہے تیسرے مطر دراق جو اس کی سند میں ہے ضعیف ہے یحیٰ بن سعید اور امام احمد ہر دو نے اس کو ضعیف بتایا ہے فعلی احادیث کا قصہ یوں ختم ہوا رہی قولی حدیث حضرت عثمانؓ کی تو بے شک یہ اصول اپنی جگہ قابل تسلیم ہے کہ قولی حدیث فعلی پر مقدم ہے مگر یہ جب ہے کہ قولی حدیث فعلی سے بلحاظ سند قوی تر ہو اور یہاں یہ صورت نہیں۔ کیونکہ ابن عباسؓ سے روایت کرنے والے اصحاب فقہاء ہیں اور اہل حفظ وضبط' کہ جن کا ہمسر حدیث عثمان میں ایک بھی نہیں۔ مثلاً سعید بن جیر۔ عطا طاؤس مجاہد عکرمہ جابر بن زید وغیرہ اور حدیث عثمان کی روایت نبیہ بن وہب سے ہے جو نہ عمرو بن دینار کا ہم مرتبہ ہے جابر بن زید کا ہم پلہ نہ ہی مسروق کے مقابلہ کا جو عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں قسطلانی نے ارشاد ساری میں کہا ہے کہ بخاریؒ نے حدیث عثمانؓ کو ضعیف بتایا ہے کیونکہ اس میں نبیہ بن وہب ہے تیسرے ہر دو احادیث فعلی و قولی میں تطبیق باسانی دی جاسکتی ہے کہ یہ نہی تنزیہی ہے جس طرح خطبہ (منگنی) میں بھی نہی تنزیہی ہے یعنی مطلب یہ ہے کہ احرام میں حاجی کی شان کے خلاف ہے کہ اس قسم کے مشاغل میں مصروف ہو جو اس کی عبادت اس کے ساتھ دل بستگی میں رخنہ اندازی کا کام کریں کیونکہ وہ اس سلسلہ میں منگنی کے بکھیڑوں میں الجھے گا پیام رسانی جواب و سوال ضیافت مہمانان میں مشغول ہوگا جس کی وجہ سے رقت قلبی اور اس کی تمام عبادت کو خاک میں ملا دیں گے۔ البتہ چونکہ آنحضرت ﷺ کو اپنے تمام قویٰ پر پورا اقتدار و قبضہ حاصل تھا۔ اس لئے آپ ﷺ کے لئے یہ سب کچھ روا تھا۔ پھر شافعیہ کا خود کا خیال اس تاویل کی تائید کرتا ہے کہ انہوں نے ﴿ولا یخطب﴾ میں نہی تنزیہی مانی ہے ﴿لا ینکح﴾ جو اس کے برابر میں ہے نہی تنزیہی کیوں

مراد نہ لیں۔لہٰذا اس پوری بحث کے اختتام پر یہ ماننا پڑے گا کہ مذہب حنفیہ ہی از روئے قرآن وبلحاظ سنت اور بتقاضائے عقل ودرایت حق ہے اور قابل تسلیم۔﴿واللہ اعلم بحقیقة الحال﴾۔

(۱۰۸) باب حجامة المحرم

ابوحنيفة عن حماد عن سعيد بن جبير عن ابن عباسؓ ان رسول الله صلى الله عليه وسلم احتجم وهو محرم

باب۔محرم کے لئے پچھنے لگوانا!

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پچھنے لگوائے جب کہ آپ ﷺ محرم تھے۔

ف: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ احرام کی حالت میں پچھے لگوانا جائز ہے اور اس مسئلہ کی بناء قرآن کی اس آیت کریمہ پر ہے﴿فمن كان منكم مريضا او به اذى من راسه ففدية﴾ گویا یہ عذر کی بنا پر ہے اور اس پر بھی فدیہ ہے۔

(۱۰۹) باب استلام الركن والحجر

ابوحنيفة عن نافع عن ابن عمر رضى الله عنه قال ماتركت استلام الحجر منذرأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يستلمه .

رکن یمانی اور حجر اسود کو بوسہ دینا

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نہیں چھوڑا بوسہ حجر اسود کا جب سے دیکھا میں نے رسول اللہ ﷺ کو بوسہ دیتے ہوئے۔

ف: حجر اسود کو بوسہ دینا تمام ائمہؒ کے نزدیک سنت ہے اس میں کسی نے اختلاف نہیں کیا۔

ابوحنيفة عن حماد عن ابراهيم عن علقمة عن ابن مسعود ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ماانتهيت الى الركن اليمانى الا لقيت عنده جبرئيل وعن عطاء بن ابى رباح قال قيل يا رسول الله صلى الله عليه وسلم تكثر من استلام الركن اليمانى قال ماأتيت عليه قط الاوجبرئيل قائم عنده يستغفر لمن يستلمه . .

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں جب بھی رکن یمانی

پر پہنچا تو اس کے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام کو موجود پایا۔ عطاء بن ابی رباح سے (مرسل) مروی ہے کہ آں حضرت ﷺ سے عرض کیا گیا کہ آپ اکثر رکن یمانی کو چھوتے ہیں یا بوسہ دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں کبھی بھی اس کے پاس نہیں آیا مگر یہ کہ میں نے جبریلؑ کو اس کے پاس کھڑے ہوئے اور بوسہ دینے والوں کے حق میں دعائے مغفرت کرتے ہوئے پایا۔

ف: اسی کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس کو ابوالشیخ ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں جس کا مضمون ہے کہ آں حضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں رکن یمانی پر جب بھی گذرا تو اس کے پاس ایک فرشتہ پایا جو پکار پکار آمین کہتا ہے لہٰذا تم جب اس کے پاس سے گذرو تو یہ دعا پڑھو﴿ ربنا اتنا فی الدنیا حسنة وفی الاخرة حسنة وقنا عذاب النار ﴾

ابوحنیفة عن عبد الله عن ابن عمر ان النبی صلی الله علیه وسلم کان یقول بین الرکن الیمانی والحجر الاسود اللهم انی اعوذ بک من الکفر والفقر والذل وموقف الخزی فی الدنیا والاخرة .

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان (کھڑے ہوکر) فرماتے اے اللہ میں پناہ مانگتا ہوں تیرے ذریعہ کفر، فقر، ذلت اور دنیا و آخرت میں رسوائی کی جگہوں سے۔

ف: اس قسم کی دعاؤں کے ذیل میں جو احادیث وارد ہیں۔ ان میں گو بعض باعتبار اسناد ضعیف ہیں مگر ایک دوسرے سے مل کر یہ قوت پکڑ لیتی ہیں پھر بعض صحیح و حسن بھی ہیں اس کے علاوہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیثیں بھی قابل عمل ہوتی ہیں۔

ابوحنیفة عن حماد عن سعید بن جبیر عن ابن عباس قال طاف النبی صلی الله علیه وسلم بالبیت وهو شاک علی راحلته یستلم الارکان بمحجنه .

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے طواف کیا بیت اللہ کا بحالت بیماری اپنی سواری پر۔ بوسہ دیتے تھے آپ ﷺ رکن یمانی اور حجر اسود کو اپنی خمیدہ لکڑی سے۔

وفی روایة قال طاف النبی صلی الله علیه وسلم بین الصفا والمروة وهو شاک علی راحلته .

اور ایک روایت میں ہے کہ (ابن عباسؓ نے) کہا کہ سعی کی نبی ﷺ نے صفا اور مروہ کے

درمیان بحالت بیماری اپنی سواری پر۔

ف: یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ بیماری کی وجہ سے سواری پر سعی کرنا جائز ہے ارکان سے رکنین یمانین مراد ہیں۔ کیونکہ رکنین شامیین کو بوسہ نہیں دیا جاتا۔ گو بعض سلف نے اس کو مستحب جانا ہے۔ مگر اتفاق اسی پر ہے قطعی ابوالطیب اور نووی ؒ نے اس پر ائمہ کا اجماع نقل کیا ہے۔

ابو حنیفة عن عطاء عن ابن عباس ان رسول الله صلی الله علیه وسلم رمل من الحجر الی الحجر.

حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رمل کیا حجر اسود سے حجر اسود تک (گویا پورے شوط میں)۔

ف: رمل کہتے ہیں سینہ تان کر شانوں کو ہلاتے ہوئے تیز تیز قدم چلنا۔ آں حضرت ﷺ نے تین چکروں میں رمل ہی کیا۔ اور چار میں حسب عادت رفتار میں چلے۔ حضرت جابر ؓ سے بھی اسی طرح مروی ہے اب صحیحین میں ابن عباس ؓ سے ہر دو رکنوں کے درمیان جو صرف مشی کی روایت ہے وہ حدیث جابر ؓ سے منسوخ ہے۔ نووی ؒ اور قسطلانی نے اس کی تصریح کی ہے کیونکہ حدیث ابن عباس ؓ میں عمرۃ القضاء کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے جو ۷ھ میں قبل فتح مکہ وقوع پذیر ہوا۔ پھر جب آپ ﷺ نے حجۃ الوداع ادا فرمایا تو رمل کیا۔ لہٰذا چونکہ جابر ؓ کی حدیث متاخر واقعہ کو بیان کرتی ہے اس لئے یہ ہی قابل عمل ہے۔

(۱۱۰) باب الجمع بعرفة

ابو حنیفة عن یحیبن ابی حیة ابی جناب عن هانئ بن یزید عن ابن عمر قال افضنا معه من عرفات فلمانزلنا جمعا اقام فصلینا المغرب معه ثم تقدم فصلی رکعتین ثم دعابماء فصب علیه ثم اوی الی فراشه فقعد نا ننتظر الصلوة طویلا ثم قلنا یا ابا عبد الرحمن الصلوة فقال ای الصلوة فقلنا العشاء الاخرة فقال اما کما صلی رسول الله صلی الله علیه وسلم فقد صلیت وفی روایة عن ابن عمر ان النبی صلی الله علیه وسلم جمع بین المغرب والعشاء.

عرفہ دو نمازوں کو جمع کرنا

ہانی بن یزید کہتے ہیں کہ ہم حضرت ابن عمر ؓ کے ہمراہ عرفات سے لوٹے تو مزدلفہ میں اترے

پھر اقامت کہی اور ہم نے آپ کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھی پھر آپ آگے بڑھے اور نماز عشاء کی دو رکعات ادا فرمائیں اس کے بعد پانی منگا کر غسل کیا اور بستر راحت پر جا لیٹے ہم نماز کے انتظار میں بہت دیر تک بیٹھے رہے۔ آخر ہم نے کہا اے ابا عبدالرحمٰن نماز (یعنی نماز کے لئے تشریف لائیے) آپؓ نے کہا کون سی نماز ہم نے کہا عشاء کی نماز آپ نے کہا کہ جس طرح نبی کریم ﷺ نے نماز پڑھی میں نے بھی پڑھی (یعنی ہر دو نمازوں کو جمع کر کے)۔ ایک روایت میں ہے کہ ابن عمرؓ نے نبی ﷺ سے روایت کی کہ آپ ﷺ نے مغرب اور عشاء کو جمع کیا۔

ف: اس میں حنفیہ وشافعیہ کا اختلاف ہے کہ ہر دو نمازیں ایک اذان واقامت سے ادا کی جائیں یا ہر ایک کے لئے علیحدہ علیحدہ اذان واقامت کہی جائے۔ حنفیہ پہلے خیال کے پیرو ہیں اور شافعیہ اس خیال کے حامی کہ اذان ایک ہے اور اقامت علیحدہ علیحدہ۔ مذہب حنفیہ کے ثبوت پر حضرت ابن عمر کی اکثر وبیشتر احادیث جو صحاح میں مروی ہیں وال ہیں اور بعض روایا تحضرت جابرؓ کی بھی بلکہ ابن عباس اور ابوایوب کی روایات بھی اسی خیال کی موید ہیں چنانچہ ابن عباسؓ کی حدیثمیں جس کو ابوالشیخ اصبہانی نے نقل کیا ہے نبی ﷺ کے بارہ میں صاف الفاظ ہیں ﴿**صلی المغرب والعشاء باقامة واحدة**﴾ کہ آپ نے نماز مغرب وعشاء ایک اقامت سے ادا فرمائی۔ اور ایسا ہی مصنف بن ابی شیبہ میں ہے حضرت ابوایوبؓ کی روایت سے اور حدیث ذیل بھی اسی نقطۂ خیال کی تائید کرتی ہے۔ شافعیہ کی مذہب کے حجت اسامہ بن زید کی حدیث ہے جو صحیحین میں مذکور ہے جس کے صاف الفاظ ہیں ﴿**فصلی بها المغرب والعشاء باذان واحد واقامتين**﴾ کہ آپ نے مزدلفہ میں مغرب وعشاء ایک اذان اور دو اقامتوں سے ادا فرمائیں۔ بہر حال روایات میں سخت تعارض ہے۔ جس سے معاملہ زیر بحث میں تردد پیدا ہو گیا۔ تو اصولاً اقل تیقن (ایک اقامت) پر عمل کرنا قرین قیاس ہے۔

ابو حنيفة عن عدی عن عبدالله ابن يزيد عن ابی ايوب قال صليت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم المغرب والعشاء فی حجة الوداع بالمزدلفة.

حضرت ابوایوب سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حجۃ الوداع میں بمقام مزدلفہ مغرب وعشاء کی نمازیں پڑھیں۔

ف: بخاری مسلم نسائی ابن ماجہ اور امام محمدؒ موطا میں یہ ہی حدیث اسی سند سے لائے ہیں طبرانی

میں جابر جعفی اور محمد بن ابی لیلیٰ کے واسطہ سے یہ ہی حدیث اسی سند سے منقول ہے مگر اس میں باقامۃ واحدۃ کا لفظ بھی ہے جو مذہب حنفیہ کی پرزور تائید کرتا ہے۔ کیونکہ ثقہ کی زیادتی معتبر ہے۔ جابر الجعفی میں گو ضعف ہے مگر محمدؒ کے ساتھ مل کر اس کا ضعف دور ہوا۔

ابوحنیفة عن ابی اسحق عن عبدالله بن یزید الخطمی عن ابی ایوب ان رسول الله صلی الله علیه وسلم المغرب والعشاء بجمع باذان واقامة واحدة .

حضرت ابوایوبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مغرب وعشاء کی نمازیں ادا فرمائیں مقام مزدلفہ میں ایک اذان اور ایک تکبیر سے۔

ف: یہ حدیث مذہب حنفیہ کی نہایت صاف الفاظ میں ترجمانی کرتی ہے جس کی تائید میں ہم طبرانی کی حدیث کا حوالہ دے کر آئے ہیں۔

(111) باب رمی الجمار

ابوحنیفة عن سلمة عن الحسن عن ابن عباس عن النبی صلی الله علیه وسلم انه عجل ضعفة اهله وقال لهم لا ترموا حمرة العقبة حتی تطلع الشمس .

باب۔ جمرات پر کنکری پھینکنا

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے اپنے کمزور گھر والوں کو (عورتوں بچوں کو) جلد روانہ فرمادیا' اور ان سے فرمایا کہ رمی جمرہ عقبہ نہ کریں جب تک آفتاب طلوع نہ ہو۔

ف: یہ عمل اسی مصلحت کے ماتحت تھا کہ اژدحام سے پہلے پہلے یہ رمی سے فارغ ہولیں ارشاد ساری میں اسی طرح ہے۔

ابوحنیفة عن حماد عن سعید بن جبیر عن ابن عمرؓ قال بعث رسول الله صلی الله علیه وسلم ضعفة اهله وقال لهم لاترموا جمرة العقبة حتی تطلع الشمس .

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے گھر والوں کے کمزوروں کو بھیجا اور فرمایا کہ جب تک آفتاب طلوع نہ ہو جائے جمرۂ عقبہ کی رمی نہ کریں۔

ف: حنفیہ کے نزدیک رمی جمرۃ رات میں جائز نہیں جس طرح طواف افاضہ صبح سے پہلے ناجائز ہے۔مالکیہ کا بھی یہ ہی مذہب ہے شافعیہ اور حنبلیہ نصف شب کے بعد رمی جائز رکھتے ہیں حنفیہ و مالکیہ کے مذہب پر یہ ہر دو احادیث صاف دال ہیں۔

ابوحنیفة عن عطاء عن ابن عباس ان النبی صلی الله علیه وسلم لبی حتی رمی جمرة العقبة وفی روایة عن ابن عباس ان النبی صلی الله علیه وسلم اردف الفضل بن عباسؓ و کان غلاما حسنا فجعل یلا حظ النساء والنبی صلی الله علیه وسلم یضرف وجهه فلبی حتی رمی جمرة العقبة .

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ رمی جمرہ عقبہ تک برابر تلبیہ کہتے رہے۔اور ایک روایت میں ابن عباسؓ سے اس طرح روایت ہے کہ نبی ﷺ نے اپنے ساتھ سواری پر فضل بن عباسؓ کو بٹھایا اور یہ خوب صورت نوجوان تھے۔تو عورتوں کو تکتے اور نبی ﷺ ان کا چہرہ پھیر دیتے (ان کی یا عورتوں کی طرف سے فتنہ کے خوف سے) پس آپ ﷺ نے تلبیہ کہا رمی جمرہ عقبہ تک۔

وفی روایة عن ابن عباس عن الفضل اخیه ان النبی صلی الله علیه وسلم لم یزل یلبی حتی رمی جمرة العقبة .

اور ایک روایت میں ابن عباسؓ اپنے بھائی فضلؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ رمی جمرہ عقبہ تک برابر تلبیہ کہتے رہے۔

ف: اس مسئلہ میں ائمہ کا شدید اختلاف ہے کہ حاجی تلبیہ کب تک کہے۔امام ابوحنیفہؒ شافعیؒ۔سفیان ثوری جمہور صحابہ و تابعین اور فقہائے امصار کا مسلک ہے کہ دس ذی الحجہ کی صبح کو رمی جمرہ کے شروع کرنے سے پہلے پہلے تک کہے رمی شروع کرتے ہی بند کر دے۔حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ عرفہ کے دن نماز صبح تک کہے اور پھر بند کر دے۔حضرت علیؓ ابن عمرؓ عائشہؓ مالک اور فقہائے مدینہ کا مذہب ہے کہ عرفہ کے دن زوال آفتاب تک تلبیہ کہے وقوف کے شروع ہونے کے بعد نہ کہے۔احمد اسحاق اور بعض سلف کا خیال ہے کہ رمی جمرہ عقبہ سے فراغت تک کہے۔امام ابوحنیفہؒ شافعیؒ و جمہور علماء کی حجت حدیث ذیل ہے اور دیگر احادیث صحیحہ مگر مخالفیان کے پاس کوئی معقول حجت نظر نہیں آتی۔حدیث ذیل کی آخری روایت کے لفظ لم یزل سے شک ہوتا ہے کہ اس سے مذہب امام احمدؒ و اسحاق کا ثبوت ہوتا ہے۔مگر نہیں اس شک کو نسائی کی روایت ﴿فاذا رمی قطع

التلبیة ﴾ رفع کرتی ہے۔ گویا ادھر رمی شروع ہوئی۔ یعنی پہلی کنکری ماری اور ادھر تلبیہ ختم۔

باب الرکوب علی بدنته

ابوحنیفة عن عبدالکریم عن انسؓ ان النبی صلی الله علیه وسلم رای رجلا یسوق بدنة فقال ارکبها .

باب۔قربانی کے جانور پر سوار ہونا

روایت کی عبدالکریم نے حضرت انسؓ سے کہ نبی ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ اپنی قربانی کے جانور کو ہانکتا ہے تو اس سے فرمایا کہ اس پر سوار ہو جا۔

ف: یہاں اس نقطہ خیال پر ائمہ مختلف الرائے ہیں کہ قربانی کے جانور پر حاجی سوار ہو سکتا ہے یا نہیں۔ بعض اس کے مطلق وجوب کے قائل ہیں بعض مطلق منع کے اور بعض مطلق جواز کے۔ ملا علی قاری اور قسطلانی کے کلام سے پتہ چلتا ہے کہ شافعیہ وحنفیہ اس امر میں متحد المذ ہب ہیں' مگر ترمذی چلپی۔ کرمانی۔ نووی کا کلام پتہ دیتا ہے کہ ان میں اختلاف ہے کہ شافعیہ معمولی ضرورت کے وقت بھی سواری کو جائز سمجھتے ہیں اور حنفیہ صرف ایسی ضرورت کے وقت اس کو جائز قرار دیتے ہیں جو سخت مجبوری اور ناگزیر حالت تک پہنچ گئی ہو۔ گویا پیدل چلنا سخت دشوار ہو اور بغیر سواری چارہ کار نہ ہو ۔ چنانچہ حضرت جابرؓ ابوہریرہؓ انسؓ کی احادیث کے ظاہری الفاظ سے یہ بات آشکارا ہے اور کلام کا موقع محل اس کی پرزور تائید کرتا ہے۔ بخاری میں آں حضرت ﷺ کی طرف سے سواری کے لئے تین بار اصرار ہے۔ ابوہریرہؓ کی حدیث میں دوسری یا تیسری بار ﴿ویــلک﴾ کا لفظ بھی ہے ۔ مسلم میں حضرت جابرؓ کی حدیث میں ﴿اذا الجئت الیها ﴾ کا لفظ ہے کہ جب تو اس کے لئے مجبور ہو جائے' کہیں ﴿ویلک﴾ کی جگہ ﴿ویحک﴾ کا لفظ بھی ہے لہٰذا یہ تمام حالات اس بات کے شاہد ہیں کہ شدید مجبوری کی صورت میں سواری جائز ہے۔ نہ معمولی ضرورت وحاجت کی بنا پر۔

(۱۱۳) باب التمتع والقران

ابوحنیفة عن حماد عن ابراهیم عن الصبی بن معبد قال اقبلت من الجزیرة حاجا فمررت بسلمان ابن ربیعة وزید بن صوحان وهما شیخان بالعذیبة قال فسمعانی اقول البیک بعمرة وحجة فقال احد هما هذا الشخص اضل من بعیره وقال الاخر هذا اضل من کذا وکذا قال فمضیت . حتی اذا قضیت نسکی مررت بامیر المؤمنین عمرؓ فاخیرته کنت رجلا بعید الشقة

قاصی الدار اذن الله لی فی هذاالوجه فاحببت ان اجمع عمرة الی حجة فاهللت بهما جمیعا ولم انس فمررت بسلمان بن ربیعة وزید ابن صو حان فسمعانی اقول لبیک بعمرة وحجة معافقال احد هما هذا اضل من بعیره وقال الاخر هذا اضل من کذا وکذا وقال فصنعت ماذا قال مضیت فطفت طوافا لعمرتی وسعیت سعیا لعمرتی ثم عدت ففعلت مثل ذلک ثم بقیت حراما اضنع کما یصنع الحاج حتی اذاقضیت اخر نسکی قال هدیت لسنة نبیک محمد صلی لله علیه وسلم .

وفی روایة عن الصبی بن معبد رضی الله عنه قال کنت حدیث عهد بنصرانیة فقدمت الکوفة ارید الحج فی زمان عمر بن الخطابؓ فاهل سلمان و زید بن صوحان بالحج وحده واهل الصبی بالحج والعمرة فقالا ویحک تمتعت وقد نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم عن المتعة قالا له والله لانت اضل من بغیرک قال نقدم علی عمر وتقدمون فلما قدم الصبی مکة طاف بالبیت وسعی بین الصفاوالمروة لعمرته ثم رجع حراما لم یحل من شیء ثم طاف بالبیت وبین الصفاوالمروة لحجته ثم اقام حراما لم یحلل منه حتی اتی عرفات وفرغ من حجته فلماکان یوم النحر حل فاهرق دما لمتحته فلما صدروا من حجهم مروابعمر بن الخطابؓ فقال له زید بن صو حان یا امیر المؤمنین انک نهیت عن المتعة واناالصبی بن معبد قد تمتح قال صنعت ماذا یا صبی قال اهللت یا امیر المؤمنین بالحج والعمرة فلما قدمت مکة طفت بالبیت وطفت بین الصفاوالمروة لعمرتی ثم رجعت حراما ولم احل من شیء ثم طفت بالبیت وبین الصفا والمروة لحجتی ثم اقمت حراما یوم النحر فاهرقت دما لمتعی تم احللت قال فضرب عمر علی ظهره وقال هدیت لسنة نبیک صلی الله علیه وسلم .

وفی روایة عن الصبی قال خرج هو وسلمان بن ربیعة وزید بن صوحان یرید ون الحج قال فاما الصبی فقرن الحج والعمرة جمیعا واما سلمان وزید فامردا الحج ثم اقبلا علی الصبی یلومانه فیما صنع ثم قالا له انت اضل من

بعير ک تقرن بين الحج والعمرة وقد نهى امير المؤمنين عن العمرة والحج قال تقدمون على عمرواقدم قال فمضوا حتى دخلوا مكة فطاف بالبيت لعمرته وسعى بين الصفا والمروة لعمرته ثم عادفطاف بالبيت لحجته ثم سعى بين الصفا والمروة ثم اقام حراما كما هو لم يحل له شيء حرم عليه حتى اذاكان يوم النحر ذبح مااستيسر من الهدى شاة فلماقضوا انسكهم مروابالمدينة فد خلوا على عمرؓ فقال له سلمان وزيد يا امير المؤمنين ان الصبى قرن بالحج والعمرة قال صنعت ماذا قال لما قدمت مكة طفت طوافا لعمرتي ثم سعيت بين الصفا والمروة لعمرتي ثم عدت فطفت بالبيت لحجتي ثم سعيت بين الصفاوالمروة لحجتي قال ثم صنعت ماذاقال اقمت حراما لم يحل لي شيء حرم على حتى اذا كان يوم النحر ذبحت مااستيسر من الهدى شاة قال فضرب عمر على كتفه ثم قال هديت لسنة نبيک صلى الله عليه وسلم.

باب۔ تمتع اور قران کا بیان

حضرت صبی بن معبد کہتے ہیں کہ میں جزیرہ سے حج کی نیت سے آیا۔ اور سلمان بن ربیعہ اور زید بن صوحان عذیبہ کے دو بڑے شیخوں کے پاس سے میرا گذر ہوا۔ جب انہوں نے مجھ کو یہ کہتے ہوئے سنا ﴿لبیک بعمرة وحجة﴾ تو ان میں سے ایک بولے کہ یہ شخص (میں) اپنے اونٹ سے بھی زیادہ گمراہ (مناسک حج سے جاہل) ہے اور دوسرے بولے یہ فلاں فلاں سے بھی زائد بہکا ہوا (ناآشنا اور نابلد) ہے۔ مگر میں اپنے کام میں لگا رہا۔ (یعنی ان کے کہنے پر توجہ نہیں کی) یہاں تک کہ جب میں ارکان حج سے فارغ ہوا تو امیر امومنین حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے عرض کیا کہ میں دور دراز اطراف ملک کا رہنے والا ہوں اللہ تعالیٰ نے میرے لئے قرآن کی یہ شکل مقدر فرمائی تو مجھ کو یہ بات پسند آئی کہ میں حج وعمرہ کو جمع کروں لہٰذا میں نے ہر دو کی نیت سے احرام باندھا۔ اور میں نیہ قصداً کیا ہے۔ پھر جب سلمان بن ربیعہ اور زید بن صوحان کے پاس میرا گذر ہوا۔ تو انہوں نے مجھ کو یہ کہتے ہوئے سنا ﴿لبیک بعمرة وحجة﴾ گویا قرآن کے لئے تو ان میں سے ایک نے کہا کہ یہ شخص اپنے اونٹ سے زیادہ (مسائل حج سے) نابلد ہے۔ اور دوسرینے کہا کہ یہ فلاں فلاں سے

زیادہ (ارکان حج سے) ناواقف ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ پھر تم نے کیا کیا۔ میں نے کہا کہ میں بدستور مناسک انجام دیتا رہا۔ میں نے طواف کیا عمرہ کے لئے اور سعی کی عمرہ کے لئے پھر دوبارہ ایسا ہی کیا۔ پھر میں (حج کے لئے) محرم رہا کہ میں وہ ہی کروں جو ایک حاجی کرتا ہے یہاں تک کہ جب میں نے تمام ارکان حج آخر تک بیان کر دیئے تو آپ نے فرمایا کہ تم نے بالکل اپنے نبی ﷺ کی سنت کے مطابق عمل کیا۔

اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ صبی بن معبد نے کہا کہ مجھ کو دین عیسوی چھوڑے ہوئے چند ہی دن گذرے تھے کہ میں عہد عمر بن الخطاب میں بارادۂ حج کوفہ میں آیا۔ سلمان اور زید بن صوحان نے صرف حج کی نیت سے احرام باندھا اور صبی نے (یعنی میں نے) حج و عمرہ ہر دو کی نیت سے احرام باندھا۔ یعنی قرآن کی شکل میں) تو اس پر وہ دونوں بولے اے خانہ خراب تو متعہ کی نیت کرتا ہے حالانکہ نبی ﷺ نے متعہ سے منع فرمایا ہے۔ ان دونوں نے اس سے (صبی) سے کہا قسم اللہ کی تو اپنے اونٹ سے بھی زیادہ گمراہ ہے صبی نے جواب دیا کہ ہم تم حضرت عمرؓ کے پاس چل رہے ہیں۔ پھر جب آئے صبی مکہ میں تو بیت اللہ کا طواف کیا اور صفا ومروہ کے درمیان عمرہ کے لئے سعی کی۔ اس کی بعد محرم ہی رہے۔ حلال نہیں ہوئے پھر بیت اللہ کا طواف (قدوم) کیا صفا ومروہ کے درمیان حج کے لئے سعی کی اور پھر محرم رہے۔ حلال نہیں ہوئے۔ یہاں تک کہ آئے عرفات میں اور ارکان حج سے فراغت حاصل کی پھر جب نحر کا دن آیا تو متعہ کے لئے (قِران کے لئے) قربانی کی چنانچہ جب لوگ اپنے حج سے لوٹے۔ تو (مدینہ میں) حضرت عمرؓ کے پاس انہوں نے حاضری دی اور ان سے زید بن صوحان نے عرض کیا اے امیر المومنین آپ نے تو متعہ (یہ لفظ قران وتمتع ہر دو کو شامل ہے) سے روکا ہے اور صبی بن معبد نے تمتع کیا۔ حضرت عمرؓ نے صبی سے پوچھا صبی تم نے کیا کیا؟ انہوں نے جواب دیا اے امیر المومنین میں نے احرام باندھا حج وعمرہ ہر دو کی نیت سے پھر جب میں مکہ میں آیا تو عمرہ کے لئے بیت اللہ کا طواف (قدوم) کیا اور صفا ومروہ کے درمیان حج کے لئے سعی کی۔ پھر محرم رہا یہاں تک کہ نحر کے دن متعہ کے لئے قربانی کر کے میں (ہر دو احراموں سے) حلال ہو گیا۔ تو کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے میری پیٹھ ٹھونکی اور کہا کہ البتہ تو نے پالیا اپنے نبی ﷺ کا طریقہ سنت۔

اور ایک روایت میں صبی سے یوں روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ وہ اور سلمان بن ربیعہ اور

زید بن صوحان ہرسہ حج کے ارادہ سے نکلے۔صبی نے تو قران کی (احرام میں) نیت کی اور سلمان اور زید نے تنہا حج کی نیت کی۔تو وہ دونوں قران کرنے پر صبی کو ملامت کرنے لگے اور کہا تو اپنے اونٹ سے زیادہ بہکا ہوا ہے کہ تو حج وعمرہ کو (احرام میں) ملاتا ہے (گویا قران کرتا ہے) اور البتہ امیر المؤمنین نے عمرہ اور حج کو جمع کرنے سے منع فرمایا ہے۔صبی نے کہا ہم تو حضرت عمرؓ کے پاس چلتے ہیں۔(وہ ہمارے درمیان فیصلہ کریں گے) پس وہ چل دیئے ۔یہاں تک کہ داخل ہوئے مکہ میں تو صبی نے عمرہ کے لئے طواف بیت اللہ کیا اور عمرہ کے لئے صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی۔پھر دوبارہ حج کے لئے طواف کیا اور سعی کی۔پھر بحال خود محرم رہے حلال نہیں ہوئے کہ کوئی حرام کی ہوئی چیز ان کے لئے حلال نہیں ہوئی پھر جب یوم نحر آیا تو جو میسر آسکا قربانی کے جانور سے ایک بکری ذبح کی جب تمام مناسک حج سے فارغ ہوئے تو مدینہ میں حضرت عمرؓ کی خدمت میں جا پہنچے اور ان سے سلمان اور زید نے کہا اے امیر المومنینؓ صبی نے جمع کیا حج وعمرہ کو گویا آپ نے تو اس سے منع فرمایا ہے تو عمرؓ نے صبی سے کہا کہ تم نے کیا کیا۔انہوں نے کہا کہ میں مکہ میں آیا۔اور عمرہ کے لے طواف کیا اور عمرہ کے لئے صفا و مروہ کے درمیان سعی کی۔پھر دوبارہ میں نے حج کے لئے بیت اللہ کا طواف کیا اور حج کے لئے صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی پھر آپؓ نے دریافت فرمایا کہ پھر تم نے کیا کیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں اس کے بعد محرم ہی رہا۔میں نے اپنے اوپر حرام کیہوئی چیز کو حلال نہیں کیا یہاں تک کہ جب نحر کا دن آیا تو قربانی کا جانور جو مجھے میسر آسکا ایک بکری ذبح کی۔کہتے ہیں کہ عمرؓ نے میرے شانے پر ہاتھ مار کر مجھ کو شاباش دی۔پھر فرمایا کہ تم نے اپنے نبی ﷺ کا طریق سنت پالیا۔

ف: حدیث ذیل کے ماتحت دو مسائل اہمیت کے ساتھ محتاج تشریح ہیں جن میں ائمہ کا شدید اختلاف ہے اول یہ کہ ہرسہ انواع حج افراد۔قران۔تمتع میں کون سی نوع افضل ہے دوسرے یہ کہ قارن دو طواف و دو سعی کرے یا ایک ایک پہلے نقطہ اختلافی میں نوعیت اختلاف یہ ہے کہ ابوحنیفہ قران کو افضل جانتے ہیں پھر تمتع کو اور پھر افراد کو۔امام شافعیؒ واحمدؒ افراد کو افضل خیال کرتے ہیں اور امام مالک تمتع کو۔ثوریؒ اسحاقؒ اور بہت سے اہل علم حدیث امام صاحبؒ کے ساتھ متحد الخیال ہیں ۔اور عمر۔علی۔عائشہ۔ابی طلحہ۔عمران بن حصین۔سراقہ بن مالک۔ابن عمر ابن عباس۔براء بن عازب۔حضرت حفصہ ام المؤمنین سے بھی اسی قسم کی روایات منقول ہیں۔اصل مرکز اختلاف یا مدار

نزاع حجۃ الوداع کا واقعہ ٹھہرتا ہے کہ اس میں آں حضرت ﷺ کا عمل کیا تھا۔ ہر ایک نے اپنے مذہب کی بنا اسی واقعہ پر رکھی ہے۔ کیونکہ ہجرت کے بعد آں حضرت ﷺ کا یہ ہی پہلا اور آخری حج تھا۔ اور مسائل دینیہ کا سرچشمہ۔ اور امور مذہبی کے لئے آخری حجت لہٰذا جو اس میں آپ ﷺ کا عمل ہوگا وہ ہی افضل ہوگا شافعیہ ؒ اپنے مذہب پر روایات سے استدلال کرتے ہیں اور قیاس سے بھی روایات کی رو سے حضرت جابرؓ ابن عمرؓ ابن عباسؓ عائشہؓ سے روایات نقل کرتے ہیں چنانچہ نوویؒ نے بہت شدومد کے ساتھ اس کا ثبوت پیش کیا ہے۔ اور ان میں سے ہر صحابیؓ کی برتری ثابت کی ہے مزید براں کہتے ہیں کہ خلفاء میں ابوبکرؓ عمرؓ عثمانؓ نے اس پر مداومت فرمائی ہے ۔گویا ہمیشہ افراد ہی کرتے رہے اور پھر اس قیاس سے تائید کی کہ افراد میں دم نہیں اور قران وتمتع میں دم جبر ہے جو انکے نقص کی صاف علامت ہے۔ یہ ہے انکے دلائل وحج کا اجمالی خاکہ۔

امام صاحبؒ کے مذہب پر اول تو حدیث ذیل زبردست دلیل ہے کہ حضرت عمرؓ صبی بن معبد کو قران پر شاباش دے رہے ہیں اور اس کو سنت نبوی ﷺ قرار دیتے ہیں۔ دوسری مضبوط دلیل عمران بن حصین کی روایت ہے جس کو مسلم لائے ہیں کہ نبی ﷺ نے حج وعمرہ کو جمع کیا پھر وفات تک اس سے نہیں روکا۔ نہ اس کی حرمت پر قرآن نازل ہوا تیسرے ابن عمرؓ سے نقل کرتے ہیں کہ تمتع کیا رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں یعنی عمرہ کے لئے بھی احرام باندھا اور حج کے لئے بھی تھے عائشہؓ سے بھی ایسی روایت لائے ہیں۔ پانچویں طحاوی میں ام سلمہؓ سے چھٹے ابن ماجہ میں ہے کہ نبی ﷺ نے چار عمرے کئے ایک عمرہ حدیبیہ دوسرا عمرۃ القضاء ذی قعدہ میں آنے والے سال ۔تیسرا جعرانہ سے چوتھا عمرہ حجۃ الوداع کے ساتھ۔ لہٰذا یہ چھ قابل شکست دلائل ہیں جو مذہب حنفیہ کو سنت نبوی ﷺ کی روشنی میں ثابت کرتے ہیں ساتویں حجت قرآن پاک کی یہ آیت ہے ﴿واتموا الحج والعمرة لله﴾ کہ حاکم اپنی مستدرک میں شرط شیخین پر یہ روایت لاتے ہیں کہ حضرت علیؓ سے کسی نے اس آیت کے بارہ میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ اتمام کی شکل یہ ہے کہ تو حج عمرہ کے لئے اپنے گھر سے احرام باندھے۔ یعنی قران کرے۔ ابن مسعودؓ سے بھی ایسی ہی روایت ہے۔ چنانچہ یہ ہی افضل ہے اگر انسان اس پر قادر ہو۔ کیونکہ اس میں مشقت بھی زائد ہے اور تعظیم بیت اللہ بھی زائد تو جب قرآن پاک میں قران کا ذکر آئے تو یہ باقی انواع پر افضل کیوں نہ ہو۔ پھر قیاس بھی اس کی تائید کرتا ہے کیونکہ قران کی صورت میں دو عبادتیں یک جا جمع ہو جاتی ہیں جو بہر حال ایک عبادت سے اچھی ہیں اور افضل مثلاً کوئی روزہ دار بھی ہو اور معتکف بھی یا کوئی حراست فی سبیل اللہ

میں بھی مصروف ہوا اور تہجد گذاری میں بھی۔ اب مذہب شافعیہ کی پختگی کو ملاحظہ فرمائیے کہ یہ حضرات اپنے مذہب کی تائید میں جن صحابہؓ سے روایات نقل کرتے ہیں انہی صحابہؓ سے خود انھیں کی کتابوں میں مذہب حنفیہ کی تائید میں بھی روایات ثابت ہیں۔ مثلاً حضرت عائشہؓ ابن عمرؓ یا ابن عباسؓ وغیرہ ہم جن کی احادیث ابھی آ رہی ہیں۔ البتہ وہ مضبوط دلیل جس پر شوافع کو ناز ہے کہ حضرت عمرؓ و عثمانؓ نے سختی کے ساتھ ممانعت فرمائی کہ لوگ تمتع نہ کریں۔ اس کی حقیقت سنیئے کہ خود مسلم ابو موسیٰؓ سے روایت لاتے ہیں کہ وہ تمتع کے لئے فتویٰ دیا کرتے تھے۔ ایک شخص نے ان کو حضرت عمرؓ کا حوالہ دیا اور ٹوکا کہ آپ اس فتویٰ سے باز آیئے۔ چنانچہ انہوں نے جب خود حضرت عمرؓ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ میں خود جانتا ہوں کہ نبی ﷺ نے اس کو کیا ہے اور آپ ﷺ کے اصحابؓ نے بھی مگر میں اس کو بُرا سمجھتا ہوں کہ لوگ حلال ہو جائیں اور عرفات کی طرف نکلنے تک عورتوں سے وطی کریں اور ایسی حالت میں نکلیں کہ ان کے سروں سے پانی کے قطرے ٹپکتے ہوں لیجئے وجہ ممانعت کھل گئی اور ساتھ ہی نبی ﷺ کے فعل کا بھی پتہ چلا۔ انہوں نے حضرت عمرؓ کے انکار کو دیکھا لیا۔ مگر یہ نہیں دیکھا کہ یہ ﴿عَلِمتُ﴾ سے اقرار کس بات کا کر رہے ہیں۔ اسی طرح ترمذی محمد بن عبداللہ بن حارث سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ سعد بن وقاصؓ اور ضحاکؓ بن قیس میں تمتع کے بارہ میں بحث چھڑی ہوئی تھی۔ ضحاک بولے یہ تو کوئی جاہل کرتا ہوگا۔ سعدؓ نے کہا بھائی یہ کیا کہتے ہو ضحاکؓ نے کہا کہ حضرت عمرؓ نے اس سے منع کیا ہے۔ سعدؓ نے فرمایا کہ نبی ﷺ نے ایسا کیا ہے۔ اور ہم نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔ ایسا ہی ایک شخص نے حضرت ابن عمرؓ سے تمتع کے متعلق پوچھا تو آپ نے کہا کہ وہ حلال ہے تو اس نے کہا کہ آپ کے والد نے تو اس سے منع کیا ہے۔ تو آپ نے کہا کہ اگر میرے والد نے اس سے روکا ہے اور نبی ﷺ نے اس کو کیا ہے تو میرے والد کی بات قابل اتباع ہے یا رسول اللہ ﷺ کا حکم قابل امتثال اس شخص نے کہا کہ نبی ﷺ کا حکم ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے۔ حضرت عثمانؓ کے بارہ میں بھی مسلم میں روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے ان کو باور کرایا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تمتع کیا ہے اور حضرت عثمانؓ نے اس سے انکار نہیں کیا۔ اس کے بعد حضرت ابو بکرؓ کے متعلق بھی سن لیجئے کہ ترمذی طاؤس سے روایت لاتے ہیں اور وہ روایت کرتے ہیں ابن عباسؓ سے کہ رسول اللہ ﷺ نے تمتع کیا۔ اور ابو بکرؓ اور عمرؓ اور عثمانؓ نے۔ اور سب سے پہلے جس نے اس سے روکا وہ معاویہؓ ہیں۔ اب ان کی قیاس آرائی کا جواب یہ ہے کہ تمتع وقران کا دم۔ دم جبر نہیں کہ ان کے نقصان کی نشانی ہو۔ بلکہ دم شکر ہے پھر تھوڑی دیر کے لئے اگر ان

سب دلائل کو بھی نظرانداز کر دیں اور صرف ایک بات کو پیش نظر رکھیں تو وہ بھی مذہب حنفیہ کے ثبوت کے لئے کافی ہے وہ یہ کہ اس کا تو شافعیہ کو بھی اقرار ہے کہ آنحضرت ﷺ نے پہلے افراد کیا۔ پھر عمرہ کا احرام باندھا۔ تو پھر آں حضرت ﷺ قارن نہیں ہوئے تو کیا ہوئے۔ اور اسی سے روایات کے اختلاف کا راز بھی کھلا کہ جنہوں نے افراد کی روایت کی انہوں نے آں حضرت ﷺ کے اول امر کی ترجمانی کی۔ اور جنہوں نے قران کی روایت کی انہوں نے آخری امر کی جس پر بات نے قرار پکڑا کیونکہ اعتبار اواخر اُمور کا ہوتا ہے اور جس نے تمتع کی روایت کی۔ اس نے تمتع کو بمعنی لغوی لیا۔ کہ ایک سفر میں دونسک کو جمع کرنا یا بمعنی اعم قران سے اور یہ تو ہو بھی نہیں سکتا۔ کیونکہ جس نوعیت کا افراد یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں جو تمتع و قران کا مدمقابل ہے وہ کب ہوا جو آں حضرت ﷺ نے کیا البتہ یہ قران ہو گیا کیونکہ حج کا احرام باندھنا اور اس کے بعد افعال حج کی ادائیگی سے قبل عمرہ کا احرام باندھنا یا اس کا عکس کرنا یہ ہر دو شکلیں قران کی ہیں۔ اور بہر صورت عقل قران ہی کی فضیلت کی متقاضی ہے کیونکہ تمتع کی شکل میں حج مکی ہوتا ہے اور افراد کی صورت میں عمرہ مکی اور قران کی صورت میں حج وعمرہ اپنے شہر سے لہٰذا یہ ہی ہر دو سے افضل ہوا۔ مزید براں کسی روایت میں آں حضرت ﷺ سے ﴿افردت﴾ یا ﴿تمتعت﴾ کے الفاظ مروی نہیں البتہ ﴿قرنت﴾ کی روایت ہے۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ آیت قرآنی قران کی افضلیت کی طرف مشیر ہے اور سنت نبوی ﷺ اس پر دال اور اقوال صحابہؓ اس کی تائید میں اور عقل و درایت اس کی متقاضی اور یہ ہی مذہب احناف ہے۔

دوسرے نقطہ اختلافی میں صورتِ نزاع یہ ہے کہ بروئے مذہب شافعی قران میں طواف وسعی ہر دو ایک ایک ہیں اور مذہب حنفیہ کی رو سے دو طواف اور دو ہی سعی ہیں ابن سیرین، حسن، طاؤس، زہری۔ مالک احمدؒ سے مذہب شافعیہ کی موافقت میں روایات ہیں۔ اور مجاہد۔ جابر بن زید۔ شریح۔ علی بن حسین۔ زین العابدین ابراہیم نخعی ثوری سے مذہب حنفیہ کی تائید میں مذہب شافعیہ کی حجت مسلم کی روایت ہے جو جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ اور آپ کے اصحابؓ نے صفا و مروہ کے درمیان ایک ہی سعی کی۔ یا ترمذی کی روایت جو حضرت ابن عمرؓ سے مرفوع منقول ہے کہ جو حج و عمرہ کے لئے احرام باندھے اس کے لئے ایک طواف اور ایک سعی کافی ہے۔ جب تک دونوں سے حلال ہو۔ مذہب حنفیہ کی دلیل اول یہ ہی حدیث ذیل ہے کہ صبی بن معبد کے عمل سے دو طواف اور دو سعی کا صاف ثبوت ملتا ہے اور پھر حضرت عمرؓ کی اس پر شہادت کہ یہ عین سنت نبوی ﷺ ہے دوسرے نسائی سنن کبریٰ میں ابراہیم بن محمد بن الحنفیہ سے روایت لاتے ہیں کہ انہوں

نے کہا کہ میں نے اپنے والد کے ہمراہ طواف کیا جب کہ آپ نے حج وعمرہ کو جمع کیا تھا انہوں نے دو طواف کیئے اور دو سعی ۔اور مجھ سے حدیث بیان کی کہ حضرت علیؓ نے بھی ایسا ہی کیا اور حضرت علیؓ نے ان سے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے دو طواف کیئے اور دو سعی ۔ابوبکر بن ابی شیبہ زیاد بن مالک سے روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت علی اور حضرت ابن مسعودؓ نے کہا کہ قران میں دو طواف ہیں اور دو سعی لہٰذا جب ایسے جلیل القدر صحابہؓ حضرت عمرؓ علیؓ ابن مسعودؓ عمران بن حصین سے مذہب حنفیہ کی موافقت میں روایات مروی ہیں تو یہ ہی مذہب انصافاً قابل ترجیح قرار پایا۔اور اصح اور ان کی جانب حدیث ترمذی میں یہ سقم ہے کہ یہ ابن عمرؓ سے مرفوع صحیح نہیں ۔طحاویؒ نے اس پر تصریح کی ہے اور اس میں خطا کی نسبت دراوردی کی طرف کی ہے۔

باب فضيلة العمرة فى رمضان

ابوحنيفة عن عطاء عن ابن عباس رضى الله عنه عن النبى صلى الله عليه وسلم قال عمرة فى رمضان تعدل حجة .

باب ۔رمضان میں عمرہ کرنے کی فضیلت

حضرت ابن عباسؓ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہا آپ ﷺ نے فرمایا رمضان میں عمرہ کرنا (باعتبار ثواب کے) حج کے برابر ہے۔

ف: عمرہ کی فضیلت وبرتری میں بہت سی روایات وارد ہیں کہیں یوں آیا ہے ﴿**العمرة الى العمرة كفار لمابينها**﴾ کہ ایک عمرہ سے دوسرے عمرہ تک کی مدت میں جو گناہ سرزد ہوں ان کے لئے عمرہ کفارہ ہے ۔ابوبکر بن عبد الرحمٰن سے موطا امام مالکؒ میں روایت ہے کہ ایک عورت آں حضرت ﷺ کے پاس حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ میں حج کے لئے پوری تیاری کر چکی تھی ۔مگر مجھ کو کوئی عارضہ پیش آ گیا کہ ادائیگی حج سے قاصر رہی آپ نے اس سے فرمایا کہ رمضان میں عمرہ کرے کیونکہ رمضان میں عمرہ ایک حج کے برابر ہے۔مقصد کلام یہ ہے کہ عمرہ کو حج سے کمتر سمجھا جاتا ہے لیکن پھر بھی یہ ایک بابرکت اور سعادت کا عمل ہے اگر ماہ رمضان میں اس کو ادا کیا جائے جو خود ایک مبارک مہینہ ہے تو عمرہ کی فضیلت اس مبارک ماہ کی فضیلت سے مل کر ایک حج کے برابر اللہ کے نزدیک شمار ہوتی ہے۔گویا اس طریقہ سے عمرہ کی ادائیگی کی طرف زبردست ترغیب دلائی گئی ہے۔

ابوحنيفة عن عبد الله عن ابن عمر قال كان النبى صلى الله عليه وسلم يوم فتح مكة على بعير اورق الى سواد وهو الناقة القصوى متقلدابقوس

متعمما بعمامة سوداء من وبر .

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے دن نبی ﷺ ایک خاکستری مائل اونٹنی پر سوار تھے جو ناقۃ القصویٰ سے مشہور ہے اور اس وقت (آں جناب ﷺ کے) گلے میں کمان پڑی ہوئی تھی اور اون کا سیاہ عمامہ بندھا ہوا تھا۔

ف: مکہ میں آں حضرت ﷺ کا بغیر احرام کے داخلہ آپ ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے۔

(۱۱۵) باب زيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم

ابو حنيفة عن نافع عن ابن عمرؓ قال من السنة ان تأتي قبر النبي صلى الله عليه وسلم من قبل القبلة ويجعل ظهرك الى القبلة وتستقبل البر بوجهك ثم تقول السلام عليك ايها النبي ورحمة الله وبركاته .

باب۔ نبی کریم ﷺ کی قبر شریف کی زیارت کرنا

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ مسنون طریقہ یہ ہے کہ تو نبی ﷺ کی قبر شریف پر قبلہ کی جانب سے آئے قبلہ کی طرف پیٹھ کرے اور قبر کی طرف اپنا چہرہ اور پھر کہے ﴿السلام عليك ايها النبي ورحمة الله وبركاته﴾

ف: امام محمدؒ موطا میں عبداللہ بن دینار سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ابن عمرؓ جب سفر پر جانے کا ارادہ کرتے یا سفر سے لوٹتے تو نبی ﷺ کی قبر پر آتے آپ پر درود بھیجتے اور دعا فرماتے پھر واپس ہوتے۔

كتاب النكاح

(۱۱۶) باب خطبة النكاح

ابو حنيفة عن القاسم عن ابيه عن عبدالله قال علمنا رسول الله صلى الله عليه وسلم خطبة الحاجة يعني النكاح ان الحمد الله نحمده ونستعينه ونستغفره ونستهديه من يهدى الله فلا مضل له ومن يضلل فلا هادي له ونشهد ان لا الله الاالله ونشهد ان محمدا عبده ورسوله .

ياايهاالذين امنوا التقوا الله حق تقاته ولا تموتن الا وا نتم مسلمون .واتقواالله الذى تمآء لون به والارحام ان الله كان عليكم رقيبا .ياايهاالذين

امنوا اتقوا الله وقولو قولا سديدا يصلح لكم اعمالكم ويغفر لكم ذنوبكم ومن يطع اله ورسوله فقد فاز فوزا عظيما .

نکاح کے احکام

باب۔ نکاح کا خطبہ

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے ہم کو خطبہ حاجت یعنی خطبہ نکاح اس طرح سکھایا (ترجمہ خطبہ) سب تعریف اللہ کے لئے ہے۔ اس کی ہم تعریف کرتے ہیں اور اسی سے ہم (اپنے کاموں میں) مدد چاہتے ہیں اس سے ہم اپنے گناہوں کی مغفرت چاہتے ہیں اور اس سے ہدایت کے طلبگار ہیں جس کو اللہ ہدایت دے اس کو گمراہ کرنے والا کوئی نہیں۔ اور جس کو گمراہ کرے اس کو ہدایت دینے والا کوئی نہیں۔ اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ سوائے خدا کے کوئی معبود نہیں۔ اور گواہی دیتے ہیں کہ محمد اس کے بندے ہیں اور اس کے رسول (پھر یہ آیات قرآن پاک تلقین فرمائیں) ﴿يا ايها الذين امنوا اتقوا الله حق تقاته ولا تموتن الا وانتم مسلمون واتقوا الله الذين تسالون به والا رحام ان الله كان عليكم رقيبا .يا ايها الذين امنوا اتقوا الله وقولو اقولا سديدا يصلح لكم اعمالكم ويغفر لكم ذنوبكم ومن يطع الله ورسوله فقد فاز فوزا عظيما﴾.

ف: حدیث میں حاجت سے مراد نکاح ہے حقیقت میں نکاح انسان کے لئے ایک حاجت ہے اور شدید ترین حاجت خصوصاً جوان عمر شخص کے لئے اس کے بغیر انسان کی تمدنی و معاشرتی زندگی تلخ و بے مزہ ہے۔ قوائے شہوانی کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے اس کے بغیر اور کوئی معقول و مناسب طریقہ و اسلوب نہیں۔ امور خانگی چلانے کے لئے اور خانگی زندگی کو خوشگوار بنانے کے لئے نکاح کی طرف انسان سخت محتاج و ضرورت مند ہے۔ پھر نسل کے باقی رکھنے کے لئے انسانیت کے دائرہ میں اس کے علاوہ اور کوئی طریقہ نہیں لہٰذا نکاح انسان کی سب سے بڑی حاجت ہے۔

یہ تشہد حاجت (نکاح) ہے ایک تشہد صلوٰۃ ہے جو نماز میں التحیات کی شکل میں پڑھا جاتا ہے سفیان ثوری وغیرہ کے نزدیک نکاح بغیر خطبہ کے جائز ہے۔ ابوداؤد کی حدیث ان کے خیال پر دال ہے لیکن یہ بہت بڑا مستحب امر ہے اور مسنون طریقہ چنانچہ ترمذی میں حضرت ابی ہریرہؓ سے مروی ہے کہ ﴿كل خطبة ليس فيها تشهد فهي كاليد الجذماء﴾ کہ جس خطبہ میں تشہد نہ

ہو وہ اس ہاتھ کے مانند ہے جس کو جذام کی بیماری لگی ہوئی ہو۔ یا وہ کٹا ہوا ہو۔ گویا اس میں کوئی فائدہ نہیں یہ خطبہ دراصل یوں رکھا گیا ہے کہ اس کے ذریعہ نکاح کا اعلان واشاعت ہو سکے کیونکہ نکاح کے اعلان کے لئے نبی ﷺ سے تاکید منقول ہے کہیں آپ ﷺ نے ﴿اعلنوا النکاح﴾ کا لفظ ارشاد فرمایا اور کہیں ﴿اظھر و النکاح﴾ کا امام شافعیؒ کے نزدیک تمام لین دین کے معاملات میں مثلاً خرید وفروخت نکاح وغیرہ میں خطبہ سنت ہے۔

(۱۱۷) باب الامر بالنکاح

ابو حنیفة عن زیاد عن عبد الله بن الحارث عن ابی موسی قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم تزوجوا فانی مکاثر بکم الامم .

باب۔ نبی کریم ﷺ کی طرف سے نکاح کا حکم

حضرت ابوموسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے نکاح کرو کیونکہ میں (بروز قیامت) تمہاری کثرت پر دوسری امتوں کے مقابلہ میں فخر کروں گا۔

ف: دوسری روایات میں کچھ کمی بیشی یا کچھ تبدیلی سے الفاظ وارد ہیں۔ ابوداؤد میں تزوجوا کے ساتھ الولود الودود کے الفاظ بھی زائد ہیں۔ جو حقیقت میں پوری حدیث کی شرح وتفسیر کرتے ہیں اور تزوجوا کے حکم کو ﴿فانی مکاثر بکم الامم﴾ کی علت سے جوڑتے ہیں کہ فرمایا (تزوجوا الولود الودود) یعنی بچے جننے والی اور محبت مزاج عورتوں سے نکاح کرو۔ ولود کا لفظ اس راز کو کھولتا ہے کہ جب عورتیں زیادہ بکثرت سے بچے جنیں گی۔ اور توالد وتناسل زائد ہوگا تو لامحالہ امت کی تعداد بڑے گی۔ تو آں حضرت ﷺ کو قیامت کے روز فخر کا موقع ملے گا کیونکہ آں حضرت ﷺ اپنی امت کے لئے راہ خیر کی طرف راہ نمائی کرنے والے ہیں اور طریق شریعت وسنت کو رواج دینے والے۔ اور بمطابق احادیث ﴿الدال علی الخیر کفاعله﴾ کہ بھلائی کی طرف راہ نمائی کرنے والے کا وہی اجر ہے جو بھلائی پر چلنے والے کا ہے یا ﴿من سن سنة حسنة فله اجر ها و اجر من عمل بها لا ینقص من اجور هم شیئا﴾ کہ جس نے کسی اچھے طریقہ کو رائج کیا اس کے لئے اس بھلائی کا اجر ہے اور اس کا اجر بھی جو اس پر عمل کرے اور عمل کرنے والوں کے اجر میں سے کوئی کمی نہ کی جائے گی آپ کی امت کے افراد جس قدر کثرت سے ہوں گے اسی قدر ان سب کا اجر آں حضرت کو ملے گا اور آپ کثرت ثواب واجر پر فخر فرمائیں گے لہٰذا حکم ہوا کہ بچے جننے والی عورتوں سے نکاح کرو کہ امت کے افراد بڑھیں۔ ودود کا لفظ اس مضمون کی ترجمانی کرتا ہے کہ جب عورتیں محبت

والفت مزاج ہوں گی تو شوہر وزوجہ میں شدید اتحاد ہوگا اور گہرا انس اور یہ گہرا انس تو الد و تناسل کے سلسلہ میں ممد ثابت ہوگا اور کثرت سے اولاد پیدا ہونے کا سبب بنے گا۔ یہ ہی سبب ہے کہ جب زوجین کے مزاج میں توفق نہ ہواور ایک دوسرے سے انس نہ ہوتو اکثر وبیشتر بے اولاد ہوتے ہیں اور اگر اولاد ہوئی بھی تو ایک دو ہی۔

(۱۱۸) باب الحث علی نکاح الابکار

ابو حنیفة عن عبد الله بن دینا رعن بن عمر قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم انکحوا الجواری الشواب فانهن انتج ارحاما و اطیب افواها و اعز اخلاقا.

باب۔کنواری لڑکیوں سے نکاح کرنے کی ترغیب دینا

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے نکاح کرو کنواری لڑکیوں سے کیونکہ ان کے رحم جلد تر بچے دینے کی قابلیت رکھتے ہیں اور وہ پاکیزہ دہن ہوتی ہیں اور خوش اخلاق۔

ف: پہلی صفت سے یہ مقصد ہے کہ بسبب جوانی ان کے رحموں میں حرارت ہوتی ہے جس کے سبب نطفہ جلد قرار پکڑتا ہے اور بغیر کسی خرخشہ یا وقت کے مدت حمل کے تمام مراحل کو بوجہ قوت جوانی بآسانی طے کر لیتی ہیں اور یوں نسل کی فراوانی وکثرت کا سبب بنتی ہیں۔ دوسری صفت سے یا تو اس طرف اشارہ ہے کہ سبب صحت وتندرستی اور اعتدال مزاجی کے ان کا لعاب دہن میٹھا وشیریں ہوتا ہے یا یہ کہ وہ شیریں کلام ہوتی ہیں اور تہذیب شرم وحیا لحاظ وادب کا ان پر غلبہ ہوتا ہے۔ زبان سے میٹھی بات نکالتی ہیں کیونکہ رانڈ عورت پر بے حجابی ایک حدتک آکر رہتی ہے جو اس کی گفتگو پر اثر انداز ہوتی ہے۔ تیسری صفت سے یہ غرض ہے کہ ان کے اخلاق پسندیدہ۔ برتاؤ خوشگوار میل جول دل پسند ہوتا ہے جس کی وجہ سے ازدواجی زندگی نہایت بہتر گذرتی ہے اس سلسلہ میں جو احادیث وارد ہیں ان کے الفاظ ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں کہیں کہیں خفیف سا رد وبدل ہے۔ ابن ماجہ اور بیہقی کی روایت میں ﴿ارضی بالیسیر﴾ کا لفظ ہے کہ وہ تھوڑی سی چیز پر راضی ہو جاتی ہیں کیونکہ ان کی نظر میں پچھلی کوئی مثال نہیں ہوتی کہ اس سے مقابلہ کر کے تھوڑی چیز پر بے صبری ظاہر کریں۔ ایک روایت میں ﴿اقل خبا﴾ کا لفظ ہے یعنی انمیں دھوکے بازی کم ہوتی ہے۔ مصنف عبدالرزاق میں یہ ہی الفاظ ہیں اور ان کے بعد یہ عبارت زائد ہے ﴿الم تعلموانی مکاثر بکم﴾ کیا تم اس کو نہیں جانتے کہ میں تمہارے کثرت پر فخر کروں گا۔ ایک مرتبہ حضرت

عائشہؓ نے نبی ﷺ سے کہا ذرا بتایئے اگر آپ ایسے درخت پر گذریں جو چرایا جاچکا ہے اور ایسے پر جس کو کسی نے نہیں چرا ہے تو آپ ﷺ اپنے اونٹ کو کونسا درخت چرائیں گے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا وہ درخت جس کو کسی نے نہیں چرا ہے۔ مقصد یہ تھا کہ ان کے علاوہ کسی اور کنواری کو نکاح میں نہیں لائیں گے۔ چنانچہ قرآن پاک میں حوروں کی مدح سرائی کے ذیل میں ارشاد ہوتا ہے ﴿لم یطمثھن انس قبلھم ولا جان﴾ کہ ان سے پہلے نہ کوئی انسان ان کے نزدیک پھٹکا نہ کوئی جن۔ تو گویا ان کا اچھوتا ہونا یہی ان کی سب سے بڑی تعریف ہے اور مدح۔

(۱۱۹) تنزیهه نکاح العجائز والشیب ذات الوالد

ابوحنیفة عن حماد عن ابراهیم قال اخبرنی شیخ من اهل المدینة عن زید بن ثابت انه جاء الی النبی صلی الله علیه وسلم فقال له هل تزوجت قال لا قال تزوج تستعف مع عفتک ولا تزوجن خمسا قال ما هن قال لا تزوجن شهبرة ولا نهبرة ولا لهبرة ولا هبدرة ولا لفوتا قال زید یا رسول الله لا اعرف شیئا مما قلت قال بلی اما الشهبرة فالزرقاء البدینة واما النهبرة فالطویلة المهزولة واما اللهبرة فالعجوز الدبرة واما الهبدرة فالقصیرة الذمیمة واما اللفوت فذات الولد من غیرک قال الشیبانی ضحک ابوحنیفة من هذاالحدیث طویلا .

باب۔ بوڑھی۔ مطلقہ اور بچہ والی عورتوں سے نکاح کرنا!

حضرت زید بن ثابتؓ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ان سے ارشاد فرمایا کہ تمنے نکاح کیا؟ انہوں نے کہا نہیں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اپنی جیسی عفیف (پاک دامن) عورت ڈھونڈو اور پانچ (قسم کی) عورتوں سے نکاح نہ کرنا۔ حضرت زیدؓ نے پوچھا وہ کون سی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا نہ نکاح کرو شہبرہ سے نہ نہبرہ سے نہ لہبرہ سے نہ ہبدرہ سے۔ اور نہ لفوت سے اس پر حضرت زید بولے یا رسول اللہ ﷺ جو الفاظ آپ نے ارشاد فرمائے ان میں سے ایک کے معنی بھی نہیں جانتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو اچھا شہبرہ گربہ چشم موٹی بدن کی۔ نہبرہ لمبی بہت دبلی۔ لہبرہ بوڑھی جذبات شہوانی سے خالی۔ ہبدرہ بونی بدشکل اور لفوت وہ جو دوسرے خاوند سے بچہ لائے۔ شیبانی کہتے ہیں کہا امام ابوحنیفہؒ اس حدیث سے دیر تک ہنستے رہے۔

ف: یہ نہی تنزیہی ہے اور استحبابی جس طرح کنواری لڑکیوں سے نکاح کرنے کا امر استحبابی ہے ۔کیونکہ خود آں حضرت ﷺ کی ازواج مطہرات میں سوائے حضرت عائشہؓ کے تمام ازواج ثیبہ تھیں ۔حضرت سودہؓ فربہ لمبے قد والی تھیں اور حضرت خدیجہؓ بوڑھی تھیں ۔چالیس برس کی عمر میں آنحضرت ﷺ کے نکاح میں آئیں اور ساٹھ برس سے زائد مدت تک بقید حیات رہیں اور آں حضرت ﷺ کے نکاح میں پھر حضرت خدیجہؓ اور ام سلمہؓ ہر دو اپنے پچھلے خاوندوں سے اولادیں لائی تھیں۔

(۱۲۰) باب الاجتناب عن نکاح العقیم

ابوحنیفة عن عبد الملک عن رجل شامی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اتاہ رجل فقال یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتزوج فلانة فنھاہ عنھا ثم اتاہ ایضا فنھاہ عنھا ثم اتاہ فنھاہ عنھا ثم قال سوداء ولود احب الی من حسناء عاقر .

باب۔بانجھ عورت سے نکاح کرنا

ایک رجل شامی سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کے پاس ایک شخص آیا۔اور آپ سے پوچھایا رسول اللہ ﷺ کیا میں فلاں عورت سے نکاح کروں آپ ﷺ نے اس کو اس سے روکا۔پھر وہ آپ کے پاس آیا۔آپ ﷺ نے پھر اس کو منع کیا پھر وہ آپ ﷺ کے پاس آیا' آپ ﷺ نے پھر اس کو منع کیا۔اور فرمایا کالی عورت بچے دینے والی مجھ کو زیادہ پسند ہے خوبصورت بانجھ سے۔

ف: کیونکہ آں حضرت ﷺ کو علم تھا کہ جس عورت کے بارے میں استفسار کیا جارہا ہے ۔اگرچہ وہ جمیلہ اور خوبصورت ہے مگر اس میں بانجھ ہونے کا عیب بھی ہے ۔اس لئے آں حضرت ﷺ نے نکاح کرنے سے منع فرمایا اور تیسری بار آں جناب ﷺ نے اس حکم امتناعی کی وجہ بھی بیان فرمادی کہ میں کالی بچہ جننے والی عورت کو حسین بانجھ عورت پر ترجیح دیتا ہوں ۔اور یہ ترجیح اس فلسفہ پر مبنی ہے کہ نکاح کی مقصد اصلی درحقیقت بقائے نسل ہے ۔نہ محض شہوت رانی اور اس مقصد کے حصول کے لئے بچہ جننے کی صفت سب سے پہلے درکار ہے نہ حسن و جمال' اگر صرف قضائے خواہش نفسانی مدنظر ہوتی تو حسن و جمال کو ترجیح دی جاتی ہے۔

(۱۲۱) باب شؤم المرأة

ابوحنيفة عن علقمة عن ابن بريدة قال تذاكر الشؤم ذات يوم عند رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال الشؤم في الدار والفرس وامرأة فشؤم الدار ان تكون ضيقة لها جير ان سوء وشؤم الفرس ان تكون جمو حاو شؤم المرأة ان تكون عاقر ازادالحسن بن سفيان ميئة الخلق عاقرا

وفي رواية ان يكن الشؤم في شيء ففي الدار والمرأة والفرس فاما الدار فشؤمها ضيقها واما المرأة فشؤمها سوء خلقها وعقر رحمها واما شؤش الفرس فان تكونجموحا .

باب۔عورت کا منحوس ہونا

حضرت ابن بریدہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے حضور میں نحوست کا ذکر چھڑا۔تو آپ نے فرمایا کہ نحوست گھر میں اور گھوڑے میں اور عورت میں ہے۔گھر کی نحوست یہ ہے کہ تنگ ہو اور پڑوسی بُرے ہوں۔گھوڑے کی نحوست یہ ہے کہ سرکش ہو اور عورت کی نحوست یہ ہے کہ بانجھ ہو۔حسن بن سفیان نے اپنی مسند میں)اس میں زیادتی کی اور کہا کہ بد خلق ہو اور بانجھ۔

اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ اگر کسی چیز میں نحوست ہے تو گھر عورت اور گھوڑے میں ہے۔گھر کی نحوست اسکی تنگی ہے عورت کی نحوست اس کی بد خلقی اور بانجھ پن ہے۔گھوڑے کی نحوست اس کا سرکش اور منہ زور ہونا ہے۔

ف: حدیث ذیل کی ہر دو روایات مختلف کتب صحاح میں وارد ہیں اور ان میں نحوست کا مسئلہ قابل تشریح اور محتاج بیان ہے کیونکہ اس کے بارہ میں روایات مختلف الفاظ سے وارد ہیں اور علماء کی آراء بھی آپس میں مختلف بعض روایات میں صاف وارد ہے کہ نحوست گھر گھوڑے عورت ہر سہ اشیاء میں ہے جس طرح امام صاحب کی پہلی روایت میں ہے اور بعض میں تعلیق وشرط کے ساتھ جس طرح دوسری روایت میں ہے۔اس کی تشریح میں علماء مختلف الرائے ہیں۔بعض کے نزدیک ان الفاظ سے نحوست کا ثبوت ہے کہ نحوست کسی چیز میں نہیں مگر ان تین میں اور بعض کے نزدیک اس سے نحوست کا ثبوت نہیں گویا ان کے نزدیک فرض تقدیر کی صورت ہے کہ اگر نحوست ہوتی تو ان میں ہوتی لیکن چونکہ اس کا وجود نہیں تو ان میں بھی نہیں یہ بالکل ایسا ہے کہ کہا گیا ﴿لو کان شئ سابق القدر

لسبقة العين﴾ کہ اگر کوئی شے قضاوقدر سے سبقت کرتی تو نظر بداس سے سبقت کرتی۔حضرت ابن عربی نے اس کی تفسیر میں کہا ہے کہا گر اللہ تعالیٰ شوم کو کسی چیز میں پیدا کرتا تو ان اشیاء میں پیدا کرتا ۔ماذری نے اس کی یوں تشریح کی ہے کہ اگر شوم حق ہوتی تو یہ اشیاء اور اشیاء کے لحاظ سے اس کی زیادہ حقدار تھیں کہ ان میں نفس کو شوم ہونے کا خیال پیدا ہوتا ہے۔لیکن حقیقت میں اس ذو معنی روایت کی تشریح وہ روایت کرتی ہے جس میں صاف طور سے نحوست کا ثبوت ہے۔مثلاً یہاں روایت اول میں یا مسلم میں ﴿انما الشوم فی الثلاثة﴾ کے الفاظ سے۔یا نجدی میں کتاب النکاح میں ابن عمرؓ سے ﴿الشوم فی الدار والمراۃ والفرس﴾ کے الفاظ سے۔پھر اس میں بھی اختلاف ہیکہ شوم (نحوست) سے کیا مراد ہے اس کے حقیقی اور ظاہری معنی کہ یہ ہر سہ نامبارک ہیں اور ہلاکی وتباہی کا باعث۔یا یہ کہ یہ تینوں چیزیں تکلیف و پریشانی اور عاقبت میں نتیجہ بد کا سبب بنتی ہیں۔پہلے خیال کی روایت مالک سے ہے چنانچہ ابوداؤد "ابن قاسم" سے روایت کرتے ہیں اور وہ مالک سے کہ انہوں نے اس کی تفسیر میں کہا کتنے گھر ایسے ہیں کہ لوگ اس میں آباد ہوئے اور ہلاک ہوگئے ۔پھر دوسرے آبسے وہ بھی ہلاک ہوگئے پھر کہا کہ ہمارے نزدیک اس کی یہی تفسیر ہے۔مگر یہ کہتے ہیں کہ یہ نحوست قضاوقدر سے پیدا ہوتی ہے یہ نہیں کہ اس کے خلاف ہو۔جو اصحاب دوسرے خیال کے حامی ہیں وہ اپنے سامنے مختلف روایات رکھتے ہیں جن سے شوم کی تفسیر ملتی ہے۔اس تفسیر میں بھی روایات مختلف اللفظ ہیں۔حدیث ذیل میں شوم کی جو تفسیر ہے وہ سامنے ہے بعض سے یوں نقل ہے کہ گھوڑے کی نحوست یہ ہے کہ اس پر جہاد نہ کیا جائے۔اور عورت کی نحوست یہ کہ اس کا مہر بہت بھاری ہو۔طبرانی میں حضرت اسماء کی حدیث میں یوں ہے ﴿ان من شقاء المرء فی الدنیا سوء الدار والمراۃ والدبة﴾ کہ انسان کی بدبختی دنیا میں' گھر' عورت اور سواری کا برا ہونا ہے ۔اس سے شوم کی مزید وضاحت ہوئی۔امام احمد" حضرت سعد بن وقاص سے مرفوع روایت لائے ہیں ﴿من سعادة ابن ادم المراۃ الصالحة والمسکن الصالح والمرکب الصالح .ومن شقاء ابن ادم ثلثة المراۃ السوء والمسکن السوء والمرکب السوء﴾ کہ انسان کی نیک بختی تین چیزوں سے ظاہر ہے' پارسا عورت۔آسائش کا گھر اور آرام وہ سواری۔اور اس کی بدبختی تین چیزوں سے ہے' بری عورت' برا مکان اور بری سواری۔گویا انسان کی خوش حالی اور بدحالی کا راز ان ہی اشیاء کی اچھائی برائی میں مضمر ہے۔اگر یہ چیزیں اچھی ہیں تو اس کا نصیب کھلا 'زندگی خوشگوار ہوئی اور زندگی کے دن پر لطف کٹے ورنہ قسمت پھوٹی۔برے دن سامنے آئے

تکلیفوں کا میدان سامنے کھلا۔عورت سے زندگی بھر کا ساتھ ہے۔خوش نصیبی کا مدار اس پر کیوں نہ ہو گھر میں ہر وقت کا رہنا بسنا۔اگر اس میں تنگی وغیرہ کے باعث تکلیف ہو تو زندگی تلخ ہے اور ہر وقت کا سوہان روح۔سواری سے ہر وقت کام لینا ہوا اگر وہ منہ زور ہے تو یہ سواری نہیں ہے بلکہ مصیبت کی نشانی ہے اور جی کا جنجال۔غرض ان تمام تفاسیر کی رو سے شوم کا اطلاق اسی شے پر ہوا جس کو انسان ناپسند کرے۔وہ اس کی طبیعت کے ناموافق ہو اور آگے چل کر اس کے لئے خلجان کا سبب بنے۔ارشاد ساری میں شیخ تقی الدین السبکی کا یہ کلام نقل ہے کہ ان اشیاء کے ساتھ نحوست یوں مخصوص فرمائی کہ ان کی طرف سے عداوت وفتنہ کا احتمال ہے نہ یہ جیسا کہ بعض سمجھ گئے ہیں کہ ان میں کچھ تاثیر ہے۔یا ان کو قضاوقدر میں دخل ہے کوئی عالم اس کا قائل نہیں بلکہ ایسا قول محض جہالت ہے کیونکہ شریعت نے ایسے شخص کو جو پچھتر سے پانی برسنے کا قائل ہو کافر ٹھہرایا ہے تو جو برائی کی نسبت عورت کی طرف کرے۔وہ بھی اسی زمرہ میں شمار ہوا۔البتہ ایسا ہوتا ہے کہ کوئی واقعہ قضاءوقدر سے موافق ہو جاتا ہے اور یوں آدمی کو اس سے نفرت ہو جاتی یہ تو انسان اس کو چھوڑ دے۔نہ یہ خیال کرتے ہوئے کہ یہ برائی اس سے سرزد ہوئی ہے۔"

(۱۲۲) باب استیذان بکر وثیب

ابوحنیفة عن عطاء عن ابن عباس ؓ ان النبی صلی الله علیه وسلم ذکر لفاطمة ؓ ان علیا یذ کرک .

باب۔کنواری اور بیوہ عورت سے نکاح کی اجازت لینا

حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت فاطمہ ؓ سے فرمایا کہ علی تمہارا ذکر کرتے ہیں (یعنی تمہارے لئے پیغام منگنی بھیجتے ہیں)

ف: یہ مرضی طلب کرنے اور اذن اجازت حاصل کرنے کا نہایت مہذب طریقہ ہے۔جو پیغام منگنی کے وقت ضروری امر ہے۔صاف اور کھلے الفاظ میں استفسار کرنے سے حجاب مانع ہوتا ہے۔

ابوحنیفة عن شیبان عن یحیی عن المهاجر عن ابی هریرة ؓ قال کان رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا ارادان یزوج احدی بناته یقول ان فلانا یذکرفلانة ثم یزوجها .

وفی روایة عن ابی هریرة ؓ قال کان النبی صلی الله علیه وسلم اذازوج

احدی بناته اتی خدرها فیقول انفلا نا یذکر فلا نة ثم یزوجها .

وفی روایة قال کان رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا خطب الیه ابنة من بناته اتی خدرها فقال ان فلانا یذکر فلانة ثم ذهب فانکح .

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب ارادہ فرماتے کہ اپنی کسی صاجزادی کا (کسی سے) نکاح کریں تو فرماتے کہ فلاں شخص (اس کا نام لے کر) فلاں کا (یعنی اپنی صاجزادی کا) ذکر کرتا ہے۔ پھر (صاجزادی کی طرف سے اس پر سکوت پانے کے بعد) ان کا نکاح اس شخص سے کر دیتے۔

ایک روایت میں حضرت ابوہریرہؓ سے یوں روایت ہے کہ نبی ﷺ اپنی کسی صاجزادی کو کسی کے نکاح میں دینا چاہتے تو ان کے پردہ کے پاس تشریف لاتے اور فرماتے کہ فلاں شخص فلاں کا (یعنی اپنی صاجزادی کا نام لیتے) ذکر کرتا ہے' پھر ان کا نکاح ان صاحب سے پڑھا دیا کرتے۔

ایک اور روایت میں اس طرح ہے کہ جب آپ کی کسی صاجزادی کا پیغام منگنی آپ کے پاس آتا۔ تو آپ ان کے پردہ کے پاس تشریف لے جاتے اور فرماتے کہ فلاں شخص فلاں کا ذکر کرتا ہے پھر (غائبانہ) اپنی صاجزادی کا نکاح پڑھا دیا کرتے۔

ف: گویا اپنی صاجزادیوں کے نکاح کے سلسلہ میں آں جناب ﷺ کا یہی طریقہ اور طرز عمل رہا۔

ابو حنیفة عن محمد بن المنکدر عن جابر بن عبدالله ان عآئشة زوجت یتیمة کانت عندها و جهزها رسول الله صلی الله علیه وسلم من عنده .

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ عائشہؓ نے نکاح کیا ایک یتیم بچی کا جو آپ کے پاس تھی تو رسول کریم ﷺ نے اس کو اپنے پاس سے جہیز دیا۔

ف: آں جناب ﷺ نے اپنے اخلاق کریمانہ سے تیمہ کا جہیز خود نفس مہیا فرما دیا۔

باب استیمار البکر و استیذان الثیب

ابو حنیفة عن شیبان بن عبدالرحمن عن یحیی بن ابی کثیر عن المها جر بن عکرمة عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا تنکح البکر حتی تستا مرو رضاها سکوتها ولا تنکح الثیب حتی تستأذن .

وفی روایة لا تزوج البکر حتی تستأمرورضاها سکوتها ولا تنکح الثیب حتی تستأذن .

وفی روایة لاتنکح البکرحتی تستأمر واذاسکتت فهو اذنها ولا تنکح الثیب حتی تستأذن .

باب۔کنواری لڑکی کی رضامندی معلوم کرنا اور بیوہ سے اجازت لینا

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ باکرہ کا نکاح نہ کیا جائے جب تک اس کی رضامندی نہ لے لی جائے اور اس کی خاموشی ہی اس کی رضامندی ہے۔اور نہ نکاح کیا جائے بیوہ کا جب تک اس سے اجازت حاصل نہ کر لی جائے۔

ایک روایت میں ہے نہ نکاح کیا جائے باکرہ کا تاوقتیکہ اس کی مرضی حاصل نہ کر لی جائے اور اس کا سکوت ہی اس کی مرضی ہے اور نہ نکاح کیا جائے بیوہ کا تا آنکہ اس سے اجازت نہ لے لی جائے۔

ایک اور روایت میں اس طرح ہے کہ نہ نکاح کیا جائے باکرہ کا جب تک اس سے اجازت نہ لی جائے اور جب وہ چپ ہوگئی تو یہ ہی اس کی اجازت ہے۔اور نہ نکاح کیا جائے بیوہ کا جب تک اس سے اجازت نہ حاصل کر لی جائے۔

ف: صحاح ستہ میں یہ حدیث وارد ہے۔اس سلسلہ میں ایک نکتہ پر ائمہ کا زبردست اختلاف ہے جس کا مشرح بیان اور مناسب تشریح متصل حدیث میں آرہی ہے۔

(۱۲۴) باب عدم جواز النکاح بغیررضاالمرأة

ابوحنیفة عن عبد العزیز عن مجاهد عن ابن عباسؓ انامرأة تو نی عنها زوجها ثم جاء عم ولد ها فخطبها فابی الاب ان یزوجها وزوجها من الاخر فاتت المرأة النبی صلی الله علیه وسلم فذکرت ذلک له فبعث الی ابیها فحضر فقال ماتقول هذه قال صدقت ولکنی زوجتها ممن هو خیرمنه ففرق بینهما وزوجها عم ولد ها.

وفی روایة عن ابن عباسؓ ان اسماء خطبها عم ولد ها ورجل اخر الی ابیها فزوجها من الرجل فاتت النبی صلی الله علیه وسلم فاشتکت ذلک الیه فنزعها من الرجل وزوجها عم ولد ها.

وفي رواية ان امرأة توفى عنها زوجها فخطبها عم ولدها فزوجها ابوها بغير رضاها من رجل اخر فاتت النبي صلى الله عليه وسلم فذكرت ذلك له فدعا النبي صلى الله عليه وسلم قال ازوجتها بغير رضاها قال زوجتها ممن هو خير منه ففرق النبي صلى الله عليه وسلم بينها وبين زوجها وزوجها من عم ولدها.

وفي رواية ان امرأة توفى عنها زوجها ولها منه ولد فخطبها عم ولدها الى ابيها فقالت زوجنيه فابى وزوجها من غيره بغير رضى منها فاتت النبي صلى الله عليه وسلم فذكرت ذلك له فسأله عن ذلك . فقال نعم زوجتها من هو خير من عم ولدها ففرق بينهما وزوجها من عم ولدها.

باب۔عورت کی رضا مندی کے بغیر نکاح کرنا جائز نہیں!

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک عورت کا خاوند مر گیا۔اس کے دیور نے اس کے لئے پیغام منگنی بھیجا۔مگر (عورت کا) باپ اس سے نکاح کرنے پر راضی نہ ہوا۔(چنانچہ) اس نے اس کو کسی دوسرے کے نکاح میں دے دیا۔تو عورت نبی ﷺ کی خدمت میں آئی اور آپ ﷺ سے پورا واقعہ بیان کیا۔آپ نے اس کے باپ کو بلوایا۔وہ آیا۔اس سے آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ عورت کیا کہتی ہے۔اس نے جواب دیا کہ سچ کہتی ہے۔مگر میں نے اس کا نکاح ایسے سے کیا ہے جو اس کے دیور سے بہتر ہے۔اس پر آں حضرت ﷺ نے شوہر و بیوی میں تفریق کرادی۔اور اس کا نکاح اس کے دیور سے (جس سے نکاح پر وہ راضی تھی) کرادیا۔

ایک روایت میں ابن عباسؓ سے یوں روایت ہے کہ اسماء کو مانگا اس کے دیور نے اور ایک دوسرے شخص نے اس کے باپ سے اس کے باپ نے (دیور کے علاوہ) دوسرے شخص سے اس کا نکاح کردیا۔وہ نبی ﷺ کے پاس آئی اور آپ ﷺ سے اس بات کی شکایت کی ۔لہٰذا آپ ﷺ نے اس شخص سے چھڑا کر اس کے دیور سے اس کا نکاح کردیا۔

ایک اور روایت میں اس طرح ہے کہ ایک عورت کا خاوند مر گیا۔تو اس کے دیور نے اس کے ساتھ نکاح کی پیغام بھیجا۔اور باپ نے عورت کی مرضی کے بغیر دوسرے شخص سے اس کا نکاح کردیا۔لہٰذا وہ عورت نبی ﷺ کے پاس آئی اور آپ ﷺ سے قصہ بیان کیا آپ

ﷺ نے اس کے باپ کو طلب فرمایا۔ اور اس سے فرمایا کہ کیا تو نے اس کا (اپنی لڑکی) نکاح اس کی بغیر رضامندی کے کر دیا اس نے جواب دیا کہ میں نے اس کا نکاح ایسے شخص سے کیا ہے جو اس کے دیور سے بہتر ہے پس نبی ﷺ نے شوہر اور زوجہ کے درمیان تفریق کرا دی اور اس کا نکاح اس کے دیور سے کرا دیا۔

ایک اور روایت میں یوں ہے کہ ایک عورت کا خاوند مر چکا تھا۔ اور اس سے اس کا ایک لڑکا تھا۔ تو دیور نے اس کے باپ کے پاس اس کے لئے پیام منگنی بھیجا۔ اس عورت نے اپنے باپ سے کہا میرا نکاح اس سے کر دو اس کے باپ نے اس سے انکار کیا اور اس کی مرضی کے خلاف کسی دوسرے سے اس کا نکاح کر دیا۔ وہ نبی ﷺ کے پاس آئی۔ اور آپ ﷺ کو پورا قصہ کہہ سنایا۔ آپ ﷺ نے اس کے باپ سے واقعہ کی تصدیق فرمائی۔ اس نے کہا جی بے شک میں نے اس کا نکاح اس کے دیور سے بہتر آدمی کے ساتھ کر دیا ہے لہٰذا آں جناب ﷺ نے شوہر و بیوی میں تفریق کر دای اور اس عورت کا نکاح اس کے دیور سے کر دیا۔

ف: حدیث ذیل کے ماتحت ایک امر اختلافی محتاج تشریح ہے۔ وہ یہ کہ اگر عورت بالغہ عاقلہ ہو تو اس کا اپنا خود نکاح کر لینا جائز ہے یا نہیں۔ امام شافعیؒ عدم جواز کے قائل ہیں اور امام ابوحنیفہ جواز کے۔ مگران کے نزدیک ولی کو غیر کفو میں دخل دینے کا حق حاصل ہے۔ ہر سہ ائمہ قرآن سے بھی دلیل لاتے ہیں اور حدیث نبوی ﷺ سے بھی اور عقل و درایت سے بھی اس کو حق ثابت کرتے ہیں۔ قرآن سے اس طرح کہ اولیاء کو حکم ہوا ﴿**فلا تعضلوهن ان ينكحن ازواجهن**﴾ کہ عورتوں کو اپنے خاوندوں سے نکاح کرنے سے نہ روکو' معلوم ہوا کہ ولیوں کو نکاح کرانے کا حق کلی حاصل ہے جب ہی تو ان کو حکم ہوا کہ وہ ان کو نکاح کرنے سے نہ روکیں۔ ورنہ اگر وہ مختار نہ ہوتے تو ان کو منع کرنے کے کیا معنی تھے۔ قرآن کے علاوہ متعدد احادیث سے بھی استدلال کرتے ہیں ان میں سے دو حدیثیں ممتاز ہیں۔ ایک ابوموسیٰ کی مرفوع حدیث جس کو ترمذی وغیرہ بایں الفاظ لائے ہیں ﴿**لانكاح الابولى**﴾ کہ بغیر ولی کے کوئی نکاح نہیں۔ دوسری حضرت عائشہؓ کی مرفوع حدیث جس کو ابوداؤد' نسائی' ابن ماجہ' ترمذی لائے ہیں اس کا مضمون ہے کہ جس عورت نے بغیر اجازت ولی اپنا نکاح کیا تو اس کا نکاح باطل ہے تین مرتبہ آنحضرت ﷺ نے اس لفظ کو دہرایا عقل و درایت کی رو سے یوں کہ نکاح کئی مقاصد کے پیش نظر رکھا گیا ہے۔ مثلاً یہ کہ نسل باقی رہے پھلے پھولے' خانگی نظام قائم ہو اور صلاحیت پذیر ہو۔ غرض طمانیت کدہ ہے نہ وحشت کدہ۔ اور عورت

چونکہ ناقص العقل ٹھہری اور عاقبت اندیشی اور دور اندیشی سے عام طور پر عاجز۔ اس لئے انتخاب زوج کا باراس پر ڈالنا کہ وہ ایسے شوہر کو چنے جس سے یہ مقاصد حاصل ہوں قرین قیاس نہیں۔ یہ ہے ائمہ ثلاثہ کے مذہب کی بہترین ترجمانی۔

امام ابوحنیفہؒ کے مذہب پر بھی قرآن' حدیث وقیاس سے حجت لائی جاتی ہے۔ قرآن سے اس طرح کہ فرمایا ﴿حتی تنکح زوجا غیرہ﴾ کہ اس میں نکاح کی نسبت صاف کھلے الفاظ میں عورت کی طرف ہوئی۔ گویا وہ مختار ہے جب ہی تو فعل نکاح کی فاعل ٹھہرائی گئی۔ یا فرمایا ﴿وان ینکحن ازواجھن﴾ کہ نکاح کریں اپنے خاوندوں سے۔ یا ارشاد ہوا ﴿فلاجناح علیھن فیما فعلنفی انفسھن﴾ کہ ان پر کوئی گناہ نہیں اس امر میں جو وہ اپنے بارہ میں کریں کہ ان سب آیات میں نکاح کی نسبت عورتوں کی طرف ہوئی جو اس بارہ میں ان کے اختیار کی ترجمانی کرتی ہے۔ روایت کے ذیل میں حدیث ذیل ہی ایک حجت ہے کہ آں حضرت ﷺ نے نکاح رد کرادیا۔ اور تفریق کرادی۔ ملا علی قاری اس حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ ابن قطان نے کہا ہے کہ ابن عباسؓ کی یہ حدیث صحیح ہے اور یہ عورت خنساء بنت خدام تھیں جس کی حدیث بخاریؒ لائے ہیں کہ اس کا نکاح آں حضرت ﷺ نے رد فرمایا۔ کیونکہ وہ (خنساء) ثیبہ تھی اور یہ باکرہ۔ بلکہ بعض نے خنساء کو بھی باکرہ بتایا ہے۔ چنانچہ نسائی سے اسی کا پتہ چلتا ہے پھر ممکن ہے بخاری کی حدیث اپنی جگہ صحیح ہو۔ اور واقعہ متعدد ہو۔ چنانچہ دار قطنی ابن عباسؓ سے حدیث لائے ہیں کہ نبی ﷺ نے باکرہ اور ثیبہ کا نکاح رد فرمایا۔ غرض ان روایات سے پتہ چلا کہ عورت عاقلہ بالغہ کے ہاتھ میں نکاح کی زمام اختیار ہے۔ دوسری قوی دلیل مذہب احناف پر ابن عباسؓ کی مرفوع حدیث ہے جس کی روایت مسلم وغیرہ میں بایں الفاظ وارد ہے ﴿الایم احق بنفسھا من ولیھا والبکر تستاذن فی نفسھا﴾ کہ بے شوہر والی عورت اپنے نفس کی زیادہ حقدار ہے۔ اس میں ایم کا لفظ از روئے لغت ہر اس عورت پر حقیقتاً دلالت کرتا ہے جس کا خاوند نہ ہو چاہے وہ باکرہ ہو یا ثیبہ خواہ وہ مطلقہ ہو یا رانڈ بیوہ۔ جب اس کے حقیقی معنی مراد لینے میں کوئی قباحت نہیں تو بکر کے مقابلہ میں اس کے معنی مجازی ثیبہ کیوں مراد لیں۔ جیسا کہ شافعیہ کہتے ہیں۔ گویا ولی کو نکاح پڑھانے اور نکاح باندھنے کا جو حق حاصل ہے۔ اس میں یہ بھی اس کے ساتھ شریک ہے۔ بلکہ احقیت کے ساتھ اور اس سے بھی پختہ اور ناقابل رد دلیل خود آں حضرت ﷺ کے عمل کی ہے کہ بوقت نکاح ام سلمہؓ جب حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا کہ حضور میرا کوئی ولی نہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ حاضر یا غائب تمہارا کوئی ایسا

ولی نہیں جو اس امر کو ناپسند کرے۔ یہ کہہ کر عمر بن ابی سلمہؓ کو حکم دیا جو باتفاق چھوٹے تھے اور ولایت کی اہلیت نہیں رکھتے تھے کہ وہ نکاح پڑھائیں۔ چنانچہ انہوں نے تعمیل حکم کی۔ اگر ولی کی موجودگی انعقاد نکاح کے لئے لابدی ہوتی تو ام سلمہ کا نکاح کیسے صحیح ہوتا لہٰذا ان معقول دلائل کے ماتحت مذہب حنفیہ ہی قابل ترجیح ہے۔ اب مذہب مخالف کا جواب ملاحظہ فرمائیں۔ قرآن میں انکو سراسر دھوکہ لگا ہے کیونکہ وہاں اولیاء کو حکم نہیں کہ ان کی خیالات کی ساری کڑیاں بیٹھتی چلی جائیں۔ بلکہ خاوند کو حکم ہے۔ کلام خود بتاتا ہے کہ اس سے پہلے فرمایا ﴿واذا طلقتم النساء فبلغن اجلهن﴾ لہٰذا یہاں اولیاء مراد لینا نص قرانی کے خلاف ہے۔ احادیث کے سلسلہ میں یوں سمجھئے کہ ہر دو احادیث باعتبار سند مخدوش ہیں اور محل کلام۔ حدیث عائشہؓ کے ضعف کیطرف خود ترمذی نے زہری کے حوالہ سے اشارہ کیا ہے اس میں سلیمان بن موسیٰ ہیں جن کو بخاریؒ نے ضعیف بتایا ہے نسائی نے کہا کہ اس کی حدیث میں سقم ہے۔ اسی طرح حدیث ابی موسیٰ میں اہل علم نے کلام کیا ہے بخلاف ان احادیث کے جو مذہب حنفیہ کے ثبوت میں پیش ہوئیں کہ یہ صحیح ہیں۔ اب رہا ان کی قیاس آرائی کا جواب تو وہ یہ ہے کہ تصرفات و معاملات میں اختیار کا مدار بلوغ پر ہے کیونکہ بلوغ کے بعد ان اپنے تمام مصالح و مفاد کو بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ البتہ غیر کفو میں نکاح کرنے کی صورت میں عورت کی ناواقفیت اور سوتدبیر کا شبہ ہوتا ہے اس لئے اس میں ولی کو دخل اندازی کا حق دیا گیا۔

(۱۲۵) باب امتناع الجمع بين المرأة وعمتها وخالتها

ابوحنيفة عن عطية العوفي عن ابي سعيد الخدريؓ عن النبي صلى الله عليه وسلم قال لا تزوج المرأة على عمتها وخالتها.

باب۔ عورت کے ساتھ اس کی پھوپھی یا خالہ کو ایک ساتھ نکاح میں جمع کرنا!

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ کسی عورت سے اس کی پھوپھی یا خالہ پر نکاح نہ کیا جائے۔

ف: اس حکم امتناعی کا راز یہ اور اس میں مصلحت یہ ہے کہ شریعت اسلام میں قطع رحمی سے سخت ممانعت وارد ہے اور اس پر شدید ترین دھمکیاں آئی ہیں اور اگر کسی عورت کو اس کی پھوپھی یا خالہ پر نکاح میں لایا جائے تو گویا ان کے رشتہ قرابت و یگانگت کو ہمیشہ ہمیش کے لئے کاٹ دیا گیا اور ایک دائمی دشمنی کا بیج بو دیا کیونکہ سوتنوں میں آپس میں حسد، بغض، رشک وغیرہ فطری چیزیں ہیں جو رشتہ ناتہ کی جڑ کاٹ دیتی ہیں چنانچہ طبری کی روایت میں اس حدیث کے ساتھ یہ الفاظ بھی زائد ہیں جو اس

حکم کی وجہ بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ﴿فانکم اذافعلتم ذاک فقد قطعتم ارحامکم﴾ یعنی اس لئے کہ جب تم نے ایسا کیا تو گویا تم نے اپنے رحم کے رشتہ کو کاٹ دیا۔

دادا اور پردادا کی بہنیں اور نانی اور پرنانی کی بہنیں بھی اسی حکم میں شامل ہیں علماء نے اس کے لئے یہ ضابطہ نکالا ہے کہ ہر دو ایسی عورتوں کا نکاح میں جمع کرنا حرام ہے کہ اگر ان میں سے کسی کو مرد فرض کرلیا جائے تو ان میں آپس میں نکاح حرام ہو۔ رضاعی رشتہ سے پھوپھیاں اور خالائیں بھی اسی حکم میں داخل ہیں۔

ابوحنیفة عن الشعبی عن جابر بن عبد الله وابی هریرة قالا قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا تنکح المرأة علی عمتها ولا علی خالتها ولا تنکح الکبری علی الصغری ولا الصغری علی الکبری .

حضرت جابر بنؓ عبداللہ اور ابی ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک عورت سے اس کی پھوپھی اور خالہ پر نکاح نہ کیا جائے اور نہ نکاح کیا جائے بڑی عمر والی سے چھوٹی عمر والی پر اور نہ چھوٹی عمر والی سے بڑی عمر والی پر۔

ف: یہ حدیث صحابہؓ وتابعینؒ اور تبع تابعین میں شہرت کی حد تک پہنچ چکی ہے جلیل القدر اور عظیم الشان صحابہؓ سے بطرق صحیحہ مروی ہے۔ لہٰذا اس سے کتاب پر زیادتی جائز ہے۔ گویا آیت ﴿واحل لکم ماوراء ذلکم﴾ کے عموم میں اس سے تخصیص کی جاسکتی ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ آیت کا عموم بہرحال مشرکہ، مجوسیہ وغیرہ سے مخصوص ہے تو ظنی ہوا لہٰذا یہ اگر خبر واحد ہوتی تو بھی اس سے تخصیص کی جاسکتی تھی۔ نہ جب کہ یہ حدیث مشہور ہو۔

(۱۲۶) باب حرمة المتعة

ابوحنیفة عن الزهری عن انس ان النبی صلی الله علیه وسلم نهی عن المتعة

باب۔ متعہ کی حرمت

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے منع فرمایا متعہ سے۔

ف: متعہ کے یہ معنی ہیں کہ خاص مدت کے لئے کسی قدر معاوضہ پر کسی عورت سے نکاح کیا جائے متعہ اس کو یوں کہا گیا کہ اس میں محض تمتع اور وقتی نفع اندوزی کی غرض کارفرما ہوتی ہے اور نکاح کے دوسرے اغراض مثلاً توالد وتناسل یا خانگی نظام کی درستی وغیرہ مدنظر نہیں ہوتے جو ایک

مروجہ نکاح حلال میں ہوتے ہیں۔

ابو حنیفة عن نافع عن ابن عمر قال نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم یوم خیبر عن المتعة .

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ منع فرمایا رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے دن متعہ سے۔

ف: حضرت علی کی حدیث میں بھی ایسا ہی وارد ہے جس کی روایت اصحاب صحاح ستہ ماسوا ابوداؤد لائے ہیں اس میں گدھوں کے گوشت کی حرمت بھی ساتھ ساتھ ثابت ہے۔

ابو حنیفة عن محارب عن ابن عمر ان رسول الله صلی الله علیه وسلم نهی عن متعة النسآء .

حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے متعہ نساء سے منع فرمایا۔

ف: متعہ کے بارہ میں کہ وہ کب حلال ہوا اور کب حرام روایات مختلف وارد ہیں۔اس کی مختصر تحقیق پیوستہ سے پیوستہ حدیث میں آ رہی ہے۔

ابو حنیفة عن الزهری عن رجل من ال سبرة ان النبی صلی الله علیه وسلم نهی عن متعة النسآء یوم فتح مکة وفی روایة عام الفتح .

آل سبرہ کے ایک شخص سے (جو غالباً ربیع بن سبرۃ ہیں جیسا کہ ابوداؤد کی روایت سے پتہ چلتا ہے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے منع فرمایا متعہ نساء سے فتح مکہ کے دن۔اور ایک اور روایت میں ہے کہ فتح مکہ کے سال۔

ف: متعہ نساء کہہ کر متعہ حج سے تمیز پیدا کی ہے کیونکہ اس پر بھی لفظ متعہ کا اطلاق ہوتا ہے۔

ابو حنیفة عن یونس بن عبد الله عن ابیه عن ربیع بن سبرة الجهنی عن ابیه قال نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم عن متعة النسآء یوم فتح مکة وفی روایة نهی عن المتعة عام الحج

وفی روایة نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم عن متعة النسآء یوم الفتح.

حضرت سبرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا متعہ نساء سے فتح مکہ کے دن ۔اور ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے منع فرمایا متعہ (نساء) سے حج کے سال۔

ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا متعہ نساء سے فتح مکہ کے دن۔

ف: مسئلہ متعہ میں تحقیق حسب ذیل ہے۔بعض غزوات میں لوگوں نے آں حضرت ﷺ

سے خصی ہونے کی اجازت چاہی تو آپ نے ان کو اس سے روکا اور ان کو متعہ کی اجازت دی۔ پھر آگے چل کر متعہ سے ہمیشہ ہمیش کے لئے ممانعت فرمادی۔ اور اب امت مسلمہ کا اسی پر اتفاق ہے محض فرقہ شیعہ کو اس میں اختلاف ہے اور وہ اس کو اب بھی جائز جانتے ہیں صحابہ میں کچھ عرصہ اس مسئلہ میں اختلاف رہا مگر اکثریت حرمت ہی کی قائل رہی پھر حضرت عمرؓ کی خلافت میں سب کا اس کی حرمت پر اجماع ہوگیا۔ اس کے بعد کسی اہل سنت وجماعت کو اس میں مجال گفتگو نہ رہی۔ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں اس کی حرمت وحلت کے بارہ میں روایات وارد ہیں بعض کے نزدیک یہ دو سے زائد مرتبہ حلال وحرام ہوا۔ مگر تحقیق یہ ہی ہے کہ صرف دو ہی مرتبہ حلال ہوا۔ اور دو ہی مرتبہ حرام ہوا۔ اور پھر جب آخری مرتبہ یہ حرام ہوا تو ہمیشہ ہمیش کے لئے یعنی یوم خیبر سے پہلے یہ حلال تھا۔ اور یوم خیبر میں یہ حرام ہوا۔ فتح مکہ کے دن یہ حلال ہوا اور تین دن کے بعد ہمیشہ ہمیشہ کے لئے یہ حرام ہوگیا۔ اور حجۃ الوداع میں یہ پچھلی ثابت شدہ حرمت پر محض تاکید تھی۔ اور اس کا ایک عام قطعی اعلان نہ یہ کہ اس کو اس روز حرام ٹھہرایا گیا صحابہؓ میں حضرت ابن عباسؓ اور جابرؓ یا چند اور حضرات کو اس میں کچھ دن اختلاف رہا۔ مگر حضرت ابن عباسؓ نے اپنے خیال سے رجوع فرمالیا۔ چنانچہ ترمذی کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ وہ خود فرماتے ہیں کہ متعہ آغاز اسلام میں شروع تھا۔ ایک شخص اجنبی شہر میں آتا جہاں اس کی کوئی شناسائی نہ ہوتی تو وہ وہاں کسی عورت سے کچھ مدت کے لئے نکاح کرلیتا یعنی جب تک قیام کا ارادہ ہوتا۔ وہ اس کے سامان کی حفاظت کرتی اور اس کی چیزیں ٹھیک کرتی ۔ یہاں تک کہ آیت ﴿الا علی ازواجھم او ماملکت ایمانھم﴾ اتری۔ پھر ابن عباسؓ نے فرمایا۔ تو اب آیت مذکورہ عورتوں کے علاوہ ہر فرج حرام ہے۔ اور جابر بن زید ابوالشعثاء نے روایت کی ہے کہ ابن عباسؓ دنیا سے نہیں گئے۔ مگر یہ کہ انہوں نے دو چیزوں سے رجوع فرمالیا۔ ایک صرف دوسرے متعہ سے حضرت جابرؓ کا واقعہ یہ ہے کہ ابن عبدالبر نے بیان کیا ہے کہ جابرؓ نے کہا کہ حضرت عمرؓ کی نصف خلافت تک ہم متعہ کرتے رہے۔ پھر آپ نے لوگوں کو منع فرمادیا معلوم ہوتا ہے کہ بعض صحابہؓ کو حرمت کی حدیث نہ پہنچنے پر اب بھی کچھ شک باقی رہا ہوگا مگر حضرت عمرؓ کے اعلان عام کے بعد کسی کو اس کی حرمت میں شک نہ رہا۔ یہ نہیں کہ حضرت عمرؓ نے اپنے عہد میں اس کو اپنی رائے سے حرام کیا۔

اب آیئے روایت کے میدان میں احادیث صحیح جو تواتر کی حد تک پہنچتی ہیں اس کی حرمت ہی پر دال ہیں اور اس کے نسخ کو ثابت کرتی ہیں۔ مثلاً احادیث ذیل جو مختلف صحابہؓ سے مختلف طرق

سے مروی ہیں یا سبرۃ بن معبد الجہنیؓ کی حدیث جو مسلم اور دیگر سنن میں بایں الفاظ وارد ہے ﴿نھی عن المتعة وقال الانها حرام من یومکم هذاالی یوم القیامة﴾ کہ آپ نے متعہ سے منع فرمایا اور فرمایا کہ خبردار یہ آج کے دن سے قیامت تک حرام ہے یہ گویا فتح مکہ کے دن کی آخری حرمت ہے، یا حضرت علیؓ کی حدیث جو ترمذی میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا متعہ نساء سے اور گدھوں کے گوشت سے خیبر کے زمانہ میں۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ متعہ کی حرمت قیامت تک باقی رہے گی۔ یہ خاص مجبوریوں اور خصوصی اعذار کی بناء پر حلال کیا گیا تھا۔ کہ ادھر مجاہدین اسلام کے تجرد کا عالم اور اس کے فطری تقاضے اور ادھر سفر کی بے سروسامانی اور جہاد کی بیش از بیش مشغولیتیں کہ ان الجھنوں میں سوائے اس رعایت و مہلت کے اور کوئی چارہ کار ہی نہ تھا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان حالات کے ماتحت وقتی اجازت مرحمت فرمائی یہ نہیں کہ اب بھی اپنے وطنوں میں رہتے بستے اس حکم کو باقی جان کر جذبات شہوانی کے پورا کرنے کا ایک ناجائز راستہ کھولا جائے۔ اور شریعت کی آڑ میں زنا کاری کو آزادی دی جائے۔ چنانچہ حازمی نے بعینہ اسی بات کو ظاہر کیا ہے کہ نبی ﷺ نے صحابہؓ کو کبھی اپنے گھروں، وطنوں میں رہتے بستے اس کی اجازت نہیں دی بلکہ خاص ضرورت کے ماتحت ایسی اجازت دی تھی پھر وہ بھی حجۃ الوداع کے موقعہ پر ہمیشہ ہمیش کے لئے ختم ہوگئی اور اب سوائے فرقہ شیعہ کے کسی کو متعہ کی حرمت میں شک نہیں ہے۔

ابو حنیفة عن نافع عن ابن عمر قال نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم عام غزوة خیبر عن لحوم الحمر الاهلیة وعن متعة النسآء .

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا غزوہ خیبر کے سال شہری گدھوں کے گوشت سے اور متعۃ النساء سے۔

ف: اس مسئلہ کی مناسب وضاحت پیشتر حدیث میں گذری۔

(۱۲۷) باب العزل

ابو حنیفة عن حماد عن ابراهیم عن علقمة والا سود ان عبد الله بن مسعود سئل عن العزل قال ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال لو ان شیئا اخذ الله میثاقه استودع صخرة لخرج .

باب۔ عزل کا بیان

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے عزل کے بارہ میں پوچھا گیا۔ تو آپ نے کہا کہ فرمایا رسول اللہ

ﷺ نے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کے ظہور کا عہد کیا جو پتھر میں چھپی چھپائی ہے۔ تو البتہ وہ نکل کر رہے گی (تو گویا عزل سے کوئی فائدہ نہیں)۔

ف: امام احمد حضرت انسؓ سے مرفوع حدیث لائے ہیں اس مضمون سے کہ آپ نے فرمایا کہا اگر تو اس پانی کو جس سے بچہ پیدا ہوتا ہے کسی چٹان پر ڈال دے تو اللہ تعالیٰ اس سے بھی بچہ پیدا کر دے گا۔ عزل اس کو کہتے ہیں کہ عورت سے صحبت کے وقت جب انزال قریب ہو تو آلہ تناسل کو شرمگاہ سے نکال کر منی کو باہر خارج کیا جائے۔

مسئلہ عزل میں حنفیہ و مالکیہ اور شافعیہ کے مابین اختلاف ہے۔ حنفیہ و مالکیہ آزاد عورت سے عزل بغیر اس کی اجازت کے مکروہ جانتے ہیں اور منکوحہ چھوکری میں بغیر اس کے آقا کی اجازت کے اور اپنی چھوکری میں بغیر کراہت کے عزل جائز خیال کرتے ہیں شافعیہ بغیر کسی کراہت کے سب میں بلا امتیاز جائز قرار دیتے ہیں مگر یہ کہ اولاد سے بچنے کی غرض سے ہو تو اس وقت یہ ان کے نزدیک بھی مکروہ ہے۔ شافعیہ کی دلیل حضرت جابر کی حدیث ہے جو بخاری میں مروی ہے بایں الفاظ ﴿کنا نعزل علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم﴾ کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں عزل کیا کرتے تھے۔ یا دوسرے طریق سے عطا سے روایت ہے اور وہ حضرت جابر سے روایت کرتے ہیں بایں الفاظ ﴿کنا نعزل والقران ینزل﴾ کہ ہم عزل کیا کرتے تھے اور قرآن نازل ہوتا تھا حنفیہ و مالکیہ کئی احادیث سے حجت لاتے ہیں مثلاً ابن ابی شیبہ حضرت عبداللہ بن مسعود سے اس طرح روایت لائے ہیں کہ انہوں نے کہا ﴿تستامر الحرة ونعزل عن الامة﴾ کہ آزاد عورت سے اجازت چاہی جاتی ہے اور چھوکری سے عزل کیا جاتا ہے عبدالرزاق اور بیہقی ابن عباسؓ سے روایت لائے ہیں ﴿انه نهی عن عزل الحرة الا باذنها﴾ کہ انہوں نے آزاد عورت سے بغیر اس کی اجازت کے عزل سے منع کیا بیہقی ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ اپنی چھوکری سے عزل کیا کرتے تھے۔ اور آزاد سے اجازت چاہتے تھے۔ ابن ماجہ حضرت عمرؓ سے روایت نقل کرتے ہیں ﴿نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم ان یعزل عن الحرة الا باذنها﴾ کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا کہ آزاد عورت سے بغیر اس کی اجازت کے عزل کیا جائے۔ مذہب حنفیہ کی بناء اس وجہ عقلی پر ہے کہ جماع دراصل عورت کا حق ہے اور بظاہر جماع وہ ہی مانا جاتا ہے جس میں عزل نہ ہو۔ لہٰذا اگر اس کے خلاف یعنی عزل کی صورت مطلوب ہو۔ تو صاحب حق یعنی عورت سے اجازت طلب کرنی ضرورت ہے۔ اب مسلم میں حدیث جذامہ

میں جو مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عزل واد خفی ہے۔ یعنی یہ ایک چھوٹی قسم کا زندہ درگور کرنا ہے تو یہ عزل حرہ کے بارہ میں ہے کہ جماع کا زیادہ تر اطلاق اسی پر ہے۔

(۱۲۸) باب اتیان النسآء بای جهة کان

حماد عن ابی حنیفة عن ابی الهیثم عن یوسف ابن ماهک عن حفصة زوج النبی صلی الله علیه وسلم ان امرأة اتتها فقالت ان زوجی یأتینی مجنبة ومستقبلة فکرهته فبلغ ذلک الی النبی صلی الله علیه وسلم فقال لا بأس اذا کان فی صمام واحد .

باب۔ عورتوں کے پاس ہر طرف سے آنا

حضرت حفصہ ام المؤمنین کہتی ہیں کہ ایک عورت نے ان کے پاس آ کر کہا کہ میرا خاوند میرے پاس آتا ہے (مجھ سے وطی کرتا ہے) پہلو سے اور سامنے سے اور میں اس کو برا سمجھتی ہوں۔ یہ بات آں حضرت ﷺ کو پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس میں کچھ مضائقہ نہیں اگر ایک سوراخ میں ہے۔

ف: یہ گویا عورت سے ہر جہت سے وطی کرنے کی کھلی اجازت ہے اور صاف اعلان جب کہ موضع وطی فرج ہو نہ دبر۔ طبرانی میں حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ جب مہاجرین مدینہ میں اقامت پذیر ہوئے تو انہوں نے ارادہ کیا کہ عورتوں سے ان کی پشت کی جانب سے ان کی فرجوں میں وطی کریں۔ وہ اس پر راضی نہیں ہوئیں (مذہبی قباحت کے خوف سے) اور ام سلمہؓ کے پاس آ کر مسئلہ کو حل کرنا چاہا۔ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے استفسار کیا تو آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی ﴿نسائکم حرث لکم فاتوا حرثکم انی شئتم﴾ کہ تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں پس جدھر سے چاہو اپنی کھیتی کے پاس آؤ بخاری میں ہے کہ یہود کہا کرتے تھے کہ جو اپنی عورت سے اس کی پشت کی جانب سے وطی کرے تو اس کا بچہ ڈھیرا پیدا ہوتا ہے اس پر یہ آیت ﴿نسائکم حرث لکم﴾ الخ اتری۔

(۱۲۹) باب حرمة وطی المرأة فی دبرها

حماد عن ابیه عن حمید الاعرج عن ابی ذر عن النبی صلی الله علیه وسلم قال اتیان النساء نحو المحاش حرام .

باب۔ عورتوں سے دبر میں وطی کرنا

حضرت ابوذر کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ دبر کی جانب سے عورتوں سے وطی کرنا حرام ہے (یعنی دبر میں)

ف: عورت کی دبر میں وطی کرنا اس حدیث سے حرام ثابت ہوا۔ روایت کے لحاظ سے اس مسئلہ کی جو تحقیق ہے وہ متصل حدیث میں آ رہی ہے۔ درایت و عقل کی رو سے بھی یہ فعل نہایت مکروہ وناپسندیدہ ہے کہ ہر مزاج سلیم اور طبع مستقیم اس سے خود بخود گھن کھاتی ہے اور اس کو ایک کریہہ بدمزہ کام جانتی ہے۔ ابن قیمؒ نے اس کے نقصانات پر تفصیلی تبصرہ کیا ہے۔ ہم ان میں سے چند ایک بیان کرتے ہیں کہ اس فعل کی عقلی قباحت و برائی ظاہر ہو۔ اول تو یہ غلاظت و گندگی کے خارج ہونے کا خاص مقام ہے۔ وطی کی لذت ولطف اندوزی کو اس غلاظت و گندگی کی بدمزگی سے کیا علاقہ۔ اور کیا واسطہ بلکہ ایسے موقعہ پر تو انسان نظافت و پاکیزگی کا متلاشی ہوتا ہے قطع نظر حکم شریعت کے ہر پاکیزہ طبع انسان اس سے فطرتاً متنفر ہے یہ ہی وجہ ہے کہ حیض کی حالت میں عورت سے نزدیکی حرام ہوئی ۔کیونکہ گندگی کے اخراج کے دوران میں اس کو کون پسند کرے گا۔ دوسرے وطی کرنا عورت کا ایک حق ہے مرد پر جو واجب الادا ہے اور وہ حق اس شکل میں تباہ ہوتا ہے تیسرے قدرت کی طرف سے یہ مقام اس فعل کے لئے نہیں بنا تو گویا اس فعل کا ارتکاب قدرت کی غرض تخلیق سے عدول ہے اور اس سے خلاف ورزی کرنا۔ چوتھے اطباء کا فیصلہ ہیکہ مرد کے لئے یہ شکل وطی کی نہایت مضر صحت ہے کیونکہ فرج میں ایک جاذبیت کا مادہ ہے جو مادہ منی کو ذکر سے پورا جذب کر لیتی ہے۔ اور اس کو اس مادہ سے خالی کر دیتی ہے جو طبیعت کے لئے راحت وخفت کا سبب بنتا ہے۔ بخلاف اس کے کہ دبر میں یہ خاصیت نہیں اس میں اخراج کی طاقت ہے جذب کی نہیں۔ لہٰذا منی کا کچھ حصہ مرد کی منی کے راستہ میں رہ جاتا ہے جو کئی بیماریوں کا باعث ہوتا ہے۔ اور طبیعت میں بھی گرانی کا باعث بنتا ہے۔ پانچویں اس صورت میں رگوں پر خلاف فطری زور پڑتا ہے۔ جو رگوں کے لئے مضر ہے اور اسی طرح دیگر معائب ہیں جن کا پتہ مبسوط کتب سے چل سکتا ہے لہٰذا انہیں نقائص کے پیش نظر شریعت نے سخت امتناعی احکام سے اس فعل بد کا انسداد کیا۔

ابوحنيفة عن معن قال وجدت بخط ابی اعرفه عن عبد الله بن مسعود قال نهينا ان ناتی النسآء فی مباشهن .

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ ہم کو منع کیا گیا کہ ہم عورتوں کے پاس آئیں (ان سے جماع کریں) ان کی دبر میں۔

ف: دبر میں وطی کرنا از روئے روایات صحیحہ حرام ہے اور اس پر شریعت میں شدید تہدید اور سنگین دھمکیاں وارد ہیں۔ کہیں اس کو چھوٹی قسم کی لواطت کہا ہے چنانچہ احمد وطحاوی عمرو شعیب کے واسطہ سے مرفوع حدیث لائے ہیں کہ آپ سے ایسے شخص کے بارہ میں پوچھا گیا جو عورت کی دبر میں وطی کرتا ہے تو آپ نے فرمایا کہ یہ چھوٹی قسم کا اغلام ہے احمد' ابوداؤد' اور نسائی وغیرہ حضرت ابوہریرہؓ سے مرفوع حدیث لائے ہیں۔ ﴿ملعون من اتی امراۃ فی دبرھا﴾ کہ وہ شخص ملعون ہے جو عورت کی دبر میں وطی کرے۔ ترمذی احمد حضرت ابوہریرہؓ سے مرفوع حدیث نقل کرتے ہیں کہ جو شخص حیض والی عورت کے پاس آیا۔ یا اس نے عورت کی دبر میں وطی کی یا کاہن کے پاس آیا اور اس کی تصدیق کی تو وہ اس چیز سے منکر ہو گیا جو محمد ﷺ پر اتاری گئی اور صحاح میں یہ بھی ہے ﴿لاینظر اللہ یوم القیامۃ الی رجل اتی امراۃ فی دبرھا﴾ کہ اللہ قیامت کے روز ایسے شخص کی طرف نہیں دیکھے گا جس نے اپنی عورت کی دبر میں وطی کی ہو گی۔ انہیں احادیث کے پیش نظر تقریباً تمام صحابہؓ اس کی حرمت کے قائل تھے صحابہ میں حضرت ابن عمرؓ کا خلاف منقول ہے۔ چنانچہ بخاری میں آیت ﴿فاتوا حرثکم﴾ کی تفسیر میں ابن عمرؓ کی یہ تفسیر مروی ہے ﴿یاتیھا فی دبرھا﴾ طبرانی میں بھی اسی کی تصریح ہے۔ ائمہ میں امام مالکؒ کا مذہب بھی یہی مشہور ہے کہ وہ اس کو جائز جانتے تھے چنانچہ بخاریؒ سے تاریخ میں اور حاکم سے کُنیٰ میں اور ایسے ہی امام صاحبؒ سے آیت نساءکم حرث لکم کی تفسیر میں ابن عمرؓ کا یہ قول مروی ہے ﴿قبلا و دبرا فی الماتی وحدہ لاغیر﴾ یعنی آگے پیچھے جہاں سے چاہو مگر اسی صرف آنے کی جگہ میں نہ کسی اور میں معلوم ہوا کہ ان کا صحیح مذہب یہی تھا کہ دبر میں وطی حرام ہے اور امام مالکؒ کے بارہ میں بھی یہ ہی پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے حرمت ہی کے قول کی طرف رجوع کر لیا تھا۔ چنانچہ خطیب نے اسرائیل بن روح کے طریق سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے مالک سے اس کے بارہ میں پوچھا۔ تو انہوں نے کہا کہ حرث (کھیتی) کاشت کی جگہ ہی تو ہے۔ لہٰذا فرج سے آگے نہ بڑھو' کہتے ہیں کہ میں نے کہا یا اباعبداللہ لوگ تو کہتے ہیں کہ آپ اس کے جواز کے قائل ہیں (یعنی وطی فی الدبر) تو آپ نے دو مرتبہ ارشاد فرمایا کہ وہ مجھ پر جھوٹا الزام لگاتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ اسی روایت پر اعتماد کرتے ہوئے ان کے پچھلے شاگردوں نے ان کا مذہب حرمت ہی قرار دیا۔ اسی لئے ابن قیم نے نہایت وثوق سے کہا ہے کہ وطی فی الدبر کی حلت کا کوئی بھی قائل نہیں۔ اور جس نے سلف سے اس کی روایت کی ہے اس کو دھوکہ لگا ہے۔

اسی ذیل میں یہ امر بھی قابل اشارہ ہے کہ عورت کو اپنے مرد کا ستر اور مرد کو اپنی عورت کا ستر دیکھنا روا ہے یا نہیں۔ تو تحقیق اس میں یہ ہی ہے کہ یہ جائز ہے حرام نہیں۔ کیونکہ ابن سعد طبقات میں اور طبرانی کبیر میں سعد بن مسعودؓ سے مرفوع حدیث لائے ہیں کہ آپ نے فرمایا ﴿ان اللہ تعالیٰ جعلھالک لباسا وجعلک لھا لباسا . واھلی یرون عورتی وانااری ذلک منھم ﴾ کہ اللہ تعالیٰ نے تیری عورت کو تیرے لئے لباس بنایا اور تجھ کو اس کے لئے اور میرے اہل میرے ستر کو دیکھتے ہیں اور میں ان کے ستر کو۔ اس میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے ﴿ھن لباس لکم وانتم لباس لھن ﴾ کہ عورتیں تمہارے لئے لباس ہیں اور تم ان کے لئے لباس۔ اسی طرح سنن اربعہ میں بہز بن حکیم کے واسطہ سے روایت ہے کہ معاویہ بن حیدہ سے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا ﴿احفظ عورتک الامن زوجتک اوماملکت یمینکِ ﴾ کہ اپنے ستر کی حفاظت کر دیکھنے سے مگر اپنی عورت یا مملوکہ چھوکری سے۔ البتہ صحاح میں حضرت عائشہؓ سے انکار ثابت ہے کہ انہوں نے آں حضرت ﷺ کا ستر نہیں دیکھا اس لئے بوقت جماع عورت کی فرج دیکھنے کو آداب جماع کے خلاف لکھا ہے۔ ابن عدی ابن عباسؓ سے مرفوع حدیث لائے ہیں کہ آپنے فرمایا کہ تم میں سے کوئی اپنی عورت یا چھوکری سے جماع کرے تو اس کی فرج کو نہ دیکھے۔ کیونکہ یہ عمل بینائی کو کھوتا ہے۔ بہر حال شریعت سے اس امر کی اجازت مطلقاً ثابت ہے اور نص قرآنی سے بھی اسی اجازت کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے۔ مگر ادب وہ ہی ہے جو ذکر ہوا۔

حماد عن ابیہ عن ابی المنھال عن ابی القعقاع الخشنی عن ابن مسعود انہ قال حرام ان تؤتی النسآء فی المحاش .

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ حرام ہے یہ بات کہ عورتوں کے پاس آیا جائے (ان سے جماع کیا جائے) ان کی دبر میں۔

ف: اس مسئلہ کی مناسب وضاحت لکھی جا چکی۔

(۱۳۰) باب النسب لصاحب الفراش

ابوحنیفة عن حماد بن ابی سلیمان عن ابراھیم عن الاسود عن عمر بن الخطاب ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الولد للفراش وللعاھر الحجر .

باب۔ نسب کا تعلق صاحب فراش کے ساتھ

حضرت عمر بن الخطابؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ بچہ صاحب فراش کا ہے

اور زانی کے لئے پتھر ہے۔

ف: فراش منکوحہ بیوی ہوئی' یا مملوکہ چھوکری۔ ان کو فراش اس لےء کہا کہ وطی کے لئے ان کو لٹایا جاتا ہے۔ اور یہاں فراش سے مراد یہ ہر دو نہیں جیسا کہ بظاہر معلوم ہوتا ہے بلکہ صاحب فراش یعنی خاوند یا مالک اور یہ جو فرمایا کہ زانی کے لئے پتھر ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کے لئے سنگساری ہے جس پر ظاہری الفاظ دال ہیں کیونکہ خالی سنگساری نسب سے محروم نہیں کرتی۔ بلکہ پتھر سے مراد ناکامی اور محرومی ہے۔ عرب کا محاورہ ہے کہ ناکامی کو پتھر اور دھول سے تعبیر کرتے ہیں۔ بلکہ خود ہماری اردو زبان کا بھی محاورہ ہے کہ اس کے نصیب میں خاک و دھول ہے۔ یا بھاٹے یعنی اس کے نصیب میں سراسر ناکامی ہے۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ نسب کے سارے حصے مثلاً ورثہ وغیرہ خاوند اور مالک ہی کو ملیں گے۔ زانی ان سے محروم ہوگا۔

یہاں امام ابوحنیفہؒ اور امام مالک و شافعیؒ کے درمیان خفیف سا اختلاف بھی ہے وہ یہ کہ امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اس ثبوت نسب میں امکان وطی کی شرط نہیں۔ صرف نکاح ہو جانا ثبوت نسب کے لئے کافی ہے نکاح کے چھ ماہ بعد جو بچہ ہوگا۔ وہ اسی شوہر کا ہوگا۔ اور نسب کے سارے حقوق کا یہی حقدار مانا جائے گا۔ نہ زانی خواہ اس بیچ میں وطی کا امکان ہو یا نہ ہو۔ امام شافعیؒ و مالکؒ کہتے ہیں کہ عقد کے بعد وطی کا امکان بھی شرط ہے ورنہ اس سے نسب ثابت نہیں ہوگا عقل و قیاس و قرینہ امام صاحب کے خیال کو حق ثابت کرتا ہے کیونکہ عقد چونکہ وطی پر دلالت کرتا ہے اور اس کا داعی ہے اس لئے وہ گویا وطی کا قائم مقام ٹھہرا جو حکم وطی کا ہے وہ ہی اس کا مثلاً سفر مشقت کا سبب ہے اور اس پر دال تو گویا وہ احکامات شرعیہ میں مشقت کا قائم مقام سمجھا گیا اور اس کا نائب خواہ اس میں مشقت ہو یا نہ ہو اسی طرح یہاں دوسرے حدیث کے الفاظ مطلق ہیں اس میں امکان وطی کی قید کہاں اور قید لگانے کی دلیل بھی کیا۔ تیسرے شریعت میں اس کی مثال ایک نہیں کئی ایک ہیں۔ مثلاً ایک منکوحہ عورت جس کا خاوند عرصہ سے سفر میں ہے اور اس بیچ میں کئی مرتبہ اس کو حیض آ چکا ہے جس سے معلوم ہے کہ اس کا رحم نطفہ سے خالی ہے مگر پھر بھی اگر یہ خاوند طلاق دے گا تو وہ عدت کرے گی حالانکہ عدت رحم کی جانچ کے لئے کرائی جاتی ہے کہ اسکے رحم میں نطفہ تو نہیں ہے۔ حالانکہ ایسی صورت میں عدت نہیں ہونی چاہئے تھی۔ مگر شریعت نے عدت لازم قرار دی کیونکہ محض نکاح وطی کے قائم مقام ہے۔

کتاب الاستبرآء

(۱۳۱) باب الاستبرآء

ابوحنيفة عن نافع عن ابن عمر قال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم ان تؤطاالحبالى حتى يضعن مافى بطونهن .

رحم کی صفائی کے احکام

باب۔رحم کی صفائی معلوم کرنا

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ منع کیا رسول اللہ ﷺ نے کہ حاملہ عورتوں سے وطی کیجائے جب تک کہ وہ جن نہ لیں۔اپنے پیٹوں کے بچے۔

ف: ان حاملہ عورتوں سے مراد قید کی ہوئی چھوکریاں ہیں۔کیونکہ امام صاحبؒ سے دوسرے طریق سے روایت ہے جس میں حبالی کے ساتھ من السبی کی قید بھی ہے۔یعنی قید کی ہوئی حاملہ عورتوں کے لئے یہ حکم ہے۔امام احمد وابوداؤد ابوسعید خدریؓ سے حدیث لائے ہیں اوطاس کے قیدیوں کے بارہ میں کہ نہ وطی کی جائے حاملہ سے جب تک وضع حمل نہ ہولے اور نہ غیر حاملہ سے جب تک اس کو ایک حیض نہ آجائے گویا یہ رحم کی صفائی کا حکم یا تو اس حاملہ کو شامل ہے جس کو خریدا جائے یا وہ جسکا حمل زنا سے ہو یا وہ عورتیں جن کا نکاح ان کے حربی خاوندوں سے بوجہ اسلام یا ہجرت ٹوٹ چکا ہو۔اور ہماری ملک میں آچکی ہوں۔یہ حکم اپنی منکوحہ حاملہ کو شامل نہیں نہ اس زنا کی حاملہ کو جس کا شوہر خود زانی ہو۔اور اس نے اس سے قبل نکاح زنا کیا جس سے وہ حاملہ ہوگئی ہو۔نہ ہی یہ حکم اس عورت کو شامل ہے جو مہاجرہ مسلمہ ہو اور حاملہ بھی ہو۔کہ اس سے نکاح ہی جائز نہیں تو وطی کیا جائز ہوگی۔کیونکہ اس کی عدت وضع حمل سے ہے اور قبل انقضائے عدت نکاح کیسے جائز ہوگا۔

كتاب الرضاع

(۱۳۲) باب مساواة الرضاع والنسب فى التحريم

ابوحنيفة عن الحكم عن القاسم عن شريح عن على عن النبى صلى الله عليه وسلم قال يحرم من الرضاع مايحرم من النسب قليله و كثيره .

دودھ پلانے کے احکام

باب۔دودھ کے رشتہ سے وہی حرمت ثابت ہوتی ہے جو نسب کے رشتہ سے

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ فرمایا نبی ﷺ نے دودھ کے رشتہ سے وہی حرمت ثابت

ہوتی ہے جونسب کے رشتہ سے خواہ دودھ کم پیا جائے یا زیادہ۔

ف: یہ حدیث رضاع کے ایک اختلافی مسئلہ میں احناف کے مسلک کی ایک قوی دلیل ہے۔ اختلاف کی نوعیت یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بچہ کا ایک مرتبہ بھی دودھ پی لینا اور اس کے پیٹ میں اتر جانا حرمت کے لئے کافی ہے یہی مذہب ہے حضرت علیؓ ابن مسعودؓ ابن عمرؓ ابن عباسؓ حسن بصریؒ وسعید بن مسیب طاؤسؒ عطاء مکحول، زہری، قتادہ وغیرہم کا۔ ابن المنذرؒ نے کہا کہ اکثر فقہاء اسی پر متفق الرائے ہیں امام شافعیؒ کے نزدیک ایک یا دو یا پانچ مرتبہ سے کم میں حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ مذہب شافعیہ پر حدیث عائشہؓ سے دلیل لائی جاتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ﴿لاتحرم المصة ولا المصتان﴾ کہ ایک یا دو مرتبہ دودھ چوس لینے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ حضرت عائشہؓ سے اس قول کی بھی روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ قرآن میں دس دفعہ چوسنے کا حکم تھا۔ تو اس میں پانچ دفعہ کا منسوخ ہوا اور پانچ دفعہ کا باقی رہا۔ جو آخر وفات آں حضرت ﷺ تک باقی رہا حنفیہ کے مذہب پر قرآن بھی حجت ہے اور احادیث صحیحہ بھی قرآن میں یوں آیا ہے ﴿وامھاتکم اللاتی ارضعنکم﴾ کہ تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہے (یعنی وہ بھی حرام ہیں) اس میں مطلق دودھ پلانے کو حرمت کا سبب ٹھہرایا ہے اس میں ایک یا دو مرتبہ چوسنے کی قید کہاں اور خبر واحد یا قول واحد سے قید کس طرح لگائی جاسکتی ہے۔ احادیث میں حدیث ذیل بھی قوی دلیل ہیکہ اب اس میں حرمت کے لئے کمی زیادتی کے سوال کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ امام محمدؒ موطا میں سعید بن مسیب عروہ بن زبیر اور ابن عباسؓ سے آثار بھی لائے ہیں جو ایک مرتبہ بھی دودھ چوس لینے کو حرمت کا سبب قرار دیتے ہیں اور عقل بھی اس کی متقاضی ہے کہ جس نے ایک مرتبہ بھی دودھ چوس لیا تو گویا اس نے دودھ پی لیا۔ ابوبکر رازی نے کہا ہے کہ دودھ تھوڑا ہو یا بہت حرمت کو ثابت کرتا ہے جس طرح تھوڑا یا بہت کھالینا افطار روزہ کا باعث ہے اور حدیث عائشہؓ جس سے شافعیہ دلیل لاتے ہیں مضطرب ہے۔ لہٰذا مذہب حنفیہ ہی موافق قرآن ہے اور احادیث نبویہ ﷺ و آثار صحابہ و عقل و درایت کے عین مطابق ہے۔

ابوحنیفة عن الحکم عنعراک ابن مالک عن عروة بن الزبیر عن عائشة قالت جآء افلح بن ابی القعیس لیستأذن علی عائشة فاحتجبت منه فقال تحتجبین منی وانا عمک فقالت فکیف ذلک قال ارضعتک امرأة اخی بلبن اخی قالت فذکرت ذلک لرسول الله صلی الله علیه وسلم تدبت

یدلک یا امالمومنین ان اللہ یحرم من الرضاع مایحرم من النسب.

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہا فلح بن ابی القعیس نے ان کے پاس آنے کی اجازت چاہی (آیت حجاب کے نزول کے بعد) تو آپ نے ان سے پردہ کیا۔ اس پر وہ (افلح) بولے کہ کیا تم مجھ سے پردہ کرتی ہو۔ حالانکہ میں تمہارا (رضاعی) چچا ہوں۔ حضرت عائشہؓ نے کہا یہ کیسے؟ انہوں نے کہا کہ میری بھاوج نے میرے بھائی کا دودھ تم کو پلایا ہے (حضرت عائشہؓ) کہتی ہیں کہ میں نے اس (بات) کا نبی ﷺ سے ذکر کیا آپ نے فرمایا خاک آلود ہوں تمہارے ہاتھ کیا تم اتنا نہیں جانتیں کہ دودھ سے وہی رشتے حرام ہوتے ہیں جو نسب سے ہوتے ہیں (یعنی وہ تمہارے چچا ہی تو ہوئے۔ اگر نسب سے نہیں تو رضاعت سے)۔

ف: اس حدیث سے بھی رضاعت مطلق ثابت ہوتی ہے اور حدیث سابق کی تائید ملتی ہے۔

كتاب الطلاق

(۱۴۳) باب الهزل في الطلاق

ابو حنيفة عن عطاء عن يوسف بن ماهك عن ابي هريرة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ثلثة جدهن جد وهزلهن جد. الطلاق والنكاح والرجعة.

طلاق کے احکام

باب مذاق میں طلاق دینا

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ طلاق نکاح اور رجعت یہ تین چیزیں ایسی ہیں جن میں سنجیدگی اور مسخری ہر دو کا شمار سنجیدگی میں ہے (یعنی ان پر خاص خاص نتائج مرتب ہوتے ہیں اور ان پر احکام لازم آتے ہیں)۔

ف: یعنی جس شخص نے ہنسی مذاق دل لگی میں طلاق دی یا نکاح کیا یا عورت سے رجعت کر لی تو ہر صورت پر اثرات مرتب ہوں گے اور احکام شرعیہ کا اس پر نفاذ ہوگا۔ گویا طلاق واقع ہوگئی اور دوسری صورت میں نکاح ہوگیا اور تیسری صورت میں رجعت شرعاً صحیح مان لی گئی خواہ شوہر کسی قدر عذر کرتا

رہے کہ میں نے یہ سب کچھ مسخری کے طور پر کیا تھا۔میری نظر ان الفاظ کے معانی یا ان کے نتائج پر ہرگز نہ تھی شریعت میں اس کا یہ عذر مسموع نہ ہوگا عقود و تصرفات کا یہ ہی حکم ہے مثلاً بیع ہبہ وغیرہ ان میں مذکورہ بالا ہر سہ اشیاء کو اس لئے بیان کے ساتھ مخصوص فرمایا کہ ان کی اہمیت دیگر تصرفات سے زائد ہے۔

(۱۳۴) باب العدة

ابو حنيفة عن ابى الزبير عن جابر ان النبى صلى الله عليه وسلم قال لسودة حين طلقها اعتدى .

باب۔عدت کا بیان

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے جب حضرت سودہؓ کو طلاق دینے کا ارادہ کیا تو فرمایا عدت کرو۔

ف: یہ امر مختلف فیہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت سودہؓ کو طلاق دے دی تھی اور پھر حضرت سودہؓ کے التماس سے آپ نے رجعت فرمائی۔یا طلاق دی نہیں تھی بلکہ محض ارادہ فرمایا تھا کہ حضرت سودہؓ نے التجا کی۔کہ آپ کے نکاح میں رہیں تو آں جناب ﷺ نے طلاق کا ارادہ ترک فرمایا آخری شق صحیح تر ہے کیونکہ کتب صحاح و سنن میں ﴿لما اراده طلاقها وهبت يومها لعائشة﴾ کے الفاظ ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے طلاق کا ارادہ ہی فرمایا تھا کہ حضرت سودہؓ نے اپنی باری کا دن حضرت عائشہؓ کو بخش دیا۔

مصنف عبدالرزاق میں ہے کہ روایات اس پر دال میں کہ حضرت سودہؓ طلاق سے خوف زدہ ہوئیں تو انہوں نے اپنی باری حضرت عائشہؓ کو بخش دی طبرانی میں بھی ﴿اراد ان يفارقها﴾ کے الفاظ ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ہنوز مفارقت کا ارادہ ہی فرمایا تھا۔لہٰذا اس سے پتہ چلا کہ آنجناب ﷺ نے طلاق نہیں دی تھیں۔بلکہ حضرت سودہؓ نے اس سے قبل ہی اپنی باری حضرت عائشہؓ کو دے دی۔اور ارادہ طلاق کو ترک کرا دیا۔یہ ہی وجہ ہے کہ ملا علی قاری نے حدیث میں طلقہا کے معنی ارادطلاقہا کے کئے ہیں اور ہم نے بھی ترجمہ حدیث میں اسی خیال کو پیش نظر رکھا ہے۔دوسرے رخ میں بیہقی عروہؓ سے مرسل حدیث اس مضمون کی لائے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت سودہؓ کو طلاق دی۔پھر جب آپ ﷺ نماز کے لئے تشریف لے گئے تو حضرت سودہؓ نے آپ کا دامن پکڑ کر عرض کیا کہ مجھ کو مردوں کی حاجت نہیں۔یعنی فطری تقاضوں سے خالی

ہوں۔مگر میرا ارمان ہے کہ حشر میں آپ کی ازواج میں اٹھوں۔اس لئے آنحضرت ﷺ نے رجعت فرمالی۔ابن سعد بھی اسی کے ہم معنی الفاظ سے حدیث لائے ہیں اس میں یہ بھی ہے کہ پھر حضرت سودہؓ نے اپنی باری کا دن اور رات حضرت عائشہؓ کو بخش دی۔

ابو حنيفة عن حماد عن ابراهيم عن الاسود عن عآئشة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لسودة حين طلقها اعتدى .

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب حضرت سودہؓ کو طلاق دینے کا ارادہ فرمایا تو کہا کہ عدت میں بیٹھو۔

ف: اس حدیث سے اس مسئلہ کا بھی ثبوت ملا کہ موطؤۃ مطلقہ کے لئے عدت لازمی ہے۔نہ غیر موطؤۃ کے لئے جس کو حضرت عز اسمہ نے بھی ان الفاظ سے ظاہر فرمایا ہے ﴿فمالکم عليهن من عدة﴾ باقی خصوصی واقعہ کی وضاحت وتشریح حدیث بالا میں گذری۔

(۱۳۹) باب اطلاق فى الحيض

ابو حنيفة عن حماد عن ابراهيم عن رجل عن ابن عمرؓ انه طلق امرأته وهى حائض فعيب ذلک عليه فراجعها فلما طهرت من حيضها طلقها واحتسب بالتطليقة التى كان اوقع عليها وهى حائض .

باب۔حیض کی حالت میں طلاق دینا

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنی عورت (آمنہ بنت غفار) کو طلاق دی جب کہ وہ حائضہ تھیں۔اس بناء پر ان پر عیب والزام لگایا گیا تو انہوں نے رجوع کر لیا پھر جب وہ (ان کی بیوی) حیض سے پاک ہوگئیں تو دوبارہ ان کو طلاق دی اور یہ طلاق بسابقہ طلاق کے ساتھ شمار میں لائی گئی جو وہ ان کو بحالت حیض دے چکے تھے۔

ف: حدیث ذیل سے اس امر کی وضاحت ہوئی کہ حیض کے وقت کی دی ہوئی طلاق لغو نہیں گئی۔بلکہ شمار میں آئی۔اور طلاق مانی گئی۔اس میں ظاہر یہ خارجی اور رافضی اختلاف کرتے ہیں۔روایت سے بھی دلیل لاتے ہیں اور قیاس سے بھی کام لیتے ہیں روایت کے سلسلہ میں ابی الزبیرؓ کی روایت کو جو وہ ابن عمرؓ سے کرتے ہیں اور جو ابوداؤد میں نقل ہے پیش نظر رکھتے ہیں کہ اس میں ﴿لم يرها شيئا﴾ کے الفاظ زائد ہیں گویا اس کو کچھ نہیں جانا۔اور اس طلاق کو شمار میں نہیں لیا اور قیاس آرائی یہ کرتے ہیں کہ حیض کے وقت کی طلاق حرام وناجائز ہے اور جب حرام وناجائز ہوئی تو

کیوں مانی جائے گی۔اور شمار میں کس طرح آئے گی۔اس کا جواب یہ ہے کہ روایت ابی الزبیر میں ﴿لم یرھا شیئا﴾ کے ٹکڑے کے غیر محفوظ ہونے پر تمام ناقدین حدیث وحافظین روایات کا اتفاق ہے کیونکہ ابن عمرؓ کے دوسرے شاگردوں سے جو ابی الزبیر سے کہیں زیادہ ثقہ ہیں اور قابل اعتبار یہ ہرگز نقل نہیں بلکہ اس کے خلاف نقل ہے مثلاً حدیث ذیل ہی میں۔پھر یہ کس قدر موٹی بات ہے کہ تمام روایات میں حتیٰ کہ ابی الزبیر کی روایت میں رجوع کرنے کا حکم ہے۔اور رجعت طلاق کے بعد ہوتی ہے۔اگر طلاق واقعہ نہیں ہوئی تو رجوع کرنا کیسا۔یا ممکن ہے ﴿لم یرھا شیئا﴾ کے یہ معنی ہوں کہ اس طلاق کو ٹھیک عمل اور ایک مناسب فعل نہیں جانا نہ یہ کہ یہ طلاق ہی نہیں ہوئی۔دوسرے ان کی قیاس آرائی بھی غلط ہے۔کیونکہ یہ کیا ضرور ہے کہ جو چیز حرام وناجائز ہو وہ صحیح بھی نہ ہو اور اس پر احکام مرتب نہ ہوں۔مثلاً غصب کی ہوئی زمین پر نماز ناجائز ہے۔مگر پھر بھی صحیح ہے۔

(۱۳۶) باب حرمة اللعب بالطلاق

ابوحنیفة عنابی اسحق عن ابی بردة عن ابیه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ما بال قوم یلعبون بحدود الله یقولون قد طلقتک قد راجعتک.

باب۔طلاق دینے میں دل لگی کرنا!

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے کہا۔فرمایا رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ اللہ کی حدود کے ساتھ کھیلتے ہیں (ابھی) کہتے ہیں۔میں نے تجھ کو طلاق دی (پھر) کہتے ہیں میں نے رجوع کرلیا۔

ف: لوگ عورتوں کو تنگ کیا کرتے تھے۔طلاق دیتے اور عدت میں رجوع کر لیتے۔پھر طلاق دیتے رجوع کر لیتے۔اور یوں بے چاری عورتوں پر عرصۂ حیات کو تنگ کر رکھا تھا۔لہٰذا شریعت نے اس سلسلہ میں امتناعی احکام صادر فرمائے کہیں ﴿الطلاق مرتان﴾ کا اصول قائم کرکے اس قبیح حرکت سے روکا کہیں ﴿لاتتخذ وایات الله هزوا﴾ سے اس عمل بد کی مذمت فرمائی کہ اللہ کی آیات کے ساتھ ٹھٹھا نہ کرو۔کہیں یوں فرمایا ﴿تلک حدود الله﴾ کہ یہ اللہ کی حدبندیاں ہیں ﴿فلا تعتدوھا﴾ تو انسے آگے نہ بڑھو۔حدیث ذیل بھی اسی سلسلہ احکام کی ایک کڑی ہے۔

(۱۳۷) باب عدم وقوع طلاق المعتوه

ابوحنیفة عن منصور عن الشعبی عن جابر قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لایجوز للمعتوه طلاق ولا بیع ولا شراء.

باب۔ مجنون کی طلاق

حضرت جابر بن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ مجنون کی نہ طلاق جائز ہے (یعنی نافذ ہوتی ہے) نہ خرید وفروخت۔

ف: نسائی اور ابن ماجہ اسی سلسلہ میں حضرت عائشہؓ سے اس مضمون کی مرفوع حدیث لائے ہیں کہ آپ نے فرمایا۔ تین سے قلم اٹھالیا گیا یعنی احکام شرعیہ کی ذمہ داری سے بری ہو گئے' ایک سونے والا جب تک وہ جاگے' دوسرا بچہ جب تک وہ بڑا ہو۔ تیسرا مجنون' تا آنکہ وہ افاقہ پائے اور باہوش ہو۔ حضرت علیؓ سے بھی اس مضمون کی حدیث نقل ہے جس کو ترمذی لائے ہیں۔ لہٰذا ان ہی احادیث کے ماتحت مجنون کی طلاق غیر نافذ ہے البتہ اس کی بیع وشرا موقوف رہتی ہے اور مست اور مجبور کی طلاق احناف کے نزدیک واقع ہوتی ہے اس میں حدیث ﴿رفع عن امتی الخطاء والنسیان وما استکرھوا علیہ﴾ حارج نہیں۔ کیونکہ اول تو وہ ضعیف ہے۔ چنانچہ ابن حجرؒ نے بلوغ المرام میں اس پر تصریح کی ہے پھر ممکن ہے یہ مراد ہو کہ اخروی ذمہ داری اٹھالی گئی یہ نہیں کہ فعل مع اپنے احکام کے لغو ثابت ہو مثلاً اگر جماع پر مجبور کیا گیا تو گو آخرت کی ذمہ داری سے چھٹ جائے گا مگر غسل اس پر واجب ہوگا اس کا حج وروزہ فاسد ہوگا۔ اور اسی طرح کی مثالیں شریعت میں بہت مل سکتی ہیں۔

(۱۳۸) باب عدم الطلاق بمجرد التخییر

ابو حنیفة عن حماد عن ابراهیم عن الاسود عن عائشة خیرنا رسول الله صلی الله علیه وسلم فاخترناه فلم یعد ذلک طلاقا

باب۔ عورت کو محض اختیار دیدینے سے طلاق نہیں ہوتی

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو اختیار دیا (طلاق لے لینے کا) تو ہم نے آپ کو اختیار کر لیا (گویا طلاق نہ لی) تو یہ صورت طلاق میں شمار نہیں ہوئی۔

ف: اس حدیث سے یہ بات منکشف ہوئی کہ اگر شوہر اپنی بیوی کو طلاق لینے کا اختیار دے اور وہ اپنے نفس کو طلاق دے تو طلاق ہوئی ورنہ اگر وہ بجائے طلاق لینے کے شوہر کو پسند کرلے تو کچھ بھی نہیں۔ شوہر کی طرف سے محض ایسا اختیار مل جانا طلاق کے حکم میں نہیں۔

(۱۳۹) باب خیار العتق

ابو حنیفة عن حماد عن ابراهیم عن الاسود عن عائشة انها اعتقت بریرة

ولها زوج مولى لآلى ابى احمد فخير هارسول الله صلى الله عليه وسلم فاختارت نفسها فرق بينهما وكان زوجها حرا .

باب۔ منکوحہ باندی کو آزاد ہونے کے بعد اختیار ہے کہ وہ خاوند کے ساتھ رہنا پسند کرے یا علیحدگی اختیار کرلے۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے بریرہ (چھوکری) کو آزاد کیا جس کا خاوند آل ابی احمد کا آزاد کردہ غلام تھا۔تو رسول اللہ ﷺ نے اس (بریرہ) کو اختیار دیا (کہ وہ اپنے شوہر کے نکاح میں رہے یا اس سے علیحدگی اختیار کرلے) چنانچہ اس نے علیحدگی چاہی تو آپ ﷺ نے انکے درمیان تفریق کرادی۔ حالانکہ اس کا شوہر آزاد تھا۔

ف: حدیث ذیل ایک اختلافی امر میں شافعیہ اور مالکیہ کے خلاف حجت ہے۔صورت اختلاف کی یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک چھوکری کو مذکورہ خیار عتق حاصل ہے۔خواہ اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام امام شافعیؒ و مالکؒ کے نزدیک یہ خیار محض اس وقت ہے کہ باندی کا خاوند غلام ہو۔یہاں یہ سوال ہے کہ بریرہؓ کا شوہر غلام تھا یا آزاد حدیث ذیل چونکہ آزادی پر دال ہے اس لئے یہ ان کے خلاف حجت ہے۔دراصل ابن عباسؓ سے تو یہی مروی ہے کہ یہ آزاد تھا۔اور حضرت عائشہؓ سے دو طریق سے اس کی روایت ہے ایک اسود کے واسطہ سے دوسری عروۃ القاسم کے واسطہ سے اسود کی روایت اس کے آزاد ہونے کو ہی ثابت کرتی ہے اور عروہ سے بھی دو روایات ہیں ایک سے اس کا آزاد ہونا معلوم ہوتا ہے۔دوسری سے اس میں شک کا پتہ چلتا ہے۔لہٰذا ان حالات میں اس کی آزادی کا وثوق ہوا اور یہ خفیف سا شک جو عروہ کی ایک روایت ظاہر کرتی ہے وہ کالعدم ثابت ہوا۔

باب طلاق الامة

ابوحنيفة عن عطية عن ابن عمرؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم طلق الامة اثنتان وعدتها حيضتان .

باب۔باندی کی طلاق

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا طلاق باندی کی دو ہیں اور اس کی عدت دو حیض۔

ف: یہ حدیث دو امور اختلافیہ میں شافعیہ و مالکیہ کے خلاف حنفیہ کے لئے قوی حجت ہے اور

مسکت دلیل اول یہ کہ تعداد طلاق کا دارومدار عورتوں پر ہے یا مردوں پر دوسرے یہ کہ عدت حیض سے ہے یا طہر سے حنفیہ ہر دو امور میں پہلی شق کے قائل ہیں اور شافعیہ مالکیہ دوسری شق کے یعنی امر طلاق میں اگر شوہر مثلاً غلام ہو اور عورت آزاد تو حنفیہ کے نزدیک وہ عورت تین طلاقوں میں اس پر حرام ہوگی اور شافعیہ کے نزدیک دو ہی میں اسی طرح اگر شوہر آزاد ہو اور عورت چھوکری تو اس کے برخلاف حنفیہ کے نزدیک دو ہی طلاقوں میں وہ عورت شوہر پر حرام ہو جائے گی اور شافعیہ و مالکیہ کے نزدیک تین میں امر طلاق میں شافعیہ کی حجت ایک حدیث ہے جس کے الفاظ یہ ہیں ﴿الطلاق بالرجال والعدۃ بالنساء﴾ کہ طلاق مردوں کے لحاظ سے ہے اور عدت عورتوں کے لحاظ سے احناف کی زبردست حجت یہ ہی ذیل کی مرفوع حدیث ہے جو صاف الفاظ میں بتاتی ہے کہ طلاقکی تعداد میں عورتوں کا اعتبار ہے نہ مردوں کا۔ اب ذرا ہر دو فریق کے استدلالی پہلو کی پختگی و معقولیت کا اندازہ لگایئے اور انصاف کیجئے کہ از روئے روایات کس کا خیال پختہ ہے ان کی حدیث کسی صحیح یا حسن طریق و سند سے مرفوع مروی نہیں بلکہ موقوف ہے۔ حافظ ابوالفرج ابن جوزیؒ کے قول کے مطابق یہ ابن عباس پر موقوف ہے بعض کے نزدیک یہ زید بن ثابت کا قول ہے حنفیہ کے پاس حدیث ذیل مرفوع موجود ہے جس کو ابوداؤد ترمذی دارمی' ابن ماجہ ابن جریج کے طریق سے لائے ہیں اور وہ مظاہر ابن اسلم سے روایت کرتے ہیں وہ قاسم سے وہ عائشہ سے لہٰذا محض صحابیؓ کے قول کے مقابلہ میں حدیث صحیح مرفوع ہی قابل ترجیح ہے اگر کہیں احناف کے پاس قول صحابیؓ ہوتا اور ان کے پاس مرفوع حدیث تو اس قدر زور باندھتے کہ مخالف بے حقیقت نظر آتا۔ مگر اس موقعہ پر ان لوگوں نے اپنا پرانا حربہ استعمال کیا اور روایت کی سند پر طول طویل کلام کیا۔ ابوداؤد نے کہا کہ یہ حدیث مجہول ہے۔ ترمذی ایک طرف سے بولے کہ علم میں مظاہر سے یہ ہی حدیث معروف ہے۔ ذہبی نے میزان میں کہا کہ ابی عاصم النبیل یحییٰ بن معین ابی حاتم الرازی اور بخاری نے اس کو ضعیف بتایا ہے مگر ساتھ ساتھ کہا کہ ابن حبان نے اس کو توثیق کی ہے اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ ابن حبان کی توثیق تو خود ذہبی نے نقل کی ہے اور حاکم ابن عباسؓ سے یہ حدیث لائے ہیں اور کہا ہے کہ یہ حدیث اگرچہ صحیح ہے مگر شیخین نہیں لائے پھر حدیث عائشہؓ نقل کر کے کہتے ہیں کہ مظاہر ابن اسلم بصرہ کے ایک شیخ ہیں ہمارے سابقہ مشائخ میں سے کسی نے بھی ان پر جرح نہیں کی۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ کسی نے مظاہر کو وضاع کذاب نہیں کہا نہ حفظ و ضبط یا ان کی عدالت میں کوئی خامی نکالی۔ جہالت کا سوال جو ابوداؤد نے اٹھایا ہے اور جس کی طرف کلام ترمذی بھی مشیر ہے تو یہ سوال یوں دور ہوتا ہے کہ

جہالت راوی یہ ہے کہ ایک سے زائد اس سے کوئی روایت کرنے والا نہ ہو۔ یہاں ایسا نہیں مظاہر سے ابن جریج۔ ثوری ابو عاصم نے روایتیں کی ہیں۔ ابن عدی ان کے واسطہ سے ابو ہریرہؓ سے روایت لائے ہیں آنحضرت ﷺ ہررات آل عمران کی آخری دس آیات پڑھا کرتے تھے تو اب مظاہر میں جہالت کب رہی اور یوں بلاوجہ مذہب کو کمزور دکھانے کے لئے مبہم جرح مسموع نہیں ہوتی پھر بعض صورت میں شافعیہ کا مذہب بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے چنانچہ ایک مرتبہ عیسیٰ بن ابان نے خود امام شافعیؒ کو ایک پرلطف پیرایہ میں ایسا قائل کیا کہ ان سے کوئی جواب بن نہ آیا عیسیٰ نے ان سے پوچھا کہ اگر شوہر آزاد ہو اور اس کی عورت باندی مدخول بہا اور شوہر طلاق سنت دینی چاہے تو کیا کرے؟ امام موصوف نے فرمایا کہ طہر میں طلاق دے پھر حیض سے پاک ہو کر دوسرے طہر میں اور کہنا ہی چاہتے تھے کہ حیض سے پاک ہو کر پھر تیسرے طہر میں کہ عیسیٰ نے کہا کہ بس حضرت رُک جایئے اب طلاق کیسی کہ عدت تو ختم ہوئی کیونکہ عدت تو ان کے نزدیک بھی عورت کے لحاظ سے ہوتی ہے ۔امام محمدؒ یہاں آیت قرآنی سے ایک لطیف استدلال کرتے ہیں کہ قرآن میں ﴿فطلقوهن لعدتهن﴾ ہے کہ ان کو طلاق دو ان کی عدت کے لئے گویا طلاق عدت کی رو سے دو' مثلاً اگر شوہر غلام ہے اور اس کی بیوی آزاد تو بلحاظ اجماع اس کی عدت تین قروء ہیں تو لامحالہ اس کی طلاق بھی بلحاظ عدت دو ہی ہوں گی۔ یہ ساری مسئلہ طلاق پر بحث تھی۔ اب لیجئے عدت کا مسئلہ تو اس میں شافعی و مالکیہ حضرت عائشہ زید بن ثابتؓ اور ابن عمرؓ کا قول پیش کرتے ہیں مگر درحقیقت بعد تحقیق ان کے پاس حضرت عائشہؓ کا ہی قول رہ جاتا ہے کیونکہ زید بن ثابت اور ابن عمرؓ سے طحاوی کے نزدیک اس کے خلاف روایت ثابت ہے۔ ادھر احناف کی طرف خلفائے اربعہ ابی ابن کعب معاذ بن جبل ابی الدرداء عبادہ بن صامت' ابو موسیٰ اشعری وغیرہ ہیں پھر طاؤس عطاء ابن المسیب سعید بن جبیر۔ مجاہد حسن بصری ثوری اوزاعی وغیرہ بھی اس کے قائل ہیں اور امام احمد نے بھی اسی طرف رجوع کرلیا مذہب احناف پر قرآن و حدیث شاہد ہیں اور عقل و درایت بھی قرآن اس طرح کہ فرمایا ﴿واللائی یئسن من المحیض﴾ کہ جو حیض سے مایوس ہو جائیں اس سے صاف اشارہ فرمایا کہ قروء سے مراد حیض ہے۔ پھر عدت کے لئے ثلاثۃ قروء کا لفظ استعمال فرمایا گویا جمع کی شکل میں یعنی کم از کم مکمل تین طہر اور جمع کی یہ صورت ممکن نہیں جب کہ طلاق طہر میں دی جائے جیسا کہ وہ سنت ہے کیونکہ باقی کے دو طہروں میں عدت ختم ہوگی تو پہلا طہر تو ناقص ہی رہا پورا طہر کب شمار ہوا۔ اور حقیقت میں دو طہر مکمل شمار میں آئے۔ اور قروء سے حیض مراد لینے کی صورت میں یہ خلش نہیں کہ اس صورت میں مکمل

تین حیض ہو سکتے ہیں۔ احادیث میں حدیث ذیل زبردست حجت ہے اور چونکہ برائت رحم کا صحیح علم حیض ہی سے ہوتا ہے اس لئے عقل و درایت کا بھی تقاضہ یہی ہے کہ عدت حیض کے ساتھ ہی شمار کی جائے۔

(۱۴۲) باب النفقة والسكنى للمبتوتة

ابو حنيفة عن حماد عن ابراهيم عن الاسود قال قال عمر بن الخطاب لا ندع كتاب ربنا وسنة نبينا صلى الله عليه وسلم بقول امرأة لاندري صدقت ام كذبت المطلقة ثلثا لها السكنى والنفقة

باب۔ تین طلاق دی ہوئی عورت کے لئے مکان اور نفقہ کا ثبوت

حضرت عمر بن الخطاب ؓ نے کہا کہ ہم نہیں چھوڑیں گے اپنے رب کی کتاب کو اور اپنے نبی ﷺ کی سنت کو ایک عورت کے کہنے سے کہ ہم نہیں جانتے کہ سچ کہتی ہیں یا جھوٹ تین طلاق دی ہوئی عورت کے لئے جائے رہائش بھی ہے اور خرچ بھی۔

ف: عورت سے مراد فاطمہ بنت قیس بن خالد القرشی ہے جو ضحاک کی بہن ہیں اور مہاجر عورتوں میں سے ہیں یہ حدیث اس بحث کو سامنے لاتی ہے کہ تین طلاق دی ہوئی عورت کے لئے سکنی اور نفقہ ہے یا نہیں امام ابو حنیفہؒ ﴿سکنی﴾ اور نفقہ ہر دو اس کے لئے مانتے ہیں۔ امام احمدؒ اس کے لئے نہ سکنی مانتے ہیں نہ نفقہ۔ امام شافعیؒ و مالکؒ اس کے لئے ﴿سکنی﴾ مانتے ہیں نہ نفقہ۔ مذہب حنابلہ کی دلیل حدیث فاطمہ ہے جو کتب صحاح میں نقل ہے اور جس کی رو سے مطلقہ ثلاثہ کے لئے نہ سکنی ہے نہ نفقہ کیونکہ وہ کہتی ہیں مجھ کو میرے خاوند نے طلاق دی تو میں نے نبی ﷺ سے پوچھا آپ ﷺ نے میرے لئے سکنی اور نفقہ ہر دو تجویز نہیں فرمائے۔ شافعیہ و مالکیہ اس کے لئے سکنی تو اس آیت قرآنی کی تحت مانتے ہیں کہ فرمایا ﴿اسكنوهن من حيث سكنتم﴾ کہ جہاں تم رہو ان کو بھی رکھو۔ اور حدیث فاطمہ مذکور کے پیش نظر اس کے لئے نفقہ کے قائل نہیں ہیں۔ مذہب حنفیہ کے ثبوت پر اول قرآن کی صریح آیات دال ہیں کہ در بارہ ﴿سکنی﴾ فرمایا ﴿ولا تخرجوهن من بيوتهن﴾ کہ ان کو ان کے گھروں سے نکالو یہ ارشاد ہوا ﴿اسكنوهن من حيث سكنتم﴾ کہ جہاں تم رہو ان کو بھی رکھو۔ اور بسلسلہ نفقہ ارشاد ہوا ﴿وللمطلقات متاع بالمعروف﴾ کہ طلاق دی ہوئی عورتوں کے لئے فائدہ دینا ہے اچھی طرح یا فرمایا ﴿لينفق ذو سعة من سعته﴾ کہ کشائش والے کو چاہئے کہ اپنی کشائش سے خرچ کرے یا کہا ﴿وعلى

المولود له رزقهن و كسوتهن ﴾ اور اس پر جس کی اولاد ہے ان کا کھانا اور کپڑا ہے۔ روایت کے میدان میں مذہب حنفیہ کی زبردست دلیل اور قوی حجت حضرت عمرؓ کی حدیث ذیل ہے جو دیگر کتب صحاح میں بھی مذکور ہے اور جس میں آپ سخت پیرایہ میں حدیث فاطمہ کی تردید کرتے ہیں کہ ایک وہ عورت جس کی سچائی اور جھوٹ کا کچھ علم نہیں ہم اس کے قول سے فرمان خداوندی اور سنت نبوی ﷺ کو کس طرح چھوڑ دیں۔ حقیقت میں حضرت عمرؓ کی شان عظمت و وجاہت علمی کو دیکھ کر حدیث فاطمہ کو کمزور ثابت کرنے کے لئے یہ ہی حدیث عمرؓ کافی ہے اور بس حضرت عمرؓ کے الفاظ رفع حدیث کے مرادف ہیں کہ گویا وہ اس حدیث کو مرفوع روایت کرتے ہیں کیونکہ اصول حدیث میں یہ طے شدہ بات ہے کہ صحابیؓ کا یہ کہنا کہ یہ ہمارے نبی کی سنت ہے اس حدیث کا عین رفع ہے۔ پھر ان سے ابراہیم واسطہ سے یہ مرفوع بھی ثابت ہے طحاوی اور دار قطنی سے یہ زیادتی بھی ثابت ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے آں حضرت ﷺ کو یہ کہتے سنا کہ مطلقہ ثلاثہ کے لئے ﴿سکنی﴾ اور نفقہ ہے اسی طرح ابن مسعودؓ اسامہؓ اور عائشہؓ سے بھی حدیث فاطمہ کی تردید ثابت ہے۔ حضرت عائشہؓ سے خود مسلم میں نہایت صاف الفاظ میں مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ فاطمہ کے لئے کوئی بھلائی نہیں ہے کہ ایسے الفاظ نقل کرتی ہے۔ بخاری میں یوں ہے کہ آپ فرماتی ہیں کہ کیا فاطمہ خدا سے نہیں ڈرتی کہ ایسی بات کہتی ہے۔ حضرت عائشہؓ کے تبحر علمی کو ایک طرف سامنے رکھئے دوسری طرف ان کی سخت تردید کو۔ سعید بن مسیب کہتے ہیں کہ اس عورت نے لوگوں کو فتنہ میں ڈال دیا۔ یہ وہ تابعی ہیں جو عائشہؓ کے معاصر ہیں معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس کے خلاف صحابہؓ کا اتفاق پایا مسلم میں ہے کہ مروان نے کہا کہ ہم اس عورت کے کہنے سے اس مضبوط بات کو نہیں چھوڑ سکتے جس پر ہم نے لوگوں کو پایا ہے۔ لوگ کون صحابہؓ تو یہ اجماع صحابہ نہیں تو کیا ہے۔ دوسری روایات بھی دال ہیں کہ مطلقہ کے لئے سکنی ونفقہ ہے طبرانی میں ابراہیم کے واسطہ سے ابن مسعود وعمرؓ سے روایت ہے کہ ہر دو اصحاب نے مطلقہ ثلثہ کے لئے سکنی ونفقہ تسلیم کیا دار قطنی میں حضرت جابرؓ سے ایسی ہی روایت ہے۔ مسلم وابوداؤد میں حجۃ الوداع کے سلسلہ میں حضرت جابر سے طویل حدیث ہے جس میں ہے ﴿وان لهن عليكم نفقتهن و كسوتهن ﴾ کہ انکے لئے تم پر خرچ ہے اور کپڑا۔ تو گویا حدیث فاطمہ سے اور روایات صحیحہ بھی متعارض ہوئیں پھر حدیث فاطمہ میں سخت اضطراب ہے جو اس کو کمزور بناتا ہے کیونکہ اضطراب حدیث کے ضعف پر سب سے بڑی نشانی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کے شوہر نے اس کو غائبانہ طلاق دی تھی۔ بعض کے نزدیک وہ طلاق دے کر سفر کو گیا تھا

۔ایک قول ہے کہ وہ خود آنحضرت ﷺ سے پوچھنے گئی تھی۔ دوسرا قول ہے کہ چند لوگ گئے تھے
۔ایک خیال ہے کہ اس کا شوہر ابو عمرو بن حفص تھا۔ دوسرا خیال ہے کہ اس کا خاوند ابو حفص بن مغیرہ تھا
۔علاوہ ازیں اگر تھوڑی دیر کے لئے اس کو صحیح تسلیم کر لیں تو ماننا پڑے گا کہ آنحضرت ﷺ کا یہ حکم
کسی خاص عذر کی بنا پر تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ زبان دراز تھی اس لئے اس کو جائے رہائش سے محروم
کیا گیا کیونکہ اس کا یہ عیب شارع کے نزدیک اس کے نکالنے سے زیادہ سنگین تھا۔ بعض کا خیال ہے
کہ اس کی بدخلقی کی وجہ سے ایسا کیا گیا۔ نفقہ کے بارہ میں یہ ہے کہ اس کا شوہر غائب تھا۔ اس نے
شوہر کے متعلقین سے نفقہ کا مطالبہ کیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم پر تیرا کوئی نفقہ نہیں۔ یہ ہی فیصلہ
آنحضرت ﷺ نے صادر فرمایا کہ چونکہ اس کے شوہر نے کوئی مال نہیں چھوڑا اس لئے اس کا نفقہ
وسکنی اس کے شوہر کے متعلقین پر واجب نہیں۔ فاطمہ نے اس خصوصی حال پر غور نہیں کیا اور اس نے
بے سوچے سمجھے عمومی پیرایہ میں روایت کی کہ نبی ﷺ نے مطلقہ کے لئے نفقہ و ﴿سکنی﴾ نہیں
رکھا۔ لوگ اسی مطلق انکار پر چل پڑے۔ لہٰذا اس بحث کے اختتام پر ماننا پڑے گا کہ حدیث فاطمہ
بغیر ان تاویلات کے قابل قبول نہیں قرآن پکار پکار کر اس کی تردید کر رہا ہے۔ کبار صحابہؓ اس کو بے
بنیاد ثابت کر رہے ہیں۔ روایات صحیحہ اس کے معارض ہیں۔ اضطراب اس میں موجود ہے۔ کمزوری
وضعف کے ثبوت میں اور کیا چاہیے اسی بنا پر ان مذاہب کی پختگی واستحکام کا خود بخود اندازہ لگا لیجئے جو
اپنے مذہب کی بناء فاطمہ کی حدیث پر رکھتے ہیں۔ کہ ایسے مذاہب کہاں تک قابل اعتناء ہیں۔ اسی
لئے ہم ان کی تردید چھوڑتے ہیں۔ اب کون ظالم یہ کہہ سکتا ہے کہ حنفی صحیح حدیث کی مخالفت کرتے
ہیں اور ان کے مذہب کی بناء محض قیاس پر ہے نعوذ باللہ ایسا کہنا انصاف کا سراسر خون کرنا ہے اور حق پر
پردہ ڈالنا۔ بلکہ اپنی جہالت کا خود اپنی زبان سے اقرار کرنا ہے کیا یہاں مثلاً حنفی فاطمہ کی حدیث کو
مان لیں اور اپنے مذہب کی بنا اس پر رکھیں حنفی واقعی ایسی احادیث کو نظر انداز کرتے ہیں اور نا منصفوں
کی نظروں میں مجرم ٹھہرتے ہیں۔ ﴿فاعتبروا یااولی الابصار﴾۔

(۱۴۲) باب عدة المتوفى عنها زوجها

ابو حنيفة عن حماد عن ابراهيم عن الاسود ان سبيعة بنت الحارث الاسلمية
مات عنها زوجها وهي حامل فمكثت خمسا وعشرين ليلة ثم وضعت
فمر بها ابو السنابل بن بعلك فقال تشوفت تريدين الباءة كلا والله انه
البعد الاجلين فاتت النبي صلى الله عليه وسلم فذكرت ذلك له فقال

کذب اذا حضر فاذنیني .

باب۔اس عورت کی عدت جس کا خاوند مر گیا ہو

اسود سے روایت ہے کہ سبیعہ اسلمیہ حارث کی بیٹی کا خاوند مر گیا۔ جب کہ وہ حاملہ تھی۔ پس پچیس روز گذرنے پر زچگی ہوئی اتفاق سے ابوالسنابل بن بعلک اس کے پاس آیا اور (اس کو دیکھ کر) کہا تو بنی سنور بیٹھی ہے کیا تیرا نکاح کا ارادہ ہے ہرگز نہیں قسم اللہ کی تیری عدت لمبی مدت سے ہے (یعنی اگر حاملہ کا خاوند مر جائے اور چار مہینہ دس دن سے پہلے وضع حمل ہو تو اس کی عدت چار مہینہ دس دن ہوگی۔ اور اگر یہ مدت گذر جائے اور وضع حمل نہ ہو تو عدت وضع حمل ہوگی) سبیعہ یہ سن کر نبی ﷺ کے پاس آئی اور آپ سے اس کا ذکر کیا آپ نے فرمایا کہ اس نے غلط کہا۔ جب وہ آئے تو مجھ کو خبر کرنا (تا کہ اس کو صحیح بات کو فہمائش کروں)

ف: یہ ائمہ اربعہ کا اتفاقی مسئلہ ہے اور سلف و خلف اس پر متفق الرائے ہیں کہ جس حاملہ عورت کا خاوند مر جائے اس کی عدت وضع حمل ہے اس میں خلاف صرف حضرت علیؓ سے ایک منقطع طریق سے مروی ہے۔ اور حضرت ابن عباسؓ سے صحیح طریق سے لیکن آپ نے اپنے خیال سے رجوع فرمالیا۔ جیسا کہ عبدالبر نے اس پر تصریح کی ہے البتہ اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ عورت نفاس ختم ہونے سے پہلے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں مسلم ونسائی کی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ جمہور علماء پہلی شق کے قائل ہیں۔ البتہ شوہر کو چاہئے کہ خون نفاس کے رکنے سے پہلے قربت نہ کرے۔

(۱۴۳) باب نسخ عدة الوفاة في البقرة

ابوحنيفة عن حماد عن ابراهيم عن علقمة عن عبد الله قال من شاء باهلته ان سورة النساء القصري نزلت بعد الطولي .

وفي رواية عن عبد الله بن مسعود عن النبي صلى الله عليه وسلم قال نسخت سورة النسآء القصرى كل عدد اولات احمال اجلهن ان يضعن جملهن .

باب۔عدت وفات کا حکم سورۂ بقرہ اور سورۂ طلاق میں

حضرت عبداللہ کہتے ہیں کہ جو چاہے میں اس سے مباہلہ کرتا ہوں کہ چھوٹی سورۃ نساء (سورۃ طلاق) لمبی سورۃ (سورۂ بقرہ) کے بعد اتری ہے۔

ایک روایت میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے یوں روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ

چھوٹی سورۂ نساء نے حاملہ کی سب عدتوں کو منسوخ کر دیا (یعنی) حمل والیوں کی عدت یہ ہے کہ وہ بچہ جنیں۔

ف: مسئلہ کی مزید وضاحت یہ ہے کہ سورۂ بقرہ میں آیت وارد ہے ﴿والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا یتربصن بانفسھن اربعة اشھر وعشرا﴾ کہ تم میں جو مر جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں تو (بیویاں) روکے رکھیں اپنے نفسوں کو چار ماہ دس دن تک۔ اس آیت کے عموم کے ماتحت ہر اس عورت کے عدت چار ماہ دس دن کی قرار پاتی ہے جس کا خاوند مر جائے خواہ وہ حاملہ ہو یا غیر حاملہ پھر سورۂ طلاق میں یوں وارد ہے ﴿واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن﴾ کہ حمل والیوں کی مدت (عدت) یہ ہے کہ وہ اپنے بچہ کو جن لیں۔ تو اس آیت کی رو سے عدت حاملہ کی خواہ اس کا خاوند مرا ہو وضع حمل سے ثابت ہوتی ہے چاہے کم سے کم مدت میں وضع حمل ہوا ہو۔ لہٰذا حضرت علیؓ سے ہر دو آیات کو جمع کرنے کیلئے احتیاط کی صورت مروی ہے یعنی ابعد الاجلین پر عمل کرنا چاہئے کہ اگر وضع حمل چار ماہ دس دن کے بعد ہو تو وضع حمل سے عدت ختم ہو گی اور اگر پہلے تو چار ماہ دس دن کے بعد شافعیہ بھی اس میں گڑ بڑائے ہیں کہ آیت بقرہ کو حدیث سبعیہ سے مخصوص مانیں یا منسوخ تایا کیا؟ مگر احناف کے نزدیک سبعیہ کی حدیث سے یہ آیت بقرہ نہ مخصوص ہو سکتی ہے نہ منسوخ کیونکہ خبر واحد آیت کے لئے نہ مخصص بن سکتی ہے اور نہ ناسخ البتہ سورۂ طلاق کی آیت ﴿واولات الاحمال﴾ سے آیت بقرہ کا نسخ مانتے ہیں کیونکہ حدیث ذیل عبداللہ بن مسعود اس پر صراحتہً دال ہے اور ثابت کرتی ہے کہ سورۂ طلاق کی آیت نزول میں متاخر ہے تو اس کی نسخ ہوئی گویا تاریخ کا پتہ خبر واحد سے چلتا ہے مگر آیت بقرہ کا نسخ آیت طلاق سے ہے نہ خبر واحد سے معجم طبرانی میں حضرت ابی سے روایت ہے کہ انہوں نے آں حضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ (اولات الاحمال) کی آیت تین طلاقوں والی عورت کے لئے ہے یا اس کے لئے جس کا شوہر مر چکا ہو آپ نے فرمایا کہ ہر دو کے لئے خلاصہ یہ کہ حاملہ کی مدت آیۂ طلاق سے وضع حمل متعین ہو گئی چاہے شوہر کی وفات کے ایک ساعت بعد ہی وضع حمل ہوا ہو۔ موطا امام مالکؒ میں حضرت عمرؓ کا یہ قول نقل ہے کہ اگر حاملہ عورت نے بچہ ایسے وقت جنا کہ اس کے شوہر کی لاش ابھی تختہ پر ہے وہ دفن نہیں ہوئی۔ تب بھی اس کی عدت ختم ہو گئی۔

(۱۴۴) باب فی المرأة توفی عنها زوجها ولم یفرض لها صداق ولم یدخل بها

ابوحنیفة عن حماد عن ابراهیم عن علقمة عن عبد الله بن مسعودؓ فی المرأة توفی عنها زوجها ولم یفرض لها صداقا ولم یکن دخل بها صدقة نسائها ولها المیراث وعلیها العدة فقال معقل بن سنان الاشجعی اشهد ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قضی فی بروع بنت واشق مثل ماقضیت .

باب۔ایسی عورت کہ جس کا شوہر مر گیا ہو لیکن نہ اس کا مہر مقرر ہوا اور نہ اس کے شوہر نے اس کے ساتھ وطی کی ہو۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ اس عورت کے لئے جس کا خاوند مر گیا ہو اور نہ اس کا مہر مقرر ہوا ہو۔نہ اس کے ساتھ اس کے خاوند نے وطی کی ہو مہر مثل ہے۔اور اس کے لئے میراث ہے اور اس پر عدت وفات بھی واجب ہے اس پر معقل بن سنان اشجعی بولے میں ہیں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے واشق کی بیٹی بروع کے بارہ میں تمہارے فیصلہ کے مانند فیصلہ صادر فرمایا۔

ف: حضرت علیؓ سے اس مسئلہ میں خلاف منقول ہے کہ وہ ایسی عورت کے لئے مہر نہیں مانتے۔کیونکہ اس کے ساتھ خلوت صحیحہ نہیں ہوئی۔مگر ان کا یہ مذہب بروایت صحیح منقول نہیں۔ادھر عبد اللہ بن مسعودؓ کی حدیث صحیح طرق سے مروی ہے۔ترمذی نے اس کو حسن صحیح کہا ہے۔پھر معقل حضرت عبداللہ کی رائے پر حدیث مرفوع سے شہادت پیش کرتے ہیں۔بلکہ اشجع کے بہت سے لوگ بھی یہ ہی شہادت دیتے ہیں جن میں جراح اور ابوسنان بھی ہیں چنانچہ ابوداؤد کی روایت سے جو بطریق قتادہ مروی ہے صاف آشکارا ہے۔لہٰذا حضرت عبداللہؓ نے جب یہ شہادت سنی تو بہت ہی خوش ہوئے کہ آپ کی رائے آنحضرت ﷺ کے فیصلہ سے مل گئی تو اب اس کی صحت میں کوئی شبہ ہی باقی نہ رہا۔حضرت شافعیؒ سے اس بارہ میں دو روایات نقل ہیں ایک حضرت علیؓ کی موافقت میں دوسری حضرت عبداللہ کی پیروی میں بلکہ یوں منقول ہے کہ مصر میں حضرت شافعیؒ نے حدیث عبداللہ بن مسعودؓ کی موافقت میں اپنی رائے ظاہر کی۔

(۱۴۵) باب فی الایلاء بالکلام

حَمَّادٌ عَنْ اَبِیْ حَنِیْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ فِی الْمُوْلِیْ فَیْئَةُ الْجِمَاعُ اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ لَهٗ عُذْرٌ فَفَیْئَتُهٗ بِاللِّسَانِ .

باب۔ایلاء سے رجوع کرنا

علقمہ سے روایت ہے کہ مولی (ایلاء کرنے والے) کا رجوع جماع کرنا ہے۔ مگر یہ کہ اس کو کوئی عذر ہو (جو اس کو جماع سے باز رکھے۔ مثلاً یہ کہ مرد یا عورت کو بیماری لاحق ہو یا عورت کا مقام مرد کو معلوم نہ ہو۔ یا ان کے درمیان چار ماہ کی مسافت ہو یا مرد عنین یا مقطوع الذکر ہو یا عورت کسی اور دیگر جسمانی نقصان کی وجہ سے نا قابل جماع ہو وغیرہ وغیرہ) تو ایسی صورت میں اس کا رجوع زبان سے ہے۔

ف: ایلاء کی شکل یہ ہے کہ ایک شخص قسم کھالے کہ میں اپنی بیوی کے پاس چار ماہ یا اس سے زائد مدت تک نہیں جاؤنگا تو یہ مولی ہوا۔ اور اس کا یہ فعل ایلاء ہے۔ اس کے بارہ میں قرآن کی یہ آیت وارد ہے ﴿للذین یولون من نسائھم الایۃ﴾ اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اس نے اس مدت میں وطی کر لی تو یہ حانث ہوا اور اس پر کفارہ یمین واجب ہوا۔ اور ایلاء جاتا رہا۔ اور اگر مدت مبینہ میں وہ بیوی کے پاس نہیں گیا یہاں تک کہ مدت گذر گئی تو اب اس میں شافعیہ مالکیہ حنبلیہ اور حنفیہ کے مابین اختلاف ہے مذکور الصدر مذاہب کی رو سے مدت گذر جانے پر اس کو حاکم کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ اور مجبور کیا جائے گا کہ یا وہ طلاق دے یا رجوع کر لے۔ گویا مدت گذر جانے پر بھی مولی کو ان کے نزدیک رجوع کا حق ہے حنفیہ کے نزدیک مدت گذر جانے پر خود بخود ایک طلاق بائنہ پڑ جائے گی اور پھر اس کو رجوع کا کوئی حق نہ رہے گا مدت کے دوران میں وہ رجوع کر سکتا ہے۔ نہ بعد میں جمہور صحابہؓ کا وہی مسلک ہے جو حنفیہ کا ہے جن میں سے عمر' عثمان' علی' ابن عمر' ابن مسعود' ابن عباسؓ زید بن ثابت وغیرہ حضرات ہیں اکابر تابعین مثلاً عطا' عکرمہ' سعید بن میسب' ابی بکر بن عبدالرحمٰن' مکحول' ابن الحنفیہ' شعبی' نخعی' مسروق وغیرہ بزرگ بھی احناف کے ساتھ متفق القول والرائے ہیں یہ بات بے بنیاد و بے اصل ہے کہ جمہور صحابہؓ حنفیہ کے خلاف ہیں۔ اور روایات صحیحہ ان کی تردید میں۔ بلکہ صحیح تر روایات احناف کے مذہب کی تائید کرتی ہیں۔ چنانچہ عبدالرزاق روایت لائے ہیں کہ عثمان و زید بن ثابت ایلاء میں کہا کرتے تھے کہ جب چار ماہ گذر جائیں تو ایک طلاق ہے اور عورت اپنے نفس کی زیادہ مختار ہے اور وہ مطلقہ سی عدت کرے پھر قتادہ کے واسطہ سے حضرت علیؓ و ابن مسعودؓ ابن عباسؓ سے روایت لائے ہیں جس کے الفاظ یہ ہی ہیں۔ علاوہ ازیں ابن ابی شیبہ ابن عباسؓ و ابن عمرؓ سے روایت لائے ہیں کہ دمت گذر جانے پر ایک طلاق بائنہ ہو جائے گی۔ ان روایات کے رجال شیخین کے رجال ہیں۔ یا ان کی شرط پر اسی طرح قرآن کی آیت بھی اپنے الفاظ سے مذہب حنفیہ کی تائید کرتی ہے جس کو علامہ ابن الہمام نے فتح القدیر میں خوب

واضح فرمایا ہے۔

(۱۴۶) باب الخلع

حماد عن ابیه عن ایوب السختیانی ان امرأة ثابت بن قیس اتت لی رسول الله صلی الله علیه وسلم فقالت لا انا و لا ثابت فقال اتختلعین منه بحد یقته فقالت نعم و از ید قال اما الزیادة فلا .

باب: خلع کا حکم

حضرت ایوب سختیانی سے روایت ہے کہ ثابت بن قیس کی عورت نے آکر رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ نہ میں ثابت کے پاس رہ سکتی ہوں' نہ ثابت میرے ساتھ بسر کر سکتے ہیں • (گویا ہم میں نباہ نہیں ہوسکتا) آپ نے فرمایا کہ کیا تو خلع کرتی ہے ثابت نے اس کا باغیچہ واپس دے کر اس نے کہا ہاں اور زائد دیتی ہوں۔ آپ نے فرمایا نہیں زائد نہیں۔

ف: اس حدیث سے اس کا ثبوت ملتا ہے کہ خلع میں مہر پر زیادتی مناسب نہیں احناف اسی خیال کے پیرو ہیں عطاء سے منقول ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ مرد خلع کی ہوئی عورت سے اس مہر سے زیادہ نہ لے جو وہ دے چکا ہے۔ عبد الرزاق حضرت علیؓ سے یہ روایت نقل کرتے ہیں ﴿لاتاخذ منها فوق ما اعطیتها﴾ کہ تو اپنے دیئے ہوئے مہر سے زائد عورت سے کچھ نہ لے۔ طاؤس سے بھی ایسی ہی روایت ہے۔

(۱۴۷) کتاب النفقات

ابو حنیفة عن حماد عن سعید بن جبیر عن ابن عباسؓ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا بات احد کم مغموما مهموما من سبب العیال کان افضل عند الله تعالی من الف ضربة بالسیف فی سبیل الله .

نفقہ کے احکام

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جب تم میں سے کوئی رات گذارے اہل وعیال کے سبب (کہ ان کے لئے کسب حلال کہاں سے اور کیسے لایا جائے) غمزدہ اور رنجیدہ رہ کر تو یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اللہ کے راستہ میں تلوار کی ہزار ضربوں سے افضل و بہتر ہے۔

ف: اس سلسلہ میں اور بہت احادیث صحیح وارد ہیں کہ مسلمان کا اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنا موجب ثواب ہے اور باعث اجر بخاری میں ہے کہ جب کوئی مسلمان اپنے اہل پر کچھ صرف کرے اور محض خدا کی خوشنودی مدنظر ہو تو یہ خرچ اس کے حق میں صدقہ شمار ہوتا ہے ایک روایت میں ہے کہ تو جو بھی خرچ کرے اور اس میں محض اللہ کی خوشنودی مدنظر ہو تو وہ تیرے لئے باعث اجر ہے۔ یہاں تک کہ وہ لقمہ جو تو اپنی عورت کے منہ میں دیتا ہے۔ متصل روایت بھی اسی مضمون کو ظاہر کرتی ہے۔

ابوحنیفة عن عطاء عن ابیه عن سعد قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم انک لن تنفق نفقة ترید بها وجه اللہ الا اجرت علیها حتی اللقمة ترفعها الی فی امرأتک .

حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ تو نہیں خرچ کرے گا کوئی خرچ بھی جس سے تو اللہ تعالیٰ کی رضامندی وخوشنودی کا خواہاں ہو مگر کہ تجھکو اس پر اجر دیا جائے گا یہاں تک کہ وہ لقمہ بھی جو تو اپنی عورت کے منہ میں دیتا ہے۔

ف: یہ اللہ رب العزت کی بندہ پروری ہے اور بندہ نوازی اور نیت کی ہر جگہ کارفرمائی کہ جو امور ہمارے حظ نفس کا ذریعہ ہیں اور فطری تقاضوں کو پورا کرنے کے اسباب نیت کی درستی سے ان میں بھی ثواب واجر مضمر ہے اور پوشیدہ مثلا اہل وعیال کی پرورش اور انکی خاطر کسب معاش میں جدوکد ہمارے فطری جذبات کے ماتحت ہے اور اس میں ہمارے نفس کے لئے سرمایہ مسرت ہے لیکن اگر یہی جفاکشی اور دوڑ دھوپ اس غرض کے پیش نظر ہو کہ ان حقوق سے سبکدوشی حاصل ہو جو اللہ تعالیٰ نے سرپرست مرد کیذمہ اس کے اہل وعیال کے رکھے ہیں تو اسی میں اس کے لئے اجر وثواب بھی ہے۔ ذرا سی نیت بدل جانے سے دنیا وآخرت ہر دو کے مزے وہ لوٹتا ہے۔ دل کو بھی وہ خوش کرتا ہے اور اللہ کو بھی راضی۔ دنیا بھی بنتی ہے۔ اور آخرت بھی۔

کتاب التدبیر

(۱۴۸) باب بیع المدبر

ابوحنیفة عن عطاء عن جابر ابن عبد اللہ ان عبدا کان لا ابراهیم بن نعیم النحام فدبره ثم احتاج الی ثمنه فباعه النبی صلی اللہ علیه وسلم بثمان مائة درهم . وفی روایة ان النبی صلی اللہ علیه وسلم باع المدبر .

مدبر غلام کے احکام

باب۔ مدبر کو فروخت کرنا

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ ابراہیم بن نعیم النحام (القرشی) کا ایک (یعقوب نامی قبطی) غلام تھا جس کو انہوں نے مدبر کر دیا پھر اس کی قیمت کی ان کی ضرورت ہوئی تو نبی ﷺ نے آٹھ سو درہم میں (ان کی طرف سے) اس کو بیچ دیا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے بیچا مدبر غلام کو۔

ف: مدبر وہ غلام ہے جس کا آقا اپنے غلام سے کہہ دے کہ اگر میں مر جاؤں تو تو آزاد ہے حدیث ذیل کے ماتحت ایک اختلافی مسئلہ قابل تشریح ہے اور محتاج بیان بنائے اختلاف یہ ہیکہ مدبر غلام کی بیع جائز ہے یا نہیں۔ امام شافعیؒ کے نزدیک مدبر کی بیع جائز ہے ان کی دلیل حضرت جابر کی حدیث ہے جو صحیحین میں بدیں مضمون مروی ہے کہ ایک شخص نے ایک غلام کو مدبر کیا اور اس کے سوا اس کے پاس کوئی اور مال نہ تھا۔ اس کی خبر آنحضرت ﷺ کو پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کو کون مجھ سے خریدتا ہے۔ نعیم بن عبداللہ نے اس کو آٹھ سو درہم میں خرید لیا۔ اور آپ نے اس کی قیمت نعیم کو دے دی۔ نسائی میں تفصیل ہے کہ وہ شخص قرضدار تھا اور محتاج آپ نے اس غلام کو بیچا اور فرمایا کہ اس کی رقم سے قرض چھڑا دے پھر یہ حدیث ذیل بھی بظاہر اسی خیال کی تائید کرتی ہے امام صاحبؒ کے نزدیک مدبر کی بیع جائز نہیں ان کی حجت ابن عمرؓ کی مرفوع حدیث ہے جو دارقطنی ان الفاظ سے لائے ہیں ﴿المدبر لا یباع ولا یوھب وھو حر من ثلث المال﴾ کہ مدبر غلام نہ بیچا جائے نہ ہبہ کیا جائے اور وہ ثلث مال سے آزاد ہے۔ اس کی رفع کی صحت میں بعض کلام کرتے ہیں۔ بہر حال موقوف تو بلاشک صحیح ہے۔ دارقطنی نے بھی اس کو موقوف صحیح مانا ہے۔ تو گویا یہ قول صحابیؓ ہوا اور صحابیؓ کا قول ایسے امر میں جس میں قیاس کو کوئی دخل نہ ہو مرفوع کے مرتبہ میں مانا گیا ہے لہٰذا یہ قول حدیث مرفوع کے حکم میں ہوگا رہا حدیث جابرؓ کا سوال تو وہ اس حدیث موقوف کے معارض نہیں کیونکہ حضرت جابرؓ کی حدیث ایک خاص واقعہ کو بیان کرتی ہے جو حدیث ابن عمرؓ کے عموم کو نہیں توڑتی۔ ہاں تعارض جب ہوتا کہ ان الفاظ کی کوئی حدیث وارد ہوتی۔ ﴿یباع المدبر﴾ کہ کہ مدبر غلام بیچا جائے پھر وہ حدیث جو حضرت ابی جعفر سے دارقطنی اور بیہقی لائے ہیں۔ دارقطنی عبدالملک بن ابی سلیمان کے واسطہ سے اور بیہقی حکم کے واسطہ سے حدیث جابر کی اس فعلی حدیث کی ترجمانی کرتی ہے اور اس تعارض ظاہر کو بیک قلم رفع کر دیتی ہے کہ اس میں یوں ہے

﴿لاباس ببیع خدمة المدبر﴾ کہ مدبر غلام کی خدمت کے بیچنے میں کوئی حرج نہیں ابن قطان نے اس کو وصلاً اور ارسالاً ہر دو طریق سے صحیح بتایا ہے۔ گویا اس حدیث کی روشنی میں حدیث جابرؓ کی یہ تاویل کی جائے گی کہ یہ بیع خدمت مدبر کی تھی جو جائز ہے نہ مدبر کی بیع مدبر بدستور معہود آقا کے مرنے پر آزاد ہوگا۔

(۱۴۹) باب الولاء

ابوحنیفة عن حماد عن ابراهیم عن الاسود عن عائشة انها ارادت ان تشتری بریرة لتعتقها فقالت موالیها لا نبیعها الا ان نشترط الولاء لنا وذکرت ذلک للنبی صلی الله علیه وسلم فقال الولاء لمن اعتق .

باب۔ ولاء کا مستحق

اسود سے روایت ہے کہ عائشہؓ نے بریرہؓ کو خریدنا چاہا کہ اس کو آزاد کردیں۔ تو اس کے مالکوں نے کہا کہ ہم نہیں بیچیں گے اس کو مگر اس شرط سے کہ اس کا حق ولا ہم کو ملے۔ حضرت عائشہؓ نے اس کا ذکر آں حضرت ﷺ سے کیا آپ ﷺ نے فرمایا کہ ولاء کا حق اس کو حاصل ہے جو اس کو آزاد کرے۔

ف: آزاد شدہ غلام کے مرنے پر اگر اس کے ذوی الفروض وعصبات میں سے کوئی نہ ہو تو حق وراثت آزاد کرنے والے آقا کو پہنچے گا اور اسی حق کو حق ولاء کہتے ہیں یہ اس لئے کہ شریعت نے آزاد کرنے والے کو بھی عصبہ مانا ہے۔ مگر نسبی عصبہ سے کمتر درجہ میں۔

(۱۵۰) باب النهی عن بیع الولاء وهبته

ابوحنیفة عن عطاء بن یسار عن ابن عمر عن النبی صلی الله علیه وسلم انه نهی عن بیع الولاء وهبته .

باب۔ ولاء کو بیچنے اور ہبہ کرنے کی ممانعت

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے حق ولاء کی بیع وہبہ سے منع فرمایا۔

ف: حکم سابق کے ماتحت جب ولاء آزاد کرنے والے کے لئے متعین ہوگیا۔ تو اس کی بیع یا اس کا ہبہ کس طرح جائز ہو اور یہ اپنے حق کو کیونکر منتقل کرے نہ وہ بدلہ لے کر ایسا کرسکتا ہے نہ بلاعوض۔ اس پر سلف وخلف سب کا اتفاق ہے۔ نوویؒ نے شرح مسلم میں بیان کیا کہ جو لوگ اس مسئلہ میں اختلاف کے قائل ہیں اور اس کا جائز قرار دیتے ہیں ان کو غالباً یہ ممانعت کی حدیث نہیں پہونچی۔

کتاب الایمان

(۱۵۱) النهبی عن یمین الفاجرة

ابوحنیفة عن ناصح بن عبد الله ویقال ابن عجلان یحیی بن یعلی واسحق بن السلولی وابو عبد الله محمد بن علی بن نفیل عن یحیی بن ابی کثیر عن ابی سلمة عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لیس مما یعصی الله تعالی به شیء هواعجل عقابا من البغی وما من شیء اطیع الله تعالی به اسرع ثوابا من الصلة والیمین الفاجرة تدع الدیار بلاقع . وفی روایة لیس شیء اعجل ثوابا من صلة الرحم ولیس شیء اعجل عقوب)ة من البغی وقطیعة الرحم والیمین الفاجرة تدع الدیاربلاقع .

وفی روایة مامن عمل اطیع الله تعالی فیه باعجل ثوابا من صلة الرحم وما من عمل عصی الله تعالی به باعجل عقوبة من البغی والیمین الفاجرة قدع الدیار بلاقع .

وفی روایة مامن عقوبة مما یعصی الله تعالی فیه باعجل من البغی .

قسموں کے احکام

باب۔ جھوٹی قسم کی ممانعت

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں' فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ اللہ تعالیٰ کی تمام نافرمانیوں میں کوئی چیز ایسی نہیں جو بغاوت سے زیادہ جلدتر عقاب وعذاب کی مستحق بنا دے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت شعاریوں میں کوئی چیز ایسی نہیں جو صلہ رحمی سے تیز تر سزاوار ثواب واجر ٹھہرا دے ۔اور جھوٹی قسم شہروں کو اجاڑ کر ڈالتی ہے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ کوئی چیز صلہ رحمی سے جلدتر ثواب کی مستحق نہیں کرتی ۔اور کوئی چیز بغاوت وقطع رحمی سے تیز تر سزاوار عقاب نہیں ٹھہراتی اور جھوٹی قسم شہروں کو ویران کر دیتی ہے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ کوئی عمل جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں کیا جائے صلہ رحمی سے بڑھ کر جلد مستحق ثواب بنانے والا نہیں ۔اور کوئی عمل جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کیا جائے بغاوت

سے بڑھ کر جلد سزا وار عقاب بنانے والی نہیں اور جھوٹی قسم شہروں کو اجاڑ دیتی ہے۔

اور ایک اور روایت میں اس طرح ہے کہ نہیں ہے کوئی نافرمانی جو اللہ تعالیٰ کی شان میں کی جائے بغاوت سے جلد تر عذاب کا سبب بننے والی ہے۔

ف: یہ قسم غموس کا اثر ہے جو گذرشتہ بات پر قصداً کھائی جاتی ہے اس کو غموس اس لئے کہا گیا کہ یہ گویا قسم کھانے والے کو دنیا میں گناہ میں اور آخرت میں آتش دوزخ میں ڈبو دیتی ہے۔ امام ابوحنیفہ۔ مالک۔ احمد اوزاعی ثوری اسحٰق کے نزدیک اس میں کوئی کفارہ نہیں ابن مسعودؓ کا مسلک بھی یہی ہے۔ اور اسی پر قرآن ربانی اور سنت نبوی ﷺ شاہد ہیں۔ شافعیؒ اس میں کفارہ مانتے ہیں مگر ان کی حجت کا پتہ نہیں کہ وہ کس حدیث سے احتجاج کرتے ہیں۔

اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ جھوٹی بات کہنا امام حق کے ساتھ بغاورت اور قطع رحمی کرنا یہ سب گناہ کبیرہ ہیں بغاوت کے بارہ میں سخت وعید اور شدید دھمکیاں احادیث میں وارد ہیں جو تواتر کی حد تک پہنچ چکی ہیں طبرانی کبیر میں بخاری تاریخ میں ابی بکرہ سے مرفوع حدیث اس مضمون کی لائے ہیں کہ بغاوت اور والدین کی نافرمانی دو چیزیں ایسی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ بندہ کو جلد از جلد دنیا میں پکڑ لیتا ہے۔ احمدؒ اپنی مسند میں بخاریؒ ادب المفرد میں، ابن حبان اور حاکم اپنی اپنی صحیح میں ابی بکرہ سے مرفوع حدیث اس مضمون کی لائے ہیں کہ بغاوت اور قطع رحمی سے بڑھ کر کوئی گناہ ایسا نہیں جس میں اللہ تعالیٰ بندہ کو دنیا میں جلد از جلد پکڑے علاوہ اس عذاب کے جو اس کے لئے آخرت میں متعین ہے۔ بہرحال کتاب وسنت سے اس کا گناہ عظیم ہونا ثابت ہے اور علمائے امت کا اس پر اتفاق ہے البتہ محض صدر اول کی بغاوت میں علماء مختلف القول ہیں۔ مثلاً جنگ صفین میں بعض اس طرف گئے کہ یہ بغاوت نہ تھی اہل سنت والجماعت کے نزدیک یہی قول احتیاط سے قریب تر اور موافق ادب ہے؛ اکثر کا خیال ہے کہ یہ بغاوت تھی۔ مگر چونکہ وہ بزرگ جو مصروف بہ پیکار تھے اہل اجتہاد تھے اس لئے وہ اپنے اجتہاد پر بجائے اس کے کہ نعوذ باللہ گناہ گار ہوں عند اللہ ماجور ہوں گے جیسا کہ اجتہاد کا حکم ہے ایک فریق اس طرف بھی گیا ہے کہ گویا درحقیقت بغاوت تھی مگر ان بزرگوں کو یہ احادیث اس وقت تک عدم شہرت کی بنا پر نہ پہنچ سکی تھیں تو وہ معذور تھے۔ مگر یہ قول قابل پذیرائی نہیں کہ ایسی مشہور متواتر احادیث کیسے ان بزرگوں پر پوشیدہ رہ سکتی ہیں۔ یہ عقل میں آنے والی بات نہیں۔ اسی لئے اکثر نے اس کو بغاوت مانا ہے مگر یہ اجتہادی امر ہے جو موجب اجر وثواب ہے۔ نہ سبب گناہ چہ جائے کہ نعوذ باللہ گناہ کبیرہ ہو۔ پھر ایسے خیال کا کیسے خطور ہو جب کہ خود حضرت علیؓ

سے ابن عدی اپنی کامل میں مرفوع حدیث اس مضمون کی لائے ہیں کہ ڈرو بغاوت سے کیونکہ بغاورت کے علاوہ کسی چیز کی سزا تیز تر پہنچنے والی نہیں۔ رہا جنگ جمل کا واقعہ تو وہ نہ قصد وعمد سے وقوع پذیر ہوا۔ نہ اس میں انکار خلافت تھا کہ وہ بغاوت میں شمار ہوتا۔ تو وہ محل اختلاف نہیں بن سکتا پھر جب کہ خود حضرت عائشہؓ سے ترمذی وابن ماجہ اس مضمون کی مرفوع حدیث لائے ہیں کہ وہ بھلائی جو ثواب کو تیز تر لے جائے خیر رسانی اور صلہ رحمی ہے اور وہ بدی جو سزا کو جلد تر پہنچائے بغاوت اور قطع رحمی ہے۔

(۱۵۲) باب نذر معصية وفيه الكفارة وعدم الوفاء

ابو حنيفة عن محمد بن الزبير عن الحسن عن عمران قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من نذر ان يطيع الله فليطعه ومن نذر ان يعصيه فلا يعصه . ولا نذر فيء غضب .

باب۔ ناجائز کام کی نذر کو پورا نہ کر کے کفارہ دے دینا

حضرت عمرانؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جس نے منت مانی کہ اللہ کی اطاعت کرے (یعنی کسی جائز ونیک کام کو انجام دے) تو اس کو چاہئے کہ اطاعت کرے (اس مباح فعل کو عمل میں لائے) اور جو منت مانے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے (یعنی کسی ناجائز اور گناہ کے کام کی نذر رانے) تو وہ اللہ کی نافرمانی نہ کرے۔ (یعنی نذر کی وجہ سے گناہ کا ارتکاب نہ کرے) اور نہیں نذر رہے غصہ میں)۔

ف: حدیث ذیل میں آخری جملہ کی ترجمانی یا تو یہ ہے کہ بحالت غصہ نذر کا اعتبار نہیں۔ کیونکہ جوش غضب میں انسان شعور سے باہر ہوتا ہے اور اس کے افعال اعتبار سے خارج اور اس کیفیت غضبی میں اس کا فعل اضطراری ہوتا ہے نہ اختیاری کہ اس پر حکم شرعی مرتب ہو۔ یا یہ کہ ایسے امر میں نذر نہیں جو موجب غضب خدا ہوا اور اللہ کی ناراضگی کا سبب بنے۔ پہلی صورت گویا حضرت علیؓ کے مذہب کی ترجمانی ہے اور قسم لغو کی۔ ایک شکل کہ آپ کا یہ قول منقول ہے ﴿ان اللغو هو اليمين في الغضب﴾ کہ بحالت غضب قسم کھانا قسم لغو ہے طاؤس بھی اسی خیال کے پیرو ہیں۔

ابو حنيفة عن محمد بن الزبير الحنظلي عن الحسن عن عمران بن حصين قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا نذر في معصبة الله تعالى وكفارته كفارة يمين .

حضرت عمران بن حصین ؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی بات میں منت کا پورا کرنا نہیں ہے اور اس کا کفارہ وہی ہے جو قسم کا ہے۔

ف: اس حدیث میں کفارہ کا مسئلہ ائمہ کرامؒ کے مابین ایک نقطہ اختلافی ہے۔ امام شافعیؒ و مالکؒ کے نزدیک نذر معصیت میں کوئی کفارہ نہیں کیونکہ نذر معصیت لغو وعبث ٹھہری۔ تو اب اس میں کفارہ کا کیا کام اور احادیث کے باب میں یہ ان احادیث کو پیش نظر رکھتے ہیں جن میں کفارہ کا ذکر نہیں اور یا محض یہ الفاظ ہیں کہ ﴿لا وفاء لنذر فی معصية﴾ کہ گناہ کی بات میں نذر کا پورا کرنا نہیں یا ﴿لا نذر فی معصية الله﴾ کہ معصیت اللہ میں نذر کا پورا کرنا نہیں۔

امام ابوحنیفہ وامام احمد واسحٰق کا مسلک ہے کہ نذر معصیت میں کفارہ یمین ہے۔ روایت کے میدان میں ان کی حجت ایک تو حضرت عمران کی حدیث ذیل ہے جو صاف الفاظ میں گویا ہے کہ اس میں کفارہ یمین ہے پھر مسلم میں حضرت عقبہ بن عامر سے مرفوع روایت ہے ﴿کفارة النذر کفارة اليمين﴾ کہ نذر کا کفارہ یمین کا سا کفارہ ہے۔ اگر کسی کو حضرت عمران کی حدیث کو صحیح ماننے میں کچھ کلام ہو تو مسلم کی حدیث میں کون کلام کرسکتا ہے مزید براں ترمذی وغیرہ میں حضرت عائشہؓ سے بھی مرفوع حدیث ہے اور یہی الفاظ مروی ہیں کہ نذر کا کفارہ یمین کا سا کفارہ ہے نوویؒ نے شرح مسلم میں قائلین کفارہ کی تردید میں بڑے شدومد سے کہا ہے ﴿اما حديث کفارية کفارة اليمين فضعيف باتفاق المحدثين کفارته کفارة اليمين﴾ کی حدیث باتفاق محدثین ضعیف ہے۔ حافظ سے نہ رہا گیا آخر کہا کہ اس حدیث کو طحاوی اور ابن السکن نے صحیح کہا ہے۔ تو اب اس کے ضعف پر اتفاق کب رہا۔ پھر قیاس بھی اسی مذہب کی تائید کرتا ہیکیونکہ یمین لوازم نذر سے ہے بدیں صورت کہ نذر نام ہے ایجاب مباح کا یعنی ایک مباح چیز کو اپنے اوپر واجب کر لینے کا اور یہ مستلزم ہے تحریم حلال کو جو عین یمین ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی یمین کی ترجمانی فرماتے ہوئے فرمایا ﴿لم تحرم ما احل الله لک﴾ کہ آپ کیوں حرام کرتے ہیں اس چیز کو جس کو اللہ نے آپ کے لئے حلال کیا ہے۔ لہٰذا بلحاظ روایت ودرایت مذہب حنفیہ ہی حق ہے اور قابل قبول وتسلیم۔

(۱۵۳) باب يمين اللغو

ابوحنيفة عن حماد عن ابراهيم عن الاسود عن عائشة قالت سمعت فی قول الله عزوجل لا يؤاخذكم الله باللغو فی ايمانكم هو قول الرجل لا والله وبلی والله.

باب۔ یمین لغو کا حکم

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے اس آیت کریمہ ﴿لایواخذکم اللہ باللغو فی ایمانکم﴾ کہ اللہ تمہاری لغوقسموں کے بارہ میں تم سے مؤاخذہ نہ کرے گا کی تفسیر میں سنا ہے کہ اس سے مراد انسان کا یہ قول ہے (کہ مثلاً) ﴿لا واللہ وبلی واللہ﴾ یعنی نہیں قسم اللہ کی۔اور ہاں قسم اللہ کی۔

ف: یہ حدیث دراصل قسم لغو کی ترجمانی کرتی ہے اس موقعہ پر قسم کے انواع کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے تاکہ اس کے احکام تفصیل کے ساتھ سامنے آجائیں قسم کی تین قسمیں ہیں ایک یمین غموس ہے وہ یہ کہ گذشتہ بات پر قصداً جھوٹی قسم کھائی جائے اس پر انسان گناہ گار ہوتا ہے اور شریعت میں اس پر بڑی وعیدیں وارد ہیں۔آنحضرت ﷺ نے فرمایا جس نے جھوٹی قسم کھائی اللہ اس کو آتش دوزخ میں داخل کرے گا۔اور اسی کا یہ مہلک اثر ہے کہ یہ آبادی کو اجاڑ دیتی ہے۔جیسا کہ ماسبق حدیث میں بیان ہوا۔اس کا تدارک توبہ واستغفار ہے۔اس میں حنفیہ کے نزدیک کفارہ نہیں شافعیہ ؒ کے نزدیک کفارہ ہے۔چنانچہ عبارت بالا میں گذر چکا۔دوسری منعقدہ وہ یہ کسی بات پر انسان قسم کھائے کہ وہ مستقبل میں اس کو کرے گا۔یا نہیں کریگا۔اس میں حانث ہونے پر کفارہ ہے اور انسان قابل گرفت کیونکہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ﴿ولکم یواخذکم فیما عقدتم الایمان﴾ تیسری لغو اس کی تفسیر میں صحابہ بھی اور بعد کے لوگ بھی مختلف القول ہیں۔امام شافعیؒ کے نزدیک وہ یہ ہے کہ انسان نے کسی گذشتہ بات پر قسم کھائی اور دل میں یہ سمجھتا رہا کہ میں نے صحیح قسم کھائی ہے۔مگر بعد میں معلوم ہوا کہ واقعہ کچھ اور تھا اور میں نے جھوٹی قسم کھالی۔گویا اس کو غلط فہمی ہوئی قسم بہرحال اس نے اپنے علم کے لحاظ سے صحیح کھائی۔مثلاً ایک شخص کو یقین ہے کہ میں نے فلاں بات کہی ہے اور اس نے اس کے کہنے پر قسم بھی کھالی۔بعد میں سوچا تو حقیقت سامنے آئی کہ میں نے تو یہ بات کبھی نہیں کہی تھی۔یا اس صورت کا الٹا کیا۔یا مثلاً دور سے ایک آدمی دیکھا اور کہا کہ قسم اللہ کی یہ زید ہے بعد میں پتہ چلا کہ یہ زید نہیں تھا بلکہ عمرو تھا۔اس میں کوئی کفارہ نہیں۔حضرت ابن عباسؓ مجاہد حسن نخعی قتادہ مکحول وغیرہ لغو کی یہی تفسیر کرتے ہیں۔حضرت علیؓ کے نزدیک لغو وہ قسم ہے جو غصہ میں کہی جائے۔سعید بن جبیر کے نزدیک وہ قسم ہے جو معصیت میں کھائی جائے یہ مسئلہ کی ایک عمومی وضاحت تھی۔اب حدیث ذیل کے بارہ میں یہ امر قابل حل ہے کہ یہ حدیث بظاہر مذہب شافعیہ کی ترجمانی کرتی ہے نہ مذہب حنفیہ کی۔امام محمد نے اپنی موطا میں اس الجھن کو حدیث کی تاویل

کر کے دور کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ انسان یہ الفاظ منہ سے نکالے اور اس کو گمان ہو کہ میں صحیح سمجھ رہا ہوں۔ پھر بعد میں واقعہ اس کے خلاف ثابت ہو اور اس کا گمان غلط نکلے۔ کیونکہ حنفیہ کے نزدیک قصد کو یمین لغو میں دخل ہے شافعیہؒ کے نزدیک نہیں۔ پھر یہ بھی کہ یہ امام صاحب سے ضعیف طریق سے مروی ہے بہرحال امام صاحبؒ کا مشہور مذہب اپنی جگہ صحیح مانا جائے گا۔

حماد عن ابیه عن ابراهیم عن الاسود عن عآئشة فی قول الله عزوجل لایؤاخذکم الله باللغوفی ایمان کم قالت هو قول الرجل لا والله وبلی والله مما یصل به کلامه مما لایعقدعلیه قلبه حدیثا .

حضرت عائشہؓ اللہ عزوجل کے قول ﴿**لایواخذکم الله باللغوفی ایمانکم**﴾ کی تفسیر میں فرمائی ہیں یہ مثلاً آدمی کا کہنا لا واللہ وبلی واللہ اس کا ایسا کلام جس میں اس کا دل کسی بات پر (قسم) کا قصد نہ کرے گویا تکیہ کلام کے طور پر اور ایک عادت کی بنا پر جس میں سوچ بچار کو چنداں دخل نہ ہو)۔

ف: مسئلہ کی رو سے اور معنی حدیث کے اعتبار سے حدیث کی وضاحت وتشریح گذر چکی۔

(۱۵۴) باب الاستثناء فی الیمین یبطلها

ابوحنیفة عن القاسم عن ابیه عن عبدالله قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من حلف علی یمین واستثنی فله ثنیاه .

باب۔ قسم میں جملہ استثناء لانا اس کو باطل کر دیتا ہے

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے قسم کھائی کسی بات پر اور استثناء کیا اس میں تو اس کے لئے اس کی استثناء ہے (یعنی استثناء معتبر ہوئی اور قسم منعقد نہ ہوئی)۔

ف: استثناء سے مراد جملہ انشاء اللہ کا ادا کرنا ہے۔ اگر یہ قسم کے متصل ہی بولا گیا تو قسم کو لغو کر دے گا۔ ابوداؤد۔ نسائی اور حاکم ابن عمرؓ سے بطریق صحیح اس طرح روایت لائے ہیں ﴿**من حلف علی یمین فقال انشاء الله فقد استثنی**﴾ یعنی جس نے قسم کھائی کسی چیز پر اور کہا انشاء اللہ تو اس کا استثناء صحیح مانا گیا اور یمین منعقد نہ ہوئی۔

حماد عن ابیه عن القاسم بن عبد الرحمن عن ابیه عن ابن مسعود قال من حلف علی یمین وقال انشاء الله فقد استثنی .

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا جس نے قسم کھائی کسی چیز پر اور کہا
﴿انشاء اللہ﴾ تو اس کی استثناء صحیح ہوئی۔ (یعنی قسم واجب نہ ہوئی)۔

ف: گویا استثناء کا صحیح مانا جانا قسم کے لغو ہونے کے مترادف ہے۔

کتاب الحدود

(۱۵۵) باب حرمة الخمر والقمار وغيرهما

ابوحنيفة عن مسلم عن سعيد بن جبير عن ابن عباس عن النبي صلى الله عليه وسلم قال ان الله كره لكم الحمر والميسر والمزمار والكوبة.

حدود یعنی شرعی سزاؤں کے احکام

باب۔ شراب اور دوسری چیزوں کی حرمت

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حرام کیا تم پر
شراب جوئے آلہ طرب اور طبلہ کو۔

ف: حدیث میں لفظ کوبة کی تفسیر بعض نے زدو شطرنج سے کی ہے اور بعض نے چھوٹے طبل اور بربط سے بہر حال یہ سب چیزیں ممنوع ہیں جو یہاں مراد لی جاسکتی ہیں۔ اسی طرح مزماران آلات کو شامل ہے جو گانے بجانے کے کام میں آتے ہیں مثلاً عود و طنبورہ وغیرہ۔ شراب و آلات طرب وغنا کی حرمت پر بہت سی احادیث صحیحہ وارد ہیں مسلم میں حضرت بریدہ سے اس طرح روایت ہے کہ جس نے نرد شیر سے کھیلا اس نے گویا اپنا ہاتھ خنزیر کے گوشت اور خون میں رنگا۔ امام احمد حضرت ابوامامہ سے مرفوع حدیث لائے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے مجھ کو عالم والوں کے لئے موجب رحمت اور سبب ہدایت بنا کر بھیجا ہے اور مجھ کو حکم دیا ہے کہ میں دنیا سے آلات طرب وعیش، بت پرستی اور جاہلیت کو مٹاڈالوں اور یہ کہ میرے رب نے اپنی عزت کی قسم کھائی ہے کہ میرا جو بندہ بھی شراب کا ایک گھونٹ لے گا میں اس کو اسی مقدار میں پیپ پلاؤں گا۔ اور جو میرے ڈر سے اس کو چھوڑ دے گا تو میں اس کو حیاض قدس سے سیراب کروں گا۔ فقہاء کرام نے اس پر طویل بحثیں کی ہیں کہ جو گانا آلات طرب سے بھی خالی ہو اور دیگر حرام چیزوں سے بھی پاک ہو مثلاً عورت یا امرد کی آواز کو اس میں کوئی دخل نہ ہو اور کسی مسلم کی ہجو یا دین ومذہب کی توہین سے وہ بری ہو تو ایسا گانا جائز ہے یا نہیں۔ بعض اس کے جواز کے قائل ہیں اور اکثر اس کی کراہت کے شراب وجوئے کی

حرمت اور ان کی برائی پر کئی آیات قرآنیہ وارد ہیں مثلاً ﴿یسئلونک الخمر والمیسر﴾ آخر آیت تک یا ﴿انما الخمر والمیسر والا نصاب والا زلام﴾۔

(۱۵۶) باب حد الشرب وحد السرقة

ابو حنيفة عن يحيي عن ابن مسعود قال اتاه رجل بابن اخ له نشوان قد ذهب عقله فامر به فجس حتي اذا صحاوا افاق عن السكر دعا بالسوط فقطع ثمرته ثم رقه ودعاجلا دافقال احلده على جلده وار فع بذك في حلدك ولا تداضبعيك. قال وانشاعبدالله لعد حتي اكمل ثما نين جلده خلي سبيله فقال الشيخ يا ابا عبد الرحمن والله انه لابن احي ومالي ولد غيره فقال شرالعم والي اليتيم انت كنت والله ما احسنت ادبه صغيرا ولا سترته كبيرا . قال ثم انشأ يحدثنا فقال ان اول حد اقيم في الاسلام لسارق الّي به الى النبى صلى الله عليه وسلم فلما قامت عليه البية فال انطلقوا به فاقطعوه فلما انطلق به نظر الى وجه النبى صلى الله عليه وسلم كانما سف عليه والله الرماد فقال بعض جلسائه يا رسول ا لله لكان هذا قد اشتد عليك فقال وما يمنعني ان يشتد على ان تكونوا اعوان الشياطين على اخيكم قالو فلولا خليت سبيله قال افلا كان هذاقبل ان تأ تونى به فان الامام اذا انتهى اليه حد فليس ينبغي له ان يعطله قال ثم تلا وليعفوا ولبصفحوا .

وفي رواية عن ابن مسعودؓ ان رجلا اتى بابن باخ له سكران فقال نرمروه وميرمزوه واستيكهوه فوجد وامنه ريح شراب فامربحبسه فلما صحاد عابه ودعا بسوط فامر به فقطعت ثمرته وذكر الحديث .

وفي رواية عن ابن مسعودؓ قال ان اول حد اقيم في الاسلام ان رسول الله صلى الله عليه وسلم اتى بسارق فامر به فقطعت يده فلما انطلق به نظر الى رسول الله صلى الله عليه وسلم كانما يسف في وجهه الرماد فقال يا رسول الله كانه شق عليك فقال الايشق على ان تكونوا اعوانا للشيطان على اخيكم قالو فلا ندعه قال افلا كان هذا قبل ان يؤتى به وان الامام اذارفع اليه الحد فليس ينبغي له ان يد عه حتى يمضيه ثم تلا وليعفوا وليصفحوا .الاية .

باب۔ شراب نوشی اور چوری کی سزا

یحییٰ سے روایت ہے کہ ابن مسعودؓ کے پاس ایک شخص اپنے بھتیجے کو لایا جو مست تھا اور اس کی عقل گم تھی۔ آپ کے حکم سے اس کو قید کیا گیا یہاں تک کہ جب اس کا نشہ اُترا اور اس کو نشہ اور سرمستی سے افاقہ ہوا۔ تو حضرت ابن مسعودؓ نے کوڑا منگوایا اور اس کا پھندنا کاٹ ڈالا پھر اس کو نرم کیا اور جلاد کو بلایا۔ اس کو حکم کیا کہ اس کی جلد پر چابک مار (یعنی اس کو ننگا کر کے اور مارتے وقت اپنا ہاتھ اٹھا مگر نہ اتنا کہ تیری بغلیں نظر آنے لگیں۔ یحییٰ نے کہا کہ خود عبد اللہ (چابکوں کو گننے بیٹھے) یہاں تک کہ جب اسی کوڑے ہو گئے تو اس کو چھوڑ دیا۔ تو اس بوڑھے نے (شراب خور کے چچا نے) کہا اے ابا عبد الرحمٰن قسم اللہ کی یہ میرا بھتیجا ہے اور اس کے سوا میری کوئی اولاد نہیں۔ آپ نے کہا کہ تو برا چچا ہے کہ تو یتیم کا والی ہوا اور قسم اللہ کی نہ تو نے بچپن میں اس کو ادب دیا اور نہ بڑے پن میں اس کی عیب پوشی کی یحییٰ نے کہا کہ پھر ابن مسعودؓ ہم سے حدیث بیان کرنے لگے اور کہا کہ اول حد جو اسلام میں لگائی گئی وہ ایک چور پر تھی جو نبی ﷺ کے پاس لایا گیا۔ جب اس پر گواہی گذر گئی تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس کو لے جاؤ اور اس کا ہاتھ کاٹو' جب اس کو لے جانے لگے تو آپ ﷺ کے چہرہ مبارک کا رنگ متغیر ہو گیا۔ بعض حاضرین نے عرض کیا یا رسول اللہ گویا یہ امر آپ پر سخت شاق گذرا آپ نے فرمایا کہ یہ مجھ پر شاق کیوں نہ ہو کہ تم شیطان کے مدد گار بنجاؤ اپنے بھائی کے معاملہ میں لوگوں نے عرض کیا کہ پھر آپ نے اس کو چھوڑ کیوں نہ دیا آپ نے فرمایا کہ کیا یہ نہیں ہو سکتا تھا پہلے اس کے کہ تم اس کو میرے پاس لاتے۔ البتہ امام کے سامنے جب جرم قابل حد ثابت ہو جائے تو اس کے لئے روا نہیں کہ پھر اس کو چھوڑ دے۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی ﴿ فلیعفوا ولیصفحو ﴾ یعنی تم کو چاہئے کہ معاف کر دو اور درگذر کر جاو۔

اور ایک روایت میں ابن مسعودؓ سے یوں نقل ہے کہ ایک شخص اپنے مست بھتیجے کو لایا حضرت ابن مسعودؓ نے حکم دیا کہ اس کو ذرا حرکت دو اور جنبش میں لاؤ اور اس کی بو سونگھو۔ تو اس سے شراب کی بو آتی ہوئی پائی آپ نے اس کو قید کرنے کا حکم دیا۔ جب اس کا نشہ اترا تو آپ نے اس کو بلایا اور ایک چابک بھی منگوایا۔ پھر آپ کے حکم سے اس کا پھندنا کاٹا گیا۔ باقی

حدیث مثل سابق ہے۔

اور ایک اور روایت میں ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ اول حد جو اسلام میں لگائی گئی یہ تھی کہ ایک چور نبی ﷺ کے پاس لایا گیا۔ آپ نے حکم دیا اور اس کا ہاتھ کاٹا گیا جب اس کو لے کر چلے تو صحابہؓ کی نظر آنحضرت ﷺ کے چہرۂ مبارک پر پڑی گویا اس پر راکھ پڑی ہے (یعنی چہرۂ مبارک بالکل متغیر تھا) کسی نے کہا یا رسول اللہ ﷺ کیا یہ حکم آپ پر شاق ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا مجھ پر یہ شاق نہ ہو کہ تم اپنے بھائی کے خلاف شیطان کے مددگار بن جاؤ۔ سب نے عرض کیا تو کیا اس کو ہم نہ چھوڑ دیں۔ آپ نے فرمایا کہ میرے پاس لانے سے پہلے کیا تم یہ نہیں کر سکتے تھے۔ البتہ امام کے سامنے جب کوئی معاملہ سزاوار حد ثابت ہو جائے تو اس کو نہ چاہیے کہ اس کو چھوڑے تاوقتیکہ اس کو جاری نہ کر دے۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی ﴿ولیعفوا ولیصفحوا﴾ آخر آیت تک۔

ف: حدیث ذیل میں حضرت ابن مسعودؓ اور آنحضرت ﷺ کے عمل میں مختلف مسائل علمیہ اور فوائد ونیہ مضمر ہیں اور ہر دو عمل مفید ہدایات کا سرچشمہ ہیں۔ مثلاً ابن مسعودؓ کی حدیث سے یہ مسئلہ شرعی منکشف ہوا کہ حد بحالت سرمستی اور نشہ نہیں لگائی جاتی تاوقتیکہ وہ ہوش میں نہ آجائے، گویا اس کو قید رکھ کر انتظار کیا جائے کہ اس کا نشہ پورا اتر جائے کیونکہ نشہ میں حد لگانے سے مجرم کو درد والم نہیں ہوگا۔ جب درد والم نہ ہوگا تو عبرت کیسے ہوگی اور مقصد حد یہ ہی ہے کہ اس کو آئندہ کے لئے عبرت ہو۔ اور پھر ارتکاب جرم سے باز رہے دوسرے یہ کہ نشہ کی اس مقدار ومعیار کا بھی اس سے پتہ چلا جس پر پہنچ کر حد واجب ہوتی ہے وہ یہ کہ مسکر اس حد کو پہنچے کہ اس میں عقل گم ہوگئی ہو اور پوری تحمل۔ تمیز وشعور سے وہ عاری ہو گیا۔ تیسرے یہ کہ مسکر کو حد کوڑے یا چابک سے لگائی جاتی ہے اور اس کا پھندنا کاٹ دیا جاتا ہے کہ وہ باریک ہو جائے اور درہ کی شکل میں آجائے نہ کھجور کی ٹہنی یا جوتوں سے کہ ابتدائے حرمت شراب میں اسی پر عمل تھا۔ یہ عمل بعد میں متروک ہوا اور حد کے لئے درہ کا استعمال رائج ہوا۔ اسی طرح ابتدائے حرمت میں چالیس ضربوں کا عمل تھا۔ بعد میں وہ بھی منسوخ ہوا۔ اور حضرت عمرؓ کی خلافت میں اسی ضربوں پر عمل قرار پایا۔ چوتھے یہ کہ حد کھلے بدن پر لگانا چاہیے نہ کپڑوں پر۔ پانچویں یہ کہ جلاد بوقت ضرب ہاتھ اوپر اٹھا کر مارے ہاتھ کو دبا کر نہ مارے کہ

اس میں ضرب ہلکی لگتی ہے چھٹے یہ کہ ہاتھ اس قدر بھی نہ اٹھائے کہ اس کی بغلیں نظر آنے لگیں کیونکہ اس صورت میں ضرب شدید ہو جائے گی۔ ساتویں یہ کہ ولی اور سرپرست پر چھوٹے کی تربیت اور اس کی اخلاقی و دینی دیکھ بھال لازمی ہے اور اگر اس نے اپنا یہ فرض نہ پہچانا تو عند اللہ وہ قابل ملامت و سزاوار سرزنش ٹھہرے گا۔ اور مستحق عتاب۔ آٹھویں یہ کہ اگر شرابی کے منہ سے شراب کی بو آتی ہو تو حد لگانے کے لئے یہ ثبوت کافی ووافی ہے نویں یہ کہ آنحضرت ﷺ کے عمل سے ہم کو پتہ چلا کہ ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کی عیب پوشی لازمی ہے۔ دسویں یہ کہ امام وقت کا مجرم کی سزا سے دکھ پانا اور درد محسوس کرنا امر مستحسن ہے نہ حد کے جاری کرنے میں کوئی بے جا نرمی و رعایت۔ گیارھویں یہ کہ امام کی پیشی مجرم کو پیش کرنے سے پہلے لوگوں کو چاہئے کہ حتی الوسع درگذر، اعراض اور چشم پوشی سے کام لیں بارھویں یہ کہ معاملہ جب امام کی پیشی میں پیش ہو کر پایہ ثبوت کو پہنچ جائے اور برائت کی کوئی شکل باقی نہ رہے تو پھر امام کے لئے کسی طرح روا نہیں کہ درگذر سے کام لے اور حد کے جاری کرنے میں سستی کاہلی اور ٹال مٹول دکھائے۔

(۱۵۷) باب فیما یقطع فیه الید

ابو حنیفة عن القاسم عن ابیه عن عبد الله قال کان یقطع الید علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم فی عشرة دراهم.

وفی روایة انما کان القطع فی عشرة دراهم.

باب۔ کس قدر مال کی چوری کرنے پر ہاتھ کاٹا جاتا ہے؟

حضرت عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں دس درہم کی مالیت کی چوری میں ہاتھ کاٹا جاتا تھا۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ ہاتھ کا کٹنا دس درہم کی مالیت کی چوری پر تھا۔

ف: ائمہ کا اس میں اختلاف ہے کہ کم از کم کس قدر مالیت کی چوری پر ہاتھ کاٹا جاتا ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک کم از کم ربع دینار کی مالیت پر ہاتھ کاٹا جائے گا۔ خواہ وہ تین درہم کی قیمت کا ہو یا اس سے کم یا اس سے زائد۔ امام مالک و احمد کے نزدیک ربع دینار تین درہم کی مالیت پر۔ اس سے کم میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ ان ائمہ کے پیش نظر یا تو ابن عمرؓ کی وہ حدیث ہے جو شیخین بایں الفاظ لائے ہیں ﴿ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قطع سارقا فی مجن قیمته ثلا

ثة دراهم ﴾ کہ آنحضرت ﷺ نے ایک چور کا ہاتھ کاٹا ایک ڈھال کی چوری پر جو تین درہم قیمت کی تھی۔ یا حضرت عائشہؓ کی وہ حدیث کہ جو صحیحین میں بایں الفاظ مروی ہے ﴿ لا یقطع یدالسارق الافی ربع دینار فصاعدا ﴾ کہ نہ کاٹا جائے چور کا ہاتھ مگر چوتھائی دینار یا اس زائد میں امام شافعیؒ کے نزدیک عہد نبوی ﷺ میں دینار بارہ درہم کا تھا۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کم از کم دس درہم کی مالیت کی چوری پر ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اس سے کم میں نہیں۔ ان کے مذہب پر ایک دو نہیں متعدد صحیح احادیث میں مرفوع بھی اور موقوف بھی دیگر اصول شرعیہ بھی مذہب حنفیہ کی تائید کرتے ہیں۔ احادیث کے سلسلہ میں مثلاً حدیث ذیل ہی میں ثبوت ہے اور کھلی حجت کہ دس درہم کی قیمتی چیز میں ہاتھ کاٹا جاتا ہے۔ مصنف عبدالرزاق میں ابن مسعودؓ سے روایت ہے ﴿ لا یقطع الید الافی دینار او عشرة دراهم ﴾ کہ ہاتھ نہیں کاٹا جاتا مگر ایک دینار یا دس درہم میں پھر سب ائمہؒ کے نزدیک آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ نے مجن (ڈھال کی چوری میں ہاتھ کاٹا ہے۔ اختلاف محض اس میں ہے کہ مجن کی قیمت آں جناب ﷺ کے عہد میں کیا تھی۔ دس درہم سے کم کی قیمت ماننے والے حدیث ابن عمرؓ یا اس کے مثل حدیث پیش کرتے ہیں اور اس پر اپنے مذہب کی بنیاد رکھتے ہیں۔ اور حنفیہ کے سامنے وہ روایات ہیں جو کتب صحاح میں بطرق متعددہ وارد ہیں مثلاً ابن عباسؓ کی حدیث جو ابوداؤد میں بطریق عطا مروی ہے ﴿ قطع رسول الله صلی الله علیه وسلم ید رجل فی مجن قیمة دینار او عشرة دراهم ﴾ کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کا ہاتھ کاٹا ایک ڈھال کی چوری میں جس کی قیمت ایک دینار یا دس درہم تھی۔ حاکم مستدرک میں اس حدیث کو لا کر کہتے ہیں کہ یہ حدیث شرط مسلم کے مطابق صحیح ہے۔ طحاوی بھی اس کو لائے ہیں اور ابن عبدالبر بھی تمہید میں اسکی روایت کرتے ہیں۔ غرض ایمن یہ حدیث بکثرت طرق صحیح ہے پھر حضرت ایمن سے عطاء اور مجاہد ہر دو کے طریق سے نسائی میں روایتیں ہیں جن کے الفاظ یہ ہیں ﴿ لم یقطع النبی صلی الله علیه وسلم السارق الافی ثمن المجن وثمن المجن یومئذ دینار ﴾ کہ نبی ﷺ نے چور کا ہاتھ نہیں کاٹا مگر ڈھال کی چوری میں جس کی قیمت ان دنوں ایک دینار تھی۔ ایمن کی حدیث میں یہ سقم نکالتے ہیں کہ ایمن کے بارہ میں اختلاف ہے کہ یہ کون ہیں صحابی تھے یا تابعی صحابی ہونے کی صورت میں یہ جنگ حنین میں شہید ہوئے یا

آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد بھی بقید حیات رہے۔اس وقت ہم اس کی مزید تنقیح نہیں کرنا چاہتے صرف اس قدر کہتے ہیں کہ اگر ان کو صحابی مانا جائے تو یہ حدیث مرفوع حدیث ثابت ہوئی اور اگر تابعی کہا جائے تو حدیث مرسل ٹھہری جو احناف و جمہور علماء کے نزدیک بلاشک قابل قبول ہے اور معتبر کیونکہ یہ ثقہ تو ضرور ہیں جیسا کہ ابوزرعہ جیسے جلیل الشان امام اور ابن حبان وغیرہ نے اس پر تصریح کی ہے مزید براں حدیث ایمن کی تائید حضرت ابن عباسؓ کی حدیث سے ملتی ہے جو اس حدیث کی صحت پر چار چاند لگاتی ہے علاوہ ازیں ابن ابی شیبہ اپنی مصنف میں عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے روایت لائے ہیں ﴿کان ثمن المجن عشرة دراهم﴾ کہ ڈھال کیقیمت دس درم تھی۔لہٰذا ان روایات کے پیش نظر ماننا پڑے گا کہ ربع دینار کی احادیث جو صحیحین میں وارد ہیں وہ منسوخ ہیں۔

اصول شرعیہ کی رو سے مذہب حنفیہ کی حقیت کا انکشاف اس طرح بھی ہوتا ہے کہ یہ معاملہ بہر حال حدود کا ہے اگر کوئی متعصب آنکھوں پر پٹی باندھ کر بھی ان تمام روایات کی صحت میں کلام کرے تو کم از کم یہ روایات اس کے نزدیک بھی حد کے سلسلہ میں شک قوی یا ضعیف تو ضرور پیدا کر دیں گی۔کہ کم سے کم نصاب سرقہ دس درہم ہے یا تین درم یا ربع دینار اور آثار و اخبار سے یہ مسلمہ اصول ثابت ہے شبہا تپیدا ہو جانے سے حدود ختم ہو جایا کرتی ہیں اور ان میں احتیاطی پہلو ملحوظ رہتا ہے۔اور مسئل مذکورہ میں بھی شبہ پیدا ہو گیا اسلئے احتیاطی پہلو زیادتی یعنی دس درہم میں ہے نہ ربع دینار یا تین درہم میں۔لہٰذا دس درہم ہی کا مذہب اقرب الی الحق والصواب ہے اور قرین قیاس قائلین ربع دینار بھی یہاں قیاس آرائیکرتے ہیں اور ایک عام اصول کو پیش نظر رکھتے ہیں جس کو دراصل یہاں کوئی دخل نہیں اس طرح کہ انکے مذہب کا زیادہ تر مدار ثمن مجن (ڈھال) ہے کہ اس کی قیمت آنحضرت ﷺ کے زمانہ مبارک میں کیا تھی۔تین درم جیسا کہ ان کا مذہب ہے یا دس درم جو احناف کا مسلک ہے کہتے ہیں کہ اختلاف کے وقت اقل تعداد پر عمل کرنا لازمی ہے جو یقینی ہوتا ہے اور اقل تعداد یہاں تین درم ہیں۔ہم کہتے ہیں بے شک یہ اصول صحیح ہے مگر یہاں نہیں یہ اصول عام اس موقعہ پر تو آپ کو یاد رہا۔مگر حدود کے بارہ میں کیوں فراموش کر دیا گیا۔اگر حدود میں یہ اصول جاری کریں گے تو حدود کا شکنجہ اور کس جائے گا مجرم کی خلاصی' رہائی ونجات کے راستے مسدود ہو جائیں گے۔جو حکم شرع کے بالکل برخلاف ہے چناں چہ متصل

حدیث میں اسکا بیان آرہا ہے بلکہ حدود میں معاملہ برعکس ہے کہ اس میں درگذر، معافی، چشم پوشی اور حتی الوسع اعراض برتا جاتا ہے۔حتی کہ شبہ کو حد کے ٹال دینے میں دخل ہے۔تین سے لے کر دس درم تک شبہ ہی شبہ ہے اور درگذر و اعراض کی کارفرمائی دس درم پر حد یقینی اور اس کے بعد شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔

(۱۵۸) باب درء الحدود

ابو حنیفة عن مقسم عن ابن عباسؓ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ادرء وا الحدود بالشبهات.

باب۔شبہات کی وجہ سے حدود کو دفع کرنا

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ شبہات واقع ہوجانے پر حدود کو ٹال دو۔

ف: یہ حدیث مختلف الفاظ وعبارات سے کتب صحاح میں وارد ہے۔بہر حال یہ اتفاقی مسئلہ ہے کہ شبہات سے حدود ٹل جایا کرتی ہیں۔ابن ابی شبیہ ترمذی حاکم بیہقی حضرت علیؓ سے اس مضمون کی حدیث لائے ہیں کہ حدود ٹالو، مگر امام کے سامنے جرم ثابت ہوجانے کے بعد حد کو ٹال دینا امام کے لئے کسی صورت بھی جائز نہیں۔ابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرہؓ سے اس طرح روایت ہے کہ سزاؤں کو ٹالو جہاں تک ٹالنے کا موقع مل سکے۔اس مسئلہ کی قدرے تشریح پیشتر حدیث میں گذری۔

(۱۵۹) باب الرجم للزانی المحصن

ابو حنیفة عن علقمة عن ابن بریدة عن ابیه ان ماعز ابن مالک اتی النبی صلی الله علیه وسلم فقال ان الاخر قد زنی فاقم علیه الحد فرده رسول الله صلی الله علیه وسلم ثم اتاه الثانیة فقال له مثل ذلک ثم اتاه الثالثة فقال له مثل ذلک ثم اتاه الرابعة فقال ان الاخر قد زنی فاقم علیه الحد فسأله عنه اصحابه هل تنکرون من عقله قالوا لا. قال انطلقوا به فارجموه قال فانطلق به فرجم بالحجارة فلما ابطأ علیه القتل انصرف الی مکان کثیر الحجارذ فقام فیه فاتاه المسلمون فرجموه بالحجارة حتی قتلوه فبلغ ذلک النبی صلی الله علیه وسلم فقال هلا خلیتم سبیله فاختلف

الناس فیہ فقال قائل هذا ماعز اهلک نفسه وقال قائل انا ارجوان یکون توبة فبلغ ذلک النبی صلی الله علیه وسلم فقال لقد تاب توبة لوتابها فئام من الناس لقبل منهم فلمابلغ ذلک قوما طمعوافیه فسالوه مایصنع بجسده .قال اصنعوابه ما تصنعون بموتاکم من الکفن والصلوة علیه والد فن قال فانطلق به اصحابه فصلوا .

وفی روایة قال اتی ماعزبن مالک رسول الله صلی الله علیه وسلم واقربالزنافرده ثم عاد فاقر بالزنا فرده ثم عادفاقربالزنافرده ثم عاد فاقربالزنا الرابعة فسأل النبی صلی الله علیه وسلم هل تنکرون من عقله شیئاقالو الاقال فامر به ان یرجم فی موضع قلیل الحجارة قال فابطأ علیه الموت فانطلق یسع الی موضع کثیر الحجارة واتبعه الناس فرجموه حتی قتلوه ثم ذکرواشانه لرسول الله صلی الله علیه وسلم قال لولا خلیتم سبیله قال فاستاذن قومه رسول الله صلی الله علیه وسلم فی دفنه والصلوة علیه فاذن لهم فی ذلک قال وقال علیه السلام لقد تاب توبة لوتا بها فئام من الناس قبل منهم .

وفی روایة قال لما امر النبی صلی الله علیه وسلم بما عزبن مالک ان یرجم قام فی موضع قلیل الحجارة فابطأعلیه القتل فذهب به مکانا کثیر الحجارة واتبعه الناس حتی رجموه فبلغ ذلک النبی صلی الله علیه وسلم قال الا خلیتم سبیله

وفی روایة لما هلک ماعز بن مالک بالرجم اختلف الناس فیه .فقال قائل ماعز اهلک نفسه وقال قائل تاب . فبلغ ذلک رسول الله صلی الله علیه وسلم قال لقد تاب توبة لوتا بها صاحب مکس لقبل منه اوتا بها فئام من الناس لقبل منهم .

وفی روایة جاء ماعزبن مالک الی رسول الله صلی الله علیه وسلم وهو جالس مقال یا رسول الله انی زنیت فاقم الحد علی فاعر ص عنه النبی

صلی اللہ علیہ وسلم قال ففعل ذلک اربع مرات کل ذلک یردہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ویعرض عنہ فقال فی الرابعۃ انکرنم من عقل ھذا شیئا قالوا مانعلم الا عاقلا وما نعلم الا خیرا قال فاذ ھوابہ فار جموہ قال مدھبوا بہ فی مکان قلیل الحجارہ فلما اصابتہ الحجارۃ جزع قال فخرج یشتد حتی اتی الحرۃ فثبت لھم قال فرموہ بجلا مید ھا حتی سکت قال فقالوا یا رسول اللہ ماعز حین اصابتہ الحجارۃ جزع فخرج یشتد فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لولا خلیتم سبیلہ قال فاختلف الناس فی امرہ فقالت طائفۃ ھلک ماعز واھلک نفسہ وقالت طائفۃ بل تاب الی اللہ توبۃ لوتابھافئام من الناس لقبل منھم قالوا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فما نصنع بہ قال اصنحوا بہ کما تصنعون بموتاکم من الغسل والکفن والحنوط والصلوۃ علیہ والدفن وقد روی الحدیث بروایات مختلفۃ نحوما تقدم .

باب۔شادی شدہ زنا کار کو رجم کرنا!

حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ ماعز بن مالک نبی ﷺ کے پاس آئے اور کہا کہ اس بھلائی سے دور افتادہ نے (میں نے) زنا کا ارتکاب کیا ہے آپ اس پر حد قائم کیجئے ۔آں جناب ﷺ نے اس کو رد فرمایا۔پھر دوبارہ آیا اور اپنا سابق کلام دہرایا آپ ﷺ نے پھر اس کو رد فرمایا۔پھر تیسری بار آ کر اپنے اسی کلام (اقرار جرم زنا) کا اعادہ کیا' آں حضرت ﷺ نے اس کو پھر رد فرمایا۔پھر چوتھی بار آ کر کہا کہ بھلائی سے دور افتادہ نے زنا کیا ہے آپ اس پر حد قائم کیجئے ۔اس پر آپ نے اپنے اصحاب سے اس کی حالت دریافت فرمائی کہ یہ کہیں دیوانہ تو نہیں ہے سب نے کہا جی نہیں۔تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کو لے جا کر رجم کرو (کیونکہ وہ شادی شدہ تھا) بریدہ کہتے ہیں کہ پھر اس کو لے گئے اور پتھروں سے اس پر رجم کیا گیا۔جب اس کے مرنے میں تاخیر ہوئی تو وہ اس مقام کو چھوڑ کر زیادہ پتھریلی زمین میں جا کھڑا ہوا کہ دم جلد نکل جائے) مسلمانوں نے اس کا پیچھا کیا اور پتھروں سے اس کو رجم کر کے مار ڈالا۔یہ خبر نبی ﷺ کو پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم

نے اس کا پیچھا کیوں نہیں چھوڑا جب وہ اپنی جگہ سے بھاگ نکلا)۔لوگ ماعز کے بارہ میں مختلف القول ہوئے کسی کہنے والے نے کہا کہ ماعز نے اپنی جان خود ہلاک کی بعض بولے ہم کو امید ہے کہ یہ اس کے لئے توبہ ہوگی۔ یہ باتیں آپ ﷺ کے سمع مبارک تک پہنچیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ماعز نے جو توبہ کی ہے اگر لوگوں کی جماعتیں بھی یہ توبہ کریں تو قبول ہو۔لوگوں تک جب آں جناب ﷺ کا یہ فرمان پہنچا تو ماعز کے حق میں امید ثواب رکھنے لگے پھر آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ اس کی لاش کے بارہ میں کیا کیا جائے۔ آپ نے فرمایا کہ جو اپنے مردوں کے ساتھ کرتے ہو اس کے ساتھ کرو۔اس کا کفن دفن کرو اور اس کی نماز پڑھو۔ بریدہ کہتے ہیں کہ پھر لوگ اس کو لے گئے اور اس کی نماز پڑھی۔

اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ ماعز بن مالک رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور زنا کا اقرار کیا۔آپ ﷺ نے اس کو رد کر دیا۔پھر اس نے دوبارہ آ کر زنا کا اقرار کیا آپ نے پھر رد فرما دیا۔پھر آ کر اس نے زنا کا اقرار کیا۔آپ نے پھر رد فرمایا پھر لوٹ کر آیا اور چوتھی بار اقرار زنا کیا اس پر نبی ﷺ نے فرمایا کہ اس کی عقل میں کوئی فتور ہے ۔لوگوں نے کہا جی نہیں۔ بریدہ کہتے ہیں کہ تب آپ نے حکم دیا کہ کم پتھریلی زمین میں وہ رجم کیا جائے کہتے ہیں کہ جب اس کے مرنے میں دیر لگی تو وہ زیادہ پتھریلی زمین کی طرف بھاگ کھڑا ہوا اور لوگوں نے اس کا پیچھا کیا اور اس کو وہاں رجم کر کے مار ڈالا پھر اسی واقعہ کا ذکر لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے کیا' آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے کیوں نہیں اس کا پیچھا چھوڑا؟ بریدہ کہتے ہیں کہ ان کی قوم نے آں حضرت ﷺ سے اس کے دفن اور نماز کے بارہ میں پوچھا۔آپ ﷺ نے انکو اس کی اجازت دی اور فرمایا کہ اس نے ایسی توبہ کی کہ اگر لوگوں کی جماعتیں وہ توبہ کرتیں تو قبولیت کو پہنچتی۔

ایک اور روایت میں اس طرح ہے کہ بریدہؓ کہتے ہیں کہ جب نبی ﷺ نے ماعز بن مالک کے بارہ میں رجم کئے جانے کا حکم دیا۔تو وہ کم پتھر کی زمین میں جا کھڑے ہوئے پھر جب ان کی موت میں تاخیر ہوئی تو وہ زیادہ پتھریلی زمین میں چلے گئے اور لوگ اس کے پیچھے ہو لئے یہاں تک کہ اس کو رجم کر ڈالا۔یہ قصہ آں حضرت ﷺ کے سمع مبارک میں پہنچا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے اس کا راستہ کیوں نہیں چھوڑا (یعنی اس کو جانے دیا ہوتا)۔

ایک روایت میں بایں الفاظ وارد ہے کہ ماعز جب رجم سے ہلاک ہوا تو لوگ اس کے بارہ میں مختلف القول ہوئے (کہ وہ اس فعل میں سزاوار مذمت تھا کہ خود اپنا عیب اپنی زبان سے کھولا یا مستحق مدح) کسی کہنے والے نے کہا کہ ماعز نے بدیں صورت توبہ کی یہ باتیں رسول اللہ ﷺ تک پہنچیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ماعز نے ایسی توبہ کی کہ اگر وہ توبہ کوئی چنگی لینے والا کرے تو قبول ہو۔ یا لوگوں کی جماعتیں وہ توبہ کریں تو قبولیت کو پہنچے۔
ایک اور روایت میں وارد ہے کہ ماعز بن مالک رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے جب کہ آپ ﷺ بیٹھے ہوئے تھے اور کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں نے زنا کیا ہے مجھ پر حد جاری کیجئے۔ اس سے نبی ﷺ نے اعراض فرمایا۔ بریدہ کہتے ہیں کہ پھر اسنے چار مرتبہ ایسا ہی کیا (کہ آ کر اقرار زنا کیا کرتے اور حد کے جاری کئے جانے کا تقاضا کرتے) نبی ﷺ ہر بار اس کو لوٹا دیتے۔ اور اس سے منہ پھیر لیتے چوتھی بار آپ نے لوگوں سے دریافت کیا کہ کیا تم اس کی عقل میں کوئی فتور پاتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ حضرت ہم تو اس کو عقلمند ہی جانتے ہیں اور اچھے ہی کردار والا آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کو لے جاؤ اور رجم کرو۔ بریدہ کہتے ہیں کہ اس کو کم پتھریلی زمین میں لے گئے جب اس کو پتھر لگا تو بہت گھبرایا اور بھاگ کھڑا ہوا۔ زیادہ پتھریلی زمین کی طرف اور وہاں رجم کی انتظار میں جم گیا۔ لوگوں نے اس پر سلیں پھینک ماریں۔ یہاں تک کہ وہ وہیں ٹھنڈا ہو گیا پھر لوگوں نے آں حضرت ﷺ سے بیان کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ جب ماعز کے پتھر لگا تو گھبرایا اور نکل کھڑا ہوا آپ نے فرمایا کہ تم نے اس کو کیوں نہیں جانے دیا کہتے ہیں کہ پھر لوگوں نے اس کے بارہ میں مختلف باتیں بنائیں ایک جماعت نے کہا کہ ماعز ہلاک ہوا۔ اور اس نے خود اپنے کو ہلاک کیا ایک گروہ بولا کہ اس نے اللہ کے حضور میں مقبول توبہ کی کہ اگر وہ توبہ لوگوں کی جماعتیں بھی کرتیں تو درجہ قبولیت کو پہنچتیں۔ اس کی قوم نے دریافت کیا یا رسول اللہ ﷺ اس کی لاش کے ساتھ ہم کیا کریں آپ نے فرمایا کہ جو تم اپنے مردوں کے ساتھ کرتے ہو وہی اس کے ساتھ کرو مثلاً غسل کفن خوشبو نماز اور دفن وغیرہ اور یہ حدیث مختلف طرق سے حسب سابق مروی ہے۔

ف: اس حدیث کے ذیل میں چند نہایت اہم مسائل محتاج بیان ہیں۔ اول یہ کہ آیت

قرآنی ﴿الزانية والزاني فاجلد واكل واحد منهما مائة جلدة﴾ کہ زانی مرد ہو یا عورت ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ محصن (شادی شدہ) اور غیر محصن غیر شادی شدہ سب کے لئے حکم کرتی ہے کہ زنا کی سزا کوڑے مارنا ہے۔ دوسری آیت جس کی تلاوت باجماع امت شیوخ ہے مگر اس کا حکم باقی ہے ﴿الشيخ والشيخة اذا زنيا وفارجموها﴾ محصن مرد اور محصنہ عورت جب زنا کریں تو ان کو سنگسار کرو پہلی آیت کے عموم کو باطل کرتی ہے اور محصن کے لئے رجم ثابت کرتی ہے گویا دوسری منسوخ شدہ آیت شادی شدہ کے لئے ہے اور پہلی آیت جس میں کوڑے کی سزا ہے وہ غیر شادی شدہ کے لئے ہے پھر احادیث متواترہ و مشہورہ آیت منسوخہ کی زبردست تائید کرتی ہیں بلکہ حدیث رجم بوجہ تواتر و شہرت اس کی صلاحیت رکھتی ہیں کہ آیت قطعی الدلالت پر زیادتی کر سکیں مثلاً حدیث ذیل ہی شہرت کی حد کو پہنچ چکی ہے اور یہ حدیث حضرات قتادہ بن صامت ابن عباس ابی ہریرہ ابی سعید بریدہ ابن الخصیب الاسلمی۔ جابر بن عبداللہ جیسے جلیل القدر و عظیم الشان صحابہؓ سے مروی ہے اور اس سے کتاب اللہ پر زیادتی جائز ہے کتب صحاح میں حضرت عمرؓ کا خطبہ نقل ہے کہ آپ قسم کھا کر کہتے کہ اگر لوگوں کے یہ کہنے کا خطرہ نہ ہوتا کہ عمر نے قرآن پر زیادتی کردی تو البتہ میں اس آیت ﴿الشيخ والشيخة اذا زنيا﴾ الخ کو قرآن میں لکھ ڈالتا۔

دوسرے یہ مسئلہ بحث طلب ہے کہ زانی کا چار بار اقرار زنا کرنا حد کے لگائے جانے کے لئے ضروری ہے یا ایک ہی مرتبہ اقرار کافی ہے اور حد کو اس پر واجب کرتا ہے امام مالک و شافعی ایک ہی مرتبہ اقرار کو حد لگانے کے لئے کافی جانتے ہیں اور زانی کی سزادار حد خیال کرتے ہیں۔ وہ اپنے مذہب کی بنیاد دو احادیث پر رکھتے ہیں جن سے اقرار میں بظاہر کسی تعداد کا پتہ نہیں چلتا۔ ایک غامدیہ کی حدیث کہ وہ بھی ماعز بن مالک کی طرح آنحضرت ﷺ کے سامنے مقر زنا ہوئی۔ اور حد جاری کئے جانے کی متقاضی اور ایک ہی مرتبہ اقرار پر اس کو آں جناب ﷺ کے حکم سے رجم کیا گیا دوسری وہ حدیث جو حدیث عسیف کے نام سے مشہور ہے کہ اس میں کنوارے زانی پر آپ ﷺ نے سو کوڑوں اور سال کی جلاوطنی کی سزا جاری فرمائی۔ اور عورت کے لئے حضرت انیس صحابیؓ کو حکم دیا کہ اس سے اقرار لو اگر وہ اقرار کرے تو اس کو رجم کردو۔ چنانچہ اس میں آں حضرت ﷺ نے چار بار اقرار لینے کی شرط نہیں لگائی معلوم ہوا کہ چار بار اقرار کی ضرورت نہیں ورنہ آپ ضرور تصریح فرماتے۔ امام ابوحنیفہؒ و امام احمدؒ اور اہل کوفہ تمام اس کے قائل ہیں کہ حد لگائے جانے کے

لئے زانی کا چار بار اقرار ضروری ہے۔ ان کی زبردست حجت ماعز بن مالک والی حدیث ذیل ہے جو کتب صحاح میں مختلف طرق اور مختلف عبارات سے مروی ہے۔ اس میں ہے کہ آں حضرت ﷺ نے مجرم سے چار بار اقرار لیا پھر حد جاری کئے جانے کا حکم صادر فرمایا۔ اس کے علاوہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ آخر یہ کیا آں حضرت ﷺ کے لئے ممکن ہے کہ آپ جرم ثابت ہو جانے پر حد کے جاری کرنے میں تاخیر فرمائیں اور اس میں نعوذ باللہ ٹال مٹول درگذر اعراض وچشم پوشی سے کام لیں ۔وہ حد جو ثبوت جرم پر فوری صیغہ میں واجب ہوتی ہے اور اس کے اجراء میں تاخیر کی کسی طرح گنجائش نہیں۔ لامحالہ یہی کہنا پڑے گا کہ ایک یا دو یا تین بار اقرار سے آں حضرت ﷺ کے نزدیک جرم ثابت نہیں ہوا تھا جب چوتھی بار اقرار سے جرم زنا ثابت ہوا تو آپ ﷺ نے فوراً اس پر سزائے رجم جاری فرمائی۔ اور یہی نہیں بلکہ اس حدیث کی بعض روایات سے صاف پتہ چلتا ہے کہ آں جناب ﷺ نے ایک ہی مجلس میں یہ چار اقرار نہیں لئے بلکہ مختلف چار مجلسوں اور چار اوقات میں چنانچہ مسلم میں صاف مذکور ہے کہ ماعز کے اقرار کو آں جناب ﷺ نے رد فرمایا۔ پھر دوسرے دن آیا اور اقرار کیا آپ ﷺ نے اس کی قوم سے تصدیق فرمائی کہ یہ پاگل تو نہیں ہے قوم نے کہا کہ یہ تو اچھا بھلا ہے۔ پھر تیسری بار آیا اور ایسا ہی ہوا۔ پھر چوتھی بار جب آیا تو اس کو رجم کیا گیا احمد و اسحٰق اپنی اپنی مسندوں میں اور ابن ابی شیبہ اپنی مصنف میں ابو بکر سے یہ ہی حدیث لائے ہیں جس میں ہر بار جاء کا لفظ ہے جس طرح حدیث ذیل میں آتی کا۔ تو مجیئت واتیان بھی تعدد مجلس پر دال ہیں کہ وہ جا کر پھر آتا ابن الہمام نے اس پر تصریح کی ہے اسی لئے احناف اس کے قائل ہیں کہ چار بار اقرار بھی چار مجلسوں میں ہونا چاہئے۔ لہٰذا جب یہ حقیقت ہے تو کس طرح باور کیا جا سکتا ہے کہ آں حضرت ﷺ مختلف چار مجلسوں تک اجرائے حد کو ٹالتے رہتے اور اس میں اس قدر ڈھیل دیتے اب رہا حدیث عسیف کا قصہ تو وہ ابتدائے اسلام کا ہے جیسا کہ بیہقی نے لکھا ہے۔

تیسرے یہ مسئلہ تحقیق طلب ہے کہ حد مجرم کے لئے توبہ شمار ہوتی ہے اور اس کے لئے کفارہ گناہ بنتی ہے۔ اور مواخذہ اخروی سے اس کو سبکدوش کرتی ہے یا یہ کہ مواخذہ اخروی کا بار اس پر باقی رہتا ہے اور حد اس کے گناہ کا کفارہ نہیں ہوتی۔ احناف ان میں سے دوسری شق کے حامی ہیں۔ ان کے نقطہ خیال کے ماتحت حد کا مقصد مجرم کو دھمکی دینا اور دوسروں کو عبرت دلانا ہے اور اس کے واسطے سے نظام عالم میں درستی واصلاح پیدا کرنی ہے کہ حدود کے خوف سے بنی نوع انسان

ایک دوسرے کی ایذا رسانی ۔ایذادہی ہتک عزت وناموس سے دستکش رہیں اورامن وامان وچین ومسرت کی زندگی بسر کریں مواخذہ اخروی اور عالم آخرت کی باز پرس اس کے ذمہ بدستور باقی رہے گی جس سے سبکدوشی اس کو سچی توبہ سے حاصل ہوسکتی ہے اور اس خیال کی بنیاد نصوص قرآنیہ پر ہے جو صاف گویا ہیں کہ حدود گناہ کا کفارہ نہیں۔ مثلاً محدود فی القذف (جس پر تہمت لگانے پر حد لگائی جائے) کے بارہ میں فرمایا ﴿اولئک ھو الفاسقون الاالذین تابوا﴾ کہ وہ فاسق ہیں مگر وہ جنہوں نے توبہ کی یا قطاع الطریق اور راہزنوں) کے متعلق ارشاد ہوا ﴿اولئک لھم خزی فی الدنیا ولھم فی الاخرۃ عذاب عظیم الا الذین تابوا﴾ کہ ان کے لئے دنیا میں ذلت ہے اور آخرت میں بڑا عذاب مگر وہ جنہوں نے توبہ کی کہ یہاں مدار توبہ پر رکھا ہے لہٰذا جب منشائے کلام الٰہی یہ ہوا۔تو وہ حدیث قابل تاویل ہوگی جو حد کو توبہ کا مرادف قرار دیتی ہے اور اس کو کفارہ گناہ ٹھہراتی ہے تاکہ آیات قطعی الدلالت اپنے معنی پر برقرار رہیں مثلاً حدیث ذیل میں اس کا اشتباہ ہوتا ہے کہ حد زنا عین توبہ ہے تو ہم اس کو اس پر محمول کریں گے کہ بوقت سزا مجرم نے توبہ کی تھی۔اور بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے۔کیونکہ مجرم یہاں ایک پیکر شرمساری بنا ہوا ہے اور اقرار گناہ گاری کا ایک مجسمہ جس کے ہر رگ وپے سے توبہ آشکارا ہے کیا عجب ہے بلکہ بہت ممکن ہے کہ بوقت حد اس نے توبہ کی ہو جس توبہ کی تشریح آں جناب ﷺ نے نہایت پر اثر طریقہ سے فرمائی۔چنانچہ مسلم کی حدیث سے اس مذہب کا پختہ ثبوت ملتا ہے جو وہ حضرت بریدہؓ سے لائے ہیں جس کا مضمون اس طرح ہے کہ صحابہ کرام بیٹھے ہوئے تھے کہ آں حضرت ﷺ تشریف لائے۔اور سلام کرکے بیٹھ گئے پھر فرمایا کہ ماعز بن مالک کیلئے گناہ کی معافی چاہو۔جب حد کے بعد استغفار کی گنجائش رہی تو حد معافی گناہ کا سبب کب بنی۔اور عین توبہ کیسے ہوئی۔پھر چوری کے بارہ میں ابوداؤد میں ہے کہ چور کے قطع ید کے بعد آپ نے چور کو بلوایا۔اور ارشاد فرمایا کہ توبہ واستغفار کر اس نے توبہ کی۔پھر آپ نے بھی اس کی توبہ منظور ہونے کی دعا فرمائی۔اسی طرح صحیحین میں طریق عائشہؓ سے مروی ہے کہ فاطمۃ المخزمیہ نے جو چور تھی توبہ کی۔اگر حد عین توبہ ہوتی تو پھر جدید توبہ کی کیا ضرورت تھی۔

(۱۶۰) باب قتل المسلم بالذمی قصاصا

ابوحنیفۃ عن ربیعۃ عن ابن البیلمانی قال قتل النبی صلی اللہ علیہ وسلم

مسلما بمعاهد فقال انا احق من اوفی بذمته .

باب۔ذمی کو قتل کرنے پر مسلمان سے قصاص لینا

ابن البیلمانی سے روایت ہے کہ قتل کیا نبی ﷺ نے ایک مسلمان کو ایک معاہد (کافر ذمی) کے قصاص میں اور فرمایا کہ اپنی ذمہ کو پورا کرنے والوں میں ذمہ داری کو پورا کرنے کا زیادہ حقدار میں ہوں۔

ف: اہل ذمہ کی جانوں اور مالوں کی حفاظت ودیکھ بھال مسلمانوں پر اجماعاً لازم ہے ۔شریعت کا یہ ایک کھلا مسئلہ ہے۔چنانچہ اسی مسئلہ کی رو سے ان کے مالوں کے چور کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے ان کی عورتوں سے زنا کرنے والے پر حد زنا لگائی جاتی ہے ان پر جھوٹی تہمت لگانے پر حد قذف لگائی جاتی ہے چنانچہ یہ قصاص بھی اسی سلسلہ مسائل کی ایک کڑی ہے اور یہ ہی مذہب احناف کا ہے۔

كتاب الجهاد

(۱۲۱) باب حرمة خيانة القاعدين على نسآء المجاهدين

ابو حنيفة عن علقمة عن ابن بريدة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم جعل الله تعالى حرمة نسآء المجاهدين على القاعدين كحرمة امهاتهم وما من رجل من القاعدين يخون احدا من المجاهدين في اهله الا قيل له يوم القيمة اقتص فما ظنكم .

جہاد کے احکام

باب۔مجاہدین کی عورتوں کی فضیلت

حضرت ابن بریدہؓ سے روایت ہے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کی عورتوں کی حرمت کو جہاد میں نہ جانے والوں پر مثل ان کی ماؤں کی حرمت کے قرار دیا ہے اور جو بھی شخص جہاد میں نہ جائے اور کسی مجاہد کے اہل میں خیانت کرے تو بروز قیامت مجاہد سے کہا جائے گا کہ اس سے تو اپنا قصاص لے لے۔پھر اب کیا گمان ہے تمہارا۔

ف: یہ حدیث مجاہدین کے مرتبہ کو واضح وآشکارا کرتی ہے ۔اور بتاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو مجاہدین کی کس قدر پاسداری اور کتنا لحاظ منظور ہے کہ ان کی عورتوں کو احترام وعزت وحفاظت تک

وناموس میں جہاد میں جانے والوں کے لئے ان کی ماؤں کے برابر ٹھہرایا۔اور اگر کوئی خیانت کر بیٹھے تو آخرت میں مجاہد کو قصاص کا پورا اختیار دیا جائے گا تو اب اس سے اندازہ لگا لیجئے کہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں مجاہدین کس قدر قدر ومنزلت رکھتے ہیں۔

(۱۶۲) باب الوصية للبعث بالمهمات

ابو حنيفة عن علقمة عن ابن بريدة عن ابيه قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا بعث جيشا اوسرية اوصى امير هم في خاصة نفسه بتقوى الله واوصى فيمن معه من المسلمين خير ثم قال اغزوا بسم الله في سبيل الله قاتلوامن كفر بالله لا تغلوا ولا تغدروا ولا تمثلوا ولا تقتلوا وليدا ولا شيخا كبير افاذالقيتم عدوكم فادعوهم الى الاسلام فان ابوا فادعوهم الى اعطاء الجزية فان ابوافقاتلوهم فاذا حصر ثم اهل حصن فارادوكم ان تنزلوا على حكم الله تعالى فلا تفعلوا فانكم لا تدرون ماحكم الله ولكن انزلوهم على حكمكم ثم حكموا فيه بما بدا لكم فان ارادوكم ان تعطوهم ذمة الله فاعطوهم ذممكم وذمم اباتكم فانكم ان تخفروا بذممكم اهون من ان تخفروا بذمة الله في رقبتكم .

وفي رواية فان ارادوكم ان تعطوهم ذمة الله وذمة رسوله فلا تعطوهم ذمة الله ولا ذمة رسوله ولكن اعطوهم ذممكم وذمم ابائكم فانكم ان تخفروا ذممكم وذمم ابائكم ايسر .

باب۔لشکر کی روانگی کے وقت امیر لشکر کو تقوے کی وصیت کرنا

حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کوئی بڑا لشکر یا کوئی چھوٹا دستہ بھیجتے ۔تو اس کے امیر کو وصیت فرماتے خاص اس کے نفس کے بارہ میں اللہ سے ڈرنے کی اور اہل لشکر کے حق میں بھلائی واحسان کرنے کی۔پھر فرماتے کہ اللہ کے نام سے مدد لیتے ہوئے اور اس کی رضا وخوشنودی کی طلب کرتے ہوئے لڑائی لڑو۔جو اللہ کے ساتھ کفر کرے اس سے قتال کرو۔مال غنیمت میں خیانت نہ کرو کسی مقتول کی ناک کان نہ کاٹو کسی بچہ یا بوڑھے کو قتل نہ کرو جب تم اپنے دشمن کے آمنے سامنے آ ؤ تو اس کو اسلام کی طرف بلاؤ۔اگر وہ انکار کریں تو

ان کو جزیہ دینے پر آمادہ کرو۔ اگر اس سے بھی انکار کریں تو پھر ان سے مقاتلہ کرو۔ جب تم کسی اہل قلعہ کا محاصرہ کرو اور وہ تم سے چاہیں کہ تم اتارو اللہ کے حکم پر تو ایسا نہ کرنا کیونکہ تم نہیں جانتے کہ اللہ کا حکم کیا ہے لیکن اتارو تم ان کو اپنے حکم پر پھر جو تمہاری سمجھ میں آئے تم ان کے بارہ میں فیصلہ کرو۔ اور اگر وہ تم سے یہ چاہیں کہ تم ان کو اللہ کی امان دے دو اور اس کے عہد و ذمہ میں لے لو تو تم ان کو اپنے اور اپنے آباء کے ذمہ میں لو۔ کیونکہ تمہارا اپنے ذمہ کو توڑ دینا تمہاری گردن پر بہت زیادہ ہلکا ہے اس سے کہ تم اللہ کے ذمہ کو توڑو۔

ایک اور روایت میں اس طرح ہے کہ اگر وہ چاہیں کہ تم ان کو اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ دو ۔ تو تم ان کو اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ نہ دو۔ لیکن ان کو اپنا اور اپنے آباء کا ذمہ دو۔ کیونکہ تمہارا اپنی اور اپنے آباء کی ذمہ داری کو توڑنا زیادہ آسان وسہل ہے۔

ف: یہ حدیث زریں ہدایا ونصائح کا سرچشمہ ہے اور نہایت پاکیزہ اصول وقواعد کا خزانہ سب سے پہلے امیر لشکر کو ہدایت کی کہ خوف الٰہی دل میں رکھے کہ سارے معاملات کی کڑیاں اسی سے بیٹھتی ہیں اور تمام معاملات کی اصلاح ودرستی اسی پر مدار رکھتی ہے۔ خوف خدا ہی انسان کو لغزش سے بچاتا ہے اور ہر غلط راستہ پر چلنے سے باز رکھتا ہے دوسرے اہل لشکر سے حسن سلوک وحسن برتاؤ کی ہدایت فرمائی۔ اور انکی طرف خیر واحسان کا ہاتھ بڑھانے کی نصیحت فرمائی کیونکہ امیر کی خوش معاملگی سے لشکری یک جان و یک دل ہو کر اس کی حکم برداری کو اپنے لئے سرمایہ فخر جانتے ہیں ۔ تیسرے ہدایت فرمائی کہ لڑائی اللہ کے نام سے شروع کرو اور اس میں صرف اسی کی خوشنودی ورضا کو پیش نظر رکھو اور ریاکاری دکھاوے نام ونمود کو ہرگز ہرگز پاس نہ آنے دو۔ کیونکہ اللہ کے دربار میں کوئی بھی عمل خواہ کسی قدر باوقعت و باشرف ہی کیوں نہ ہو بغیر خلوص نیت کے ہیچ اور بے کار ہے بلکہ موجب عتاب اور سرزنش۔ چوتھے عین لڑائی کے بارہ میں نصیحت فرمائی کہ مال غنیمت میں چوری نہ کرو کہ یہ بہت قبیح فعل ہے اور نازیبا عمل۔ عہد شکنی نہ کرو کیونکہ یہ رذالت ودنائت کی نشانی ہے۔ اور سخت اخلاقی پستی کی علامت مقتول کی ناک نہ کاٹو کیونکہ یہ نہایت درندگی ہے اور بربریت اور بچہ و بوڑھے کو قتل نہ کرو کیونکہ یہ عمل انصاف وخدا ترسی سے بعید ہے اور سخت ظالمانہ عمل ۔ پانچویں وصیت فرمائی کہ جب دشمن کے بالمقابل آؤ تو پہلے دشمن کو اسلام کی طرف دعوت دو اگر وہ اس کو قبول نہ ہو تو اس کو جزیہ پر آمادہ کرو۔ کہ وہ تمہاری ماتحتی میں ذمی بن کر رہے۔ اگر اس پر بھی

وہ راضی نہ ہو تو مقاتلہ کے لئے اس کو دعوت دو۔ چھٹے یہ بھی ہدایت فرمائی کہ اگر دشمن کمزور پڑ جائے اور تم سے امان چاہے تو اپنی ذمہ داری میں اس کو لو۔ نہ خدا اور رسول کی ذمہ داری میں۔

(۱٦٣) باب النهي عن المثلة

ابوحنيفة عن علقمة عن ابن بريدة عن ابيه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن المثلة .

باب۔ مثلہ کرنے کی ممانعت

حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا مثلہ سے۔

ف: مثلہ کہتے ہیں مقتول کے اطراف مثلاً ہاتھ پیر ناک کان زبان وغیرہ کاٹنے کو۔ اسلام میں اس کی سخت ممانعت ہے۔ اور آں حضرت ﷺ نے اس عمل سے سختی سے روکا ہے کہ اس درندگی و وحشیانہ عمل سے اسلام کی شان کو بٹہ لگتا ہے۔

ابوحنيفة عن اسماعيل بن حماد وابيه والقاسم بن معن وعبد الملك عن عطية القرظي قال عرضنا على رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم قريظة قام فامر بقتل كبار هم وسبيء صغار هم فمن انبت قتل ومن لم ينبت استحيى .

وفي رواية قال عرضت على النبي صلى الله عليه وسلم فقال انظر وافان كان انبت فاضر بوا عنقه فوجد وني لم انبت فخلى سبيلي .

وفي رواية قال كنت من سبي قريظة فعرضت على النبي صلى الله عليه وسلم فنظر وافي عانتي فوجد وني لم انبت فالحقوني بالسبي .

عطیہ قرظیؓ سے روایت ہے کہ قریظہ کی لڑائی میں ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش ہوئے تو آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر حکم دیا کہ بڑے تہہ تیغ کئے جائیں اور چھوٹے غلام بنائے جائیں تو جس کے موئے زہار نکلے وہ قتل کیا گیا۔ اور جس کے نہ نکلے وہ زندہ چھوڑا گیا۔

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ عطیہؓ نے کہا کہ میں نبی ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ دیکھو اگر اس کے موئے زہار نکلے ہیں تو اس کی گردن مارو۔ لہٰذا انہوں نے مجھ کو پایا کہ میرے موئے زہار نہیں نکلے تھے تو مجھ کو چھوڑ دیا۔

اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ قریظہ کی لڑائی کے قیدیوں میں میں بھی تھا۔ جب نبی ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا تو لوگوں نے میرا پیڑو دیکھا اور اس پر بال نہ پائے (اگے ہی نہ تھے) لہٰذا مجھ کو قیدیوں میں چھوڑ دیا گیا۔

ف: یہ گویا بالغ و نابالغ معلوم کرنے کے لئے ایسی شناخت کی گئی تھی۔ کیونکہ نابالغ مقاتلہ ولڑائی کی قابلیت نہیں رکھتے تو ان کو کس قصور پر قتل کیا جائے۔ لہٰذا ان کو زندہ رکھ کر قیدیوں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔

ابوحنیفة و ابن ابی لیلی عن الحکم عن مقسم عن ابن عباس ان رجلا من المشرکین یوم الخندق قتل فی الخندق فاعطی المشرکون بجیفعه مالا فنها هم رسول الله صلی الله علیه وسلم عن ذلک .

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ خندق کے دن ایک مشرک خندق میں قتل کیا گیا۔ تو مشرکین اس کی لاش کے عوض میں بہت کچھ مال دینے لگے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا۔

ف: یہ نہایت معیوب بات ہے کہ مردہ لاش کی خرید و فروخت کی جائے۔ اور اس کے بدلے مال لیا جائے اسی لئے آں حضرت ﷺ نے اس سے باز رکھا۔ اور اس کو گوارا نہیں فرمایا۔

(۱۶۴) باب النهی عن ان یباع الخمس حتی یقسم

ابوحنیفة عن نافع عن ابن عمر قال نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم یوم خیبر ان یباع الخمس حتی یقسم .

باب۔ مال غنیمت کے خمس کو تقسیم سے پہلے فروخت کرنا

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ خیبر کے دن رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا خمس غنیمت کے بیچنے سے قبل اس کے کہ مال غنیمت تقسیم ہو۔

ف: مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے حصص کی خرید و فروخت ممنوع ہے اور ناجائز کیونکہ تقسیم کے قبل کسی کی ملک نہیں ہوتی کہ اس کی بیع ہو سکے۔

ابوحنیفة عن مقسم عن ابن عباسؓ ان النبی صلی الله علیه وسلم لم یقسم شیئا من غنائم بدر الا بعد مقدمه بالمدینة .

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے بدر کی غنیمت میں سے کوئی شی تقسیم نہیں فرمائی مگر مدینہ تشریف لانے کے بعد۔

ف: امام صاحبؒ کے نزدیک مال غنیمت کی تقسیم دارالحرب میں بلا حاجت وضرورت جائز نہیں اور امام شافعیؒ و مالکؒ کے نزدیک جائز ہے، یہ اختلاف اس اصول پر مبنی ہے کہ امام صاحبؒ کے نزدیک مال غنیمت میں مجاہدین کی ملک ثابت نہیں ہوتی جب تک کہ وہ دارالاسلام میں محفوظ نہ کرلیا جائے اور ان ہر دو اماموں کے نزدیک ملک ثابت ہو جاتی ہے اور اسی اختلافی اصول پر بہت سے اختلافی مسائل کی بنیاد ہے۔

كتاب البيوع

باب التقوى عن المشتبهات

ابوحنيفة عن الحسن عن الشعبى قال سمعت النعمان يقول على المنبر سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول الحلال بين والحرام بين وبين ذلك مشتبهات لايعلمهن كثير من الناس فمن اتقى الشبهات استبرأ لدينه وعرضه .

خرید وفروخت کے احکام

باب۔ مشتبہ چیزوں سے بچنا

شعبی کہتے ہیں کہ میں نے نعمان کو منبر پر یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے نبی ﷺ کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ حلال ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر ہے اور ان ہر دو کے درمیان مشتبہ چیزیں ہیں جن کو بہت سے لوگ نہیں جانتے پس جو شبہ کی چیزوں سے بچا اس نے اپنے دین اور اپنی عزت کو (طعن وتشنیع سے) بچالیا۔

ف: یہ حدیث گویا پورے مذہب اسلام کی ایک اجمالی تفسیر ہے اور ایک مجمل لیکن جامع تشریح اور تقویٰ کا ایک بلند معیار قائم کرتی ہے یعنی حلال ظاہر الثبوت چیزیں ہیں جن کی حلت صاف اور کھلے الفاظ میں شریعت اسلام میں بیان ہو چکی ہے مثلاً کھانے پینے پہننے ودیگر استعمال کی وہ اشیاء جو عام طور پر مسلمان بلا شک وشبہ استعمال میں لاتے ہیں۔ اسی طرح حرام وہ اشیاء ہیں جن کی حرمت پر آیات قرآنیہ تصریح وارد ہیں مثلاً شراب سود مردار وغیرہ۔ اب رہیں مشتبہات تو وہ

گویا حلال وحرام اشیاء کی درمیانی چیزیں ہیں جن میں حرمت کی بھی گنجائش ہے اور حلت کا بھی احتمال یعنی یہ حلت وحرمت ہر دو میں گھری ہوئی ہیں اور ہر دو کی محتمل ۔مثلاً ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا۔پھر کسی نے یہ شک ڈلوادیا کہ یہ عورت اس شخص کی رضاعی بہن ہے تو یہ منکوحہ عورت اس کے حق میں مشتبہ ہوگئی۔تو ان کے بارہ میں تقویٰ کا بلند درجہ تو یہ ہی ہے جو حدیث میں ذکر ہوا کہ مسلمان ان مشتبہات سے بھی احتراز کرے کہ گناہ سے آلودگی کا احتمال تک نہ رہے اور دین وعزت کا دامن یقیناً الزام طعن وتشنیع سے پاک وبے لوث ہو۔لیکن حقیقت میں علماء کا اس بارہ میں اختلاف ہے۔بعض کہتے ہیں کہ مشتبہات کا شمار حرام اشیاء میں ہے ان سے انسان ایسا ہی بچے جیسا کہ حرام قطعی سے بچتا ہے بعض اس کے قائل ہیں کہ یہ مباح ہیں کیونکہ اصل اشیاء میں اباحت ہے چنانچہ جمہور علمائے حنفیہ وشافعیہ کا یہ ہی مسلک ہے اور اسی مسلک پر بہت سے مسائل متفرع ہیں۔بعض اس خیال کے حامی ہیں کہ انکے بارہ میں کوئی قطعی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا کہ آیا یہ چیزیں حرام ہیں یا کہ مباح۔

(۱۶۶) باب اللعن على الخمر ومتعلقيتها

ابوحنيفة عن حماد عن سعيد بن جبير عن عمر قال لعنت الخمر وعاصرها وساقيها وشار بها وبائعها ومشتريها.

باب۔شراب اور اس سے تعلق رکھنے والے پر لعنت

سعید بن جبیرؒ سے روایت ہے کہ ابن عمرؓ نے کہا کہ لعنت کی گئی شراب پر'اس کے نچوڑنے والے پر'اس کے پلانے والے پر۔اس کے پینے والے پر۔اس کے بیچنے والے پر اور اس کے خریدنے والے پر۔

ف: ترمذی میں حضرت انسؓ سے اس مضمون کی مرفوع حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان چیزوں پر لعنت کی۔شراب کا نچوڑنے والا۔اس کی قیمت کھانے والا۔وہ شخص جس کے لئے وہ خریدی جائے۔اور اس کا خریدنے والا غرض شراب چونکہ قطعی حرام ہے اس لئے اس سے کسی طرح کا بھی تعلق رکھنے والا قابل گرفت وقابل سرزنش ہے۔اور اللہ ورسول اللہ ﷺ کی طرف سے لعنت کا سزاوار۔

حماد عن ابيه عن محمد بن قيس قال سالت ابن عمر اوساله ابو كثير عن بيع

الخمر فقال قاتل الله اليهود حرمت عليهم الشحوم فحرموا اكلها واستحلوا بيعها واكلوا اثمانها وان الذى حرم الخمر حرم بيعها واكل ثمنها .

محمد بن قیس کہتے ہیں کہ میں نے ابن عمرؓ سے پوچھا یا ابوکثیر نے پوچھا شراب کے بیچنے کا مسئلہ تو آپ نے کہا کہ قتل کرے اللہ یہود کو (یعنی ان پر لعنت بھیجے) کہ جب حرام کی گئی چربی انکے لئے تو انہوں نے اس کا کھانا تو حرام رکھا۔ مگر اس کے بیچنے کو حلال قرار دیا اور اس کی قیمت کو کھا پی گئے۔ حالانکہ جس نے شراب کو حرام کیا تو اس نے بیچنے کو بھی حرام کیا اور اس کی قیمت کھانے کو بھی۔

ف: بخاری میں یوں ہے آں حضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ یہود پر لعنت بھیجے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان پر چربی حرام کی تو انہوں نے اس کو پگھلایا۔ پھر اس کو بیچا اور اس کی قیمت کھائی ۔گویا یہ ایک حیلہ برتا کہ چربی کو پگھلا کر اس کی صورت وشکل بدل ڈالی اور یہ سوچا کہ اب اس کا حکم بھی بدل گیا۔ نعوذ باللہ یہ کیسی نازیبا حرکت ہے اور اللہ کے حکم کے مقابلہ میں کیسی ناشائستہ جرأت وجسارت ابوداؤد میں ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اللہ نے جب کسی قوم پر کسی چیز کو حرام فرمایا تو اس کی قیمت بھی اس پر حرام فرمائی۔ گویا حرمت کا یہ اصول ہر جگہ جاری وساری ہے۔ لہٰذا ایسے لغو حیلہ کی آڑ پکڑ کر اللہ تعالیٰ کی عدول حکمی کرنا کھلی گمراہی ہے۔

(۱۲۷) باب اللعن على اكل الربوا

ابو حنيفة عن ابى اسحق عن الحارث عن علىؓ قال لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم اكل الربوا ومؤكله .

باب۔ سود خور پر خدا کی لعنت

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لعنت کی سود کھانے والے (لینے والے) اور کھلانے والے (دینے والے) پر۔

ف: امام احمد دارقطنی اور طبرانی اوسط اور کبیرہ میں عبداللہ بن حنظلہ سے مرفوع روایت اس مضمون کی لائے ہیں کہ ایک درم سود کا کھانا جانتے ہوئے کہ یہ سود کا ہے چھتیس زناؤں سے سخت تر ہے۔ بیہقیؒ شعب الایمان میں ابن عباسؓ سے جو روایت لائے ہیں اس میں اس معنی کے الفاظ بھی زائد ہیں کہ جس شخص کا گوشت حرام کے مال سے بنا ہو تو وہ اسی کا سزاوار ہے کہ اس کو آگ

کھائے مسلم وغیرہ میں یہ حدیث یوں مروی ہے کہ سود کے کھانے کھلانے پر بھی آپ ﷺ نے لعنت بھیجی ہے اور اس کے لکھنے والے اور اس پر گواہی دینے والے پر بھی گویا اللہ ورسول اللہ ﷺ کے نزدیک سود اس قدر شدید گناہ ہے کہ اس کے سلسلہ میں ذرا سا حصہ لینے والا بھی لعنت خداوندی کا سزاوار اور آں حضرت ﷺ کی پھٹکار کا مستحق ہے۔

(۱۶۸) باب الربوا فی النسیئة

ابو حنیفة عن عطاء عن ابن عباس رضی اللہ عنه عن اسامة بن زید قال انما الربوا فی النسیئة و ما کان یدا بید فلا باس .

باب۔ سود اُدھار میں ہے

حضرت اسامہ بن زیدؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ البتہ سود ادھار میں ہے اور جو ہاتھ در ہاتھ ہو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

ف: سود کے مسئلہ کی مناسب تشریح متصل حدیث میں آ رہی ہے۔

(۱۶۹) باب الربوا فی الاشیاء الستة بالفضل

ابو حنیفة عن عطیة عن ابی سعید ان الخدری عن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال الذهب بالذهب مثلا بمثل و الفضل ربوا و الفضة بالفضة وزنا بوزن و الفضل ربوا والتمر بالتمر و الفضل ربوا والشعیر بالشعیر مثلا بمثل والفضل ربوا والملح بالملح مثلا بمثل و الفضل ربوا.

وفی روایة الذهب بالذهب وزنا بوزن یدا بید و الفضل ربوا والحنطة بالحنطة کیلا بکیل یدا بید و الفضل ربوا والتمر بالتمر و الملح بالملح کیلا بکیل و الفضل ربوا.

باب۔ چھ چیزوں میں زیادتی سے سود ہو جاتا ہے

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا سونا سونے کے عوض میں ہے برابر برابر اور زیادتی سود ہے اور چاندی چاندی کے بدلے ہے۔ وزن میں برابر برابر اور زیادتی سود ہے کھجور کھجور کے عوض ہے اور زیادتی سود ہے جو جو کے بدلے ہے برابر برابر اور زیادتی سود ہے۔ اور نمک نمک کے عوض ہے۔ برابر برابر اور زیادتی سود ہے۔

اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ سونا سونے کے بدلے ہے وزن میں برابر برابر ہاتھ در ہاتھ اور زیادتی سود ہے اور گیہوں گیہوں کے بدلے ہے ناپ میں برابر برابر ہاتھ در ہاتھ اور زیادتی سود ہے۔ اور کھجور کھجور کے بدلے اور نمک نمک کے بدلے۔ ناپ میں برابر برابر اور زیادتی سود ہے۔

ف: ربوا سود لغت میں مطلق زیادتی کو کہتے ہیں لیکن اصطلاح شرع میں خاص اس زیادیت کا نام ہے جو دو مالوں کے تبادلہ کے وقت بغیر کسی عوض یا بدل کے لی جائے یا دی جائے ربوا در اصل دو قسم کا ہے ایک ربوا نسیہ کہ نقد کو ادھار یا قرض پر بیچیں دوسرا ربوا فضل کہ ہاتھ در ہاتھ نقد انقد لین دین ہو زیادتی کے ساتھ حرمت ربوا کے بارہ میں بنیادی حکم یہ فرمان خداوندی ہے ﴿واحل الله البیع وحرم الربوا﴾ کہ اللہ نے بیع کو حلال کیا اور ربوا کو حرام۔

اس آیت کریمہ ربوا سے معنی لغوی (مطلق زیادتی) تو بالاتفاق مراد نہیں تو گویا نص قرآنی مجمل ہوئی اور محتاج بیان چنانچہ احادیث نے اس کی تشریح کی احادیث میں اصل اصول حدیث وہ ہے جس میں آنحضرت ﷺ نے چھ اشیاء سونا چاندی گیہوں جو تمر نمک کو گنایا ہے۔ یہ حدیث حضرت عبادہ بن صامتؓ سے بایں الفاظ مروی ہے ﴿الذهب بالذهب والفضة والبر بالبر والشعير بالشعير والتمر بالتمر والملح بالملح مثلاً بمثل سواء بسواء يدا بيد فان اختلفت هذه الاصناف فبيعوا كيف شئتم اذا كان يدا بيد﴾ کہ آں حضرت ﷺ نے فرمایا سونا سونے کے بدلے، برابر دست بدست پس اگر یہ اشیاء آپس میں مختلف ہوں تو جیسا چاہو ان کو بیچو۔ جب کہ نقد انقد سودا ہو۔ اس حدیث کو سوائے بخاریؒ کے اصحاب صحاح ستہ لائے ہیں۔ حضرت ابو سعیدؓ کی حدیث ذیل بھی اسی مضمون کی قدرے اجمال سے بیان کرتی ہے۔

غرض یہ حدیث سولہ صحابہؓ سے مروی ہے ظاہر یہ چونکہ قیاس کے منکر ہیں اس لئے اس حدیث کے حکم کو انہی چھ اشیاء تک محدود و مقصور رکھتے ہیں مگر ائمہ مجتہدین اس میں قیاس کو دخل دیتے ہوئے اس میں علت حکم کو تلاش کرتے ہیں اور اس علت پر قیاس کر کے حرمت کے حکم کو دوسری جگہ بھی نافذ کرتے ہیں اور تلاش علت میں ائمہ میں نقطہ اختلافی یہ ہی حدیث بنتی ہے اور علت حکم میں اختلاف واقعہ ہو جانے کی وجہ سے مختلف مذاہب عالم وجود میں آتے ہیں۔ اور ان پر

مختلف مسائل کی بنیاد پڑتی ہے۔ مثلاً امام ابوحنیفہؒ نے تمام حدیث کے پیش نظر علت دو چیزیں قرار دی ہیں ایک جنس دوسری قدر قدر سے مراد وزنی اشیاء میں وزن ہے اور کیلی اشیاء ناپی جانے والی چیزوں میں کیل ناپ ہے کیونکہ حدیث میں مثلاً بمثل سے مماثلت کی طرف اشارہ ہے کہ یہ حرمت فضل تب ہے کہ ان میں مماثلت ہو تو گویا بنائے حرمت مماثلت ہے اور جنسیت میں مماثلت باطنی ہے۔ لہٰذا اس علت جنس وقدر کے ساتھ حکم حرمت نافذ ہوگا۔ جہاں ہر دو جز علت موجود ہوں گے وہاں دست بدست زیادتی بھی ناجائز ہے اور ادھار بھی ناجائز مثلاً اشیاء مذکورہ فی الحدیث میں کہ سونا سونے کے عوض نقدا نقد برابر برابر چاندی چاندی کے بدلے برابر برابر دست اشیاء مذکورہ فی الدبحثی میں کہ سونا سونے کے عوض نقدا نقد برابر چاندی چاندی کے بدلے برابر برابر دست بدست وغیرہ وغیرہ۔ اگر علت کے ہر دو جز نہ پائے جائیں کہ نہ جنس ایک ہو نہ قدر ایک تو نقد انقد بھی زیادتی جائز ہے اور ادھار بھی جائز گویا فضل بھی جائز ہے اور نسیہ بھی مثلاً گیہوں کو چاندی کے عوض بیچیں تو دونوں صورتیں جائز ہیں کیونکہ یہاں نہ تو اتحاد جنس ہی ہے اور نہ اتحاد قدر کہ گیہوں کیلی ہے اور چاندی وزنی۔ اور اگر علت کے ایک جزء میں اتحاد ہو۔ دوسرے میں اختلاف تو فضل جائز ہے یعنی ہاتھ در ہاتھ زیادتی سے بیچ سکتے ہیں مگر ادھار اس میں جائز نہیں مثلاً گیہوں کو چنوں کے عوض میں بیچا تو فضل حلال ہے اور نسیہ حرام یعنی نقدا نقد زیادتی لے دے سکتے ہیں ادھار پر سودا نہیں کر سکتے۔ کیونکہ یہاں جنس مختلف ہے اور قدر ایک کہ گیہوں اور چنے ہر دو کیلی ہیں یا مثلاً گھوڑے کو گھوڑے کے بدلے بیچنا چاہیں تو بھی فضل جائز ہے کہ ایک گھوڑے کے بدلے دو دیں یا لیں مگر نسیہ حرام کہ اس میں اگر چہ جنس ایک ہے مگر قدر نہیں کیونکہ گھوڑا نہ کیلی ہے نہ وزنی امام احمدؒ ایک روایت میں امام صاحبؒ روایت میں امام صاحبؒ کے ساتھ متفق الرائے ہیں۔

امام شافعیؒ اشیاء مذکورہ فی الحدیث میں سے چار چیزوں گیہوں' جو' کھجور' نمک میں علت حرمت طعم کو سمجھتے ہیں کہ وہ کھانے پینے کے کام میں آئے اور سونے چاندی سے ثمنیت کو یعنی وہ قیمت بن سکے۔ ایک روایت میں امام احمد انہیں کے ساتھ ہیں۔ امام شافعیؒ مزید حجت کے لئے ایک اور حدیث سے دلیل لاتے ہیں وہ حضرت معمر بن عبداللہ کی حدیث ہے جو مسلم وغیرہ میں بایں الفاظ مروی ہے ﴿کنت اسمع النبی صلی الله علیه وسلم یقول الطعام باطعام مثل بمثل و کان طعامنا یومئذ الشعیر﴾ کہ میں نبی ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنتا تھا کہ

کھانا کھانے کے بدلے میں ہے برابر برابر اور ان دنوں میں ہمارا کھانا جو تھا۔ کہ یہاں طعام کا علت ہونا معلوم ہوتا ہے۔ ان کے نزدیک ترکاری میوے اور ادویات میں تفاضل و زیادتی ربوا ہوگا۔ کیونکہ ان میں طعم وقوت ہے مگر لوہے تابنے' پیتل' چونے وغیرہ میں نہیں کہ ان میں سے ہر ایک چیز کو اس کے ہم جنس سے زیادتی سے بیچا جا سکتا ہے۔

امام مالکؒ ان چار اشیاء مذکورہ فی الحدیث میں علت ربوا قوت (کھانے پینے کی چیز) اور مذخر ہونے کو سمجھتے ہیں۔ یعنی جن چیزوں کا ذخیرہ ہو سکے ان میں ربوا حرام ہے اور جن چیزوں کا ذخیرہ نہ ہو سکے ان میں نہیں کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ آں حضرت ﷺ نے حرمت فضل میں ان چیزوں کو بیان فرمایا جو قوت (غذا) بننے اور ذخیرہ ہونے کے قابل ہیں۔ لہٰذا یہی علت قرار پائی۔ اسی بناء پر ترکاریاں' میوہ جات اور وہ کھانے پینے کی چیزیں جو ذخیرہ بنا کر نہیں رکھی جا سکتیں ان میں انکے نزدیک ربوا نہیں ان میں سے ایک کو دو کی جگہ لے دے سکتے ہیں۔ اور سونے چاندی میں ان کے نزدیک بھی ثمنیت ہے۔ گویا امام شافعیؒ کے ساتھ یہ اس خیال میں متفق ہوئے۔ امام صاحبؒ کی سمجھی ہوئی علت اول تو حدیث ذیل یا حدیث عبادہ بن صامت کے الفاظ مثلاً بمثل سے بطریق مذکورہ صاف آشکارا ہے پھر امام صاحبؒ کا یہ صرف قیاس ہی نہیں۔ بلکہ ان کا یہ قیاس ایک صریح نص سے بھی مل جاتا ہے جس میں کسی شک وشبہ کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہتی چنانچہ دار قطنی اور بزار حضرت عبادہ اور انس سے مرفوع حدیث لائے ہیں جو اس حدیث ربوا کی گویا کھلی ترجمان ہے اور امام صاحبؒ کے قیاس کی صحت کی صاف دلیل اس کے الفاظ اس طرح ہیں ﴿انه صلی الله علیه وسلم قال کل مایوذن مثل بمثل اذا کان من نوع واحد وکذا مایکال مثله واذااختلفا النوف مافلاباس به﴾ کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہر تولی جانے والی چیزیں برابر برابر ہیں جب کہ ایک ہی نوع سے ہوں ایسے ہی وہ چیزیں جو ناپی جاتی ہیں اور جب نوعوں میں اختلاف ہو تو کوئی پرواہ نہیں۔ اب امام شافعیؒ کی حجت حضرت معمرؓ کی حدیث کے مقابلہ میں ہمارے احناف کے پاس آں حضرت ﷺ کا یہ عام فرمان ہے ﴿لا تبیعو الدرهم بالدرهمین والا الصاع بالصاعین﴾ کہ ایک درہم کے بدلے دو درہم اور ایک صاع کے بدلے دو صاع نہ بیچو کہ جو مطعوم وغیر مطعوم سب کو شامل ہے۔ لہٰذا امام صاحبؒ کا قیاس اقرب الی الصواب ہے اور روایات کے موافق تر۔

(۱۷۰) باب اشتراء العبدین بعبد

ابوحنیفة عن ابی الزبیر عن جابر رضی اللہ عنه ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم اشتری عبدین بعبد .

باب۔ دوغلاموں کوایک غلام کے عوض خریدنا

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دوغلاموں کوایک غلام کے بدلے میں خریدا۔

ف: یعنی یہ خریداری دست بدست ہوئی نہ ادھاراور وعدہ پراور یہ بنابر تفصیل سابق جائز ہی ہے۔ کیونکہ یہاں ہر دوعوض ہم جنس ہیں اوران میں قدر نہیں کہ غلام نہ کیلی ہے نہ وزنی گویا یہ وہ صورت ہے کہ ربوافضل اس میں جائز ہےاورنسیہ حرام۔

ابوحنیفة عن عمرو بن دینار عن طاوس عن ابن عباس رضی اللہ عنه عن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال من اشتری طعامافلا یبعه حتی یستوفیه .

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جوغلہ خریدے وہ اسکونہ بیچے تاوقتیکہ اس کو پورانہ لے لے۔ یعنی اس کوناپ نہ لے۔

ف: بخاریؒ میں یوں ہے کہ وہ چیز جس سے آنحضرت ﷺ نے منع فرمایاوہ غلہ ہے جو قبضہ سے پہلے بیچا جائے مسلم میں بعینہ یہ ہی حدیث امام ہے صرف اشتری کی جگہ ابتاع ہے۔ یہ حدیث بھی ائمہ اربعہ کے مابین ایک نقطہ اختلافی ہے امام مالکؒ اس حکم کومورد نص یعنی طعام (غلہ) ہی کے ساتھ مخصوص رکھتے ہیں۔ یعنی ان کے نزدیک غلہ کے علاوہ چیزوں کا قبل استیفاء کے بیچنا جائز ہے۔ امام احمدؒ اس حکم کو ہر وزنی اور کیلی چیز پر جاری ونافذ جانتے ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ ہر منقول چیز کواس حکم کے ماتحت لاتے ہیں اورعقار (زمین) کواس حکم سے خارج کرتے ہیں گویاان کے نزدیک ہر منقول چیز کی بیع بغیر قبضہ کر لینے کے جائز نہیں اورزمین کی جمع جائز ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک یہ حکم ہر چیز کوشامل ہے خواہ کیلی ہویا کہ وزنی منقول ہویا غیر منقول یعنی کسی چیز کا بھی قبضہ سے پہلے فروخت کرنا جائز نہیں۔ گویاامام مالکؒ کے نزدیک دائرہ نفاذ حکم حدیث بالکل محدود ومقصود ہے۔ امام احمدؒ کے نزدیک اس سے وسیع تر' امام صاحبؒ کے نزدیک اس سے بھی وسیع تر اور امام شافعیؒ کے نزدیک اس سے زیادہ وسیع امام صاحبؒ اپنے مسلک خیال پر آں حضرت

ﷺ کے قول ﴿حتی یستوفیہ﴾ سے دلیل لاتے ہیں کہ استیفاء کا تعلق اشیاء منقولہ سے ہے نہ غیر منقولہ سے یا حضرت ابن عمرؓ کی حدیث سے جو بخاریؒ لائے ہیں بایں الفاظ ﴿نھاھم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن بیعہ فی مکانہ حتی ینقلوہ﴾ کہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو منع فرمایا غلہ کے بیچنے سے اسی جگہ یہاں تک کہ اس کو منتقل کر لیں یعنی اس کی جگہ بدل لیں لہٰذا یہ ہی مسلک حق معلوم ہوتا ہے۔

(۱۷۱) باب النھی عن بیع الغرر

ابوحنیفة عن نافع عن ابن عمر قال نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن بیع الغرر .

باب۔دھوکے کی بیع کی ممانعت

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ منع فرمایا رسول اللہ ﷺ نے دھوکے کی بیع سے۔

ف: نوویؒ کہتے ہیں کہ کتاب البیوع میں یہ حدیث گویا ایک اصولی اور بنیادی حیثیت رکھتی ہے اسی لئے مسلمؒ اس کو شروع میں لائے ہیں اور اس پر بے شمار مسائل کا دار و مدار رکھتے ہیں ۔اور حقیقت بھی یہ ہی ہے کہ یہ حدیث حلت و حرمت کا ایک جامع اصول اور ضابطہ بیان کرتی ہے اور جائز و ناجائز خرید و فروخت کے مابین ایک خط امتیازی کھینچتی ہے کہ جن اقسام بیع میں دھوکہ بازی ہو وہ قطعی حرام ہیں اور جن میں ایسا نہ ہو وہ بلاشبہ حلال ہیں یا یوں کہئے کہ یہ حدیث ایک کسوٹی ہے یا ایک معیار ہے جس سے ہر معاملہ بیع کے جواز و عدم جواز کو جانچا اور پرکھا جا سکتا ہے۔مثلاً بھاگے ہوئے غلام کی بیع معدوم و غیر موجود کی بیع ۔ایک مجہول چیز کی بیع ۔یا اس چیز کا بیچنا جس پر قبضہ دلانا اپنی استطاعت سے باہر ہو یا جس پر بائع کا پورا پورا قبضہ نہ ہو یا پانی کی مچھلیوں کا سودا کرنا۔یا جانور کے تھن کے دودھ پر خرید و فروخت کرنا۔یا جانور کے پیٹ کے بچہ کو بیچنا یا یوں کہہ کر بیچنا کہ ان بکریوں میں سے کوئی بکری بیچتا ہوں ۔یا کپڑوں میں سے کوئی کپڑا بیچتا ہوں کہ یہ سب صورتیں اسی اصول کی روشنی میں ناجائز قرار پاتی ہیں۔

(۱۷۲) باب النھی عن بیع المزابنة فالمحاقلة

ابوحنیفة عن ابی الزبیر عن جابر بن عبد اللہ الانصاری عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه نھی عن المزابنة و المحاقلة .

باب۔ بیع مزابنہ ومحاقلہ سے ممانعت

حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے منع فرمایا بیع مزابنہ اور محاقلہ سے۔

ف: مزابنہ کی یہ صورت ہے کہ کسی قدر کیل وناپ سے درخت پر تر کھجور کو خشک کھجور کے عوض بیچا جائے یا اگر انگور ہیں تو بیل پر لگے ہوئے تر انگوروں کو خشک انگوروں کے بدلے بیچا جائے محاقلہ کی یہ شکل ہے کہ بالیوں میں جو گیہوں ہیں انکی بیع کی جائے چند کیل خشک گیہوں کے بدلے۔ ہر دو صورتیں اصول مذکور کے ماتحت ناجائز ہیں کیونکہ یہاں مبیع مجہول ہے اور اس میں دھوکے کا احتمال ہے بیع کی یہ شکلیں چونکہ ایام جاہلیت میں رائج تھیں اس لئے ان کو علیحدہ بالتخصیص بیان فرمایا اور ان کی حرمت پر صاف الفاظ میں تصریح فرمائی۔

باب النهى عن اشتراء الثمرة حتى يشقح

ابوحنيفة عن ابى الزبير عن جابر ان النبى صلى الله عليه وسلم نهى عن ان يشترى ثمرة حتى يشقح .

باب۔ پھلوں کو سرخ یا زرد ہونے سے پہلے فروخت کرنا

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے منع فرمایا میوہ کو خریدنے سے یہاں تک کہ وہ سرخ یا زرد ہو لے۔

ف: یعنی جب تک پھل اپنی مراد کو نہ پہنچیں ان کی خریداری ممنوع ہے۔

ابوحنيفة عن جبلة عن ابن عمر رضى الله عنهما قال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن السلم فى النخل حتى يبدو صلاحه .

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ منع فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کھجور کے پھل بیچنے سے یہاں تک کہ وہ صلاحیت کو پہنچ جائیں۔

ف: یعنی اگر درخت پر لگی ہوئی کھجور کو فروخت کیا جائے تو جائز نہیں جب تک وہ اپنی مراد کو نہ پہنچ جائے۔ اگر اس کو درخت سے کاٹ کر بیچیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ ان تمام صورتوں میں دھوکے کا مذکورہ قاعدہ کارفرما ہے۔

ابوحنيفة عن عطاء عن ابى هريرة رضى الله عنه عن النبى صلى الله عليه

وسلم قال اذا طلع النجم رفعت العاهات يعنى الثريا .

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا جب ستارہ طلوع کر آئے تو پھلوں پر سے آفتیں ٹل گئیں۔یعنی ثریا۔

ف: بلادِ حجاز میں شروع موسم گرما میں ثریا فجر کے ساتھ ساتھ نکلتا ہے۔تو گویا یہ پھلوں پر آفات کے ٹل جانے کا ایک پیغام ہوتا ہے۔اوران کے مراد پر پہنچ جانے کی سب سے بڑی نشانی۔

(۱۷۴) باب الاشتراط من المشترى

ابو حنيفة عن ابى الزبير عن جابر بن عبدالله الانصارى عن النبى صلى الله عليه وسلم قال من باع نخلا موبرا اوعبد اوله مال فالثمرة والمال للبائع الا ان يشترط المشترى .

وفى رواية من باع عبد اواله مال فالما ل للبائع الا ان يشترط المبتاع ومن باع نخلا موبرافثمرته للبائع الاان يشترط المبتاع .

باب۔خریدار کی طرف سے شرط لگانا

حضرت جابر بن عبد اللہ انصاریؓ سے روایت ہے نبی ﷺ نے فرمایا کہ جس نے فروخت کیا قلم لگایا ہوا کھجور کا درخت یا ایسا غلام کہ جس کے پاس مال ہے تو پھل اور مال بائع کے ہیں مگر یہ کہ مشتری شرط کر لے۔(تو اس صورت میں مشتری کے ہوں گے)

ایک اور روایت میں اس طرح ہے کہ جس نے بیچا غلام جس کے پاس مال ہے تو مال بائع کا ہے۔مگر یہ کہ مشتری شرط کر لے۔اور جس نے بیچا کھجور کا درخت قلم لگا ہوا۔تو اس کے پھل بائع کے ہیں مگر یہ کہ مشتری شرط کر لے۔

ف: موبر اس کھجور کے درخت کو کہتے ہیں جس میں قلم لگایا گیا ہو اس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ عرب کے لوگ درخت کھجور میں نر و مادہ دو قسمیں مانتے تھے۔اور ایسا کرتے تھے کہ مادہ کو چیر کر اس میں نر کا کلہ یا گابہ پیوست کر دیتے تھے۔اس ترکیب سے درخت پھل بہت لاتا تھا۔اس عمل کو عربی میں تابیر اور اردو میں قلم لگانا کہتے ہیں۔

یہ حدیث صحاح ستہ میں موجود ہے۔اور اسی حدیث کی رو سے امام شافعیؒ امام مالکؒ و امام احمدؒ کا یہ مذہب قرار پایا ہے کہ اگر درخت کھجور موبر ہو اور درخت کو فروخت کیا جائے تو یہ ہی

حکم ہے کہ بلا شرط پھل بائع کے ہیں اور مع شرط مشتری کے اور اگر موبر نہ ہو تو بہر صورت مشتری کے ہیں امام صاحبؒ چونکہ مفہوم مخالف کے قائل نہیں اس لئے ان کے نزدیک نخل موبر ہو یا غیر موبر بہر دو صورت پھل شرط سے مشتری کے ہوں گے۔ اور بلا شرط بائع کے۔ گویا ان کے نزدیک حکم حدیث کے لئے تابیر کی شرط نہیں۔ ان کے نزدیک یہ قید بطور عادت اور بلحاظ اکثر حالت کے لگادی گئی۔ مزید براں امام محمدؒ آں حضرت ﷺ سے حدیث نقل کرتے ہیں جس کو صاحب ہدایہ بھی لائے ہیں کہ آں حضرت ﷺ نے فرمایا ﴿من اشتری ارضا فیها نخل فالثمرة للبائع الاان یشترط المبتاع﴾ کہ جس نے کوئی زمین خریدی کہ اس میں درخت خرما پر پھل لگے ہوئے تو پھل بائع کے ہیں۔ مگر یہ کہ مشتری شرط لگالے۔ تو یہاں موبر و غیر موبر کی کوئی قید نہیں بلکہ مطلق ہے تو معلوم ہوا کہ یہ حکم دراصل تابیر کی قید سے مقید نہیں۔

(۱۷۵) باب النهی عن السوم علی السوم

ابوحنیفة عن حماد عن ابراهیم عمن لا اتهم عن ابی سعید ان لخدری وابی هریرة عن النبی صلی الله علیه وسلم انه قال لایستام الرجل علی سوم اخیه ولا ینکح علی خطبة اخیه ولا تنکح المرأة علی عمتها ولا خلتها ولا تسأل المرأة طلاق اختها لتکفیء مافی صحفتها فان الله هو رازقها ولا تبا یعوا بالقاء الحجر واذا استاجرت اجیر افاعلمه اجره.

باب۔ بھاؤ پر بھاؤ کرنا

حضرات ابوسعید خدریؓ اور ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ نہ بھاؤ لگائے کوئی آدمی اپنے بھائی کے بھاؤ پر۔ اور اپنے بھائی کے پیغام نکاح پر پیغام نہ بھیجے۔ اور نہ نکاح کیا جائے اس عورت سے جس کی پھوپھی یا خالہ نکاح میں ہو۔ اور نہ چاہے کوئی عورت اپنی بہن کی طلاق کو تاکہ اس کے برتن یا پیالہ کی چیز اپنے میں الٹ لے کیونکہ اس کا رازق اللہ ہی ہے اور پتھر پھینک کر بیع نہ کرو۔ اور جب کسی کو مزدور رکھو تو اس کو اس کی مزدوری بتلادو۔

ف: یہ حدیث کئی جزئی مسائل پر مشتمل ہے اور انفرادی حیثیت سے مختلف کتب حدیث میں مذکور ہے لیکن یکجائی شکل میں یہاں امام صاحبؒ ہی کی روایت میں ان کا بیان ہے۔

پھر حدیث میں بھاؤ پر بھاؤ لگانے کی ممانعت اس صورت میں ہے کہ دو آدمیوں کے

درمیان کسی چیز پر مول تول کرنے کے بعد معاملہ ٹھہر گیا ہو۔یعنی بائع بیچنے پر راضی ہو اور خریدار خریدنے پر اور قیمت بھی طے پا گئی ہو۔مگر ابھی لین دین عمل میں نہ آیا ہو۔تو ایسے وقت کسی کے لئے جائز نہیں کہ بھاؤ تاؤ کرکے اپنے بھائی کے معاملہ کو بگاڑنے کی کوشش کرے ورنہ اگر معاملہ اس حد تک نہ پہنچا ہو تو ایک چیز پر چند آدمیوں کا بھاؤ کرنا حرام نہیں چنانچہ نیلام کی شکل جائز ہے ۔اسی طرح پیام منگنی پر پیام بھیجنا اس صورت میں ناجائز ہے کہ جانبین سے رضامندی ہوگئی ہو۔اور ابھی عقد ہونا باقی ہو لیکن اگر رضامندی کے آثار نہ ہوں تو بایں صورت مختلف پیام بیک وقت بھیجے جاسکتے ہیں۔اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں۔چنانچہ فاطمہ بنت قیس کے لئے معاویہؓ اور ابوجہمؓ کی طرف سے بیک وقت پیام آئے اور نبی ﷺ نے اس کو برا نہ بنایا پھر آخر حضرت اسامہؓ سے نکاح قرار پایا۔

اور اپنی بہن کی طلاق چاہنے کی صورت یہ ہے کہ مثلاً ایک اجنبی عورت کسی عورت کی خوش حالی پر رشک کرکے اس کے خاوند سے مطالبہ کرے کہ اس کو طلاق دے کر اس سے نکاح کرلے۔تاکہ نان نفقہ اور دیگر اسباب معیشت جو مطلقہ کو نصیب تھے وہ اس کو میسر آجائیں۔اسی کو آں حضرت ﷺ نے بطور تشبیہ ومثال دوسرے کے برتن کی چیز اپنے برتن میں انڈیلنا کہا ہے تو ایسا مطالبہ کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ رازق اللہ ہی ہے اس کے مقدر کی چیز اس کو ملنی ہے اور اس کے مقدر کی چیز اس کو۔

ابوحنيفة عن معن بن عبد الرحمن بن عبد الله بن مسعود عن عبدالله بن مسعود عن النبى صلى الله عليه وسلم انه قال اشتر واعلى الله قالو وكيف ذلك يا رسول الله قال تقولون بعنا الى مقاسمنا ومغانمنا .

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا خریدو اللہ کے بھروسہ پر۔صحابہؓ نے عرض کیا۔یہ کیسے یارسول اللہ ' آپ ﷺ نے فرمایا تم کہتے ہو خریدا ہم نے ہمارے رزقوں کی تقسیم یا مال غنیمت ملنے تک (یعنی آئندہ مال غنیمت کے وصول ہونے پر قیمت کی ادائیگی کو معلق نہ کرو)۔

ف: ارشاد نبوی ﷺ کا منشاء یہ ہے کہ اللہ کے بھروسے پر چیزوں کی خریداری کرو۔مشکوک اور غیر یقینی حالات وواقعات پر معلق نہ رکھو۔مثلاً کہیں کہ بخشش یا عطایا تقسیم ہونے پر یا

اموال غنیمت کی وصول یابی پر کیونکہ یہ اجل مجہول پر بیع کرنے کی شکل ہوئی جو شریعت میں ناجائز ہے۔

(۱۷۶) باب الرخصة فی ثمن کلب الصید

ابوحنیفة عن الھیثم عن عکرمة عن ابن عباسؓ قال رخص رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فی ثمن کلب الصید.

باب۔شکاری کتے کی قیمت لے کر استعمال کرنا

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رخصت دی شکاری کتے کی قیمت میں۔

ف: یہ حدیث بیع کلب (کتے کی خرید وفروخت) کے مسئلہ کو بیان کرتی ہے۔یہ چونکہ امام شافعی اور امام ابوحنیفہؒ کے درمیان ایک اختلافی مسئلہ ہے اس لئے قدرے مستحق تشریح ہے اور محتاج بیان۔امام شافعیؒ کے نزدیک کتا خواہ شکاری ہو یا غیر شکاری اس کی بیع ناجائز ہے حدیث سے بھی حجت لاتے ہیں اور قیاس سے بھی احادیث کے ذیل میں وہ حدیث سامنے رکھتے ہیں جو صحیحین میں ابن مسعودؓ سے بایں مضمون مروی ہے کہ نبی ﷺ نے منع فرمایا کتے کی قیمت فاحشہ عورت کی اجرت اور کاہن کی مزدوری سے قیاس کے ماتحت یوں کہتے ہیں کہ کتا نجس العین ہے اور نجاست حقارت وناقدری کو ظاہر کرتی ہے اور بیع عزت وقدر کو ظاہر کرتی ہے تو ہر دو یک جا کیسے جمع ہوں اور کتے نجس کی بیع کس طرح جائز ہو۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس عام امتناعی حکم سے شکاری کتا اور وہ جس سے جانوروں کی نگہبانی کھیتی کی چوکسی۔گھر کی پاسبانی کا کام لیا جائے مستثنیٰ ہیں اور مخصوص۔تابعین میں سے بہت سوں کا یہ ہی مسلک ہے مثلاً عطاءؒ زہریؒ وغیرہ اسی خیال کے حامی ہیں امام صاحبؒ کے مذہب پر محکم وپختہ دلیل حدیث ذیل ہے جو متن کے لحاظ سے بھی واضح ہے اور اسناد کی رو سے بھی بے خلش کیونکہ امام ابوحنیفہؒ کے بارہ میں کس کو تاب کہ کوئی سقم نکال سکے۔ہیثم بن حبیب الصیر فی کے ثقہ ہونے میں کس کو گنجائش کلام عکرمہؒ اور ابن عباسؓ کے خلاف کس کو تاب لب کشائی۔لامحالہ اس کو حدیث ممانعت کے لئے مخصص ماننیں گے۔پھر کتب صحاح میں بعض روایات میں صریح استثناء موجود ہے جو اس مذہب کی بنیاد کو مستحکم کرتی ہے مثلاً ترمذیؒ میں حضرت

ابو ہریرہؓ سے روایت بایں الفاظ مروی ہے ﴿نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن ثمن الکلب الا کلب صید﴾ کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا کتے کے داموں سے مگر شکاری کتے کے۔ گو ترمذی نے اس کو صحیح نہیں بتایا۔ مگر دوسری روایات اس کی تائید میں موجود ہیں سب سے پہلے یہ ہی حدیث ذیل تو ان سے مل کر یہ استثناء کی حدیث اگر صحیح نہیں تو حسن تو ضرور ٹھہرتی ہے اور وہ بھی قابل حجت ہے بیہقی اس میں یہ نکتہ نکالتے ہیں کہ حماد کی روایت قیس سے صحیح نہیں جو اس حدیث میں ہے کیا خوب یہ ہر دو مسلم کے رجال ہیں جن میں کسی کا کلام نہیں ہو سکتا پھر بیہقیؒ خود ایک سلسلہ سے حضرت جابرؓ سے ان الفاظ کی حدیث لائے ہیں ﴿نھی عن ثمن الکلب والسنور الا کلب الصید﴾ کہ آپ نے منع فرمایا کتے بلی کے داموں سے مگر شکاری کے اور کہتے ہیں کہ حماد نے اس طرح روایت کی ہے ﴿عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم﴾ گویا اس کو مرفوع نہیں کیا۔ حالانکہ اہل حدیث کے نزدیک یہ مرفوع حدیث ہے کہتے ہیں کہ عبید اللہ بن موسیٰ نے حماد سے مرفوع روایت کرنے میں شک کیا ہے۔ حالانکہ شک اس کے رفع میں حارج نہیں۔ اگر رفع حقیقی نہیں تو حکمی ہے لیجئے اور سنیئے دار قطنی روایت کو حضرت جابرؓ سے لائے ہیں اور اس کے الفاظ یہ ہیں ﴿لا اعلمہ الا من النبی صلی اللہ علیہ وسلم﴾ کہ اس کو میں نبی ﷺ ہی سے جانتا ہوں تو اب تو یہ بلا شک مرفوع ہوئی۔ مزید براں بیہقی خود رقمطراز ہیں کہ ہیثم بن جمیل نے حماد سے اس کی یوں روایت کی ہے ﴿نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم﴾ لیجئے اب رفع میں کیا شک رہا اور ہیثم ثقہ ہیں اور زیادتی ثقہ کی بلا شک مقبول ہے۔ اسی طرح نسائی حضرت جابرؓ سے روایت لائے ہیں کہ نبی ﷺ نے بلی کتے کی قیمت سے منع فرمایا ۔ مگر شکاری کتے کی۔ اس کے راوی سب ثقہ ہیں بہر حال ان استثناء کی احادیث میں سے کسی کی اسناد میں ضعف پایا بھی جائے تو وہ متابعات سے قوت پکڑ لیتی ہے اور کم از کم حسن کے درجہ تک پہنچتی ہے جو حجت کے لئے کافی ہے۔ اب رہا ان احادیث کا جواب جن سے شافعیؒ حجت لاتے ہیں تو ان کا جواب یا تو وہ ہی ہے جو دیا گیا کہ یہ عام ہیں ہر کتے کی بیع کو روکتی ہیں اور یہ احادیث صحیحہ ان کی تخصیص کرتی ہیں اور شکاری کتے یا کھیتی کی، گھر کی جانوروں کی رکھوالی کرنے والے کتے کو اس حکم عام سے مستثنیٰ کرتی ہیں یا یہ کہ مطلق ممانعت کی احادیث منسوخ ہیں کہ ابتداء میں ایسا ہی تھا کہ آنحضرت ﷺ نے کتے سے ہر قسم کی نفع اندوزی کو حرام قرار دیا تھا۔ مگر بعد میں اجازت

مرحمت فرمائی۔ چنانچہ مروی ہے کہ آں جناب ﷺ نے شکاری کتے کے مار ڈالنے پر مارنے والے کو چالیس درم ادا کرنے کا حکم دیا۔ اور کھیتی کی چوکسی کرنے والے کے مارنے پر ایک کبش کا ابن الملک ؒ نے اس کا ذکر کیا ہے یہ بھی ممکن ہے کہ ممانعت کی احادیث میں کٹ کھنا کتا اور وہ جو سدھایا ہوا نہ ہو مراد ہو اور ان میں وہ کتا جو سدھایا ہوا ہو اور نفع اندوزی کے قابل امام صاحب ؒ قیاس سے بھی اپنے مذہب کی حجت لاتے ہیں وہ یہ کہ کتا بروئے شریعت بہر حال مال ہے کیونکہ اس کے پالنے اور اس سے نفع اندوزی کرنے کی اجازت ہے۔ چنانچہ بخاری میں ابو ہریرہؓ سے مرفوع روایت اس مضمون کی ہے کہ جس نے کتا پالا اس کے عمل میں سے ہر روز ایک قیراط کم ہوتا ہے مگر کھیتی اور جانوروں کا رکھوالا کتا پھر ابن سیرین ؒ اور ابو صالح ؒ کے واسطے سے جو روایت لائے ہیں اس میں شکاری کتے کا بھی استثناء ہے جب کتا مال ٹھہرا اور نفع اندوزی کے قابل اور ملک میں اس کا شمار ہوا تو اس کی خرید و فروخت بھی ہو سکتی ہے جس طرح اور تمام املاک کی پھر اس کی ذاتی نجاست بیع میں حارج نہیں جس طرح امام شافعی ؒ نے سمجھا ہے۔ کیونکہ مثلاً ہاتھی نجس ہے مگر اس میں خرید و فروخت جائز ہے اور اس میں ملک بھی ثابت ہوتی ہے اسی طرح کتا بھی ہے۔

ابوحنیفة عن ابی یعفور عمن حدثه عن عبد الله بن عمر رضی الله عنهما عن النبی صلی الله علیه وسلم بعث عتاب بن اسید الی اهل مکة فقال انههم عن شر طین فی بیع وعن بیع وسلف وعن ربح مالم یضمن وعن بیع مالم یقبض .

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے بھیجا عتاب بن اسید کو اہل مکہ کی طرف یہ کہہ کر کہ منع کروان کو بیع میں دو شرطوں کے کرنے سے۔ بیع اور قرض سے غیر مضمون چیز سے نفع اٹھانے سے اور قبضہ نہ کی ہوئی چیز کو بیچنے سے۔

ف: حدیث میں دو شرطوں کی قید اتفاقی ہے کیونکہ بیع میں ایک شرط بھی ناجائز ہے۔ مسائل مذکورہ فی الحدیث کی تشریح حسب ذیل ہے۔

بیع میں دو شرطوں کے کرنے کی چند صورتیں ہیں جو سب ناجائز ہیں ایک یہ کہ کوئی شخص مثلاً کسی کو اپنا غلام اس شرط سے بیچتا ہے کہ وہ بھی اپنا گھر اس کے ہاتھ بیچ دے۔ دوسری صورت یہ کہ کہے کہ میں یہ چیز تیرے ہاتھ نقد تو دس روپے میں بیچتا ہوں اور ادھار بیس میں تیسری یہ صورت

جیسا کہ بعض نے لکھا ہے کہ کہے کہ مثلاً یہ کپڑا میں تیرے ہاتھ بیچتا ہوں بایں شرط کہ اس کو دھلا بھی دوں گا اور سلوا بھی دوں گا۔ شیخ عبدالحق ؒ نے ایسا ہی لکھا ہے بیع اور قرض کی یہ شکل ہے کہ مثلاً کہے کہ یہ چیز میں تیرے ہاتھ بیچتا ہوں اس شرط سے کہ تو مجھ کو اتنا روپیہ قرض دے دے۔

غیر مضمونہ چیز سے نفع اندوزی کی یہ صورت ہے کہ مثلاً ایک شخص نے دوسرے شخص سے کوئی چیز مول لی اور خریدار نے اس پر قبضہ نہیں کیا اور قبل قبضہ اس چیز سے کرایہ لینے کا حقدار بننے لگا تو یہ اس کے لئے جائز نہیں۔ بلکہ اس کے کرایہ کا حق بائع کو ہے۔ کیونکہ ایسی صورت میں اگر چیز کھو جائے تو چیز بائع کی ضائع ہوتی ہے نہ خریدار کی تو اس سے نفع اٹھانے کا حقدار بھی بائع ہی ہوگا نہ خریدار۔

بیع غیر مقبوضہ چیز کی صاف شکل یہ ہی ہے کہ جو چیز ملک و قبضہ میں نہ ہو اس کو بیچا جائے اور ایسی بیع حرام ہوتی ہے۔

ابو حنيفة عن عبد الملك عن قزعة عن ابى سعيد الخدرى قال قال النبى صلى الله عليه وسلم لايبتاع احد كم عبد اولا امة فيه شرط فانه عقد فى الرق

حضرت ابوسعید خدری ؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے نہ خریدے تم میں سے کوئی کسی غلام یا چھوکری کو جس میں (غلامی کی) کوئی علامت ہو۔ کیونکہ یہ گویا اس میں غلامی کی ایک گرہ ہے (جو کھل نہیں سکتی)

ف: حدیث کے الفاظ مجمل ہیں۔ مذکورہ بالا معنی کی صورت میں لفظ شرط بفتح راء ہوگا جس کے معنی علامت و نشانی کے ہیں اور حدیث کی تشریح یوں کی ہے کہ جو غلام مثلاً مدبر ہو یا لونڈی ام ولد تو اس کو نہ خریدیں کیونکہ غلام کا مدبر ہونا اور لونڈی کا ام ولد ہونا ان میں نا قابل حل و کشائش گرہ ہے۔ بعض لفظ شرط بسکون راء پڑھتے ہیں اور معنی معروف مراد لیتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ گویا ایک بیع میں دو بیعوں کی شکل ہوئی جو حرام ہے ہی۔

(١٧٧) باب النظر عن المعسر

حماد عن ابيه عن ابى مالك ن الا شجعى قال حدثنى ربعى بن حراش عن حذيفة قال يؤتى بعبد الى الله تعالى يوم القيامة فيقول اى ربى ماعملت الا خير ماأردت به الا لقاء ك فكنت اوسع على الموسر

وانظر عن المعسر فيقول الله تعالى انا احق بذلك منك فتجا وزواعن عبدى فقال ابومسعود الانصارى واشهد على رسول الله صلى الله عليه وسلم انه سمعه منه .

باب۔ تنگ دست کومہلت دینا

حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ روز قیامت ایک بندہ اللہ تعالیٰ کی پیشی میں لایا جائے گا ۔تو وہ کہے گا اے میرے پروردگار میں نے کوئی کام نہیں کیا مگر نیک جس سے میں نے صرف تیری رضا مندی وخوشنودی چاہی پس میں ڈھیل دیتا تھا' خوشحال کواور درگذر کرتا تھا تنگدست سے اس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں اس (معافی و درگذر کرنے) میں تجھ سے زیادہ لائق ہوں (پھر فرشتوں کوحکم دے گا کہ) میرے اس بندے سے درگذر کرو۔ ابومسعود انصاریؓ نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ انہوں نے (حضرت حذیفہؓ نے) اس حدیث کورسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔ یا یہ مطلب کہ میں نے یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے۔

ف: یہ حدیث صحاح میں اس کے قریب قریب لیکن ہم معنی الفاظ سے وارد ہے۔ یہ گویا اس مقصد کے لئے ایک زریں سبق ہے اور ایک نصیحت بخش درس کہ معاملات میں لوگوں کے ساتھ نرمی ورعایت برتنا اور لین دین میں ان کے ساتھ درگذر ومعافی سے کام لینا اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ محبوب وپسندیدہ ہے کیونکہ وہ بھی اپنے بندوں کے ساتھ اعراض وچشم پوشی سے پیش آتا ہے کبھی اپنی صفت رحیمی سے بہت سے گناہ یوں ہی معاف فرمادیتا ہے اور کبھی جوش رحمت میں تمام گناہوں پر یکسر قلم عفو کھینچ دیتا ہے۔

ابوحنيفة عن اسماعيل عن ابى صالح عن ام هانىء قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من شدد على امتى بالتقاضى اذاكان معسرا شدد الله تعالى فى قبره .

حضرت ام ہانیؓ کہتی ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جس شخص نے میری امت کے تنگدست پر تقاضے میں تشدد برتا تو اللہ تعالیٰ قبر میں اس کے ساتھ سختی کرے گا۔

ف: یہ حدیث بھی پیشتر حدیث کے مضمون کی مزید تشریح کرتی ہے کہ جو قرضدار تنگ دست نادار مفلس ہو اور فی الوقت ادائیگی قرض پر قدرت نہ رکھتا ہو تو اس پر بے جا وغیر واجبی سختی ودرشتی برتنا

اورطرح طرح کے دباؤ ڈال کراس کے دائرہ حیات کوتنگ کرنا اوراس کی زندگی کوتلخ کرنا اللہ رب العزت کوسخت ناپسند ہے چنانچہ اس کی پاداش میں قرض خواہ پراس کی قبر میں سختی برتی جائے گی۔

باب النهى عن الغش فى البيع والشرآء

ابوحنيفة عن عبد الله عن ابن عمر عن النبى صلى الله عليه وسلم انه قال ليس منامن غش والبيع والشراء .

باب۔خرید وفروخت میں دھوکہ بازی کرنے کی ممانعت

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا جس نے خرید فروخت میں دھوکہ بازی کی وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

ف: ہم میں سے نہ ہونے کی معنی یہ کہ اس میں ہم مسلمانوں جیسے اخلاق وعادات نہیں اور نہ وہ سنت اسلامی پر قائم ہے ترمذی میں حضرت ابوہریرہؓ سے اس مضمون کی روایت وارد ہے کہ آں حضرت ﷺ ایک مرتبہ غلہ کے ایک ڈھیر پر سے گذرے آپ ﷺ نے اس کے اندر اپنا ہاتھ ڈالا تو آپ کی انگلیاں تر ہوگئیں آپ ﷺ نے غلہ کے مالک سے فرمایا۔ یہ تری کیسی؟ اسنے کہا کہ یارسول اللہ ﷺ اس پر بارش پڑی ہے آپ نے ارشاد فرمایا کہ پھر تو نے اس کواوپر کیوں نہیں کردیا کہ لوگ اس کودیکھ لیتے پھر آپ ﷺ نے فرمایا جس نے دھوکہ دیا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

حماد عن ابيه عن حماد بن ابى سليمان قال اول من ضرب الدينار تبع وهو اسعد ابوكرب واول من ضرب الدراهم تبع ان لا صغر واول من ضرب الفلوس وادارها فى ايدى الناس نمرود بن كنعان .

حماد بن ابی سلیمان نے کہا کہ سب سے پہلے وہ شخص جس نے سونے پر سکہ لگایا تبع یعنی اسعد ابوکرب ہے اوراول وہ آدمی جس نے پیسہ کا سکہ نکالا اوراس کولوگوں میں چلن دیا وہ نمرود بن کنعان ہے۔

ف: یہ کنعان حضرت نوح علیہ السلام کا پوتا ہے۔

(۱۷۹) كتاب الرهن

ابوحنيفة عن حماد عن ابراهيم عن الاسود عن عائشة ان رسول الله صلى

اللہ علیہ وسلم اشتری من یھودی طعاما ورھنہ درعا .

باب ۔ رہن کے احکام

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک یہودی سے غلہ خریدا۔ اور اس کے پاس اپنی زرہ رہن رکھدی۔

ف: یہ آں حضرت ﷺ کے رہن کردہ زرہ لوہے کی تھی۔ اور آپ ﷺ نے تیس صاع کی مقدار میں جو خریدے تھے۔ اکثر روایات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ آں جناب ﷺ کی زرہ تا وفات پر حسرات گروی رہی۔ ابن المطلاع نے کہا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے آپ ﷺ کے وصال کے بعد اس کو چھڑایا۔ اس حدیث سے رہن کے سلسلے میں کئی مفید وکار آمد مسائل کا استنباط ہوتا ہے اول یہ کہ اس سے معلوم ہوا کہ یہود یا دیگر ذمیوں سے مسلمان لین دین وخرید وفروخت کے معاملات کرسکتے ہیں۔ اگرچہ یہود سود خوار ہیں جس پر قرآن کریم شاہد ہے۔ گویا شریعت نے مسلمانوں کا' ان کے ساتھ تجارتی لین دین رکھنا روا رکھا ہے۔ دوسرے یہ کہ جس کسی کا اکثر مال حرام ہو تو اس سے کوئی چیز لی جاسکتی ہے۔ تاوقتیکہ یہ معلوم نہ ہو کہ یہ خاص چیز جو اس سے لی گئی ہے بطریق حرام حاصل کی گئی تھی۔ تیسرے یہ کہ رہن حضر یعنی اپنے وطن میں بھی جائز ہے گو قرآن کریم میں سفر ہی کے سلسلہ میں اس کا ذکر آیا ہے کیونکہ وہاں سفر کی قید اتفاقی ہے پھر یہاں اس مسئلہ کی وضاحت بھی بے موقع نہیں ہوگی کہ گروی رکھی ہوئی چیز سے مرتہن (لینے والا) نفع اندوزی کا حق نہیں رکھتا۔ کیونکہ شئے کی قیمت اس کا ایک قرض ہے جو بذمہ راہن واجب الاداء ہے۔ اگر وہ شئے مرہون سے بھی فائدہ اٹھائے تو قرض پر بلا بدل نفع ہوا جو کھلم کھلا سود ہے اور حرام شئے موہون محض مرتہن کے اطمینان وبھروسہ کے لئے رکھی جاتی ہے نہ اس لئے کہ وہ اس سے مستفید ہو کیونکہ شے مرہون راہن کی ملک سے نہیں نکلتی اسی لئے اس کا نفع اسی کے لئے ہے اور اسکا تاوان اسی کے ذمہ نہ مرتہن کے ذمہ پھر مرتہن کس طرح شئے مرہون سے فائدہ اٹھانے کا حقدار ہو چنانچہ شافعی سعید بن مسیب سے مرسل حدیث لائے ہیں کہ آں حضرت ﷺ نے فرمایا ﴿لایغلق الرھن الرھن من صاحبہ الذی رھنہ ولہ غنمہ وعلیہ غرمہ﴾ کہ کسی شئے مرہون کا رہن رکھنا اس کو اس شخص کی ملک سے نہیں نکالتا جس نے اس کو رہن رکھا ہے اس کے لئے اس کا نفع ہے اور اسی پر اس کا تاوان اسی بنا پر اکثر علماء کے نزدیک وہ حدیث منسوخ ہے۔ جو ترمذی حضرت ابی

ہریرہؓ سے مرفوع لائے ہیں۔اوراس کے الفاظ ہیں ﴿الظهر يركب اذاكان مرهونا ولبن الدريشرب اذاكان مرهونا وعلى الذى يركب ويشرب نفقته ﴾ کہ سواری کے جانور کی سواری لیجائے جب کہ وہ گروی ہواور دودھ دینے والے جانور کا دودھ پیا جائے جب کہ وہ گروی ہو۔اور جو سواری لیتا ہے یا دودھ پیتا ہے اسی کے ذمہ اس کا خرچ یعنی دانہ چارہ ہے۔

(۱۸۰) کتاب الشفعة

ابومحمد كتب الى ابن سعيد بن جعفر عن سليمان قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الجار احق بشفعته .

باب۔شفعہ کے احکام

حضرت سلیمانؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے پڑوسی زیادہ حقدار ہے اپنے شفعہ کی وجہ سے۔

ف: مسئلہ شفعہ کی مناسب تشریح ووضاحت متصل حدیث میں آرہی ہے۔

ابوحنيفة عن عبد الكريم عن المسور بن مخرمة قال اراد سعد بيع داره فقال لجاره خذها بسبعمائة فانى قد اعطيت بها ثمان مائة درهم ولكن اعطيتكها لانى سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول الجار احق بشفعته.

وفى رواية عن المسور عن رافع بن خديج قال عرض على سعد بيتا فقال له خذه اما انى قد اعطيت به اكثر مماتعطينى ولكنك احق به فانى سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول الجار احق بشفعته .

وفى رواية عن المسور عن رافع مولى سعد انه قال لرجل يعنى سعدا خذهذا البيت بار بعمائة فيقول اما انى اعطيت ثمانمائة درهم ولكنى اعطيتكه لحديث سمعته من رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول الجار احق بشفعته .

وفى رواية عن سعد بن مالك انه عرض بيتاله على جاره باربعمائة درهم وقال قد اعطيت ثمانمائة ولكن سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول الجار احق بشفعته .

حضرت مسور بن مخرمہ سے روایت ہے کہ حضرت سعد بن مالک نے اپنے گھر کو بیچنے کا ارادہ

کیا تو آپ نے پڑوسی حضرت ابورافع سے کہا کہ تم اس کو سات سو میں لے لو۔ اور البتہ مجھ کو اس کے آٹھ سو درم مل رہے ہیں لیکن میں تم کو کم قیمت صرف سات سو میں میں اس لیئے دینا چاہتا ہوں کہ میں نے سنا ہے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے کہ پڑوسی زیادہ حق دار ہے اپنے شفعہ کی وجہ سے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ مسور رافع بن خدیجؓ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ حضرت سعدؓ نے اپنے گھر کا معاملہ میرے سامنے پیش کیا۔ اور مجھ سے کہا کہ اس (گھر) کو تم لے لو اور البتہ مجھ کو اس سے زیادہ قیمت مل رہی ہے جو تم مجھ کو اس کی دیتے ہو لیکن تم اس کے زیادہ حقدار ہو۔ کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ ہمسایہ زیادہ حقدار ہے اپنے شفعہ کے سبب۔

ایک اور روایت میں اس طرح ہے کہ مسور رافع سعد کے آزاد کردہ غلام سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے یعنی سعد نے ایک شخص سے کہا کہ اس گھر کو تو چار سو میں لے لے اور یہ کہنے لگے کہ البتہ مجھ کو اس کے آٹھ سو درم مل رہے ہیں۔ لیکن میں تجھ کو اس حدیث کی وجہ سے دیتا ہوں جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے آپ ﷺ فرماتے تھے کہ پڑوسی زیادہ حق دار ہے اپنے شفعہ کی وجہ سے۔

ایک اور روایت میں حضرت سعد بن مالکؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنے گھر کو چار سو درم میں اپنے ہمسایہ کو دینا چاہا۔ اور کہا کہ مجھ کو اس کے آٹھ سو مل رہے ہیں لیکن میں سن چکا ہوں رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے کہ پڑوسی زیادہ حقدار ہے اپنے شفعہ کے سبب۔

ف: بعض روایت میں رافع بن خدیج کا تعارف سعد کے لفظ سے کرایا گیا ہے گویا وہ سعد کے آزاد کردہ غلام تھے۔ مگر صحیح یہی ہے کہ وہ آں حضرت ﷺ کے آزاد کرد غلام تھے نہ سعد کے جیسا کہ بیشتر روایات بتاتی ہیں یا ممکن ہے سعدؓ کی طرف منسوب کر کے لفظ مولیٰ دوست آشنا اور مددگار مراد لیا ہو۔ اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ اور تینوں ائمہ امام شافعیؒ احمدؒ مالکؒ کے مابین اختلاف ہے صورت اختلاف کی یہ ہے کہ ہر سہ ائمہ کے نزدیک شریک کے لئے شفعہ ہے نہ پڑوسی اور ہمسایہ کے لئے۔ انکی حجت حضرت جابر بن عبداللہ کی حدیث ہے جس کو بخاری وغیرہ لائے ہیں

کہ﴿ قضی النبی صلی الله علیه وسلم بالشفعة فی کل مالم یقسم فاذاوقعت الحدود وصرفت الطرق فلا شفعة ﴾نبی ﷺ نے ہراس چیز میں شفعہ کاحکم صادرفرمایا جوابھی بانٹی نہ گئی ہو پس جب حدیں قائم ہوجائیں (یعنی تقسیم ہوجائے) اور راستے پھیر دیئے جائیں تو پھر شفعہ نہیں۔امام ابوحنیفہؒ کے مذہب پرایک دواحادیث نہیں بلکہ متعدداحادیث نہایت صاف اور کھلے الفاظ سے وارد ہیں۔اول حدیث ذیل ہے یااس سے پیشتر والی حدیث کہ اس میں پڑوسی کوشفعہ کے سبب زیادہ حقدار ٹھہرایا ہے۔دوسرے حضرت ابورافع کی حدیث جو بخاری بایں الفاظ لائے ہیں﴿انه سمع النبی صلی الله علیه وسلم یقول الجار احق بشفعته﴾کہ پڑوسی اپنی نزدیکی کے باعث (حق شفعہ کا) زیادہ حقدار ہے۔تیسرے حضرت جابرؓ کی حدیث جوسلسلہ عبدالملک بن ابی سلیمان اور عطا سے مروی ہے اور جس کی ترمذی اور دوسرے اصحاب صحاح لائے ہیں کہ﴿الجاراحق بشفعته ینتظر به وان کان غائبا اذا کان طریقهما واحدا ﴾یعنی پڑوسی اپنے شفعہ کے سبب زیادہ حقدار ہے اگروہ غائب ہوتواس کا انتظار کیا جائے گا یہ جب کہ ان کا راستہ ایک ہو۔چوتھے حضرت سمرہؓ کی حدیث جوترمذی وغیرہ بدیں الفاظ لائے ہیں﴿جار الدار احق بالدار ﴾کہ گھر کا پڑوسی گھر کا زیادہ حقدار ہے پانچویں نسائی حضرت جابرؓ سے بطریق صحیح مرفوع حدیث لائے ہیں کہ﴿قضی بالشفعته بالجوار ﴾کہ آں حضرت ﷺ نے پڑوس کے باعث شفعہ کاحکم صادرفرمایا۔مذہب حنفیہ کے بطلان کے سلسلہ میں مخالفین نے دو پہلو اختیار کئے ہیں اول تو یہ کہتے ہیں کہ احناف کے مذہب کی احادیث میں لفظ جار سے مراد پڑوسی نہیں جواس کے معنی مشہور ہیں بلکہ شریک اور کسی مکان یازمین میں حصہ دار مراد ہے حالانکہ یہ اس قدر کمزور پہلو ہے کہ معمولی سمجھ بوجھ رکھنے والا انسان بھی اس کے ضعف اور نقصان کو بخوبی جانتا ہے کیونکہ اول تو یہ حقیقت کے خلاف ہے۔کیونکہ اس کے حقیقی معنی وہ ہی معنی مشہور پڑوسی وہمسایہ کے ہیں۔لامحالہ یہ معنی مجازی ہوں گے اور مجاز کے لئے کوئی قرینہ اور دلیل چاہئے اور یہاں کوئی دلیل نہیں۔دلیل اگر ہے تو یہ ہی کہ کسی صورت سے ان کا مذہب نہ ٹوٹنے پائے اور انکے مخالف کا مذہب ثابت نہ ہوسکے۔مخالفین حدیث کی تاویل کی سب سے بڑی دلیل اور وجہ یہ ہی جانتے ہیں بھلاغور تو فرمایئے کہ اپنی ایک حدیث کو بنانے کی خاطر جس کی تاویل بسہولت ہوسکتی ہے اس قدر کثیر روایات صریحہ کو توڑا مروڑا جائے اور ایسی بعیدازقیاس

تاویلات کی جائیں یہ کونسی عقل کا تقاضا ہے دوسرے دیگر روایات صحیحہ اس تاویل کی سخت تردید کرتی ہیں مثلاً نسائی ابن ماجہ ابن ابی شیبہ عمرو بن شرید سے روایت نقل کرتے ہیں اور وہ اپنے والد سے وہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ میری زمین میں نہ کسی کا کوئی حصہ ہے نہ شرکت البتہ پڑوس ہے تو آپ نے فرمایا کہ پڑوسی زیادہ حقدار ہے اپنی نزدیکی کی وجہ سے تو یہ حدیث بآواز بلند کہہ رہی ہے کہ حق شفعہ شرکت وحصہ داری کے علاوہ پڑوس کے سبب بھی ہے اور یہ کہ جار بمعنی شریک نہیں بلکہ بمعنی پڑوسی ہے ان کو اس سے زیادہ واضح حدیث اور کون سی چاہئے چنانچہ امام طلوانی نہایت تعجب وافسوس کے ساتھ کہتے ہیں ﴿ترک الشافعیة العمل بمثل هذا الحدیث مع شهرته وصحته وهم سموا انفسهم باصحاب الحدیث وکیف یراد بالجار الشریک وقد اخرج ابن ابی شیبة ﴾ شافعیہ نے اس جیسی حدیث پر عمل ترک کیا باوجود اس کے وہ مشہور ہے اور صحیح۔ حالانکہ انہوں نے اپنا نام اصحاب حدیث یا اہل حدیث رکھا ہے۔ اور جار سے شریک مراد کیسے لیتے ہیں۔ جبکہ ابن ابی شیبہ یہ حدیث لائے ہیں پھر یہی مذکور حدیث نقل کی ہے واقعی تعجب کی بات ہی ہے کہ یہ دعویٰ حدیث دانی اور پھر صحیح احادیث سے ایسی روگردانی اور ان کی ایسی غلط ترجمانی کسی عقلمند کو اس پر تعجب کیوں نہ ہو پھر مزید براں نسائی۔ ابن ماجہ طحاوی انہیں شریک سے بایں الفاظ روایت نقل کرتے ہیں ﴿انه صلی الله علیه وسلم قال الجار والشریک احق بالشفعة ما کان یاخذها ویترک ﴾ آپ نے فرمایا پڑوسی اور شریک زیادہ حقدار ہے شفعہ کے باعث جو بھی ہو یا تو لے لے اسکو یا چھوڑ دے۔ تو اس میں شریک کا عطف جار پر کیا ہے جو مغائرت کو بتاتا ہے غرض اس قسم کی تمام روایات ناطق ہیں کہ جار کی تفسیر شریک سے کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا' دوسرا پہلو مذہب حنفیہ کی تردید کے لئے انہوں نے یہ اختیار کیا کہ حضرت جابرؓ کی صحیح حدیث جو عبدالملک بن ابی سلیمان کے واسطہ سے ہے اس کو ضعیف ثابت کرنے کے لئے ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگایا۔ مگر یہ کوشش پہلی کوشش سے زیادہ مضحکہ خیز ہے۔ ان کی یہ عادت ہے کہ جب کسی مذہب کے راوی کو کمزور دکھانا چاہتے ہیں تو پھر کسی نہ کسی جرح کرنے والے کو ٹٹول ہی لاتے ہیں۔ اس سے بحث نہیں کہ وہ کون ہے ایک ہے یا کئی پھر اس کے قول کو اس قدر اچھالتے ہیں اور اس کی بات کو اس قدر مضبوط کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ راوی بے حقیقت ہو کر رہ جاتا ہے۔ چنانچہ یہاں ان کو صرف شعبہ مل سکے جنہوں

نے عبد الملک میں کلام کیا ہے۔ تو ہم مشربوں کا پورا جتھ کا جتھ اس غریب پر لپٹ پڑا۔ اور ہر طرف سے یہ آواز آنے لگی۔ کہ یہ ضعیف ہے۔ صاحب تنقیح نے صاف کہا ہے کہ اس حدیث کے ذیل میں شعبہ کا طعن عبد الملک میں کوئی قباحت نہیں پیدا کرتا کیونکہ وہ ثقہ ہے اور شعبہ ماہرین فقہ میں نہیں۔ اور شعبہ کے علاوہ جنہوں نے اس میں کلام کیا ہے وہ محض شعبہ کی اتباع میں۔ واقعی ان کی یہ عادت بھی ہے کہ جب کسی ایک کے ساتھ آواز ملاتے ہیں تو پھر وہ ایک شخص ایک نہیں رہتا بلکہ ناس سے بدل جاتا ہے اور کہنے لگتے ہیں کہ ﴿تکلم فیه الناس﴾ کہ لوگوں نے اس میں کلام کیا ہے گویا ناس سے خود اپنے کو مراد لیتے ہیں اور یوں لوگوں کو ڈراتے ہیں۔ اس لئے صاحب تنقیح نے اس کو کھولا ہے پھر صاحب تنقیح کہتے ہیں کہ مسلمؒ عبد الملک سے حجت لاتے ہیں اور بخاریؒ اس سے استناد کرتے ہیں منذری نے بھی مختصر السنن میں اس باب میں خوب کہا ہے پھر ذرا ایک نظر بیہقی پر بھی ڈالیئے کہ وہ کہتے ہیں کہ شعبہ سے کسی نے کہا کہ حضرت آپ عبد الملک کی حدیث کو چھوڑتے ہیں جو حسن الحدیث ہے انہوں نے کہا جی ہاں میں اسکے حسن ہی سے بھاگا کیا خوب یہ وہ ہی تو عبد الملک ہے جس سے شعبہ کتب حدیث میں کس قدر روایات لائے ہیں جس سے وہ بھری پڑی ہیں صاحب کمال نے بھی ابن معین کا کلام نقل کیا ہے کہ عبد الملک میں کلام کیا جاتا ہے۔ مگر عبد الملک ثقہ ہے صدوق ہے۔ اس جیسے شخص میں کوئی خرابی نہیں نکالی جاسکتی ترمذی نے بھی اس کے حق میں بہت کچھ لکھا ہے مگر ان کا یہ ہی اصول ہے جو ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ راوی کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ مخالف مذہب کی روایت کردے لہٰذا انکا یہ پہلو بھی کارگر نہ ہوا۔ اور اب اس تمام بحث سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچی کہ مذہب حنفیہ کی احادیث اپنے ظاہری معانی پر دال ہیں ۔اور کسی طرح قابل تاویل نہیں۔ البتہ حضرت جابر کی حدیث جو ہر سہ ائمہ کی حجت ہے اس کے کئی جوابات دیئے جاسکتے ہیں جو قرین قیاس ہیں اور موافق عقل۔ اول یہ کہ ایک چیز کے ذکر کرنے دوسری چیز کا انکار کب نکلتا ہے۔ مثلاً اگر شریک کے لئے شفعہ ثابت ہو تو اس سے جار کے لئے شفعہ کا انکار کب نکلتا ہے۔ دوسرے حدیث میں ﴿انما﴾ جیسا کوئی کلمہ حصر نہیں کہ یہ حکم صرف شریک کے لئے ہو تیسرے ﴿فلا شفعة﴾ کا لفظ جو اصل مغالطہ کا سبب ہے اس سے یہ معنی مراد لینا کس قدر بعید از عقل اور دور از قیاس ہے کہ جب حدود قائم کردی جائیں اور راستے پھیر دیئے جائیں تو پھر کسی قسم کے شفعہ کا وجود نہیں یہ معنی کیوں مراد نہ ہوں جو ہر سلیم العقل انسان سمجھتا ہے اور

جو حقیقت میں مراد ہیں کہ ایسی صورت میں پھر شرکت کا شفعہ نہیں جس کا بیان چل رہا ہے کیونکہ شفعہ شرکت کی طرح شفعہ جوار بھی تو اپنی ایک مستقل حیثیت رکھتا ہے جس کے اغراض بھی جدا ہیں اور آثار بھی جدا تو اس کے انکار سے اس کا انکار کیوں ہوں۔

ابو حنيفة عن علي بن الاقمر عن مسروق عن عائشة قالت قال النبي صلى الله عليه وسلم اذا اراد احد كم ان يضع خشبته في جائطه فلا يمنعه .

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی اپنی لکڑی اپنی یا اپنے پڑوسی کی دیوار پر رکھنا چاہے تو پڑوسی کو نہ چاہئے کہ اس کو اس سے روکے۔

ف: اس میں اختلاف ہے کہ آں حضرت ﷺ کا یہ حکم وجوبی ہے یا ندب کے طور پر ۔امام ابوحنیفہؒ وشافعیؒ دوسری شق کے حامی ہیں اور امام مالک سے دو روایات ہیں ایک پہلی شق کے موافق دوسری دوسری کے مطابق۔

كتاب المزارعة

ابوحنيفة عن ابى الزبير عن جابر قال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن المخابرة .

کھیتی کے احکام

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے منع فرمایا مخابرہ سے۔

ف: مزارعہ مخابرہ یہ دونوں لفظ قریب المعنی ہیں اور زمین کو کرایہ پر دینے کی دو شکلیں ہیں مزارعہ کی صورت یہ ہے کہ پیداوار کے کسی حصہ کے عوض مثلاً ایک تہائی یا ایک چوتھائی کے بدلے زمین کو کرایہ پر دیا جائے اور بیج مالک زمین کا ہو۔مخابرہ میں بھی یہی صورت ہوتی ہے مگر اس میں بیج عامل کاشتکار کا ہوتا ہے یہ ہر دو صورتیں کرایہ پر دینے کی امام ابوحنیفہؒ ومالکؒ وشافعیؒ کے نزدیک اسی جیسی احادیث کے ماتحت ناجائز ہیں۔

ابوحنيفة عن ابى حصين عن رافع بن خديج عن النبى صلى الله عليه وسلم انه مر بحائط فاعجبه فقال لمن هذا فقلت لى فقال من اين هو لك قلت استاجرته .قال فلا تستا جره بشىء منه .

وفى رواية ان النبى صلى الله عليه وسلم مر بحائط فقال لمن هذا فقلت

لی وقد استاجرته فقال فلا تستاجره .

حضرت رافع بن خدیج سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کا گذر ایک باغ پر ہوا جو آں جناب ﷺ کو بہت پسند آیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ کس کا ہے (کہتے ہیں کہ) میں نے کہا یہ میرا ہے پھر آپ نے فرمایا کہ یہ تم نے کہاں سے لیا میں نے کہا کہ میں نے اس کو کرایہ پر لیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کو پیداوار کے کسی حصہ کے عوض کرایہ پر نہ لینا۔

اور ایک روایت میں ہے کہ نبی ﷺ ایک باغ پر گذرے۔ تو آپ نے فرمایا کہ یہ کس کا ہے (حضرت رافع کہتے ہیں) میں نے کہا یہ میرا ہے اور میں نے اس کو اجارہ پر لیا ہے ۔آپ نے فرمایا کہ اس کو اجارہ پر نہ لے۔

ف: یہ بھی گویا زمین کو کرایہ پر لینے کی مذکورہ صورت ہے جو نا جائز ہے۔

كتاب الفضائل

(۱۸۲) باب فضائل النبی صلی الله علیه وسلم

ابوحنيفة عن الهيثم وربيعة عن انس ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قبض وهو ابن ثلث وستين وقبض ابوبكر وهو ابن ثلث وستين وقبض عمر وهو ابن ثلث وستين .

فضائل کا ذکر

باب۔آں حضرت ﷺ کے فضائل

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی تریسٹھ ۶۳ سال کی عمر میں ۔اور حضرت ابو بکرؓ نے بھی تریسٹھ سال کی عمر میں اور اسی طرح حضرت عمرؓ نے بھی تریسٹھ ہی سال کی عمر میں۔

ف: حضرت علیؓ کی وفات بھی بروئے اصح روایات تریسٹھ ہی سال کی عمر میں ہوئی گویا آں حضرت ﷺ وخلفائے ثلاثہ نے ایک سن عمر میں وفات پائی البتہ حضرت عثمانؓ کی وفات تقریباً اسی سال کی عمر میں یا اس سے کچھ زائد میں ہوئی۔

ابوحنيفة عن يحيى بن سعيد عن انس قال بعث رسول الله صلى الله عليه وسلم على رأس اربعين سنة فاقام بمكة عشرا وبالمدينة عشرا وتو فی

رسول الله صلى الله عليه وسلم وما في لحيته ورأسه عشرون شعرة بيضاء .

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ مبعوث ہوئے چالیس برس کی عمر میں دس برس مکہ میں قیام فرمایا اور دس برس مدینہ میں اور جب آپ ﷺ کی وفات ہوئی تو آپ ﷺ کی ڈاڑھی اور سر میں بیس بال سفید نہ تھے۔

ف: اس حدیث کی رو سے آنحضرت ﷺ کی عمر پاک ساٹھ برس کی قرار پاتی ہے ۔چنانچہ روایات مسلم وترمذی میں اسکے ساتھ یہ ٹکڑا بھی زائد ہے کہ آپ نے ساٹھ برس کی عمر میں وفات پائی مگر صحیح ترین روایت یہی ہے کہ آں جناب ﷺ کی وفات پر حسرات تریسٹھ سال کی عمر میں ہوئی۔

ابو حنيفة عن ابى الزبير عن جابرؓ قال كان النبى صلى الله عليه وسلم يعرف بريح الطيب اذا اقبل من الليل .

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جب رات میں تشریف لاتے تو آپ کے جسم مبارک کی خوشبو سے ہم آپ کو پہچان لیتے۔

ف: دارمیؒ نے حضرت جابرؓ سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ جب کسی راستہ سے گذرتے اور آپ ﷺ کے پیچھے کوئی اس راستہ سے گذرتا تو آپ ﷺ کے جسم مبارک کی مہک سے پہچان جاتا کہ آپ ﷺ کا گذر اس راستہ سے ہوا ہے حضرت ثابت بن انسؓ سے یہ بھی روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے عنبر یا مشک یا اور کسی خوشبو کی چیز کو رسول اللہ ﷺ زائد مہک میں پاکیزہ نہیں پایا۔اور چھونے میں دیباج یا ریشم کو آپ سے زائد نرم تر نہیں پایا۔

ابو حنيفة عن حماد عن ابراهيم عن علقمة عن عبد الله بن مسعود ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يعرف بالليل اذا اقبل الى المسجد بريح الطيب .

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ بوقت شب جب مسجد تشریف لاتے تو اپنی پاکیزہ خوشبو سے پہچان لئے جاتے۔

ف: آں جناب ﷺ کو خوشبو بہت محبوب تھی اور اس کو آپ بہت استعمال فرماتے یہاں تک کہ جب راستہ چلتے تو ہوا معطر ہو جاتی اور قرب وجوار میں مہک وخوشبو پھیل جاتی۔

ابوحنيفة عن محارب عن ابن عمر قال كان لی علی النبی صلی الله عليه وسلم دين فقضانی وزادنی .

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ پر میرا کچھ قرضہ تھا۔ آپ نے وہ ادا فرمایا اور مجھ کو اور زائد دیا۔

ف: گویا یہ مزید عنایت و بخشش تھی اور آں جناب ﷺ کی طرف سے ایک حسن سلوک۔

ابوحنيفة عن ابراهيم عن انس بن مالک قال مامسست بيدی خزا ولا حريرا الين من کف رسول الله صلی الله عليه وسلم .وفی رواية مارئی رسول الله صلی الله عليه وسلم مادار کبتيه بين جليس له قط .

حضرت انس بن مالک کہتے ہیں کہ میں نے نہیں چھوا کسی خز (ایک اون اور ریشم ملا ہوا کپڑا) یا ریشم کو جو رسول اللہ ﷺ ہتھیلی سے زیادہ نرم ہو۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ کو کسی نے کبھی نہیں دیکھا کہ آپ نے ہم جلیس سے زانوئے مبارک آگے بڑھائے ہوں۔

ف: ترمذی میں حضرت انسؓ سے یوں روایت ہے کہ جب آپ کسی شخص سے مصافحہ کرتے تو جب تک وہ خود اپنا ہاتھ نہ کھینچتا۔ آپ ہاتھ اس کے ہاتھ میں سے نہ نکالتے اسی طرح اس سے روگردانی نہ فرماتے جب تک وہ خود منہ پھیر کر نہ چلا جاتا۔ اور زانوئے مبارک ہم جلیس کے سامنے نہ پھیلاتے۔

ابوحنيفة عن ابراهيم عن ابيه عن مسروق انه سأل عائشة عن خلق رسول الله صلی الله عليه وسلم فقالت اماتقرأ القران .

حضرت مسروقؒ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہؓ سے آں حضرت ﷺ کے اخلاق کے بارہ میں معلومات کرنی چاہی تو انہوں نے جواب دیا کہ کیا تم قرآن نہیں پڑھتے۔

ف: گویا اس سوال سے یہ بتانا چاہتی ہیں کہ قرآن پورا کا پورا آنحضرت ﷺ کی عادات طیبہ و خصائل محمودہ کی صحیح ترجمانی کرتا ہے اور آپ ﷺ کی اخلاقی زندگی اور سیرت پاک کا نہایت واضح اور روشن نقشہ سامنے رکھتا ہے یا یوں کہئے کہ خود آنحضرت ﷺ اپنے اخلاق حسنہ

پسندیدہ عادات اور برگزیدہ اعمال سے قرآن کریم کی صحیح تفسیر وتشریح فرماتے تھے لہٰذا جو آپ ﷺ کے اخلاق سے ناواقف ہے تو گویا وہ قرآن مجید سے ناآشنا ہے اور اس کے مطالب سے نابلد۔

ابوحنیفة عن مسلم عن انسؓ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یجیب دعوة المملوک ویعود المریض ویرکب الحمار .

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ غلام کی دعوت قبول فرمالیتے۔ بیمار کی مزاج پرسی کرتے اور حمار پر سوار ہو جاتے۔

ف: غلام سے یا تو وہ غلام مراد ہے جو آزاد کردیا گیا ہے۔ اور اس کو مجاز غلام کہہ دیا گیا یا پھر یہ مطلب ہے کہ اگر غلام اپنے آقا کی طرف سے آکر دعوت پیش کرتا تو آپ ﷺ قبول فرماتے۔ یعنی اگرچہ خداوند تعالیٰ نے آں حضرت ﷺ کو دین و دنیا کی بادشاہت وسرداری نصیب فرمائی تھی لیکن کبر ونخوت، تکبر وغرور آں جناب ﷺ کے پاس نہ پھٹکی تھی۔ بلکہ اعمال وافعال برتاؤ ومعاملات میں تواضع، انکساری، فروتنی ظاہر فرماتے مثلاً کوئی غریب آدمی دعوت پیش کرتا تو قبول فرمالیتے کہ اس کی دل شکنی نہ ہو۔ کوئی معمولی آدمی مسلمان بیمار ہوتا تو اس کی مزاج پرسی وعیادت کو تشریف لے جاتے اور اس کو تسلی دیتے کہ اس کے غمزدہ دل کو ڈھارس ہو سواری کے لئے کبھی حمار کو استعمال فرماتے۔ حالانکہ عرب میں امراء اونٹ وگھوڑے پر سوار ہوتے اور غرباء حمار مگر آپ تواضع کے طور پر حمار پر بھی سوار ہو جاتے۔

ابوحنیفة عن حماد عن ابراھیم عن الاسود عن عائشة قالتکانی انظر الی بیاض قدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حیث اتی الصلوٰة فی مرضه.

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ گویا میں (ابھی) دیکھ رہی ہوں رسول اللہ ﷺ کے قدموں کی سفیدی کو جب کہ آپ ﷺ اپنی بیماری میں نماز کے لئے تشریف لائے۔

ف: یعنی مجھ کو وہ منظر اور وہ کیفیت ابھی تک ایسی یاد ہے کہ گویا وہ میں ابھی دیکھ رہی ہوں ۔ اور وہ سارا نقشہ میری نظروں کے سامنے ابھی بھی پھر رہا ہے۔

ابوحنیفة عن حماد عن ابراھیم عن الاسود عن عائشة ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لما مرض المرض الذی قبض فیه استحل ان یکون فی بیتی

فاحللن له قالت فلما سمعت ذلک قمت مسرعة فكنست بيتي وليس لي خادم وفرشت له فراشا حشو مرفقته الاذخر فاتى رسول الله صلى الله عليه وسلم يهادى بين رجلين حتى وضع على فراشي .

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جب مرض موت میں مبتلا ہوئے تو آپ ﷺ نے اور ازواج مطہرات سے میرے گھر میں رہنے کی اجازت طلب فرمائی سب نے (یک زبان ہوکر) آپ کو اجازت دی۔ کہتی ہیں کہ جب میں نے یہ سنا تو لپکی اور گھر کو جھاڑو دی کیونکہ میرے پاس کوئی خادم نہ تھا۔ اور آں جناب ﷺ کے لئے وہ فرش بچھایا جس کے کہنی کے تکیوں کے نیچے اذخر گھانس بھری ہوئی تھی چنانچہ رسول اللہ ﷺ دو آدمیوں کا سہارا لئے ہوئے تشریف لائے۔ اور آپ کو میرے فرش پر بٹھا دیا گیا۔

ف: کتب صحاح میں آپ کی اجازت طلب کرنے کا واقعہ مجمل اور مفصل دونوں طرح مذکور ہے۔

ابوحنيفة عن يزيد عن انسؓ ان ابابكر رأى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم خفة فاستاذنه الى امرأته بنت خارجة وكانت في حوائط الانصار وكان ذلک راحة الموت ولا يشعرفاذن ثم توفى رسول الله صلى الله عليه وسلم تلک الليلة فاصبح فجعل الناس يترامون فامر ابوبكر غلاما يستمع ثم يخبره فقال اسمعهم يقولون مات محمد صلى الله عليه وسلم فاشتد ابوبكر وهو يقول واقطع ظهراه فما بلغ ابوبكرا لمسجد حتى ظنوا انه لم يبلغ وارجف المنا فقون فقالو لوكان محمد نبيا لم يمت فقال عمرؓ لا اسمع رجلا يقول مات محمد صلى الله عليه وسلم الاضربته بالسيف فكفو الذلک فلما جاء ابو بكر والنبى صلى الله عليه وسلم مستجى كشف الثوب عن وجهه ثم جعل يلثمه فقال ماكانالله ليذ يقک الموت مرتين انت اكرم على الله من ذلک ثم خرج ابو بكر فقال يا ايها الناس من كان يعبد محمد فان محمد قد مات ومن كان يعبد رب محمد فان رب محمد لايموت ثم قرأ وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل افان مات اوقتل انقلبتم على اعقابكم ومن ينقلب على عقبيه فلن يضر الله

شيئا وسيجزى الله الشاكرين قال فقال عمرؓ لكانالم تقرأها قبلها قط فقال الناس مثل مقالة ابى بكر من كلامه وقراءته ومات ليلة الاثنين فمكث ليلتين ويومين ودفن يوم الثلثاء وكان اسامة بن زيد واوس بن خولى يصبان وعلى والفضل يغسلانه صلى الله عليه وسلم.

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے جب رسول اللہ ﷺ کی بیماری میں افاقہ دیکھا تو اپنی بیوی بنت خارجہ کے پاس جانے کی اجازت چاہی جو انصار کے باغوں میں اقامت پذیر تھیں حالانکہ یہ افاقہ سنبھالا تھا۔ مگر اس کو نہ سمجھ سکے۔ آپ ﷺ نے ان کو اجازت دی۔ اور پھر اسی رات رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی جب صبح ہوئی تو لوگ آں جناب ﷺ کی طرف سمٹنے لگے۔ حضرت ابوبکرؓ نے غلام کو حکم دیا کہ حقیقت سن کر ان کو خبر پہنچائے اس نے کہا کہ میں لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنتا ہوں کہ محمد ﷺ نے وفات پالی پس شتابی کی حضرت ابوبکرؓ نے اور وہ کہتے جاتے ہائے افسوس کمر ٹوٹ گئی۔ تو حضرت ابوبکرؓ مسجد میں نہ پہنچے یہاں تک کہ لوگوں نے گمان کیا کہ آپ کو واقعہ کی خبر نہ ہوئی اور منافق یہ باتیں بنانے لگے کہ محمد اگر نبی ہوتے تو نہ مرتے اس پر حضرت عمرؓ بول اٹھے کہ میں کسی شخص کو یہ کہتا ہوا نہ سنوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم مر گئے ورنہ تلوار سے اس کی گردن اڑادوں گا۔ چنانچہ آپ کے اس قول سے منافق اس بکواس سے رک گئے پھر جب حضرت ابوبکرؓ آئے اور رسول اللہ ﷺ پر کپڑا پڑا ہوا تھا۔ آپؓ نے آنحضرت ﷺ کے چہرہ مبارک سے کپڑا اٹھایا اور پیشانی پر بوسہ دیا اور کہا کہ البتہ اللہ تعالیٰ آپ کو دو موتوں کی تلخی نہیں چکھائے گا۔ آپ ﷺ اللہ کے نزدیک اس سے زیادہ بزرگ ہیں (اس کلام سے حضرت عمرؓ کے قول کی تردید مقصود ہے) پھر حضرت ابوبکر باہر آئے۔ اور کہا اے لوگو جو محمد ﷺ کی عبادت کرتے تھے تو محمد ﷺ مر گئے اور جو محمد ﷺ کے رب کی عبادت کرتے تھے تو البتہ محمد ﷺ کا رب نہیں مرے گا۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت کی ﴿وما محمد الا رسول﴾ کہ محمد نہیں ہیں مگر ایک رسول البتہ ان سے پہلے بھی رسول گذر چکے ہیں ۔ اگر وہ مر گئے یا قتل کئے گئے تو کیا تم پلٹ جاؤ گے اپنی ایڑیوں کے بل اور جو پلٹ جائے اپنی ایڑی کے بل تو وہ ہرگز نہیں نقصان پہنچائے گا اللہ کو کچھ اور عنقریب اللہ جزا دے گا

شکر گذار بندوں کو حضرت عمرؓ نے کہا کہ گویا ہم نے اس آیت کو اس سے پہلے کبھی نہیں پڑھا تھا۔ پھر لوگ بھی حضرت ابوبکرؓ کے کلام کی طرح کہنے لگے اور وہ ہی آیت پڑھنے لگے۔ دوشنبہ کی شب کو آں حضرت ﷺ کی وفات ہوئی اور دورات دودن کا وقفہ گذرنے کے بعد منگل کے روز آپ سپرد خاک کئے گئے اور بوقت غسل حضرت اسامہ بن زید اور اوس بن خولی پانی ڈالتے جاتے تھے اور حضرت علیؓ اور فضلؓ بن عباس آں حضرت ﷺ کو غسل دیتے جاتے۔

ف: یہ آنحضرت ﷺ کی وفات پرحسرات اور انتقال پر ملال کا واقعہ جانکاہ اور سانحہ ہوش ربا ہے کہ اس وقت ہر شخص کی عقل گم تھی اور سمجھ چرخ کہ یک بیک چراغ نبوت کیوں گل ہوا۔ اور مشعل رسالت کیوں سرد ہوئی حتی کہ حضرت عمرؓ کی ذات پرصفات بھی اس صبر آزما صدمہ کی تاب نہ لاسکی اور آپ کے دل نے بھی جگہ چھوڑ دی مگر اللہ تعالیٰ نے اس وقت حضرت ابوبکرؓ کو صبر وتحمل عنایت فرمایا۔ اور آپ نے برسر منبر وہ نصیحت بخش سبق آموز خطبہ دیا کہ لوگوں کے خیالات صحیح نقطہ پر آ گئے۔ اور عقلوں پر سے ایک عالم بے خودی زائل ہوا عقلیں اپنے ٹھکانے آئیں طبیعتوں کو ایک گونہ ڈھارس ملی چنانچہ خود حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ اس بے خودی کے عالم میں جب حضرت ابوبکرؓ نے ﴿وما محمد الا رسول﴾ کی آیت پڑھی تو معلوم ہوا کہ یہ آیت پہلی ہی بار میں نے سنی ہے۔

(۱۸۳) باب فضائل شیخین رضی اللہ عنہما

ابوحنیفة عن سلمة عن ابی الزعراء عن ابن مسعودؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اقتدوا بالذین من بعدی ابوبکرؓ وعمرؓ.

باب۔ حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ کے فضائل

حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ پیروی کرو میرے بعد خلیفہ ہونے والے ابوبکرؓ وعمرؓ کی۔

ف: دوسری حدیث میں آں جناب ﷺ نے ہر چہار خلفاء کی پیروی پر زور دیا ہے اور فرمایا کہ خلفائے راشدین مہدیین کی پیروی واتباع کرو۔ ایک جگہ یوں فرمایا ہے کہ میرے اصحاب مثل ستاروں کے ہیں ان میں سے جس کسی کی تم پیروی کرو گے ہدایت پا جاؤ گے لیکن

یہاں ان دو بزرگوں کو اس خصوصی فخر سے نوازا کہ انہیں کی پیروی پر زور دیا۔ کیونکہ ان ہر دو حضرات کی شخصیتیں پھر آخر سب سے بالا و برتر ہیں۔ ان کو جو خصوصیت آں حضرت ﷺ سے نصیب تھی اس میں یہ ہی دو بزرگ ممتاز تھے۔

(۱۸۴) باب فضائل عمار وعبد الله رضی الله عنه

ابو حنيفة عن عبد الملک عن ربعی عن حذيفة بن اليمان قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم اقتدوا بالذين من بعدی ابی بکر وعمر رضی الله عنهما واهتدوا بهدی عمار رضی الله عنهما وتمسکوا بعهد ابن ام عبد.

باب۔ حضرات عمارؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کے فضائل

حضرت حذیفہؓ بن یمان کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پیروی کرو میرے بعد خلیفہ ہونے والے ابوبکرؓ اور عمرؓ کی اور اختیار کرو سیرت حضرت عمارؓ کی اور مضبوط تھا مو وصیت حضرت عبداللہؓ بن مسعود کی۔

ف: حضرت شیخینؓ کی مدح و تعریف سے کتب صحاح پر ہیں اور مختلف عبارات والفاظ سے آں حضرت ﷺ نے ہر دو بزرگوں کی توصیف فرمائی ہے کہیں یوں وارد ہے کہ نبین و مرسلین کو چھوڑ کر تمام اگلے پچھلے ادھیڑ عمر اہل جنت کے یہ ہر دو بزرگ سردار ہیں۔ ایک جگہ یوں ارشاد ہے کہ ابوبکرؓ و عمرؓ میرے کان و آنکھ کی جگہ ہیں۔ ایک مقام میں اس طرح ارشاد ہوا کہ ابوبکر مجھ سے ہیں اور میں ان سے اور وہ دنیا و آخرت میں میرے بھائی ہیں کہیں اس طرح وارد ہے۔ کہ عمرؓ میرے ساتھ ہیں اور میں ان کے ساتھ اور میرے بعد حق انکے ساتھ ہے کہیں بھی ہو۔ یہ حدیث ابن مسعودؓ کی فضیلت و برتری پر بھی قطعی حجت ہے اور کھلی دلیل۔ جیسا کہ ملا علی قاریؒ نے کہا ہے اسی لئے حضرت امام اعظمؒ نے بعد خلفائے اربعہ کے آپ کی رائے کو تمام صحابہؓ میں معیار جانا اور اپنے مذہب کی زیادہ تر بنیاد انہی کے کلام پر رکھی ہے کیونکہ علم وفقہ کے میدان میں آپ کا قدم مضبوط ہے۔ عالمانہ درک میں آپ سب سے زائد سربلند ہیں اور آں حضرت ﷺ کا یہ کلام کہ ان کی وصیت سے تمسک کرو ان کی پیروی لازم ہونے کا پختہ ثبوت ہے۔ علامہ تورپشتی کے خیال میں حدیث ذیل میں عہد سے مراد امر خلافت ہے یعنی آں حضرت ﷺ یہ فرماتے ہیں کہ دربارہ خلافت ابن مسعودؓ کی رائے کو قابل قبول جانو چنانچہ ان کے نزدیک حضرت ابوبکر صدیقؓ

کے انتخاب کے بارہ میں یہ حضرت ابن مسعودؓ ہی کا کلام ہے کہ کیا ہم اس شخص کو دنیا کی راہ نمائی کے لئے نہ چنیں جس کو آں حضرت ﷺ نے ہمارے دین کے لئے چنا بعض کے نزدیک یہ حضرت علیؓ کا مقولہ ہے جیسا کہ ہم لکھ کر آئے ہیں مگر اس لحاظ سے حدیث کے معانی میں دل پسند ربط پیدا ہو جاتا ہے کہ گویا آپ فرماتے ہیں کہ میرے بعد ابوبکرؓ وعمرؓ کی اقتدا کرو۔ جو میرے بعد خلیفہ ہونگے اور اس بارہ میں حضرت ابن مسعودؓ کی رائے کو اہمیت دو اور اسی سے تمسک کرو۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی تین کنیتیں ہیں۔ اپنے والد کے لحاظ سے یہ ابن مسعودؓ ہیں اپنی والدہ کے اعتبار کے لحاظ سے ابن ام عبد کیونکہ ام عبدان کی والدہ کی کنیت تھی اور اپنے صاحبزادہ کی نسبت سے ابوعبدالرحمٰن ہیں۔

(١٨٥) باب فضيلة عثمان رضى الله عنه

ابوحنيفة عن الهيثم عن موسىٰ بن ابى كثير ان عمر مربعثما وهو حزين قال مايحزنک قال الااحزن وقد انقطع الصهر بيني وبين رسول الله صلى الله عليه وسلم وذلک حدثان ماتت بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم وكانت تحته فقال له عمر ازوجک حفصة ابنتى فقال حتى استامر رسول الله صلى الله عليه وسلم فاتاه فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم هل لک ان ادلک على صهر هو خير لک من عثمان وادل عثمان على صهر هو خير له منک فقال نعم فقال زوجني حفصة وازوج عثمان ابنتى فقال نعم ففعل رسول الله صلى الله عليه وسلم.

باب۔ حضرت عثمانؓ کی فضیلت

موسیٰ بن ابی کثیر کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ کے پاس آئے جب کہ آپ حضرت عثمانؓ غمگین تھے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ تم کو کس چیز نے غمگین کیا؟ انہوں نے کہا کہ کیا میں غم نہ کروں جب کہ میرے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان رشتہ دامادی ٹوٹ چکا ہے اور یہ وہ وقت تھا کہ آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی حضرت رقیہؓ زوجہ حضرت عثمانؓ کے انتقال کو کچھ ہی دن گذرے تھے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا کہ میں اپنی لڑکی حفصہؓ کا تم سے نکاح کئے دیتا ہوں حضرت عثمانؓ نے کہا یہ جب تک نہیں ہوسکتا کہ میں رسول اللہ ﷺ

سے نہ پوچھ لوں تو آئے حضرت عمرؓ آں حضرت ﷺ کے پاس اور آپ نے ان سے فرمایا کہ کیا میں تم کو عثمان سے بہتر داماد اور عثمان کو تم سے زیادہ بہتر سسر نہ بتادوں۔ حضرت عمرؓ نے کہا بے شک (بتائیے) اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم حفصہ ؓ کا نکاح مجھ سے کردو۔ اور میں اپنی صاجزادی کا نکاح عثمانؓ سے کردیتا ہوں۔ تو عمرؓ نے کہا۔ بہت بہتر چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ایسا ہی کیا۔

ف: اس حدیث سے حضرت عثمانؓ کی فضیلت آشکارا ہے۔ ایک روایت میں اس طرح ہے کہ آں حضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی بھیجی ہے کہ اپنے جگر پاروں رقیہ و ام کلثوم کا نکاح عثمان ؓ سے کروں بعض روایات میں یوں ہے حضرت عثمان ؓ کہتے ہیں کہ آں حضرت ﷺ کی صاجزادی کا جب انتقال ہوا تو میں زار قطار رویا۔ آپ ﷺ نے مجھ سے پوچھا کیوں روتے ہو۔ میں نے کہا کہ میرے اور آپ کے درمیان رشتہ دامادی ٹوٹ گیا۔ آپ نے فرمایا یہ جبریل علیہ السلام ہیں جو کہتے ہیں کہ میں اس کی بہن کا نکاح تم سے کردوں۔ ایک روایت میں ایسا بھی وارد ہے کہ آپ ﷺ قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ اگر میری سولڑکیاں ہوں اور وہ یکے بعد دیگرے مرتی رہیں تو میں ان کا نکاح تم سے کرتا رہوں یہاں تک کہ وہ ختم ہو جائیں۔

(۱۸۶) باب فضائل علی رضی اللہ عنہ

ابوحنیفة عن سلمة عن حیة العربی وھو الھمد انی من اصحاب علی کرم اللہ وجھہ قال سمعت علیا یقول انا اول من اسلم .

باب۔ حضرت علیؓ کی فضیلت

حضرت علیؓ کے ایک شاگرد کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علیؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں پہلا وہ شخص ہوں جو اسلام لایا۔

ف: اہل سنت والجماعت کا اس میں اختلاف ہے کہ سب سے پہلے شرف اسلام سے کون ممتاز ہوا بعض کہتے ہیں کہ وہ حضرت ابوبکرؓ ہیں بعض کہتے ہیں وہ حضرت علیؓ ہیں بعض اس کے قائل ہیں کہ وہ حضرت خدیجہ ؓ ہیں چند کہتے ہیں کہ وہ حضرت بلال ؓ ہیں کچھ کہتے ہیں وہ زید بن حارثہ ہیں۔ بعض حضرات نے تمام اقوال کو اس طرح صحیح ثابت کیا ہے کہ بالغ مردوں میں سب سے پہلے اسلام لانے والے حضرت ابوبکرؓ ہی ہیں اور عورتوں میں حضرت خدیجہ ؓ بچوں میں

حضرت علیؓ آزاد کردہ غلاموں میں حضرت زیدؓ اور غلاموں میں حضرت بلالؓ پھر یہ بھی واضح رہے کہ اسلام لانے میں سبقت خواہ کسی کو بھی نصیب رہی ہو مگر درجہ ومرتبہ میں بالاتفاق سب کے سرتاج حضرت ابوبکرؓ ہی ہیں کیونکہ فضیلت وبرتری تمام تر محض سبقت اسلام پر منحصر نہیں۔ بلکہ چند اور پیش از پیش اسباب کو بھی اس میں دخل ہے مثلاً راہ اسلام میں قربانی پیش کرنا رسول اللہ ﷺ کا ہر تنگی وسختی میں ساتھ دینا۔ تبلیغ اسلام میں سب سے زائد پیش قدمی کرنا۔ مسلمانوں کی راہ نمائی اور کافروں کی گوشمالی کرنا اسلام کا جھنڈا بلند کرنا اور کفر کا جھنڈا سرنگوں کرنا۔ مذکورہ بالا تمام امور میں آپ ہی کا نام نامی اور اسم گرامی سب سے پہلے آتا ہے اوروں کو یہ فخر بدرجہ کمال نصیب نہیں کیونکہ نہ عورتیں نہ بچے نہ غلام آپ کی ان تمام امور میں ہمسری کر سکتے ہیں یہیں سے حضرت خدیجہؓ کی فضیلت بھی ظاہر ہوئی کہ عورتوں میں آپ کا درجہ تمام ازواج مطہراتؓ سے زائد ہے کیونکہ آپ نے بھی اسلام کی سربلندی اور آنحضرت ﷺ کی پشت پناہی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں فرمایا۔ اور کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ مالی قربانی سے بھی منہ نہیں موڑا اور جانی قربانی سے بھی درگذر نہیں کی چنانچہ ایک روایت میں آنحضرت ﷺ ان کی برتری اس مضمون سے ظاہر فرماتے ہیں کہ انہوں نے میری اس وقت تصدیق کی جب سب نے میری تکذیب کی اور انہوں نے اس وقت پیسہ سے میری مدد کی جب کہ سب نے مجھ کو محروم کیا۔

ابوحنيفة عن اسماعيل عن ابي صالح عن ام هاني ان رسول الله صلى الله عليه وسلم نظر الى علي كرم الله وجهه ذات يوم فرأه جائعافقال يا علي مااجاعك قال يا رسول الله صلى الله عليه وسلم اني لم اشبع منذ كذا وكذ فقال النبي صلى الله عليه وسلم ابشر بالجنة .

حضرت ام ہانیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک روز حضرت علیؓ کو بھوکا دیکھا تو فرمایا اے علی تم کو کس نے بھوکا کیا۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ مجھ کو فلاں فلاں وقت سے شکم سیری نصیب نہیں ہوئی اس پر نبی ﷺ نے فرمایا خوشخبری سنو جنت کی۔

ف: اس حدیث سے بھی حضرت علیؓ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے کیونکہ آں حضرت ﷺ کی زبان مبارک سے جنت کی خوشخبری جیتے جی سننا اس سے بڑھ کر خوش نصیبی اور کیا ہو سکتی ہے۔

(۱۸۷) فضیلة حضرت حمزة رضی الله عنه

ابوحنیفة عن عکرمة عن ابن عباسؓ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم سید الشهدآء یوم القیامة حمزة بن عبدالمطلب ثم رجل دخل الی امام فامره ونهاه .

وفی روایة سید الشهداء یوم القیامة حمزة بن عبدالمطلب ورجل قام الی امام جائر فامره ونهاه.

باب۔حضرت حمزہؓ کی فضیلت

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ قیامت کے دن شہیدوں کے سردار حضرت حمزہ بن عبد المطلب ہوں گے پھر وہ شخص جو کسی امام (ظالم یا جابر) کے پاس گیا اور اس کو کسی بات کا حکم دیا یا کسی بات سے اس کو روکا (اور پھر اس کو شہید کر دیا گیا) ایک روایت میں ہے کہ بروز قیامت شہیدوں کے سردار حضرت حمزہؓ بن عبد المطلب ہیں اور وہ شخص جو کسی امام ظالم کے پاس پہنچا۔ اور اس کو کسی بات کو حکم کیا یا کسی بات سے روکا۔

ف: بعض روایات میں رجل کے بارہ میں آخر میں فقتلہ بھی ہے اور واقعی مطلب اسی سے پورا ہوتا ہے جس کو ہم نے ترجمہ میں ظاہر کیا ہے۔ اس حدیث سے حضرت حمزہؓ کی فضیلت آشکارا ہے اس لئے کہ آپ کو تمام شہداء میں سر بلندی و سرداری نصیب ہوئی لیکن اس کے ساتھ ساتھ سید الشہداء حضرت امام حسینؓ کی سرداری بھی شہیدوں میں مسلم ہے۔

باب فضیلة الزبیر

ابوحنیفة عن محمد بن المنکدر عن جابر قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من یاتینابالخبر لیلة الاحزاب فینطلق الزبیر فیاتیه بالخبر کان ثلث مرات فقال النبی صلی الله علیه وسلم لکم نبی حواری وحواری الزبیر .

باب۔حضرت زبیرؓ کی فضیلت

حضرت جابر بن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوہ خندق کے وقت ایک شب میں فرمایا کہ ہم کو قوم کفار کی خبر کون لا کر دے گا۔ اور یہ تین مرتبہ آپ ﷺ نے فرمایا (اور حضرت زبیرؓ ہر بار فرماتے میں پس حضرت زبیرؓ جاتے ہیں اور خبر لاتے ہیں۔ اس پر نبی

ﷺ فرماتے ہیں کہ ہر نبی کا ایک مصاحب خاص ہوتا ہے اور میرے مصاحب خاص زبیر ہیں۔

ف: یہ غیر معمولی فخر اور نہایت اعزاز کی بات ہے کہ آنحضرت ﷺ کی مصاحبت خاص کسی شخص کو نصیب ہو چنانچہ حضرت زبیرؓ کو آں حضرت ﷺ نے اس شرف سے نوازا اور ان کو خوش خبری دی۔

(۱۸۹) باب فضائل عبد الله بن مسعود رضى الله عنه

ابو حنيفة عن الهيثم عن رجل عن عبد الله بن مسعود ان ابابكر وعمر اسمرا عند رسول الله صلى الله عليه وسلم ذات ليلة قال فخر جاوخرج معهما فمروا بابن مسعود وهو يقرأفقال النبى صلى الله عليه وسلم من سره ان يقرأالقرآن كما انزل فليقرأه على قراء ة ابن ام عبد . وجعل يقول له سل تعطه فلتاه ابوبكرؓ وعمرؓ يبشرانه فسبق ابوبكر عمر اليه فبشره واخبره ان النبى صلى الله عليه وسلم قد امره بالدعاه فقال اللهم انى اسألك ايمانا دائمالايزول ونعيمالاينفد ومرافقة نبياك فى جنة الخلد .

وفى رواية عن الهيثم عن عبد الله ان ابابكرؓ وعمر سمرا عندالنبى صلى الله عليه وسلم فخر جاوخرج معهما فمروابابن مسعود وهو يقرأفى الصلوة فقال النبى صلى الله عليه وسلم من احب ان يقرأ القران غضاكما انزل فليقرأه على قراء ة ابن ام عبد وجعل يقول سل تعطه وذكر تمام الاول .

باب۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے فضائل

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بارہ میں روایت ہے کہ ایک شب حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس باتیں کر رہے تھے۔ کہتے ہیں کہ یہ ہر دو اصحاب اور نبی ﷺ باہر نکلے اور ہر سہ بزرگوں کا گذر عبداللہ بن مسعودؓ پر ہوا جب کہ وہ تلاوت قرآن میں مصروف تھے تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ جس کو یہ پسند ہو کہ قرآن کو اسی نہج سے پڑھے جس نہج سے کہ وہ اترا ہے تو اس کو چاہئے کہ ابن ام عبد کی قرائت کے طرز پر پڑھے اور آں جناب ﷺ فرمانے لگے (اے ابن مسعودؓ) سوال کرو دیئے جاؤ گے پھر حضرات ابوبکرؓ وعمرؓ ان کے

پاس ان کو خوش خبری سنانے کے لئے چلے پس حضرت ابوبکرؓ نے اس میں پیش قدمی فرمائی اور ان کو اس امر کی بشارت دی اور یہ خبر دی کہ نبی ﷺ نے ان کو دعا کرنے کا حکم دیا ہے (کیونکہ وہ درجہ قبولیت کو پہنچے گی) اسپر انہوں نے کہا اے اللہ میں تجھ سے ایسا دیرپا ایمان مانگتا ہوں جو کبھی زائل نہ ہو اور ایسی نعمتیں جو کبھی پوری نہ ہوں اور تیرے نبی ﷺ کا ساتھ جنت الخلد میں۔

اور ایک روایت میں حضرت عبداللہ کے بارہ میں یوں ہے کہ حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ ایک رات نبی ﷺ کے پاس مصروف گفتگو تھے پھر ہر دو حضرات و نبی ﷺ باہر تشریف لائے۔ اور ابن مسعودؓ کے پاس پہنچے جب کہ وہ نماز (تہجد) میں قرآن پڑھ رہے تھے۔ پس آں حضرت ﷺ نے فرمایا جس کو یہ بات پسند ہو کہ وہ قرآن کو تروتازہ پڑھے جیسا کہ وہ اترا ہے تو اس کو چاہئے کہ عبداللہ بن مسعودؓ کی قرائت پر پڑھے۔ پھر آپ فرمانے لگے (حضرت عبداللہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مانگو دیئے جاؤ گے آگے حسب سابق حدیث ہے۔

ف: یہ حدیث بھی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی جلالت اور عظمت شان پر دال ہے کہ اول تو آپ ﷺ نے قرائت کی تعریف فرمائی اور اسی کے مطابق امت کو قرآن پاک پڑھنے کا حکم صادر فرمایا اور پھر آپ کو مستجاب الدعوات بھی ظاہر فرمایا۔

ابو حنیفة عن عون عن ابیه عن عبد الله انه کان اذادخل رسول الله صلی الله علیه وسلم بیته ارسل والد ته ام عبد تنظر الی هدی النبی صلی الله علیه وسلم و دله وسمته فتخبره بذلک فیتشبه به

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بارہ میں روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کاشانہ نبوت میں تشریف لاتے تو یہ اپنی والدہ ام عبد کو اندر بھیجتے (اس مقصد سے کہ) وہ جا کر نبی ﷺ کے سکینہ و وقار اور سیرت و ہیئت کو دیکھیں اور آ کر ان کو (عبداللہ کو) اس کو خبر کرتیں اور حضرت عبداللہ ان کی (آں حضرت ﷺ کے خصائل طیبہ) کی پیروی کرتے۔

ف: اسود بن یزید سے روایت ہے کہ ابو موسیٰ کہتے ہیں کہ میں اور میرے بھائی جب یمن سے آئے اور ایک مدت ٹھہرے تو ہم یہ ہی سمجھتے تھے کہ عبداللہ بن مسعودؓ اہل بیت میں سے ایک فرد ہیں کیونکہ ہم ان کو اور ان کی والدہ کو بے تکلف نبی ﷺ کے پاس آتے جاتے دیکھتے۔ اسی

طرح عبدالرحمٰن بن یزید سے بھی روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت حذیفہ ؓ سے پوچھا ایسے شخص کے بارہ میں جو نبی ﷺ سے سیرت وہیئت میں ملتا ہو کہ ہم اسی سے یہ سیکھیں تو انہوں نے کہا میں تو ہیئت سکینہ اور وقار میں نبی ﷺ سے قریب تر ابن ام عبد کے علاوہ کسی کو نہیں جانتا ۔ترمذی زاذان سے روایت لائے ہیں اور وہ حضرت حذیفہ ؓ سے کہ صحابہ ؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ کاش آپ خلیفہ بنا جاتے آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں تم پر خلیفہ بناؤں اور تم اس کی نافرمانی کرو تو سخت عذاب میں مبتلا ہو لیکن حذیفہؓ جو تم سے حدیث بیان کریں اس کو سچا جانو اور عبداللہ بن مسعود ؓ جو تم کو پڑھائیں اس کو تم پڑھو۔اس کو ترمذی نے حدیث حسن کہا ہے۔لہٰذا ان تمام احادیث کے پیش نظر حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کی شخصیت بہت بلند ہو جاتی ہے کیونکہ اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ آں حضرت ﷺ کے حضور میں ان کو اور ان کی والدہ کو کس قدر رسائی حاصل تھی کہ زیادہ آنے جانے سے دیکھنے والے کو خیال ہوتا تھا کہ یہ اہل بیت میں سے ہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت حذیفہ ؓ کی نظر میں بھی جو خود جلیل المرتبہ صحابی ہیں ان سے بڑھ کر ہیئت وسیرت میں نبی ﷺ سے قریب تر کوئی نہیں اور ان کی بات معیار حیثیت رکھتی ہے۔اور آخری حدیث سے اس کا بھی علم ہوا کہ آں حضرت ﷺ نے خلیفہ بنانے کی چنداں ضرورت یوں بھی نہ سمجھی کہ حضرت عبداللہ وحضرت حذیفہ جیسی شخصیتیں مسلمانوں میں موجود ہیں کہ انکی راہ نمائی میں ہر دینی ودنیوی کام بحسن وخوبی سرانجام پاسکتا ہے۔مثلاً خلافت ہی کا معاملہ اول تو کتاب اللہ وسنت رسول اللہ موجود ہیں پھر ایسی جلیل القدر ہستیاں موجود لہٰذا خلیفہ کے انتخاب کی چنداں ضرورت نہیں اس سے یہ بات روز روشن کی طرح کھل گئی کہ بعد خلفائے اربعہ ان کی بزرگی متفق علیہ ہے علم ودرایت سیرت وہیئت میں حضرت عبداللہ آں حضرت ﷺ کی سچی مثال اور صحیح نمونہ ہیں اور کیوں نہ ہوں عقل کا تقاضا بھی یہ ہی ہے کہ جس کو جس شخص سے جس قدر مناسبت ہوتی ہے۔اسی قدر وہ اس کے تمام حالات سے باخبر ہوتا ہے حضرت عبداللہ حضر وسفر خانگی وبیرونی زندگی میں آں حضرت ﷺ کے رفیق ومونس وہمدم تھے اور آپ ﷺ کی خدمت کو اپنی حیات کا نصب العین بنائے ہوئے تھے آپ کے بوریہ بردار اور آپ کے عصا گیر تھے آپ کی چادر کی حفاظت ان کے ذمہ تھی۔آپ ﷺ کی سواری کی نگہبانی اور آپ کی مسواک برداری کا فخر ان کو نصیب تھا۔آپ کے وضو کے لوٹے کی حفاظت اور کفش برداری کی خدمت بھی انہیں کے

ذمہ تھی غرض جس خوش قسمت انسان کو آں حضرت ﷺ کی خوش قدر خدمات بیک وقت سپرد ہوں تو اس سے آں حضرت ﷺ کی سیرت نہ معلوم کریں تو کس سے کریں اور اس کا قول معیار نہ ہو تو کس کا ہو یہی وجہ ہے کہ حضرت امام اعظمؒ نے زیادہ تر احکام شرعیہ و مسائل فقہیہ کی بنیاد انہیں کی رائے اور روایت پر رکھی۔

ابوحنيفة عن عون عن ابيه عن عبد الله انه كان صاحب حصير رسول الله صلى الله عليه وسلم .وفى رواية كان صاحب عصارسول الله صلى الله عليه وسلم .وفى رواية كان صاحب رداء رسول الله صلى الله عليه وسلم وفى رواية كان صاحب الراحلة لرسول الله صلى الله عليه وسلم .وفى رواية كان صاحب سواك رسول الله صلى الله عليه وسلم وصاحب البيضاة وصاحب النعلين .

عون اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ آں حضرت ﷺ کے سجادہ بردار تھے۔ایک روایت میں ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے عصا بردار بھی تھے۔ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی چادر بھی رکھتے تھے۔
ایک روایت میں ہے کہ سواری کی نگرانی بھی انہی کے سپرد تھی۔ایک روایت میں ہے کہ (سفر میں) رسول اللہ ﷺ کی مسواک بھی انہی کے پاس رہا کرتی تھی۔اور وضو کا لوٹا اور آپ ﷺ کے جوتے بھی انہی کی ذمہ داری میں تھے۔

ف: سابق میں ذکر ہوا کہ ان خدمات کا حضرت عبداللہؓ کے سپرد ہونا ان کی خوش قسمتی کی نشانی اور ان کے ذخیرہ علمی کی فراوانی کی دلیل ہے۔

ابوحنيفة عن معن عن ابن مسعود قال ماكذبت منذ اسلمت الا كذبة واحدة كنت ارحل للنبى صلى الله عليه وسلم فاتى رجال من الطائف فسالنى اى الراحلة احب الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقلت الطائفية المكية وكان يكرههارسول الله صلى الله عليه وسلم فلمااتى بها قال من رحل لنا هذه .قالوا رحالك .قال مروا ابان ام عبد فليرحل لنافاعيدت الى ال احلة

وفی روایة قال عبد الله ان النبی صلی الله علیه وسلم جیء برجل من اهل الطائف قال فجاء نی الطائفی فقال ای الراحلة احب الیه قلت الطائفیة المکیة فخرج فقال من صاح: هذه الراحلة قیل الطائفی قال لاحاجة لنا بها .

معن حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ اپنے بارہ میں کہتے ہیں کہ میں جب سے مشرف بہ سلام ہوا سوائے ایک جھوٹ کے جھوٹ کبھی نہیں بولا میں نبی ﷺ کی اونٹنی پر کجاوہ باندھتا تھا کہ ایک کجاوہ باندھنے والا طائف سے آیا۔ اور مجھ سے پوچھنے لگا کہ رسول اللہ ﷺ کو کون سا کجاوہ محبوب تر ہے میں نے کہا طائف اور مکہ والا (یعنی وہاں جو باندھا جاتا ہے) حالانکہ رسول اللہ ﷺ ان کو بُرا جانتے تھے۔ (کیونکہ آپ ﷺ صرف مدنی کجاوہ کو پسند فرمایا کرتے تھے) پھر جب کجاوہ سے کسی ہوئی اونٹنی خدمت میں حاضر کی گئی۔ آپ ﷺ نے پوچھا یہ ہمارا کجاوہ کس نے باندھا ہے۔ سب نے کہا آپ کے نئے کجاوہ باندھنے والے نے (جو طائف سے آیا ہے) آپ ﷺ نے فرمایا کہ ابن ام عبد سے کہو کہ وہ ہمارا کجاوہ باندھے (عبداللہ کہتے ہیں) پھر میں نے دوبارہ کجاوہ کسا۔

ایک روایت میں ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا کہ نبی ﷺ کے پاس ایک شخص طائف سے آیا اور مجھ سے وہ طائف کا باشندہ پوچھنے لگا کہ آں حضرت ﷺ کو کون سا کجاوہ پسند ہے۔ میں نے کہا طائف یا مکہ کا۔ جب آنحضرت ﷺ باہر تشریف لائے تو پوچھا اس کجاوہ کو کسنے والا کون ہے۔ کہا گیا کہ طائف کا باشندہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہم کو اس کی ضرورت نہیں ہے۔

ف: حدیث ذیل سے بھی حضرت عبداللہ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے غرض آپ کے قابل فخر مناقب سے احادیث پر ہیں۔ ترمذی حضرت علیؓ سے روایت لائے ہیں کہ آں حضرت نے فرمایا کہ اگر میں کسی کو بغیر مشورہ کے امیر بناتا تو وہ عبداللہ بن مسعودؓ ہوتے کہ ان کو امیر مقرر کرتا۔

ابوحنیفة عن الهیثم عنالشعبی عن مسروق عن عبد الله قال ماکذبت منذ اسلمت الاواحدة کنت ارحل لرسول الله صلی الله علیه وسلم فاتی رحال من الطائف فقال ای الراحلة احب الی رسول الله صلی الله علیه

وسلم قلت الطائفية المكية قال وكان يكرهها فلما رحل لرسول الله صلى الله عليه وسلم اتى بها قال من رحل لنا هذه الراحلة قال رحالك التى اتيت به من الطائف فقال ردالراحلة لابن مسعود .

مسروق سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ جیسے میں اسلام لایا کبھی جھوٹ نہیں بولا مگر ایک مرتبہ (وہ اس طرح کہ) میں کجاوہ رسول اللہ کا کسا کرتا تھا طائف سے ایک کجاوہ کسنے والا آیا اور مجھ سے کہنے لگا کہ رسول اللہ ﷺ کو کون سا کجاوہ پسند ہے۔ میں نے کہا طائف ومکہ والا حالانکہ آپ ﷺ ان کو ناپسند فرماتے تھے جب رسول اللہ ﷺ کے لئے اس نے کجاوہ کس لیا اور وہ آپ کے روبرو آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اونٹنی پر یہ کجاوہ کس نے کسا ہے؟ کسی نے کہا آپ کا وہ کجاوہ کسنے والا جو آپ کے پاس طائف سے آیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ اونٹنی کو ابن مسعودؓ کے پاس لے جاؤ (کہ وہ اپنی عادت کے موافق اس پر کجاوہ کسیں)۔

ف: اس میں پیشتر حدیث کے مضمون کا اعادہ ہے۔

(۱۹۰) باب فضيلة خزيمة رضى الله عنه

ابوحنيفة عن حماد عن ابراهيم عن ابى عبدالله الجدنى عن خزيمة انه مرعلى رسول الله صلى الله عليه وسلم ومع رسول الله اعرابى يجحد بيعه فقال خزيمة اشهد لقد بعته فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم من ابن علمته قال تجيئنا بالوحى من السمآء فنصدقك قال فجعل رسول الله صلى الله عليه وسلم شهادته بشهادة رجلين .

وفى رواية انه مرباعرابى وهو مع رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو يجحدبيعاقد عقده مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال خزيمة اشهدانك قدبعته فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم من اين علمت ذلك .فقال تجيئنا بالوحى من السمآء فنصدقك .قال فجعل رسول الله صلى عليه وسلم شهادته بشهادة رجلين .وفى رواية اجازشهادته بشهادة رجلين حتى مات .

باب۔ حضرت خزیمہؓ کی فضیلت

حضرت خزیمہ ؓ سے روایت ہے کہ وہ پہنچے رسول اللہ ﷺ کے پاس اور اس وقت ایک دیہاتی رسول اللہ ﷺ کے ہاتھوں کسی چیز کی بیع کا انکار کر رہا تھا تو حضرت خزیمہ ؓ نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اے اعرابی تو نے بیع کی رسول اللہ ﷺ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (حضرت خزیمہ ؓ سے) کہ تم نے یہ کیسے جانا' حضرت خزیمہ نے کہا کہ آپ وحی آسمانی بیان کرتے ہیں اور ہم آپ کی تصدیق کرتے ہیں کہتے ہیں کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے ان کی شہادت کو دو شخصوں کی شہادت کے برابر ٹھہرایا۔

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت خزیمہ ؓ کا گذر ایک اعرابی کے پاس ہوا جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا اور ایک بیع سے انکار کرتا تھا۔ جو وہ رسول اللہ ﷺ سے کر چکا تھا۔ اس پر حضرت خزیمہ ؓ نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں اے اعرابی کہ تو نے بیع کی ہے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ تم نے یہ کیسے جان لیا (حالانکہ تم بیع کے وقت موجود نہ تھے) حضرت خزیمہ ؓ نے جواب دیا کہ آپ ﷺ ہمارے پاس وحی آسمانی لاتے ہیں اور ہم آپ کی تصدیق کرتے ہیں (تو زمین کی بات کی تصدیق کیوں نہ کریں جو آسمان سے قریب تر ہے) کہتے ہیں کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے ان کی شہادت کو دو شخصوں کی شہادت کے برابر ٹھہرایا۔

اور ایک روایت میں ہے کہ مرتے دم تک خزیمہ کی شہادت دو شخصوں کی شہادت کے برابر ہے۔

ف: اس حدیث سے حضرت خزیمہ کی شہادت و برتری کا پتہ چلتا ہے اور ان کی منکشف ہوتی ہے کہ ان کی ایک شہادت کو دو آدمیوں کی شہادت کے برابر مانا گیا۔

(۱۹۱) باب فضیلة خدیجة رضی الله عنها

ابو حنیفة عن یحیی بن سعید عن انس بن مالک بشرت خدیجة ببیت فی الجنة لاصخب فیها و لا نصب .

باب۔ حضرت خدیجہ ؓ کی فضیلت

حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ حضرت خدیجہ ؓ کو خوش خبری دی گئی جنت میں ایسے گھر کی جس میں نہ شور و شغب ہوگا نہ رنج و ملال۔

ف: حضرت خدیجہؓ عورتوں میں بے پناہ عظمت وشان عزوکمال کی مالک ہیں احادیث آپ ﷺ کے مناقب سے پر ہیں حضرت عائشہؓ جوخود بے مثال عظمت رکھتی ہیں۔فرماتی ہیں کہ مجھ کوایسا رشک کسی پر نہین آیا جیسا کہ حضرت خدیجہؓ پر آیا یہ کئی خصوصی صفات سے ممتاز ہیں ایک یہ کہ ان پر کوئی سوت نہیں آئیں دوسرے نبی ﷺ کی صحبت ان کو تمام ازواج سے دوگنی سے زائد نصیب ہوئی تیسرے انہوں نے کبھی آں حضرت ﷺ کے مزاج میں خفیف سا تکدر بھی پیدا نہیں کیا۔چوتھے سیدۃ النساء حضرت فاطمہؓ انھیں کے شکم سے پیدا ہوئیں۔وغیرہ وغیرہ۔

حضرت خدیجہؓ پہلے ابن ہالہ بن زرارہ کے نکاح میں تھیں پھر عتیق بن عائذ کے نکاح میں آئیں۔اس کے بعد آپ کو نبی ﷺ کی زوجہ مطہرہ بننے کا فخر حاصل ہوا جب کہ آپ کی عمر چالیس سال کی تھی اور آں حضرت ﷺ کی عمر پچیس سال کی۔ان سے پہلے آں حضرت ﷺ نے کوئی نکاح نہیں کیا تھا اور حضرت خدیجہؓ کی زندگی میں آں حضرت ﷺ نے کوئی دوسرا نکاح نہیں کیا آں حضرت ﷺ کی تمام اولاد سوائے حضرت ابراہیمؑ کے انہیں کے پیٹ سے ہے ان کی وفات مکہ میں ہجرت سے پانچ سال یا چار سال یا تین سال قبل ہوئی اس میں مختلف روایات ہیں گویا نبوت کو دس سال کا عرصہ گذر چکا تھا۔حضرت خدیجہؓ کی عمر بوقت وفات پینسٹھ سال کی تھی اور پچیس سال تک گویا آپ آں حضرت ﷺ کی رفاقت ومعیت میں حیات رہیں روایات سے پتہ چلتا ہے کہ سب سے پہلے آپؓ ہی مشرف باسلام ہوئیں۔

(۱۹۲) باب فضیلة عائشة صدیقة رضی الله عنها

ابوحنیفة عن حماد عن ابراهیم النخعی عن عائشة قالت قال رسول الله صلی الله علیه وسلم انه لیهون علی الموت انی رأیتک زوجتی فی الجنة وفی روایة انی رأیتک زوجتی فی الجنة ثم التفت وقال هون علی الموت لانی رایت عائشةؓ فی الجنة.

باب۔حضرت عائشہ صدیقہؓ کی فضیلت

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ البتہ آسان ہوگئی موت مجھ پر کہ میں نے دیکھا تجھ کو اپنی زوجہ جنت میں۔اور ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا میں نے دیکھا تم کو اپنی زوجہ جنت میں پھر التفات فرمایا۔اور فرمایا کہ مجھ پر

موت آسان وسہل ہوگئی کیونکہ میں نے عائشہؓ کو جنت میں دیکھ لیا۔

ف: آں حضرت ﷺ کو حضرت عائشہؓ سے بے اندازہ محبت تھی اور الفت اور بے انتہا انس دیگانگت کہ بغیر ان کے آں جناب ﷺ کو چین نہیں ملتی تھی۔ چنانچہ اسی بناء پر اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو حضرت عائشہؓ کی شبیہ جنت میں دکھا دی کہ جنت کی زندگی آں جناب ﷺ کے قلب مبارک کو مرغوب ومحبوب تر ہو جائے کیونکہ زندگی کی خوشگواری اور ناگواری احباء واصدقاء کے وجود وعدم پر موقوف ہے۔ آں حضرت ﷺ کو یہ کب گوارا ہو سکتا تھا کہ آپ کی مونس غم، رفیق زندگی، قرین حیات ہمدم وہمراز سرمایہ مسرت وخوشی مرکز دل جمعی ودل بستگی زوجہ مطہرہ حضرت عائشہ صدیقہ جنت میں اپنی صحبت سے آں جناب ﷺ کی تسلی قلب وراحت دل کا سبب نہ بنیں لہٰذا دنیا ہی میں آپ ﷺ کو بشارت دے دی گئی کہ حضرت عائشہؓ جنت میں آپ ﷺ کے ساتھ رہیں گی پھر خود آں حضرت ﷺ نے کس قدر پر اثر پرزور الفاظ میں اس الفت قلبی کی ترجمانی فرمائی ہے کہ حضرت عائشہؓ کو جنت میں دیکھ لینے سے مجھ پر موت آسان ہوگئی۔

ابوحنيفة عن الشعبي عن عائشة قالت لقد كن لي خلال سبع لم يكن لاحد من ازواج النبي صلى الله عليه وسلم كنت احبهن اليه اباواحبهن اليه نفسا. وتزوجني بكرا وما تزوجني حتى اتاه جبرئيل بصورتي. ولقد رأيت جبرئيل وما راه احد من النساء غيري. وكان ياتيه جبرئيل وانا معه في شعاره. ولقد نزل في عذر كدان يهلك فنام الناس. ولقد قبض رسول الله صلى الله عليه وسلم في بيتي وليلتي ويومي وبين سحري ونحري.

شعبیؒ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ نے کہا کہ مجھ میں سات خصلتیں یا صفتیں ایسی ہیں کہ نبی ﷺ کی ازواج مطہرات میں سے کسی ایک میں نہ تھیں (اول) یہ کہ میرے والد بھی آں جناب ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب تھے۔ اور میں خود بھی آں حضرت ﷺ کو سب سے محبوب تھی (دوسرے) یہ کہ مجھ سے کنوارپنے میں نکاح کیا (تیسرے) یہ کہ مجھ سے نکاح نہیں کیا۔ یہاں تک کہ جبریلؑ میری شبیہ لے کر آپ ﷺ کے پاس ظاہر ہوئے (چوتھے) یہ کہ میں نے جبریل علیہ اسلام کو دیکھا اور میرے علاوہ ازواج میں سے کسی نے ان کو نہیں دیکھا (پانچویں) یہ کہ جبریلؑ آپ ﷺ کے پاس آیا کرتے اور

میں آپ کے شعار میں ہوتی (شعار وہ کپڑا ہے جو جسم سے متصل ہو)۔(چھٹے) یہ کہ میرے بارہ میں برائت اتری اور قریب تھا کہ لوگوں کی جماعتیں ہلاک ہو جاتیں (ساتویں) یہ کہ رسول اللہ ﷺ کی روح قبض ہوئی میرے گھر میں میری باری کی رات اور دن میں اور میرے گلے اور سینہ کے درمیان۔

ف: حدیث کی تشریح متصل حدیث کے ضمن میں رہی ہے۔

ابوحنیفة عن عون عن عامر الشعبی عن عائشة قالت فی سبع خصال لیست فی واحدة من ازواج رسول الله صلی الله علیه وسلم تزوجنی وانا بکر ولم یتزوج احدا من سائه بکرا غیری ونزل جبرئیل بصورتی قبل ان یتزوجنی ولم ینزل بصورة واحدة من نسائه غیری .وارانی جبرئیل ولم یره احدا من ازواجه غیری .وکنت من احبهن الیه نفسا وابا .ونزلت فی ایات من القران کاذ ان یهلک فنام من الناس .ومات فی لیلتی ویومی .وتوفی بین سحری ونحری .

وفی روایة انها قالت ان فی سبع خصال ماهن فی واحدة من ازواجه .تزوجنی بکرا ولم یتزوج بکرا غیری .واتاه جبرئیل بصورتی قبل ان یتزوجنی ولم یأته جبرئیل بصورة احدمن ازواجه غیری وکنت احبهن الیه نفسا وابا .وانزل فی عذر کادان یهلک فئام من الناس . ومات فی یومی ولیلتی وبین سحری ونحری وارانی جبرئیل ولم یره احدا من ازواجه غیری .

شعبی سے روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ نے کہا کہ مجھ میں سات خصلتیں ایسی ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی ازواج میں سے کسی میں نہیں ہیں۔(۱) مجھ سے نکاح کیا جب کہ میں کنواری تھی اور آپ نے اپنی کسی بیوی سے کنوار پنے میں نکاح نہیں کیا۔(۲) جبریلؑ میری شبیہ لے کر آئے اس سے پہلے کہ آپ مجھ سے نکاح کریں۔حالانکہ میرے علاوہ آپ کی کسی بیوی کی شبیہ لے کر نہیں آئے۔(۳) اور نبی ﷺ نے مجھ کو جبرئیلؑ کو دکھایا حالانکہ اپنی کسی بیوی کو نہیں دکھایا۔(۴) اور میں آپ کو اپنی ذات سے بھی بہت پیاری

تھی اور میرے والد بھی آپ ﷺ کو بہت محبوب تھے۔(۵)اور میرے بارہ میں قرآن کی چند آیات اتریں۔قریب تھا کہ لوگوں کی جماعتیں ہلاک ہوجاتیں۔(۶) اور میری باری کی رات و دن میں آپ ﷺ نے وفات پائی۔(۷)اور میرے گلے اور سینہ کے درمیان آں جناب ﷺ کی روح پاک قبض ہوئی۔

اور ایک روایت میں یوں ہے ک آپ ؓ کہتی ہیں کہ مجھ میں سات خصلتیں ایسی ہیں جو آپ ﷺ کی کسی زوجہ میں نہیں ہیں۔مجھ سے نکاح کیا کنواری ہونے کی حالت میں اور میرے علاوہ کسی بیوی سے کنوارے پن میں نکاح نہیں کیا اور جبرئیلؑ میری شبیہ لے کر نمودار ہوئے مجھ سے نکاح کرنے سے قبل حالانکہ میرے علاوہ آپ ﷺ کی کسی بیوی کی شبیہ میں آپ کے پاس نہیں آئے۔اور اپنی ذات سے میں آپ ﷺ کو بہت پیاری تھی۔اور میرے والد بھی آپ ﷺ کو بہت محبوب تھے۔اور میرے بارہ میں برائت نازل ہوئی قریب تھا کہ لوگوں کو جماعتیں ہلاک ہوجائیں اور میری باری میں آپ کی وفات ہوئی اور میرے گلے اور سینہ کے درمیان آپ ﷺ کی روح نے پرواز کیا) اور مجھ کو جبریلؑ کو دکھایا۔ حالانکہ میرے علاوہ اپنی ازواج میں سے کسی کو نہیں دکھایا۔

ف: اب خصائل کے ماتحت کچھ مناسب توضیح وتشریح سپرد قلم ہے۔

ترمذی حضرت عمرو بن عاصؓ سے روایت لائے ہیں اور اس کو صحیح بتایا ہے جس کا مضمون ہے کہ جب نبی ﷺ سے انہوں نے پوچھا کہ سب لوگوں میں آپ ﷺ کو زیادہ محبوب کون ہے آپ ﷺ نے فرمایا عائشہ ؓ کہتے ہیں کہ پھر میں نے کہا کہ مردوں میں سے آپ ﷺ نے فرمایا ان کے باپ (یعنی حضرت ابوبکرؓ) حضرت انسؓ سے بھی اسی قسم کی روایت ہے۔

حضرت ﷺ سے ان کا نکاح ہوا۔جب کہ ان کا سن چھ برس کا تھا۔اور زفاف ہوا جب یہ نو سال کی تھیں۔آٹھ سال قبل ہجرت یہ پیدا ہوئیں اور اٹھارہ سال کی عمر میں آں حضرت ﷺ کی جدائی وفراق کا داغ سہا۔

ترمذی میں ابن ابی ملیکہ کے واسطہ سے حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جبریلؑ سبز ریشم کے کپڑے میں ملبوس ان کی صورت میں نبی ﷺ کے پاس آئے اور آں حضرت ﷺ سے کہا کہ یہ آپ کی دنیا وآخرت میں زوجہ ہیں۔

ترمذی ابی سلمہ ؓ کے واسطہ سے حضرت عائشہ ؓ سے روایت لائے ہیں کہ آں حضرت ﷺ نے حضرت عائشہ ؓ سے فرمایا۔ اے عائشہ یہ جبریل ہیں اور یہ تم کو سلام کہتے ہیں۔ کہتی ہیں کہ میں نے کہا ﴿وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ﴾ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ ؓ نے جبرئیل ؑ کو دیکھا ہے۔

ترمذی کی ایک روایت میں حضرت ام سلمہ ؓ سے خطاب کرتے وقت آں حضرت ﷺ کے بھی اسی قسم کے الفاظ نقل ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ کو عائشہ ؓ کے بارہ میں اذیت نہ پہنچاؤ۔ کیونکہ ان کو یہ فخر حاصل ہے کہ مجھ پر وحی اترتی اور میں تم میں سے صرف انہیں کے لحاف میں ہوتا۔

چھٹی خصلت سے واقعہ افک کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت عائشہ ؓ کی برائت میں آیات قرآنیہ نازل ہوئیں۔ اور یوں شہادت ربانی سے ان کے پاک و مقدس دامن کو الزام کے بدنما داغ سے پاک کیا۔

غرض یہ وہ قابل فخر و مباہات خصوصیات ہیں کہ ان پر حضرت عائشہ ؓ جس قدر ناز کریں کم ہے۔ رسالت مآب ﷺ کا خاص الخاص منظور نظر ہونا۔ حضرت جبریل ؑ کا ان کی شکل میں نمودار ہو کر ان کی زوجیت کی خوشخبری سنانا۔ یا ان کو سلام کرنا۔ یا ان کی معیت میں وحی کا اترنا۔ یا کنواری ہونے کی حالت میں حضرت ﷺ کے نکاح میں آنا۔ یا انہی کی باری میں (اور وہ بھی بایں صورت کہ آپ ﷺ کا سر مبارک ان کے سینہ پر ہو) آپ ﷺ کی روح طیبہ کا پرواز کرنا۔ یہ سب وہ امتیازات ہیں جو حضرت عائشہ ؓ کو ہی نصیب ہیں۔

انہیں احادیث کے ذیل میں ایک دل چسپ امر قابل بیان ہے۔ وہ یہ کہ حضرت خدیجہ ؓ وعائشہ ؓ وفاطمہ ؓ میں کون زیادہ افضل اور بلند مرتبہ ہیں۔ روایات ہر ایک کی افضلیت پر وارد ہیں جن کی رو سے ان میں سے کسی ایک کی فضلیت کا فیصلہ کرنا دشوار ہے۔ اسی لئے علماء کا اس میں اختلاف ہے۔ احمد وطبرانی حضرت انس ؓ سے بایں مضمون مرفوع حدیث لائے ہیں کہ سارے عالم کی عورتوں میں بہتر چار ہیں حضرت مریم بنت عمران حضرت خدیجہ بنت خویلد حضرت فاطمہ بنت محمد۔ حضرت آسیہ فرعون کی بیوی۔ حاکم اپنی مستدرک میں حضرت عائشہ ؓ سے یوں روایت لاتے ہیں کہ جنت کی عورتوں کی سردار چار ہیں حضرت مریم ؑ حضرت خدیجہ حضرت فاطمہ ؓ حضرت

آسیہؓ بزار وطبرانی حضرت عمار بن یاسر سے مرفوع حدیث بایں الفاظ لائے ہیں کہ خدیجہؓ کو میری امت کی عورتوں پر ایسی فضیلت حاصل ہے جس طرح مریمؑ کو سارے عالم کی عورتوں پر نسائی میں ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ اہل جنت کی عورتوں میں افضل حضرت خدیجہ وفاطمہ ہیں لہٰذا ان روایات کے پیش نظر حضرت خدیجہ وفاطمہؓ کی فضیلت تمام عالم واہل جنت کی عورتوں پر ثابت ہوتی ہے جن میں حضرت عائشہؓ ودیگر ازواج بھی آ گئیں اب ان میں آپ میں کس کو فضیلت حاصل ہے اسی سلسلہ میں بخاریؒ کی روایت ہے ﴿فاطمة سيدة نساء اهل الجنة﴾ کہ فاطمہؓ اہل جنت کی عورتوں کی سردار ہیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کو حضرت خدیجہ پر بھی فضیلت حاصل ہے چنانچہ علامہ تقی الدین سبکیؒ افضلیت کی ترتیب یوں قائم کرتے ہیں کہ پہلے فاطمہ پھر خدیجہ پھر عائشہؓ اب آیئے حضرت عائشہؓ کی شان میں تو اول تو حدیث ذیل میں خود حضرت عائشہؓ کی گنائی ہوئی خصوصیات ان کی افضلیت ثابت کرنے کے لئے کچھ کم نہیں۔ پھر یہ مشہور حدیث موجود ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ﴿فضل عائشة على النساء كفضل الثريد على سائر الطعام﴾ کہ عائشہ کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہے جس طرح ثرید کی فضیلت تمام کھانوں پر جنت کی خوشخبری کی فضیلت کو تو ہم امتیاز میں یوں نہیں شمار کرتے کہ یہ فضیلت آپ کی تمام ازواج کو حاصل ہے چنانچہ انہیں آثار کی بناء پر علماء کی رائے کسی ایک نقطہ خیال پر نہ جم سکی کسی نے کسی کو افضل مانا اور کسی نے کسی کو مگر جمہور علماء کا یہ ہی مسلک ہے کہ حقیقت میں افضلیت کا سہرا حضرت خدیجہؓ کے ہی سر ہے کیونکہ مذکورہ روایات بھی اس پر دال ہیں اور یہ امور بھی اس پر شاہد کہ خود حضرت عائشہؓ آں حضرت ﷺ کے نزدیک ان کے محبوب تر ہونے پر رشک کیا کرتی تھیں۔ جس طرح اوپر حدیث کے حوالہ سے بیان ہوا تو ان سے افضلیت تو صاف ظاہر ہوی اور حضرت فاطمہؓ کی یہ آخر والدہ محترمہ ٹھہریں پھر امام احمد وطبرانی یوں بھی نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے آں حضرت ﷺ کے روبرو کہا کہ آپ کو تو اللہ تعالیٰ نے ایک بوڑھی کی جگہ ایک کم سن عطا فرمائی گویا اب انکی یاد کے کیا معنی یہ سنکر آں جناب بہت برافروختہ ہوئے۔ حضرت عائشہؓ خوف سے لرز گئیں اور کہنے لگیں کہ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا۔ آئندہ میں ان کا ذکر نہیں کروں گی مگر بھلائی کے ساتھ آں حضرت ﷺ کی یہ برہمی صاف بتاتی ہے کہ حضرت خدیجہؓ کا مرتبہ ان سے بلند تر تھا۔ ورنہ خود حضرت

عائشہؓ کی وہ شخصیت ہے کہ ان کے خلاف آں حضرت ﷺ کسی سے ایک لفظ سننے کی تاب نہیں لا سکتے تھے۔ پھر حضرت خدیجہؓ کی دوسری خصوصیات کو دیکھیں تو انہیں کی فضیلت کا پلہ بھاری نظر آتا ہے کہ مثلاً اسلام میں سبقت نصیب ہونا۔ کسی سوت کا ان پر نہ آنا۔ آں حضرت ﷺ کی تمام تر اولاد کا انہیں کے بطن سے پیدا ہونا۔ خود حضرت فاطمہؓ کی والدہ محترمہ ہونا۔ ان کی ازدواجی زندگی کا آں حضرت ﷺ کے ساتھ سب سے زائد دراز مدت تک رہنا وغیرہ وغیرہ لیکن آخر میں عقل اس فیصلہ پر مجبور ہوتی ہے کہ "ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است" ہر ایک میں اللہ نے خاص خاص خوبیاں رکھی ہیں جو دوسرے کو نصیب نہیں اور وہی امتیازی خط کھینچتی ہیں۔ مثلاً حضرت عائشہؓ کی علمی قابلیت و اجتہادی لیاقت جس کی وجہ سے وہ سب سے سر بلند نظر آتی ہیں اور اس صفت میں کوئی ان کے ساتھ ہمسری کا دم نہیں بھر سکتا۔ یہاں تک کہ کہا گیا ہے کہ چوتھائی احکام شرعیہ انہی سے مروی ہیں چنانچہ عطاء بن ابی رباح نے ان کے بارہ میں کہا ہے کہ یہ لوگوں میں سب سے زیادہ فقیہ سب سے زائد عالم اور رائے میں سب سے زائد صائب تھیں۔ عروہ کہتے ہیں کہ میں نے فقہ طب و شعر میں آپؓ سے زیادہ کسی کو عالم نہیں دیکھا۔ اور غالباً حدیث ثرید آپ کی اسی صفت محمودہ کی طرف مشیر ہے اور اسی کی ترجمان۔ ادھر حضرت خدیجہؓ کے حالات پر نظر ڈالیں تو انکی کبرسنی تجربہ کاری، آں حضرت ﷺ پر جاں نثاری و قربانی قبول اسلام میں پیش قدمی آں حضرت ﷺ کا تکالیف پر انتہا سے زیادہ احساس رنج و غم اور آپ کی مسرتوں پر حد سے زائد اظہار خوشنودی انکے درجہ فضیلت کو سب سے بلند دکھاتی ہیں پھر حضرت فاطمہ تو فاطمہ ہی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ کی جگر پارہ ہیں کہ خود ارشاد فرماتے ہیں ﴿فانها بضعة منی﴾ کہ فاطمہؓ میرے بدن کا ایک حصہ ہیں۔ ان کے ساتھ آں حضرت ﷺ کو جو نسبی طبعی فطری الفت و محبت تھی وہ ان کے درجہ و مرتبہ کو بہت بلند کر دیتی ہے جس میں دوسرے کو کیا تاب کہ ان کی ہمسری کر سکے۔

ابو حنيفة عن ابراهيم عن ابيه عن مسروق انه كان اذا حدث عن عائشة قال حدثتني الصديقة بنت الصديق المبرأة حبيبة رسول الله تبارك وتعالى صلى الله عليه وسلم.

مسروق سے روایت ہے کہ وہ حدیث بیان کیا کرتے تو کہا کرتے کہ حدیث بیان کی مجھ

سے صدیقہ (راست گو) نے جو بیٹی ہیں حضرت صدیق ؓ کی جو پاک دامن ہیں (افک سے) جو پیاری ہیں رسول اللہ ﷺ کو۔

ف: یوں گویا مسروق جامع ومختصر الفاظ میں حضرت عائشہ صدیقہ ؓ کے مناقب بیان فرماتے۔ اور اپنی روایت کو باوقعت اور قابل وثوق واعتبار بناتے قصہ افک میں حضرت صدیقہ ؓ کی سچائی راست گوئی وراست گفتاری پایہ ثبوت کو پہنچی۔ اس لئے صدیقہ کا لقب آپؓ کے نام نامی کے لئے باعث زیب وزینت وآرائش ہوا۔ اور چونکہ آپ کی برائت آسمانی شہادت وقرآنی گواہی سے ثابت ہوئی بایں وجہ آپ کو مبرات کے لقب سے ملقب کیا گیا اور چوں کہ آپؓ کی محبت والفت رسول اللہ ﷺ کے قلب مبارک میں سب سے زیادہ گھر کئے ہوئے تھی۔ اس لئے آپ کو حبیبہ رسول اللہ ﷺ کے خطاب سے یاد کیا گیا۔

ابو حنیفة عن الهیثم عن عکرمة عن ابن عباس انه استاذن علی عائشة لیعود ها فی مرضها فارسلت الیه انی اجد غما و کربا فانصرف .
فقال للرسول ماانابالذی ینصرف حتی ادخل فرجع الرسول فاخبرها بذلک فاذنت له فقالت انی اجد غما و کربا وانا مشفقة مما اخاف ان اهجم علیه فقال لها ابن عباس ؓ ابشری فوالله سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول عائشة فی الجنة وکان رسول الله صلی الله علیه وسلم اکرم علی الله ان یزوجه جمرة من جمرة جهنم فقالت فرجت فرج الله تعالی عنک .

حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے اجازت چاہی حضرت عائشہؓ کے پاس حاضر ہونے کے لئے کہ ان کی بیماری میں ان کی مزاج پرسی کریں حضرت عائشہ ؓ نے کہلوادیا کہ میں اس وقت غم وکرب میں مبتلا ہوں لہٰذا اس وقت آپ واپس جائیے اس پر حضرت ابن عباس ؓ نے پیامبر سے کہا کہ میں بغیر حاضری دیئے لوٹنے والا نہیں۔ پیامبر واپس ہوا اور یہ ہی کلمہ حضرت عائشہ ؓ کے سامنے دہرایا۔ تو آپؓ نے ان کو آنے کی اجازت دی۔ پھر آپ بولیں کہ میں غم وکرب میں مبتلا ہوں۔ اور میں ڈرتی ہوں بوجہ اپنے علم کے ہجوم موت سے پس ابن عباس ؓ نے ان سے کہا۔ خوشخبری حاصل کیجئے۔ قسم اللہ کی میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ عائشہ جنت میں ہیں۔ اور رسول اللہ ﷺ اللہ کے نزدیک اس

سے شریف تر و باعزت تر تھے کہ ان کا نکاح دوزخ کی ایک چنگاری سے کرتا اس پر حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ تم نے میرے کرب کو دور کیا اللہ تعالیٰ تمہارے غموں کو دور فرمائے۔

(۱۹۳) باب فضیلت الشعبی رضی اللہ عنہ

ابو حنیفة عن الهیثم عن عامر الشعبی قال کان یحدث عن المغازی و ابن عمر یسمعه قال حین یسمع حدیثه انه یحدث کانه شهد القوم .

باب۔ حضرت شعبیؒ کی فضیلت

حضرت عامر شعبیؒ کے بارہ میں نقل ہے کہ جب وہ مغازی کا بیان کرتے اور ابن عمرؓ اس کو سنتے تو سنتے وقت کہتے کہ یہ ایسا بیان کرتے ہیں کہ گویا قوم کے ساتھ تھے۔

ف: اس میں محض حضرت شعبیؒ کی فضیلت کا بیان ہے۔

ابو حنیفة عن داؤد بن ابی هند عن عامر انه کان یحدث عن مغازی رسول الله صلی الله علیه وسلم فی حلقة فیها ابن عمر فقال انه لیحدث حدیثا کان یشهد .

حضرت شعبیؒ کے بارہ میں نقل ہے کہ جب وہ رسول اللہ ﷺ کے مغازی کے حالات بیان کرتے ایسے مجمع میں جس میں حضرت ابن عمرؓ بھی موجود ہوتے تو وہ کہتے کہ عامر ایسی بات بیان کرتے ہیں کہ گویا یہ معرکہ میں از خود موجود تھے۔

(۱۹۴) باب فضائل ابراهیم وعلقمة وعبدالله

زفر قال سمعت اباحنیفة یقول سمعت حماد ایقول کنت اذانظرت الی ابراهیم فکل من رأی هدیه یقول کان هدیه هدی علقمة ویقول من رأی علقمة یقول کان هدیه هدی عبد الله ویقول من رأی هدی عبد الله کان هدیه هدی رسول الله صلی الله علیه وسلم .

باب۔ حضرت ابراہیم حضرت علقمہ اور حضرت عبداللہ کے فضائل

حضرت ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حماد کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ جب میں دیکھتا ابراہیم (نخعی) کو تو ہر ان کی خصلت و سیرت کو دیکھنے والا (بلاشبہ) کہتا کہ ان کی خصلت بعینہ حضرت علقمہ کی خصلت و سیرت ہے اور جو علقمہ کو دیکھتا تو وہ کہتا کہ ان کی سیرت و خصلت بعینہ عبداللہ

بن مسعود ؓ کی سیرت وخصلت ہے اور جو حضرت عبد اللہ بن مسعود ؓ کی خصلت وسیرت کو دیکھتا تو وہ یہ کہتا کہ یہ خصلت وسیرت بعینہ رسول اللہ ﷺ کی خصلت وسیرت ہے۔

ف: حدیث ذیل سے ہرسہ بزرگوں کی فضیلت وبرتری وسنت وطریقت میں آں حضرت ﷺ سے صحیح مشابہت ومشاکلت صاف ظاہر ہے۔

(۱۹۵) باب فضیلة امام ابوحنیفة رحمه الله تعالی

ابوحمزة الاناصری قال سمعت عبد الله بن داود یقول لابی حنیفة من ادرکت من الکبراء قال القاسم وسالما وطاء ساوعکرمة ومکحولا وعبد الله بن دینار والحسن البصری وعمر وبن دینا روابا الزبیر وعطاء وقتادة وابراهیم والشعبی ونا فعاو امثالهم .

باب۔حضرت امام ابوحنیفہؒ کی فضیلت

حضرت عبد اللہ بن داؤد کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام ابوحنیفہؒ سے پوچھا کہ آپ نے بڑے تابعین میں سے کن کن کی صحبت اٹھائی ہے۔آپ نے کہا قاسم سالم طاؤس عکرمہ مکحول عبد اللہ بن دینار حسن بصری عمرو بن دینار ابوالزبیر عطاء قتادہ ابراہیم شعبی نافع اوران جیسوں کی۔

ف: بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت امام اعظمؒ کے اساتذہ کی تعداد چار ہزار تک پہنچتی ہے اور شاگردوں کی تو کوئی حدوغایت نہیں۔

(۱۹٦) کتاب فضل امته صلی الله علیه وسلم

ابوحنیفة عن ابی بردة عن ابیه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا کان یوم القیمة یدعون الی السجود فلا یستطیعون ان یسجدوا سجدت امتی مرتین قبل الامم طویلا قال فیقال ارفعوارء وسکم فقد جعلت عدوکم الیهود والنصاری فداء کم من النار .

باب۔امت محمدیہ ﷺ کے فضائل

حضرت ابوبردہ سے روایت ہے اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو سب لوگ سجدہ کے لئے بلائے جائیں گے۔اور

کفار سجدہ کرنے کی طاقت نہ رکھ سکیں گے۔اور میری امت تمام امتوں سے پہلے دو لمبے سجدے کرے گی۔آپ نے فرمایا کہ پھر کہا جائے گا (میری امت سے) اپنے سر اٹھاؤ البتہ میں نے تمہارے دشمن یہود نصاریٰ کو آگ کیلئے تمہارا بدل وعوض بنا دیا۔

ف: یہ سرور کائنات سرکار دوعالم تاجدار مدینہ جناب محمد ﷺ کا طفیل ہے اور آپ کا صدقہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت مرحومہ کو اس شرف سے نوازا اور اس فخر سے ممتاز فرمایا کہ ان کے دشمن اہل کتاب یہود ونصاریٰ کو آتش دوزخ کے لئے ان کا بدل وعوض ٹھہرایا۔اور اس کو ان کا فدیہ قرار دیا۔

ابوحنیفة عن ابی بردة عن ابیه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا کان یوم القیمة یعطی کل رجل من المسلمین رجلا من الیهود والنصاری فیقال هذافداء ک من النار.

وفی روایة اذاکان یوم القیمة اعطی الله تعالی کل رجل من هذه الامة رجلا من الکفار فیقال هذافدؤک من النار.

وفی روایة اذاکان یوم القیمة دفع الی کل رجل من هذه الامة رجل من اهل الکتاب فقیل له هذا فداؤک من النار .

وفی روایة ان هذه الامة امة مرحومة عذابها بایدیها .

حضرت ابو بردہ کے والد سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو مسلمانوں میں سے ہر ایک کو یہود ونصاریٰ میں سے ایک شخص دیا جائے گا۔اور کہا جائے گا کہ یہ آگ کے لئے تمہاری طرف سے فدیہ ہے۔

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس امت کے ہر آدمی کو اہل کتاب میں سے ایک کافر دیں گے اور اس سے کہا جائے گا کہ یہ تمہارا فدیہ ہے آگ سے۔

ایک اور روایت میں اس طرح ہے کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو اس امت کے ہر آدمی کو اہل کتاب میں سے ایک آدمی سپرد کیا جائے گا۔اور اس سے کہا جائے گا کہ یہ تمہارا فدیہ ہے آگ سے۔

اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ یہ امت امت مرحومہ ہے۔اس کا عذاب اس کو پہلے

ہی مل جائے گا (یعنی دنیا میں)۔

ف: اس میں پیشتر حدیث کا اعادہ ہے۔

ابوحنیفة عن علقمة عن ابن بریدة عن ابیه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم یومالا صحابه اترضون ان تکونوار بع اهل الجنة .قالوا نعم قال اترضون انتکونوا ثلث اهل الجنة .قالوا نعم .قال اترضون ان تکونوا نصف اهل الجنة قالوانعم قال ابشروا فان اهل الجنة عشرون وما ئة صف امتی من ذلک ثما نون صفا.

حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحابؓ سے فرمایا کہ کیا تم اس سے راضی ہو کہ تم (اور تمہارے بعد آنے والے یعنی پوری امت) اہل جنت کے چوتھائی ہو۔ انہوں نے کہا بے شک۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم اس سے راضی ہو کہ تم ایک تہائی اہل جنت ہو۔ سب نے کہا جی ہاں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ کیا تم اس سے راضی ہو کہ تم اہل جنت کے آدھے ہو سب نے کہا بے شک تو آپ نے فرمایا خوش ہو جاؤ البتہ اہل جنت کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی۔ ان میں سے اسی صفیں میری امت کی ہونگی۔

ف: یعنی آں حضرت ﷺ نے خوشخبری سنائی کہ آپ کی امت اہل جنت کی دو تہائی ہوگی ۔ترمذی میں اس کے ساتھ ﴿وار بعون من سائر الامم﴾ کا ٹکڑا بھی زائد ہے یعنی اور امتیں ایک تہائی یعنی چالیس کی نسبت سے ہوگی۔

ابوحنیفة عن ابی بردة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان امتی امة مرحومة عذابها باید یهافی الدنیا وزادفی روایة بالقتل .

حضرت ابو بردہؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ میری امت امت مرحومہ ہے اس کا عذاب اس کے سامنے دنیا میں ہے اور ایک روایت میں ﴿بالقتل﴾ کا لفظ زائد ہے یعنی قتل وغارت وکشت وخون سے۔

ف: ابوداؤد بیہقی حاکم طبرانی ابی موسیٰ سے روایت لائے ہیں ﴿امتی مرحومة لیس علیها عذاب فی الآخرة انما عذابها فی الدنیا الفتن والزلازل والقتل

والبلایا ﴾ کہ میری امت مرحومہ ہے اس پر آخرت کا عذاب نہیں البتہ اس کا عذاب دنیا میں فتنے ہیں زلزلے ہیں کشت وخون ہے اور طرح طرح کی مصیبتیں ہیں۔

ابو حنیفة عن زیاد عن یزید بن الحارث عن ابی موسٰی قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم فناء امتی بالطعن والطاعون قیل یا رسول الله الطعن عرفناء فما الطاعون قال وخز اعد ئکم من الجن وفی کل شهادة .وفی روایة وفی کل شهداء .

حضرت ابوموسیٰؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے میری امت کی ہلاکت طعن (نیزہ بازی) اور طاعون سے ہے۔ آپ سے کہا گیا۔ یارسول اللہ ﷺ طعن کو تو ہم سمجھ گئے لیکن طاعون کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ تمہارے دشمنوں یعنی جنات کا نیزہ چبھونا ہے اور ان سب طعن وطاعون) میں درجہ شہادت ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ دونوں طعن وطاعون سے مرنے ہوئے شہید ہیں۔

ف: یعنی طاعون کی بیماری سے ہلاک ہونے والے کو اللہ تعالیٰ نے شہادت کا درجہ نصیب فرمایا ہے یہ اس کی بے پناہ بندہ پروری ہے اور بندہ نوازی کہ اس نے اس کو شہادت میں شمار فرمایا۔

ابو حنیفة عن خالد بن علقمة عن عبد الله ابن الحارث عن ابی موسٰی عن النبی صلی الله علیه وسلم قال فناء امتی بالطعن والطاعون فقیل یا رسول الله هذا الطعن قد علمناه فما الطاعون قال وخز اعدائکم من الجنّ وفی کل شهادة .

حضرت ابوموسیٰ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کی ہلاکت طعن اور طاعون سے ہے آپ ﷺ سے عرض کیا گیا یارسول اللہ ﷺ یہ طعن تو ہم نے جان لیا لیکن طاعون کیا ہے۔ آپ نے فرمایا وہ تمہارے دشمن جنوں کا نیزہ گھونپنا ہے۔ اور ان سب میں درجہ شہادت ہے۔

ف: گویا اس میں آں حضرت ﷺ نے طاعون کی حقیقت کو بھی واضح فرمایا کہ یہ مہلک وہیبت ناک بیماری ہے جو جنات کے اثر سے رونما ہوتی ہے۔

كتاب الطعمة والاشربة والضحايا والصيد والذبائح

ابوحنيفة عن محارب عن ابن عمر ان رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن كل ذى ناب من السباع .

کھانے پینے کی چیزوں قربانیوں شکار اور ذبیحوں کے احکام

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہر کیلے والے درندہ سے۔

ف: یعنی ہر وہ درندہ جو کیلہ رکھتا ہے اس کا کھانا حرام ہے۔ مثلاً شیر، چیتا، بھیڑیا، ریچھ، ہاتھی بندر وغیرہ یہ حدیث بجنسہ حضرت ابن عباسؓ خالد بن ولید علی بن ابی طالب جابر بن عبد اللہ، ابوثعلبۃ الخشنی، ابوہریرہ چھ اصحابؓ برگزیدہ سے کتب صحاح میں مروی ہے اور جو اپنے معنی عمومی کے لحاظ سے قطعی الدلالت ہے اور روایت کی رو سے بھی قریباً قطعی پس بجو اور لومڑی کو بھی اس کا حکم عمومی بلاشبہ شامل ہے کیونکہ وہ بھی کیلے رکھتے ہیں اور درندوں میں ان کا شمار ہے اور یہ ہی مذہب امام ابوحنیفہؒ کا ہے۔ امام شافعی و مالکؒ ان ہر دو کو حلال جانتے ہیں ان کے پیش نظر عبدالرحمٰن بن ابی عمارہ کی وہ حدیث ہے جو ترمذی ابن ماجہ ونسائی لائے ہیں جس کا مضمون ہے کہ عبدالرحمٰن حضرت جابرؓ سے پوچھتے ہیں کہ کیا بجو شکار ہے انہوں نے کہا ہاں۔ پھر کہا کیا میں اس کو کھاؤں۔ انھوں نے کہا ہاں۔ پھر کہا کہ کیا رسول اللہ ﷺ نے اس کے بارہ میں کہا ہے۔ انہوں نے کہا ہاں۔ اب ذرا غور کیجئے کہ کہاں یہ قطعی الدلالت حدیث کا عمومی حکم اور کہاں اس حدیث ظنی کی خصوصی اجازت کیونکہ یہ حدیث باعتبار سند وروایت سابقہ حدیث سے کمزور ہے اور کمتر تو پھر یہ اس کے معارض کیونکر ہوسکتی ہے اور اگر تھوڑی دیر کیلئے اس کو صحیح بھی مان لیں تو شک کے وقت حرمت کی حلت پر ترجیح ہوتی ہے پھر یہ بھی ہے کہ یہ حکم ابتدائے اسلام کا تھا اور اس قطعی الدلالت حدیث سے منسوخ ہو چکا۔ غرض یہ حدیث اپنی جگہ مستحکم ہے اور ناقابل تردید۔ لومڑی کو شافعیؒ بجو پر قیاس کر کے اسی کے حکم میں شامل کرتے ہیں۔

(۱۹۶) باب النهى عن اكل كل ذى مخلب

ابوحنيفة عن محارب عن ابن عمر ان رسول الله صلى الله عليه وسلم - نهى يوم خيبر عن اكل كل ذى مخلب من الطير .

باب۔ پنجہ سے شکار کرنے والے پرندہ کی حرمت

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا خیبر کے دن ہر پنجہ والے پرندہ کے کھانے سے۔

ف: باز شاہین، شکرا گدھ وغیرہ یعنی پنجہ سے شکار کرنے والے تمام پرندے اس حکم کے تحت داخل ہیں اور اس حدیث کا حکم ان سب کو شامل ہے یعنی سب کا کھانا حرام ہے۔

(۱۹۷) باب النهي عن اكل لحوم الحمر الاهلية

ابوحنيفة عن ابى اسحق عن البراء قال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن اكل لحوم الحمر الاهلية.

باب۔ گھریلو گدھوں کی حرمت

حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا گھریلو گدھوں کے گوشت کے کھانے سے۔

ف: یہ حدیث بھی تقریباً چودہ صحابہ کرامؓ سے مروی ہے اور کتب صحاح میں درج ہے اسی لئے علماء کا اس بارہ میں اتفاق ہے ابن عبدالبر تمہید میں کہتے ہیں کہ علماء کا اس بارہ میں کوئی اختلاف نہیں کہ پالتو اور گھریلو گدھوں کا کھانا حرام ہے۔ البتہ ابن عباسؓ اور عائشہؓ سے مروی ہے کہ وہ اس کے کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں جانا کرتے تھے مگر ان کی طرف سے بھی صحیح وہی روایت ہے جو سب علماء کے مسلک سے ملتی ہے۔

(۱۹۸) باب النهي عن خشاش الارض

ابوحنيفة عن نافع عن ابن عمر قال نهينا عن خشاش الارض.

باب۔ حشرات الارض کی حرمت

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ منع کئے گئے ہم زمین کے کیڑے مکوڑوں کے کھانے سے۔

ف: حشرات الارض کی حرمت کی وجہ ان کی ناپاکی ہے۔ چنانچہ ابوداؤدؒ کی اس حدیث سے پتہ چلتا ہے جو وہ حشرات الارض کے ذیل میں حضرت ابوہریرہؓ سے لائے ہیں جس کا مضمون ہے کہ آنجناب ﷺ کے حضور میں جھاؤ چوہے کا ذکر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ ناپاک چیزوں میں سے ایک ناپاک چیز ہے۔ اس سے صاف پتہ چلا کہ جھاؤ چوہا یا اس جیسے حشرات الارض کی حرمت ان کی ناپاکی وگندگی پر مدار رکھتی ہے اور اسی علت ووجہ کے باعث زمین کے

کیڑے مکوڑے سب حرمت کے دائرہ میں آئے چنانچہ آیت کریمہ ﴿ویحرم علیھم الخبائث﴾ میں بھی اسی وجہ حرمت کی طرف اشارہ ہے۔

ابوحنیفة عن ابی الزبیر المکی عن جابر بن عبد الله قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من قتل ضفد عافعلیه شاة محرما کان اوحلالا.

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جو قتل کرے مینڈک کو تو اس پر ایک بکری ہے خواہ وہ مارنے والا) محرم ہو یا حلال۔

ف: ابوداؤد طیالسی اپنی مسند میں اور ابوداؤد اپنی سنن میں اسی طرح نسائی اور حاکم عبدالرحمٰن بن عثمان سے مرفوع حدیث لائے ہیں کہ ایک طبیب نے آں حضرت ﷺ سے دوا میں مینڈک کے استعمال کے بارہ میں پوچھا۔ آپ نے اس کو اس کے قتل کرنے سے روکا۔ بیہقیؒ نے کہا ہے کہ مینڈک کے بارہ میں قوی تر حدیث یہ ہی ہے ان احادیث سے جہاں مینڈک کے قتل کی ممانعت ثابت ہوتی ہے اس کے کھانے کی حرمت بھی اسی کے ساتھ ساتھ پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے چنانچہ حافظ منذری نے ایک استدلالی پہلو سے اس پر روشنی ڈالی ہے اور بہت خوب کہا ہے کہ نبی ﷺ نے اس کے قتل سے تو بہرحال روکا ہے۔ اور حیوانات کے قتل سے روکنا یا تو حرمت کے باعث ہوتا ہے جس طرح آدمی میں یا اس لئے کہ اس کا گوشت حرام ہے لامحالہ پہلی وجہ تو یہاں موجود نہیں یعنی حرمت تو دوسری وجہ ہی قرار پائی کہ اس کا چونکہ کھانا حرام ہے اس لئے اس کا مارنا بھی ممنوع ٹھہرا۔ اور اسی بناء پر اس کے مارنے والے پر بکری واجب ہوئی کہ لوگ اس کے مارنے سے دست کش رہیں۔

(۱۹۹) باب حکم اکل الضب

ابوحنیفة عن حماد عن ابراهیم عن الاسود عن عائشة انه اهدی لها ضب فسألت رسول الله صلی الله علیه وسلم فنهاها عن اکله فجاء سائل فامرت له به. فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم اتطعمین مالا تأکلین.

باب۔ گوہ کھانے کی ممانعت

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ کسی نے ان کی خدمت میں گوہ بطور ہدیہ بھیجی۔ (کہتی ہیں کہ) میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے کھانے کے بارہ میں پوچھا۔ آپ نے ان کو اس کے کھانے سے روکا اس کے بعد ایک بھکاری آیا (کہتی ہیں کہ میں نے اس گوہ کو

بھکاری کودے دینے کا حکم دیا تو اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس کو تم خود نہیں کھاتیں کیا اس کو دوسروں کو کھلاتی ہو۔

ف: گوہ کھانے کے بارہ میں امام ابو حنیفہؒ اور شافعیؒ و مالکؒ کے درمیان اختلاف ہے امام صاحبؒ اس کو مکروہ کہتے ہیں اور ہر دو امام اس کو حلال سمجھتے ہیں۔ امام شافعیؒ و مالک کے پیش نظر وہ حدیث ہے جو حضرت خالد بن ولیدؓ سے صحیحین میں بایں مضمون مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کے ہمراہ اپنی خالہ حضرت میمونہؓ کے پاس گیا اور ان کے پاس آپ نے ایک بھونی ہوئی گوہ پائی آں حضرت ﷺ نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ ایک عورت نے کہا کہ آپ کو خبر تو کر دو کہ تم نے آپ کے سامنے کیا پیش کیا ہے چنانچہ عورتوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ یہ گوہ ہے۔ آپ نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا حضرت خالد نے پوچھا کہ کیا حضور یہ حرام ہے آپ نے فرمایا نہیں۔ مگر چونکہ یہ ہمارے ہاں ہوتی نہیں اس لئے میں اس سے کراہت کرتا ہوں۔ کہتے ہیں کہ پھر میں نے گوہ کھائی اور آپ مجھ کو دیکھ رہے تھے۔

امام ابو حنیفہؒ کے مذہب پر کئی صریح الالفاظ صحیح الاسناد احادیث دال ہیں اول یہ ہی حدیث ذیل کہ نبی ﷺ نے حضرت عائشہؓ کو اس کے کھانے سے باز رکھا۔ اس سے بھی حرمت قطعیہ نہیں تو کراہت تو کم از کم یقیناً ثابت ہوتی ہے دوسرے وہ حدیث جو ابوداؤد حضرت عبدالرحمٰن بن شبلؓ سے بایں الفاظ مرفوع لائے ہیں ﴿نهى عن اكل لحم الضب﴾ کہ آں حضرت ﷺ نے گوہ کا گوشت کھانے سے منع فرمایا۔ اس حدیث کے کمزور ثابت کرنے میں مخالفین نے بہت کچھ ہاتھ پاؤں مارے اور خود اپنے منہ سے اپنے کلام کی تردید کر بیٹھے۔ کیونکہ اس کی سند میں اسمٰعیل بن عیاش ضمضم بن زرعہ سے روایت کرتے ہیں لہٰذا انہیں غریبوں کو جرح وقدح کا نشانہ بنایا۔ بیہقی کہتے ہیں۔ ﴿تفرد به اسمٰعيل بن عياش وليس بحجة﴾ کہ اسمٰعیل اس کی سند میں تنہا ہیں اور وہ قابل حجت نہیں کیا خوب کیا کسی نے اس کو یاد نہیں دلایا کہ حضرت آپ خود تو اپنی سنن کے باب ترک الوضوء من الدم میں کہہ کر آئے ہیں کہ اسمٰعیل کی روایت شامیین سے صحیح ہے اور ضمضم یقیناً شامی ہیں تو یہاں بیچارے اسمٰعیل میں کیوں کیڑے پڑ گئے کیا صرف اس لئے کہ وہ غریب آپ کے خلاف مذہب حدیث روایت کر بیٹھے یہ ہے ان لوگوں کے کلام کی دورخی کہیں کیا کہتے ہیں اور کہیں کیا خود اپنا کہا بھی بھول جاتے ہیں پھر دیگر

ناقدین مثلاً بخاری اور ابن معین نے بھی تصریح کی ہے کہ اسمٰعیل کی روایت شامیین سے صحیح ہے چنانچہ ابوداؤد نے اس حدیث پر سکوت کیا ہے جو اس کے صحیح یا حسن ہونے کی صاف اور کھلی دلیل ہے کیونکہ جس حدیث پر وہ سکوت کریں وہ حدیث ان کے نزدیک صحیح ہے یا حسن لہٰذا اس کے خلاف بولنا بے جا مخالفت ہے تیسرے وہ حدیث جو امام احمد بزار طبرانی وغیرہ عبدالرحمٰن بن حسنہ سے بایں مضمون نقل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم آں حضرت ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے ہمارا پڑاؤ ایسی جگہ ہوا جہاں گوہیں بکثرت تھیں ہم نے ایک گوہ ماری اور اس کو ذبح کیا جب وہ دیگچی میں پڑی ابل رہی تھی تو آں جناب ﷺ تشریف لائے اور آپ نے اس کو دیکھ کر فرمایا کہ بنی اسرائیل کی ایک امت زمین کے چوپایوں کی شکل میں مسخ ہوگئی ہے اور مجھ کو خوف ہے کہ یہ وہی ہو آپ ﷺ کا محض خوف و شک بھی چیز کی حرمت یا کراہت کو ثابت کرتا ہے۔ لہٰذا یہ حدیث کم از کم گوہ کی کراہت کی بین دلیل ہے چوتھے وہ حدیث جو مسلم حضرت جابرؓ سے بایں مضمون لائے ہیں کہ آپ ﷺ کے پاس گوہ لائی گئی تو آپ نے اس کو کھانے سے انکار کیا اور فرمایا میں نہیں جانتا شاید یہ مسخ کی ہوئی امت ہو وغیرہ وغیرہ یہ تو وہ احادیث ہیں جو خصوصی طور سے گوہ کے مکروہ ہونے پر دال ہیں لیکن قطع نظر ان کے امام صاحب کی مذکورہ حدیث بھی جو زمین کے حشرات کی حرمت کو ثابت کرتی ہے اور بطریق نافع وابن عمر منقول ہے گوہ کے ممنوع الاکل ہونے کی طرف مشیر ہے کیونکہ گوہ بھی حشرات الارض میں سے ہے لہٰذا انہی کے حکم میں شامل ہے اور نہی اس کی طرف بھی عائد ہوتی ہے اب جب یہ حقیقت پوری تفصیل کے ساتھ آپ کے سامنے آ گئی تو بعض مخالفین کی ناانصافی اور ہٹ دھرمی ملاحظہ ہو کہ نوری کس قدر وثوق کے ساتھ کہتے ہیں ﴿واجمع المسلمون علی ان الضب حلال لیس بمکروہ الاماحکی عن اصحاب ابی حنیفۃ من کراھۃ والا ماحکاہ القاضی عیاض عن قوم انھم قالو اھو حرام وما اظنہ یصح عن احدوان صح عن احد فحجوج بالنصوص واجماع من قبلہ ﴾ کہ مسلمانوں نے اس پر اتفاق کیا کہ گوہ حلال ہے مکروہ نہیں مگر ابوحنیفہؒ کے شاگردوں سے اس کے خلاف نقل ہے کہ وہ مکروہ ہے یا قاضی عیاض نے بعض قوم سے اس کی حرمت نقل کی ہے اور میرے گمان میں کسی سے بھی بطریق صحیح ثابت نہیں اور اگر ثابت بھی ہو تو روایات صحیحہ اس کے خلاف حجت ہیں اور اس سے پہلے کا اجماع بھی اس کے خلاف ہے۔ ملا علی قاری نے کہا ہے کہ دمیری نے

بھی یہ ہی قول کیا ہے کہ اس کی حلت پر اجماع ہے خدا کی پناہ ایسی غلط بیانی ایسی ناانصافی اور دیدہ دیری پر کہ ترمذیؒ صاف کہہ رہے ہیں ﴿وقد اختلف اهلالعلم فی اکل الضب فرخص فیه بعض اهل العلم من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم وغیرهم و کرهه بعضهم ﴾ کہ اہل علم حضرات نے گوہ کے کھانے کے بارہ میں اختلاف کیا ہے بعض اہل علم اصحاب نبی نے اس میں رخصت دی ہے اور ان کے علاوہ بعض دوسرے حضرات نے بھی اور بعض نے اس کو مکروہ جانا ہے کیا نوویؒ اور دمیریؒ نے اجماع کا دعویٰ کرتے وقت ترمذی کے کلام کو نہیں دیکھا تھا اور کیا مذہب حنفیہ کے ثبوت میں مذکورہ روایات ان کے علم سے خارج تھیں یہ روایت کے پہلو پر گفتگو تھی قیاس کی رو سے بھی بچند وجوہ کراہیت کا پلہ بھاری ہے اول یہ کہ یہاں ادلہ میں تعارض واقع ہوا اور تعارض ادلہ میں کراہیت کا ثبوت زیادہ قرین قیاس ہے دوسرے یہ کہ اصول کا مسلمہ مسئلہ ہے کہ حرمت وحلت کی روایات جب یکجا جمع ہوں تو حرمت قابل ترجیح ٹھہرتی ہے تیسرے احتیاط اسی کی متقاضی ہے کہ جانب حرمت کی رعایت کی جائے۔

(۲۰۰) باب صید الکلاب المعلمة

ابوحنیفة عن حماد عن ابراهیم عن همام عن عدی بن حاتم قال سألت رسول الله صلی الله علیه وسلم فقلت یا رسول الله صلی الله علیه وسلم انانبعث الکلاب المعلمة فنا کل ممامسکن علینا فقال اذا ذکرت اسم الله علیها مالم یشرکها کلب غیر هاقلت وان قتل قال وان قتل قلت یا رسول الله احد نا یرمی بالمعراض .قال اذا رمیت فسمیت فخرق فکل وان اصاب بعرضه فلا تاکل .

باب۔سدھائے ہوئے کتوں کا شکار

حضرت عدی بن حاتم کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا اور کہا یا رسول اللہ ہم سدھائے ہوئے کتوں کو چھوڑتے ہیں تو وہ جو شکار ہمارے لئے پکڑ لیں کیا ہم اس کو کھالیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا جب کھاؤ کہ ان کو چھوڑتے وقت تم نے بسم اللہ کہی ہو اور کوئی بے سدھایا ہوا کتا اس کے ساتھ شکار میں شریک نہ ہوا ہو (کہتے ہیں) میں نے کہا اگرچہ وہ شکار مر جائے آپ ﷺ نے فرمایا ہاں اگرچہ مر جائے پھر میں نے کہا یا رسول

اللہ ہم میں سے ایک شخص بے پروالا تیر شکار کے مارتا ہے تو اس کا کیا حکم ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم نے بسم اللہ کہہ کر تیر مارا اور اس تیر نے اس میں گھس کر اس کو پھاڑ ڈالا تو اس کو کھاؤ۔ اور اگر شکار اس تیر کی پھٹکار سے مرا تو اس کو نہ کھاؤ۔

ف: سدھایا ہوا تعلیم دیا ہوا کتا وہ ہے کہ اس کا مالک اگر اس کو شکار پر چھوڑے تو وہ دوڑ پڑے اور اگر اس کو ڈانٹ کر روکنا چاہے تو فوراً رک جائے اور جب شکار کو پکڑ لے تو اس کو مالک کے لئے روکے رکھے اور تھامے رہے اس کو گوشت کھال یا کسی اور عضو بدن کو نہ چھوئے اور نہ کھائے اگر تین بار ایسا تجربہ اس کے بارہ میں ہو جائے تو وہ سدھایا ہوا کتا شمار ہوگا اور اسکا وہی حکم ہے جو حدیث مذکور ہے۔ اس امر میں بنیادی حکم دراصل یہ فرمان خداوندی ہے ﴿وما علمتم من الجوارح مكلبين تعلمونهن مماعلمكم الله فكلوا مما امسكن عليكم واذ كروا اسم الله عليه﴾ یعنی اور جو کھاؤ تم شکاری جانور کو شکار کرنے والوں کو کہ سکھاتے ہو تم ان کو وہ چیز جو سکھائی ہے تم کو اللہ نے پس کھاؤ اس میں سے جو کچھ پکڑ رکھیں تمہارے لئے اور اللہ کا نام لو اس پر۔

ابو حنيفة عن عطية عن ابى سعيد قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ماجزر عنه المآء فكل .

حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جس مچھلی کے اوپر سے پانی چلا جائے تو اس کو کھاؤ۔

ف: یعنی اگر پانی اپنا رخ بدل دے یا خشک ہو جائے تو اسکی بقیہ مچھلیاں حلال ہیں سوائے اس مچھلی کے جو مر کر پانی کے اوپر آ جائے ترمذی حضرت جابرؓ سے مرفوع حدیث یوں نقل کرتے ہیں ﴿مااصطدتموه وهو حي فكلوه وما وجد تموه ميتا طافيا فلاتا كلوه﴾ کہ جس مچھلی کو تم زندہ شکار کرو تو اس کو کھاؤ۔ اور جس کو تم مردہ پانی پر تیرتی ہوئی پاؤ اس کو نہ کھاؤ۔

(۲۰) باب التخيير في اكل الجراد

ابو حنيفة قال سمعت عائشة بنت عجرد تقول قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اكثر جند الله فى الارض الجرادلا اكله ولا احرمه .

باب۔ ٹڈی کھانا

عائشہ بنت عجرد کہتی ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ زمین میں اللہ تعالیٰ کا سب سے

بڑا لشکر ٹڈی کا ہے میں اس کو نہ کھاتا ہوں اور نہ حرام کرتا ہوں۔

ف: نووی نے کہا ہے کہ ٹڈی کے حلال ہونے پر اجماع ہے۔ ابن العربیؒ نے اندلس کی ٹڈی کو اس حکم سے مستثنیٰ کیا ہے۔ کیونکہ وہ محض ضرر و نقصان ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک اگر ٹڈی کا سر جدا کر دیا جائے تو حلال ہے ورنہ نہیں۔

ابو حنيفة عن سعيد عن عباية بن رفاعة عن رافع بن خديج ان بعيرا من ابل الصدقة ند فطلبوه فلما اعيا هم ان يأخذوه رماه رجل بسهم فاصاب فقتله فسألوا النبي صلى الله عليه وسلم فامر باكله وقال ان لها او ابد كاوابد الوحوش فاذاخشيتم منها فاصنعوا مثل ماصنعتم بهذا البعير ثم كلوه .

وفي رواية ان بعير من ابل الصدقة ند فرماء رجل بسهم فقتله فسئل النبي صلى الله عليه وسلم عن اكله فقال كلوه فان لها او ابد كاوابد الوحش .

حضرت رافع بن خدیج نے روایت کیا ہے کہ صدقہ کے اونٹوں میں سے ایک اونٹ بدک گیا۔ اس کے پکڑنے کی فکر کی جب اس نے تھکا مارا اور ہاتھ نہ آیا تو ایک شخص نے ایک تیر اس کے مارا جو اس کے جا لگا۔ اور اس کو مار ڈالا۔ پس انہوں نے آں حضرت ﷺ سے اس کے بارہ میں پوچھا کہ اس کو کھائیں یا نہیں) آپ ﷺ نے اس کے کھانے کا حکم دیا اور فرمایا کہ یہ (اونٹ) بھی وحشی جانوروں کی طرح بعض بدکے ہوئے ہوتے ہیں۔ لہٰذا جب تم کو ان کے (پکڑنے کے) بارہ میں خوف دامن گیر ہو تو ایسا ہی کرو جیسا کہ تم نے اس اونٹ کے ساتھ کیا پھر اس کو کھاؤ۔

ف: یعنی بدکے ہوئے اونٹ کو وحشی جانور کے مانند خیال کیا گیا۔ اور ایسی صورت میں اس کے کھانے کو جائز رکھا گیا۔

(۲۰۲) باب النهي عن المجثمة

ابو حنيفة عن نافع عن ابن عمرؓ ان رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن المجثمة .

باب۔ مجثمہ کی حرمت

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا مجثمہ سے۔

ف: مجثمہ وہ جانور ہے جس کو سامنے باندھ کر تیر بازی کے لئے نشانہ بنایا جائے۔ ایسا جانور اگر مر جائے تو اس کا کھانا حرام ہے بخاری میں ہشام سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں حضرت انس ؓ کے ہمراہ حکم بن ایوب کے پاس گیا حضرت انس ؓ نے چند نوجوان لڑکوں کو دیکھا کہ ایک زندہ مرغی کو سامنے رکھے ہوئے اس پر نشانہ بازی کر رہے ہیں۔ آپ نے کہا کہ نبی ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ زندہ چار پایوں کو نشانہ بنایا جائے مسلم اس کو ذبائح میں اور ابوداؤد اضاحی میں لائے ہیں غرض قریب قریب اسی مضمون کی احادیث کتب صحاح میں مروی ہیں۔

(۲۰۳) باب جواز الذبح بالمروة

ابوحنيفة عن نافع عن ابن عمر ان كعب بن مالك اتى النبى صلى الله عليه وسلم فقال يا رسول الله ان غنمة كانت لها راعية فخافت على شاة منها الموت فذ بحتها بمروة فامر ها النبى صلى الله عليه وسلم باكلها.

باب۔ پتھر سے ذبح کرنا

حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے کہ کعب بن مالک نبی ﷺ کے پاس آئے اور کہا یا رسول اللہ ﷺ ایک عورت بکریوں کو چرایا کرتی تھی اس کو کسی بکری کے بارہ میں خوف ہوا کہ وہ مر جائے گی تو اس نے اس کو پتھر سے ذبح کر ڈالا (تو اب اس کے کھانے کے متعلق کیا حکم ہے) نبی ﷺ نے اس کے کھانے کا حکم صادر فرمایا۔

ف: امام مالک ؒ بھی اسی حدیث کو اپنی موطاء میں لائے ہیں اور دیگر کتب صحاح میں بھی انہیں الفاظ یا قریب قریب الفاظ سے مروی ہے یہ حدیث بیک وقت دو مسئلوں پر روشنی ڈالتی ہے ایک یہ کہ عورت کا ذبیحہ درست ہے دوسرے یہ کہ ہر دھار دار چیز سے جس سے بدن کٹ کر خون بہ سکے ذبح کرنا جائز ہے مثلاً پتھر لکڑی وغیرہ کیونکہ ابوداؤد کے طریق سے اور نسائی شعبہ کے واسطہ سے عدی بن حاتم سے روایت لائے ہیں جس کا مضمون ایسا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا یا رسول اللہ ذرا بتایئے اگر ہم میں سے کوئی شکار پالے اور اس کے پاس چھری نہ ہو تو وہ کیا پتھر اور لاٹھی کے ٹکڑے سے ذبح کر سکتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا خون بہاؤ جس سے چاہو اور اللہ کا نام لو۔

ابوحنيفة عن الهيثم عن الشعبى عن جابر بن عبد الله قال خرج غلام من الانصار قبل احد فمر فى طريقه فاصطادارنبا فلم يجد مايذبحها فذبحها

بحجر فجآء بها الی رسول الله صلی الله علیه وسلم قد علقها بید ہ فامره باکلها .

وفی روایة ان رجلا اصاب ارنبین فذ بحهما بمر وة یعنی الحجر فامره النبی صلی الله علیه وسلم باکلها.

وفی روایة اصاب رجل من بنی سلمة ارنبا باحد فلم یجد سکینا فذ بحها بحجر فامره النبی صلی الله علیه وسلم باکلها .

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ انصار میں سے کوئی لڑکا احد کی طرف نکلا۔ راستہ میں جاتے اس نے ایک خرگوش شکار کیا مگر ذبح کرنے کے لئے اس نے کوئی چیز نہ پائی تو آخر پتھر سے اس کو ذبح کر دیا۔ پھر اس کو ہاتھ میں لٹکائے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا (اس کے بارہ میں مسئلہ دریافت کرنے کے لئے) آپ نے اس کو اس خرگوش کے کھا لینے کا حکم دیا۔

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ ایک شخص نے دو خرگوش مارے اور ان کو پتھر سے ذبح کیا تو نبی ﷺ نے اس کو ان کے کھا لینے کا حکم دیا۔

اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ بنی سلمہ کے ایک شخص نے احد پہاڑ میں ایک خرگوش شکار کیا۔ جب اس کو کوئی چھری نہ مل سکی تو اس نے خرگوش کو پتھر سے ذبح کر دیا نبی ﷺ نے اس کو خرگوش کے کھا لینے کا حکم دیا۔

ف: یہ حدیث بھی ہر سہ روایات سے حدیث بالا کے مضمون کی ترجمانی کرتی ہے۔

ابو حنیفة عن حماد عن ابراهیم عن علقمة عن ابن مسعود قال ان رسول الله صلی الله علیه وسلم اکل من ذبیحة امرأة ونهی عن قتل المرأة .

حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عورت کا ذبیحہ تناول فرمایا اور لڑائی میں عورت کو قتل کرنے سے منع فرمایا۔

ف: حضرت ابن عمرؓ کی پیشتر حدیث سے ضمناً عورت کے ذبیحہ کی حلت آشکار اتھی اور حدیث ذیل سے صراحۃً اس کی وضاحت ہوئی۔

(۲۰۴) باب فی فضیلة ایام عشر الاضحی

ابو حنیفة عن مخول بن راشد عن مسلم البطین عن سعید بن جبیر عن ابن

عباس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم مامن ايام افضل عند الله من ايام عشر الاضحى فاكثر وافيهن من ذكر الله تعالى .

باب۔ عشرۂ ذی الحجہ کی فضیلت

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عشرۂ ذی الحجہ کے ایام سے بڑھ کر کوئی دن افضل نہیں لہٰذا ان دنوں میں اللہ کا ذکر بہت کیا کرو۔

ف: یہ حدیث عشرۂ ذی الحجہ کی حرمت و برکت فضیلت و عظمت کی بین دلیل ہے۔ اور چونکہ یہ دن برکت والے ہیں اس لئے ان میں ذکر الٰہی عبادت وانابت الی اللہ بہت بڑے اجر وثواب اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا باعث ہے۔

ترمذی وابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرہؓ سے اس مضمون کی حدیث وارد ہے کہ اللہ کے نزدیک عشرۂ ذی الحجہ کے ایام سے بڑھ کر کسی دن کی عبادت محبوب تر نہیں کہ اس کے ہر دن کا روزہ سال بھر کے روزہ کے برابر درجہ رکھتا ہے اور ایک رات تہجد لیلۃ القدر کی شب بیداری کے برابر عظمت رکھتی ہے۔

ابوحنيفة عن الهيثم عن عبد الرحمن بن سابط عن جابر ابن عبد الله ان النبي صلى الله عليه وسلم ضحى بكبشين اشعرين املحين احد هما عن نفسه والاخر عمن شهد ان لا اله الا الله من امته وفي رواية نحوه ولم يذكرجابر بن عبد الله .

حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے بالوں والے چت کبرے یا سفید رنگ کے دو مینڈھوں کو قربانی کی ایک اپنی ذات شریف کی طرف سے اور دوسرا اپنی امت کے ہر کلمہ گو کی جانب سے اور اسی حدیث کی ایک سلسلہ سے روایت ہے جس میں حضرت جابر کا ذکر نہیں گویا مرسل ہے۔

ف: یہ حدیث کتب صحاح میں تقریباً سات صحابہ سے مروی ہے کہیں کہیں کسی ایک آدھ لفظ کا ردوبدل ہے۔

ابوحنيفة عن حماد عن ابراهيم والشعبي عن ابي بردة بن نيارانه ذبح شاة قبل الصلوة فذكرذلك للنبي صلى الله عليه وسلم فقال تجزئ عنك

ولا تجزئ عن احد بعدک.

حضرت ابو بردہؓ کے بارہ میں روایت ہے کہ انہوں نے نماز سے پہلے ایک بکری کی قربانی کی تو نبی ﷺ سے اس کا ذکر کیا گیا۔ آپ نے (حضرت ابو بردہؓ کو خطاب فرماتے ہوئے) ارشاد فرمایا کہ یہ قربانی محض تمہاری طرف سے کافی سمجھی گئی مگر تمہارے بعد کسی کی طرف سے کافی نہ ہوگی۔

ف: سوائے ابن ماجہ کے اصحاب صحاح ستہ یہ حدیث حضرت براء بن عازب کے واسطہ سے لائے ہیں جو اس خصوصیت کو حضرت ابو بردہ کی طرف منسوب کرتی ہے ابن ماجہ دوسرے بزرگ کو صاحب قصہ قرار دیتے ہیں۔ بیہقی کی روایت کے مطابق وہ عقبہ بن عامر ہیں اور روایت ابوداؤد کی رو سے زید بن خالد جہنی تو گویا اس لحاظ سے چار اصحاب اس خصوصیت کے ساتھ مختص ہوئے بعض نے پانچ کا بھی قول کیا ہے۔

ابو حنیفة عن علقمة بن مرثد وحماد انهما حدثاه عن عبد الله بن بریدة عن ابیه عن النبی صلی الله علیه وسلم انه قال انما نهیتکم عن لحوم الاضاحی فوق ثلثة ایام لیوسع موسعکم علی فقیر کم.

حضرت بریدہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تم کو منع کیا تھا تین دن سے زائد قربانی کے گوشت کو رکھ چھوڑنے سے تا کہ تمہارا صاحب حیثیت شخص تمہارے فقیر کو (رزق میں) فراخی دے۔

ف: ترمذی میں اسی حدیث کے ساتھ اس مضمون کے الفاظ بھی زائد ہیں پس اب کھاؤ جب تک چاہو کھلاؤ اور رکھ چھوڑو پھر حضرت عائشہؓ سے اس امر کی وضاحت بایں مضمون ہے کہ ان سے کسی نے قربانی کے گوشت کے رکھ چھوڑنے کی ممانعت کے بارہ میں پوچھا تو انہوں نے کہا منع نہیں لیکن صورت یہ تھی کہ قربانی کرنے والے لوگ کم ہوا کرتے تھے تو آپ نے اس کو پسند فرمایا کہ قربانی کرنے والا قربانی نہ کرنے والے کو بھی کھلائے ورنہ ہم پاؤ دست رکھا کرتے اور دس روز بعد اس کو کھاتے اور حقیقت میں اگر آں حضرت ﷺ تین روز سے زائد گوشت رکھ لینے کی اجازت دیتے تو بہت سے مسکین بھوکے رہتے اور قربانی کرنے والے گوشت رکھ رکھ کر کھایا کرتے۔ اب جب صاحب حیثیت اشخاص کی تعداد بڑھی اور مساکین کی تعداد گھٹی تو تین دن کی پابندی اٹھا دی گئی۔

(۲۰۵) باب فضيلة الخل

ابوحنيفة ومسعر عن محارب بن دثار عن جابر انه دخل عليه وقرب اليه خبزا وخلا ثم قال ان رسول الله صلى الله عليه وسلم نهانا عن التكلف ولولا ذلك لتكلفت لكم واني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول الادام الخل .

باب۔ سرکہ کی فضیلت

حضرت محارب کے بارہ میں روایت ہے کہ وہ حضرت جابرؓ کے پاس گئے اور انہوں نے روٹی اور سرکہ محارب کے سامنے پیش کیا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو تکلف سے منع کیا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو میں تمہارے لئے تکلف برتتا اور البتہ میں نے سنا ہے رسول اللہ ﷺ کو کہتے ہوئے کہ سرکہ کیا خوب ترکاری ہے۔

ف: تکلف سے ممانعت میں بہت سی احادیث وارد ہیں ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں حضرت سلمانؓ سے مرفوع روایت کی ہے ﴿لا نکلفو اللضيف﴾ کہ مہمان کے لئے تکلف نہ برتو بیہقی شعب الایمان میں یہ حدیث لائے ہیں ﴿لا يتكلفن احد لضيفه مالا يقدر عليه﴾ کہ کوئی اپنی قدرت وحیثیت سے اونچا تکلف اپنے مہمان کے لئے نہ کرے۔ بخاری میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ہم کو تکلف سے روکا گیا۔ دیلمی کی مسند الفردوس میں حضرت زبیرؓ سے روایت ہے کہ میں اور میری امت کے نیک بخت تکلف سے بری ہیں۔

ابوحنيفة عن ابى الزبير عن جابر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم نعم الادام .

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ سرکہ کیا خوب ترکاری ہے۔

ف: سرکہ کی تعریف وتوصیف میں بعینہ یہ ہی الفاظ کتب صحاح میں متعدد طرق سے مروی ہیں ترمذی میں حضرت ام ہانیؓ سے یوں روایت ہے وہ کہتی ہیں کہ میرے پاس آں حضرت ﷺ تشریف لائے اور مجھ سے فرمایا کہ کیا تمہارے پاس کچھ ہے میں نے عرض کیا۔ حضور سوکھی روٹی اور سرکہ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا لاؤ وہ ہی لاؤ۔ البتہ جس گھر میں سرکہ ہو وہ گھر ترکاری سے خالی نہیں۔ بہر حال آپ ﷺ سرکہ کو پسند فرماتے اور آپ ﷺ کو یہ بہت مرغوب تھا

ابوحنیفة عن نافع عن ابن عمر قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الکافر یاکل فی سبعة امعاء والمؤمن یاکل فی معی واحد .

حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ کافر کھاتا ہے سات آنتوں میں اور مؤمن کھاتا ہے آنت میں۔

(۲۰۶) باب النهی عن الاکل متکئا

ابوحنیفة عن علی بن الاقمر عن ابی حجیفة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اما انا فلا اکل متکئا اکل کما یاکل العبد واشرب کما یشرب العبد واعبد ربی حتی یأتینی الیقین .

باب۔ ٹیک لگا کر کھانے کی ممانعت

حضرت ابوحجیفہؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ میں تو ٹیکا لگا کر نہیں کھاتا بلکہ کھاتا ہوں جیسے غلام کھاتا ہے' پیتا ہوں جیسے غلام پیتا ہے اور عبادت کروں گا اپنے پروردگار کی یہاں تک کہ مجھ کو موت آئے۔

ف: ٹیک لگا کر کھانے میں فخر وتمکنت شان وشوکت کا ظہور ہے۔ جو آں حضرت ﷺ کو سخت ناپسند تھی اس لئے یہ نشست اختیار نہ فرماتے بلکہ عاجزانہ اور خاکسارانہ ہیئت سے بیٹھ کر اس کی دی ہوئی نعمت تناول فرماتے اور خدا کا شکر ادا فرماتے۔

(۲۰۷) باب النهی عن الشرب فی انیة الذهب والفضة

ابوحنیفة عن حماد عن حذیفة قال نهانا رسولُ الله صلی الله علیه وسلم ان نشرب فی انیة الذهب والفضة وان ناکل فیها وان نلبس الحریر والدیباج قال وهی للمشرکین فی الدنیا ولکم فی الاخریٰ .

باب۔ سونے اور چاندی کے برتن میں کھانا پینا

حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو منع فرمایا کہ ہم سونے چاندی کے برتن میں کھائیں پئیں اور ریشم اور دیباج پہنیں اور فرمایا کہ یہ چیزیں مشرکین کے لئے دنیا میں ہیں اور تمہارے لئے آخرت ہیں۔

ف: گویامؤمنین کوان مزخرفات دینوی سے باز رکھنے کی وجہ بھی ساتھ ساتھ ظاہر فرمائی کہ مؤمنین کو یہ سب چیزیں آخرت میں جنت میں ملیں گی۔اس لئے دنیا میں ان کوان اشیاء سے باز رکھا تا کہ یہ خصوصیت آخرت کی رہے اور مشرک چونکہ اپنے سارے مزے دنیا ہی میں ختم کر لیتا ہے اس لئے وہ دنیا میں ان سے خوب فائدہ اٹھاتا ہے اور آخرت میں اس کے لئے اس میں کوئی حصہ نہیں۔

ابو حنيفة عن مسلم عن عبد الرحمن بن ابى ليلىٰ قال نزلنا مع حذيفة على دهقان بالمدائن فاتى بطعام فطعمنا ثم دعاحذيفة بشراب فاتى بشراب فى اناء فضة فضرب به وجهه فساء ناماصنع فقال اتدرون لما صنعت به هذافقلنا لا فقال انى نزلت عليه فى العام الماضى فدعوت بشراب فاتانى بشراب فيه فاخبرته ان رسول الله صلى الله عليه وسلم نها ناان نأكل فى انية الذهب والفضة وان نشرب فيها وان نلبس الحرير والديباج فانها للمشركين فى الدنيا وهى النافى الاخرة .

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ ہم حضرت حذیفہ ؓ کے ساتھ مدائن میں کسی دہقان کے ہاں اترے وہ کھانا لایا ہم نے کھایا پھر حضرت حذیفہ ؓ نے پانی مانگا تو پانی چاندی کے برتن میں لے آیا حضرت حذیفہ ؓ نے پانی کا برتن اس کے منہ پر مار دیا۔ہم کو ان کا یہ فعل بہت ناگوار ہوا۔تو اس پر انہوں نے کہا کہ کیا تم جانتے ہو کہ میں نے اس دہقان کے ساتھ ایسا کیوں کیا۔ہم نے کہا نہیں۔ کہنے لگے گذشتہ سال میں اس کے پاس اترا۔اور میں نے پانی مانگا۔تو اس نے مجھے چاندی کے برتن میں پانی لاکر دیا میں نے اس سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو چاندی سونے کے برتن میں کھانے پینے سے منع فرمایا ہے اور اس سے کہ ہم ریشم اور دیباج پہنیں کیونکہ یہ (چیزیں) مشرکین کے لئے دنیا میں ہیں اور ہمارے لئے آخرت میں۔

ف: یعنی حضرت حذیفہ ؓ کی سخت برہمی و ناراضگی کا سبب یہ تھا کہ اس دہقان کو آپ نے ایک مرتبہ اس ناجائز فعل کے ارتکاب سے روکا تھا۔اور آنحضرت ﷺ کی حدیث بھی سنائی تھی ۔مگر وہ پھر بھی اس عمل سے باز نہ آیا اور سونے چاندی کے برتن استعمال کرتا رہا۔لہٰذا دوسری بار

آپ غصہ کے مارے بے اختیار ہو گئے اور پانی کے برتن کو اس کے منہ پر دے مارا گویا یہ مہمان نواز کے ساتھ بدسلوکی نہیں تھی۔ بلکہ خلاف شریعت عمل کرنے پر اس کو سخت سرزنش تھی تاکہ آئندہ وہ اس سے باز رہے۔ حضرت حذیفہؓ کی طرف سے یہ اتباع سنت رسول اللہ ﷺ کا بھی بین اور کھلا ثبوت ہے کہ وہ اس کو دیکھ بھی نہ سکے کہ کسی شخص کو سنت رسول اللہ ﷺ معلوم ہونے پر پھر وہ اس کے خلاف چلے۔

حماد عن ابيه عن ابى فروة عن عبد الرحمن بن ابى ليلى قال استسقى حذيفة بن اليمان من دهقان فاتى بشراب فى اناء فضة فاخذ الاناء فضرب به وجهه وقال ان رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى ان نشرب فى انية الفضة .

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰؒ سے روایت ہے کہ حضرت حذیفہؓ بن یمان نے ایک دہقان سے پانی مانگا تو وہ پانی چاندی کے برتن میں لے آیا۔ آپ نے وہ برتن لے کر اس کے منہ پر دے مارا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ ہم چاندی کے برتن میں پئیں۔

ابوحنيفة عن الحكم عن ابن ابى ليلى قال كنا مع حذيفة بالمدئن فاستسقى دهقانا فاتاه به فى جام فضة فرمى به ثم قال ان رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن انية الذهب والفضة وقال هى لهم فى الدنيا ولكم فى الاخرة .

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ ہم حضرت حذیفہؓ کے ساتھ مدائن میں رفیق سفر تھے کہ انہوں نے ایک دہقان سے پانی مانگا۔ وہ چاندی کے جام میں پانی لے آیا۔ انہوں نے اس کو پھینک دیا۔ اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے سونے چاندی کے برتن سے (اس میں کھانے پینے سے) منع فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ وہ مشرکین کیلئے دنیا میں ہے۔ اور تمہارے لئے آخرت میں۔

ف: اس میں بھی پیشتر حدیث کے مضمون کا اعادہ ہے۔

ابوحنيفة عن نافع عن ابن عمر ان النبى صلى الله عليه وسلم نيعن الدباء والحنتم .

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے منع فرمایا دباء اور حنتم سے۔

ف: یعنی ان میں نبیذ بنانے سے منع فرمایا۔ چونکہ یہ برتن شراب کے تھے۔ اوائل اسلام میں ان برتنوں کی بھی ممانعت احتیاطاً آپ نے کردی اور اس کے بعد یہ ممانعت منسوخ ہوگئی۔ اب ہر برتن میں میوہ بھگونا درست ہے دباء کدو کو کہتے ہیں مراد تونبا حنتم سبز ٹھلیا۔

ابو حنیفة عن علقمة عن سليمان بن بريد ة عن ابيه عن النبی صلی الله عليه وسلم قال نهيناكم عن زيارة القبور فقد اذن لمحمد صلی الله عليه وسلم فی زيارة قبر امه فزوروها ولا تقولوا هجرا وعن لحوم الاضاحی ان تمسكو فوق ثلثة ايام وانا نهينا كم ليو سع موسر كم علی فقير كم والان قد وسع الله عليكم فكلوا وتزودوا. وعن الشرب فی الحنتم والمزفت. وفی رواية عن النقير والدباء فاشربوا فی كل ظرف شئتم فان الظرف لايحل شيئا ولا يحرمه ولاتشربوا مسكرا.

وفی رواية قال انا نهيناكم عن ثلث عن زيارة القبور فزوروها ونهينا كم ان تمسكوا لحم الاضاحی فوق ثلثة ايام فامسكوها وتزودوها فانما نهيناكم ليوسع غنيكم علی فقير كم ونهينا كم ان تشربوا فی الدباء والمزفت فاشربوا فيمابدالكم فان الظرف لايحل شيئا ولا يحرمه ولا تشربوامسكرا.

وفی رواية نحوه وفيه عن النبيذ فی الدباء والحنتم والمزفت فاشربوا فی كل ظرف ولا تشربوا مسكرا.

حضرت بریدہ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ ہم نے تم کو قبروں کی زیارت سے روکا تھا۔ لیکن اب محمد ﷺ کو ان کی والدہ ماجدہ کی قبر کی زیارت کی اجازت مل گئی لہٰذا قبروں کی زیارت کرو ان پر جاؤ مگر ناشائستہ نازیبا بات منہ سے نہ نکالو۔ اور ہم نے منع کیا تھا تم کو قربانی کے گوشت کو رکھ چھوڑنے سے تین دن سے زائد اور منع اس لئے کیا تھا تاکہ تمہارے صاحب حیثیت اپنے فقیروں پر فراخی وخوش حالی لائیں اور اب چونکہ اللہ تعالیٰ نے تم سب کو فراخی دے دی ہے اس لئے کھاؤ اور رکھ چھوڑو۔ اور (منع کیا تھا ہم نے تم کو)

حنتم اور مزفت میں پینے سے۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ نقیر اور دباء میں پینے سے تو اب پیو جس برتن میں چاہو۔ کیونکہ برتن کسی چیز کو حلال حرام نہیں کرتا ہاں نشہ آور چیز نہ پیو۔
ایک روایت میں اس طرح ہے کہ ہم نے تم کو تین باتوں سے منع کیا تھا۔ زیارت قبور سے تو اب ان کی زیارت کرو۔ اور ہم نے منع کیا تھا تم کو قربانی کے گوشت کو رکھ چھوڑنے سے تین دن سے زائد لہٰذا اب اس کو رکھو اور اکٹھا کرو اور اس لئے منع کیا تھا تا کہ تمہارے مالدار تمہارے فقیروں کو فراخی سے کھانے کا موقع دیں اور منع کیا تھا ہم نے تم کو دباء اور مزفت میں پینے سے تو اب پیو جس میں چاہو کیونکہ برتن کسی چیز کو نہ حلال کرتا ہے نہ حرام البتہ نشہ آور چیز نہ پیو۔
اور ایک روایت میں اسی طرح ہے۔ اور اس میں یوں ہے کہ منع کیا تھا ہم نے تم کو) نبیذ بنانے سے دباء حنتم اور مزفت میں پس اب ہر برتن میں پیو۔ لیکن نشہ آور چیز نہ پیو۔
ف: مزفت روغن پھرا ہوا برتن نقیر لکڑی کو تراش کر بنایا ہوا برتن۔

ابو حنیفة عن علقمة و حماد حدثاء عن عبد الله بن بریدة عن ابیه عن النبی صلی الله علیه وسلم انه قال اشربوا فی کل ظرف فان الظرف لایحل شیئا ولا یحرمه.

حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا پیو ہر برتن میں کیونکہ برتن نہ حلال کرتا ہے کسی چیز کو نہ حرام کرتا ہے۔
ف: یہ حدیث بھی پیشتر مضمون کا اعادہ کرتی ہے۔

(۲۰۸) باب شرب النبیذ

ابو حنیفة عن حماد عن ابراهیم عن علقمة قال رأیت عبد الله ابن مسعود وهو یأکل طعاما ثم دعا بنبیذ فشرب فقلت رحمک الله تشرب النبیذ والامة تقتدی بک فقال ابن مسعود رأیت رسول الله صلی الله علیه وسلم یشرب النبیذ ولولا انی رأته یشرب ماشربته.

باب۔ نبیذ پینا
حضرت علقمہ کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن مسعود کو دیکھا کہ آپ نے کھانا کھایا، پھر نبیذ

منگا کر اس کو پیا میں نے کہا اللہ آپ پر رحم فرمائے۔آپ نبیذ پیتے ہیں اور امت آپ کی اقتداء کرتی ہے اس پر ابن مسعودؓ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو نبیذ پیتے ہوئے دیکھا ہے اگر میں آں جناب ﷺ کو پیتے ہوئے نہ دیکھتا تو میں نہ پیتا۔

ف: یہ حدیث مسئلہ نبیذ کی طرف مشیر ہے جو مختصر سی وضاحت چاہتا ہے۔نبیذ کی حقیقت یہ ہے کہ خشک انگوروں یا کھجوروں کو پانی میں ڈال دیں اور دیر تک اس میں چھوڑے رکھیں کہ ان کا مٹھاس اس پانی میں خوب اثر کر جائے اور اس سے ایک لذیذ خوش ذائقہ شربت تیار ہو جائے یہ جس قدر خوش ذائقہ ہوتا ہے اسی قدر صحت کے لئے مفید بھی ہوتا ہے۔نقیع بھی اسی قسم کے ایک شربت کا نام ہے۔مگر اس میں انگور یا کھجوریں پانی میں کم دیر کے لئے چھوڑی جاتی ہیں۔یہ نبیذ آں حضرت ﷺ نے استعمال فرمائی ہے۔احادیث صحیح اس پر دال ہیں مثلاً حدیث ذیل ہی یا شمائل ترمذی میں حضرت انسؓ سے بایں مضمون روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے اس پیالہ سے آں حضرت ﷺ کو تمام پینے کی اشیاء پلائی ہیں مثلاً پانی نبیذ۔شہد۔دودھ۔مسلم میں حضرت عائشہؓ سے بایں مضمون روایت ہے آپ کہتی ہیں کہ ہم آنحضرت ﷺ کے لئے نبیذ تیار کرتے ایک مشک میں جو اوپر کی جانب سے بند کی جاتی اور اس کے نیچے ایک دہانہ ہوتا تھا۔صبح کو اس میں کھجور وغیرہ ڈال کر نبیذ تیار کرتے جس کو آپ ﷺ رات کو نوش جان فرماتے یا رات کو کھجوریں وغیرہ ڈالتے تو صبح کے وقت نوش جان فرماتے۔چنانچہ تمام علماء کے نزدیک یہ نبیذ جائز ہے اور حلال البتہ اس کو اگر خفیف سا جوش دے لیں کہ یہ نشہ کی حد تک نہ پہنچے تو اس کے استعمال میں ائمہ کا اختلاف ہے امام ابوحنیفہؒ و امام ابو یوسفؒ اس کو جائز قرار دیتے ہیں اس شرط سے کہ وہ ہاضمہ کی درستی کے لئے استعمال کی جائے نہ لہو ولعب کے لئے امام محمدؒ احناف میں سے اور امام شافعی و مالک اس کو ناجائز مانتے ہیں مگر احناف کے نزدیک بھی فتویٰ امام محمدؒ کے قول پر ہے اور فقیہ ابو اللیثؒ نے کہا ہے کہ ہمارا عمل اسی پر ہے نبیذ جس طرح انگور و کھجور سے تیار ہوتی ہے اسی طرح اور اشیاء خوردنی سے بھی بنتی ہے۔مثلاً گیہوں جو انجیر شہد وغیرہ۔

ابوحنیفة ومسعر عن عطاء عن جابر قال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن نبيذ الذبيب والتمر والبسر واثمر.

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ منع فرمایا رسول اللہ ﷺ نے انگور اور کھجور کی (ایک

ساتھ تیار کی ہوئی) نبیذ سے اور گدر اور پکی کھجور کی (یکجا بنائی ہوئی) نبیذ سے۔

ف: صحاح ستہ میں یہ حدیث اسی مضمون سے متعدد طرق سے وارد ہے صحیحین میں ابوقتادہ بن ربعی سے یوں روایت ہے کہ گدر اور پختہ کھجور سے ساتھ ساتھ اور پختہ کھجور اور انگور سے ساتھ ساتھ نبیذ تیار نہ کرو البتہ تیار کرو ان سے علیحدہ علیحدہ گویا ان سے علیحدہ نبیذ بنانا تو جائز ہے مگر یکجائی شکل میں نہیں۔ یہ حکم امتناعی اس نقطہ خیال کے ماتحت ہے کہ یک جائی صورت میں بہت ممکن ہے کہ ایک چیز میں جلد متغیر ہو جانے کی وجہ سے سکر کی کیفیت پیدا ہو جائے اور وہ دوسری چیز میں سرایت کر جائے اور معلوم نہ ہو اور اس طرح لاعلمی میں حرام چیز کا استعمال ہو جائے اس لئے یہ صورت ناجائز قرار دی گئی مگر واضح رہے کہ یہ مسئلہ بھی اختلافی ہے۔ امام ابوحنیفہؒ وامام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس مخلوط نبیذ میں اگر نشہ پیدا نہ ہوا ہو تو اس کا استعمال جائز ہے۔

امام شافعیؒ مالکؒ واحمدؒ کے نزدیک خواہ نشہ پیدا ہو یا نہ ہو بہر صورت حدیث کے ظاہری الفاظ کے ماتحت حرام ہے۔ امام محمدؒ احناف میں سے ہر سہ ائمہ کے ساتھ ہیں یعنی اس کی حرمت کے قائل ہیں۔ حرمت کے قائلین کی دلیل حدیث ذیل ہے یا اسی مضمون کی دیگر احادیث احناف کے نزدیک یہاں بھی فتویٰ امام محمدؒ کے قول پر ہے۔ امام ابوحنیفہؒ ممانعت کی احادیث کو ابتدائے اسلام پر محمول کرتے ہیں جب کہ مسلمانوں پر تنگ دستی اور محتاجگی کا دور دورہ تھا کہ اس وقت امیروں پر دو چیزوں کا بیک وقت استعمال بند ہوا کہ ان کے غریب ساتھی دوسری چیزوں کا استعمال کر سکیں یہ نہیں کہ وہ تو دو دو چیزیں اڑائیں اور دوسرے ایک سے بھی محروم ہوں۔ ایسا عمل ابتدائے اسلام میں کئی چیزوں کے بارہ میں ہوا ہے اور حلت کے لئے وہ اس حدیث سے دلیل لاتے ہیں جو امام محمدؒ "کتاب الآثار" میں لائے ہیں جس کا مضمون ہے ابن زیاد کہتے ہیں کہ میں ابن عمرؓ کے پاس گیا تو آپ نے مجھ کو شربت پلایا جس کے اثر سے میں اپنے گھر والوں تک نہ پہنچ سکا کہتے ہیں کہ دوسرے روز جب میں صبح ان سے ملا تو میں نے اس کا ذکر کیا ابن عمرؓ نے فرمایا کہ ہم نے تو تم کو صرف کھجور اور انگور کی نبیذ پلائی تھی لہٰذا اگر یہ مخلوط حرام ہوتی تو ابن عمر جو اتباع سنت رسول اللہ میں شہرۂ آفاق تھے کس طرح حرام چیز پیتے یا دوسرے کو پلاتے شیخ الاسلام کی مبسوط میں ابراہیم نخعی سے بھی اسی قسم کی روایت ہے۔

ابو حنيفة عن علقمة بن مرثد وحماد بن ابی سليمان عن عبد اللهؓ بن بريدة

عن ابيه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال لاتشربوا مسكرا .

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا شراب حرام کی گئی تھوڑی ہو یا بہت اور نشہ ہر شراب میں ہے۔

ف: یہ حدیث امام مالک" شافعی" احمد" اور امام ابوحنیفہ" کے مابین ایک اختلافی مسئلہ کی طرف مشیر ہے۔ صورت اختلاف یہ ہے ہر سہ ائمہ کے نزدیک ہر نشہ آور چیز کو خمر (شراب) کہتے ہیں اور وہ تھوڑی اور بہت حرام ہے اور اس کا پینے والا خواہ کسی مقدار میں پیئے سزاوار حد ہے وہ کہتے ہیں کہ خمر دراصل مخامرت سے مشتق ہے گویا عقل کو چھپانے والی۔ اب جو شراب بھی بسبب نشہ کے عقل کو چھپائے وہ خمر کے حکم میں ہے اور وہ تھوڑی ہو یا بہت حرام ہے روایت کی رو سے یہ مسلم کی اس حدیث سے بھی دلیل لاتے ہیں کہ آپ نے فرمایا **کل مسکر خمر** کہ نشہ آور چیز خمر ہے۔ یا اس حدیث سے کہ آپ نے فرمایا ﴿**الخمر من هاتين الشجرتين الكرمة والنخله**﴾ کہ خمر ان دو درختوں سے بنی ہے یعنی انگور اور کھجور سے گویا انگور کے ساتھ کھجور کو بھی شامل کیا۔ امام ابوحنیفہ" کہتے ہیں کہ خمر تخمر سے ہے بمعنی تشدد اور قوت جو دوسری کسی چیز کو حاصل نہیں اسی لئے اس کو ام الخبائث کہتے ہیں اور باعتبار لغت اور بروئے عام استعمال اہل عرب خمر انگور کے کچے پانی کو کہتے ہیں جب کہ وہ نشہ آور ہو جائے اس معنی میں اس کی حرمت قطعی ہے۔ قرآن پاک میں بھی اس کی حرمت آیت کریمہ ﴿**يا ايها الذين امنوا انما الخمر و الميسر والأنصاب الاية**﴾ سے ثابت ہے اور احادیث صحیح سے بھی باقی دوسری چیزوں کی شرابوں کی حرمت قطعی نہیں بلکہ ظنی ہے اور اجتہادی۔ مثلاً گیہوں، جو، جوار کی شراب اور ان میں خمر کے علاوہ دوسرے الفاظ مستعمل ہیں مثلاً نبیذ نقیع سکر وغیرہ چنانچہ ان کا وہ حکم نہیں جو انگور کی شراب کا ہے کہ وہ تھوڑی بھی حرام ہے اور زائد بھی تھوڑی پینے پر بھی حد ہے اور زائد پر بھی بلکہ یہ دیگر شرابیں اگر قلیل مقدار میں استعمال کی جائیں کہ نشہ نہ پیدا کریں تو حرام نہیں ہاں اگر نشہ لانے کی مقدار میں پی جائیں تو یہ حرام ہیں اور ان کے پینے والے پر حد بھی جاری ہوگی۔ اسی طرح یہ فرق بھی ہے کہ انگور کی شراب کی حرمت سے انکار کرنے والا کافر ہے۔ اور دیگر شرابوں کی حرمت سے انکار کرنے والا کافر نہیں۔ کیونکہ ان کا ثبوت ظنی ہے قطعی نہیں۔ امام صاحب" کے مذہب پر ابن عباسؓ کی حدیث ذیل سے استدلال کیا جاتا ہے جو صاف گویا ہے کہ خمر (انگور کی شراب) تھوڑی اور بہت مقدار میں قطعی حرام ہے اور دوسری شرابیں نشہ کی بنیاد پر حرام ہیں اس سے کم مقدار میں حرام نہیں۔ گویا

دیگر شرابوں میں حرمت وحلت کے لئے نشہ کو حد فاصل قرار دیا ہے اور انگور کی شراب میں ایسا نہیں۔ وہاں ایک قطرہ بھی ایسا ہی حرام ہے جیسا کہ پوری بوتل یا اس سے بھی زائد ائمہ ثلاثہ کی حجت لائی ہوئی حدیث ﴿کل مسکر خمر﴾ کا جواب یہ ہے کہ یحییٰ بن معین نے اس پر طعن کیا ہے چنانچہ انہوں نے کہا ہے کہ تین احادیث رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں ایک ﴿لانکاح الا لولی وشاهدی عدل﴾ دوسری ﴿من مس ذکره فلیتوضا﴾ اور تیسری ﴿کل مسکر خمر﴾ اور یحییٰ بن معین کی وہ شخصیت ہے کہ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ جس حدیث کو یحییٰ بن معین نہ پہچانیں وہ حدیث حدیث نہیں۔ دوسری حدیث کا جواب یہ ہے کہ آں حضرت ﷺ خمر کی حقیقت واضح نہیں فرما رہے ہیں بلکہ اس کا حکم بیان کر رہے ہیں اور رسول کا یہ کام بھی نہیں کہ وہ الفاظ کی لغوی تحقیق کرتا پھرے اور یہاں بحث لفظی تحقیق میں ہے۔ اب مخالفین حدیث ذیل کے ﴿والسکر﴾ کی صحت کو نہایت شد ومد سے باطل کرتے ہیں جس پر پورے مذہب کی بنیاد ہے کہتے ہیں کہ مسکر صحیح ہے حالانکہ متعدد طرق سے والسکر کا ہی لفظ منقول ہے طبرانی یوں لائے ہیں ﴿حرم الله الخمر والسکر من کل شراب﴾ کہ اللہ نے عین خمر کو حرام فرمایا اور ہر شراب سے نشہ کو اور بزار اور دار قطنی بھی یوں ہی لائے ہیں۔ مرفوع بھی لائے ہیں اور موقوف بھی نسائی بھی ثقہ راویوں سے اس حدیث کو اسی لفظ سے لائے ہیں لہذا یہ لفظ اپنی جگہ صحیح ہے۔ پھر مخالفین کہتے ہیں کہ حدیث کے وصل وانقطاع اور رفع ووقف میں اختلاف ہے جو اس حدیث کے ضعف کی دلیل ہے ہم کہتے ہیں کہ یہ اختلاف حدیث کی صحت میں حارج نہیں کیونکہ مثلاً حدیث کو مرفوع کر دینا یہ بھی ایک زیادتی ہے اور راوی کے ثقہ ہونے پر اس کی زیادتی مقبول ہے اور یہ بات بھی ثابت ہو چکی کہ جس مسئلہ میں اجتہاد کو دخل نہ ہو اس کو موقوف بیان کرنا مرفوع ہی کے حکم میں ہے۔ یا مثلاً انقطاع حدیث کی صحت میں فرق نہیں پیدا ہوتا جب کہ راوی ثقہ ہو بلکہ ایسی حدیث حکم میں مرسل کے ہی ہوتی ہے۔ ﴿هذا ماظهر لی الان والله اعلم بحقیقة الحال﴾

(۲۰۹) باب حرمة اکل ثمن الخمر

ابوحنیفة عن محمد بن قیس الهمدانی عن ابی عامر الثقفی انه کان یهدی النبی صلی الله علیه وسلم فی کل عام روایة من خمر وفی روایة ان رجلا من ثقیف یکنی اباعامر کان یهدی للنبی صلی الله علیه وسلم کل عام

روایة من خمر فاهدی فی العام الذی حرمت فیه الخمر راویة کما کان یهدی له فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم یا اباعامر ان الله تعالی قد حرم الخمر فلا حاجة لنافی خمرک قال خذ ها فبعها فاستعن بثمنها علی حاجتک فقال یا اباعامر ان الله تعالی قد حرم شربها وبیعها واکل ثمنها .

باب۔شراب کی قیمت استعمال کرنا

محمد بن قیس الہمدانی سے روایت ہے کہ ابوعامر الثقفی نبی ﷺ کو ہر سال شراب انگوری کی ایک مشک بطور ہدیہ بھیجا کرتا تھا۔اور ایک روایت میں یوں ہے کہ ثقیف کا ایک شخص جس کی کنیت ابوعامر تھی، نبی ﷺ کو ہر سال شراب انگوری کی ایک مشک بطور ہدیہ بھیجا کرتا تھا۔لہٰذا جس سال کہ شرب حرام ہوئی اس نے حسب معمول شراب کی مشک ہدیہ بھیجی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے ابوعامر چونکہ اللہ تعالیٰ نے شراب حرام کردی ہے اس لئے اب ہم تیری شراب کے حاجتمند نہیں وہ بولا (کوئی پروانہیں) اس کو آپ لے لیجئے اور اس کو بیچ کر اس کی قیمت اپنی ضروریات میں صرف کیجئے۔آپ ﷺ نے فرمایا اے ابوعامر البتہ اللہ تعالیٰ نے اس کا پینا، بیچنا اور اس کی قیمت کا کھانا سب حرام کیا ہے۔

ف: راویہ مشک کو کہتے ہیں اور پانی لانے والے اونٹ کو بھی یہاں ہر دو مراد ہو سکتے ہیں۔

کتاب اللباس و الزینة

(۲۱۰) باب ذکر قلنسوة رسول الله صلی الله علیه وسلم

ابوحنیفة عن عطاء عن ابی هریرة قال کان لرسول الله صلی الله علیه وسلم قلنسوة شامیة وفی روایة عن عطاء عن ابی هریرة کان لرسول الله صلی الله علیه وسلم قلنسوة بیضاء شامیة .

لباس وزینت کے احکام

باب۔رسول اللہ ﷺ کی ٹوپی کا ذکر

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ٹوپی شامی تھی۔اور ایک روایت میں حضرت ابوہریرہؓ سے یوں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ٹوپی سفید شامی تھی۔

ف: بعض روایات میں یوں آیا ہے کہ آپ ﷺ کی ٹوپی سفید لاطینی تھی۔بعض میں اس

طرح ہے کہ آپ ﷺ بغیر عمامہ کے بھی ٹوپیاں پہنتے اور عمامہ کے ساتھ بھی اور بغیر ٹوپی کے بھی عمامہ باندھتے اور لڑائی میں آپ ﷺ کانوں والی ٹوپی پہنا کرتے۔

(۲۱۱) باب السدل

ابوحنيفة عن علی بن الاقمر عن ابی جحيفة ان النبی صلی الله عليه وسلم مر برجل سادل ثوبه فاعطفه عليه. وفی رواية عن علی بن الاقمر عن النبی صلی الله عليه وسلم منقطعا.

باب۔ بغیر پہنے کپڑا بدن پر لٹکانا

حضرت ابوجحیفہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ گذرے ایک شخص کے پاس سے جو کپڑا لٹکائے ہوئے تھا۔ تو آپ ﷺ نے اس کپڑے کو اس کو شانے پر الٹ دیا۔ اور ایک روایت ہے علی بن اقمر سے نبی ﷺ سے منقطع۔

ف: یعنی کپڑے کو بغیر لپیٹے لٹکائے رکھنا اور چھوڑے رکھنا منع ہے اسی لئے آں جناب ﷺ نے اس کو اس کے شانے پر ڈال کر اس کو لپیٹ دیا۔

(۲۱۲) باب النهی عن لبس الحرير والديباج

ابوحنيفة عن الحكم عن ابن ابی ليلی عن حذيفة ان رسول الله صلی الله عليه وسلم نهی عن لبس الحرير والديباج وقال انما يفعل ذلک من لا خلاق له.

باب۔ ریشم اور دیباج کا پہننا

حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ریشم اور دیباج کے پہننے سے اور فرمایا کہ یہ وہ پہنتا ہے۔ جس کا (آخرت میں) کوئی حصہ نہیں۔

ف: یہ حرمت مردوں کے لئے ہے عورتوں کے لئے نہیں۔ کیونکہ طبرانی اپنی معجم میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بایں مضمون حدیث لائے ہیں کہ نبی ﷺ نکلے اور آپ ﷺ کے ایک ہاتھ میں ریشم کا پارچہ تھا اور دوسرے میں سونا' آپ ﷺ نے فرمایا یہ دونوں چیزیں میری امت کے مردوں پر حرام ہیں اور ان کی عورتوں کے لئے حلال۔ البتہ تین چار انگل کی مقدار میں ریشم مردوں کے لئے بھی جائز ہے چنانچہ دوسری روایت میں آنحضرت ﷺ سے اس مقدار کی

رخصت ثابت ہے۔

(۲۱۳) بیان التماثیل

ابوحنیفة عن ابی اسحق عن عاصم بن حمزة عن علی کرم الله وجهه انه کان علق فی بیت رسول الله صلی الله علیه وسلم سترا فیه تما ثیل فابطأجبر ئیل ثم اتاه فقال له مابطاک عنی قال انا لاند خل بیتافیه کلب ولا تما ثیل فابسط الستر ولا تعلقه واقطع رء وس التماثیل واخرج هذا الجرو .

باب۔تصاویر کے احکام

عاصم بن حمزہ سے روایت ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ نے رسول اللہ ﷺ کے گھر پر ایک پردہ لٹکا دیا جس پر تصاویر تھیں حضرت جبریلؑ نے آنے میں تاخیر کی اور پھر آئے نبی ﷺ کے پاس۔آں حضرت ﷺ نے دریافت فرمایا کہ تم نے میرے پاس آنے میں دیر کیوں کی۔انہوں نے کہا کہ ہم فرشتے نہیں جاتے اس گھر میں جس میں کتا ہو یا تصویریں ہوں۔لہٰذا آپ پردہ کھول کر بچھالیں اور اس کو نہ لٹکائیں اور تصویروں کے سروں کو کاٹ ڈالیں اور اس کتے کے پلے کو بھی نکال باہر کریں۔

ف: یہ حدیث دوسری کتب صحاح میں بھی موجود ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ رحمت کے فرشتے ایسے گھر میں نہیں جاتے جس میں تصویر ہو یا کتا ہو البتہ اس حکم سے محافظ فرشتے اور کراماً کاتبین مستثنیٰ ہیں کہ وہ ہردم وہر گھڑی انسان کے ساتھ ہیں۔خواہ انسان گھر میں ہو یا باہر۔

(۲۱۴) بابالخضاب بالحناء

ابوحنیفة عن نافع عن ابن عمرؓ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اخضبوا شعر کم بالحناء وخالفوا اهل الکتاب .

باب۔مہندی سے بالوں کو خضاب کرنا

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے خضاب کرو اپنے بالوں کو مہندی سے اور مخالفت کرو اہل کتاب کی۔

ف: اہل کتاب خضاب نہیں لگایا کرتے تھے۔لہٰذا ان کی مخالفت میں خضاب کا حکم ہوا

کیونکہ ان کی مخالفت مستحب ہے پھر مہندی کی دوسری احادیث میں بہت تعریف آئی ہے لیکن یوں آیا ہے کہ وہ خوشبو والی چیز ہے اور کہیں اس طرح کی وہ تمہارے جمال وخوبصورتی کو بڑھاتی ہے غرض خضاب لگانا یقیناً جائز ہے جس سے بال سرخ ہو جائیں یا سرخ مائل بہ سیاہی البتہ بالکل سیاہ کرنا جائز نہیں۔

(۲۱۵) باب الخضاب بالكتم

ابو حنيفة عن يحيى بن عبد الله الكندى عن ابى الاسود عن ابى ذرعن النبى صلى الله عليه وسلم قال ان احسن ماغير تم به الشيب الحناء والكتم . وفى رواية قال احسن ماغير تم به الشعر الحناء والكتم . وفى رواية من احسن ماغير تم به الشيب الحناء والكتم .

باب۔کتم سے خضاب کرنا

حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ فرمایا نبی ﷺ نے کہ بہترین چیز جس سے تم اپنے بڑھاپے کو بدلو وہ مہندی ہے اور نیل اور ایک روایت میں یوں ہے کہ بہترین چیز جس سے تم بالوں کو بدلو مہندی ہے اور نیل ہے اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ بہترین چیز جس سے تم بڑھاپے کو بدلو مہندی ہے اور نیل۔

ف: اس میں مہندی ونیل کے خضاب کی تعریف وتوصیف ہے۔

(۲۱۶) باب الاخذبنواحى اللحية

ابو حنيفة عن الهيثم عن رجل ان ابا قحافة اتى النبى صلى الله عليه وسلم ولحيته قد انتشرت قال فقال لواخذ تم واشار الى نواحى لحيته .

باب۔ڈاڑھی کے اطراف وجوانب کو کٹوانا

ایک شخص سے روایت ہے کہ ابوقحافہ آئے نبی ﷺ کی خدمت میں اور ان کی ڈاڑھی (بالوں کی کثرت ودرازی کے سبب) بکھری ہوئی تھی تو آپ ﷺ نے ان کی ڈاڑھی کے اطراف کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کاش تم اس کو کترتے اور چھانٹتے۔

ف: یہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے والد تھے اور فتح مکہ کے دن آں حضرت ﷺ کے سامنے آئے تھے۔

ابو حنيفة عن الهيثم عن ام ثور عن ابن عباسؓ انه قال لاباس ان تصل المرأة شعر ها بالصوف انما نهى بالشعر وفى رواية لاباس بالوصل اذالم يكن شعر بالرأس.

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ کوئی پروانہیں اگر عورت اپنے بالوں میں اون ملالے۔ البتہ ممانعت بالوں میں بال ملانے کی ہے اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ اگر سر پر بال نہ ہوں تو ملانا جائز ہے۔

ف: یعنی عورت کے لئے بال ملانے کی جو صورت ممنوع ہے وہ بالوں کے ساتھ بالوں کو ملانے کی شکل میں ہے اور اس لئے کہ انسان کے کسی بھی جزء سے انتفاع جائز نہیں۔

كتاب الطب

(۲۱۷) باب فضل المرض والرقى والدعوات

ابو حنيفة عن حماد عن ابراهيم عن الاسود عن عائشة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ان الله ليكتب للانسان الدرجة العليافى الجنة ولا يكون له من العمل مايبلغها فلا يزال يبتليه الله حتى يبلغها.

طب کے احکام

باب۔ مرض کی فضیلت۔ منتر اور دعاؤں کا بیان

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ لکھ دیتا ہے ایک بندہ کے لئے بلند درجہ جنت میں مگر اس کا عمل ایسا نہیں ہوتا کہ اس کو اس درجہ تک پہنچا دے تو اس لئے اللہ تعالیٰ اس کو ہمیشہ بیماری میں مبتلا رکھتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ شخص اس درجہ تک پہنچ جاتا ہے۔

ف: ابوداؤد وامام احمد بھی محمد بن خالد السلمی سے روایت کرتے ہیں وہ اپنے والد سے اور وہ اپنے باپ سے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کے لئے جنت میں کوئی درجہ پہلے سے لکھ چھوڑتا ہے جس تک وہ اپنے عمل سے نہیں پہنچ سکتا تو اللہ تعالیٰ اس کی جان اس کے مال اور اس کی اولاد کی طرف سے اس کی آزمائش کرتا ہے۔ پھر اس کو اس آزمائش میں صبر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ بندہ اس لکھے ہوئے درجہ تک پہنچ جاتا ہے۔ اور ترمذی حضرت ابوہریرہؓ سے

روایت کرتے ہیں کہ مومن مرد وعورت اپنی جان ۔ مال اور اولاد کی طرف سے مصیبت میں مبتلا رہتے ہیں ۔ یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ایسی حالت میں ملتے ہیں کہ ان پر ایک گناہ نہیں ہوتا ۔

ابو حنیفة عن علقمة عن ابن بریدة عن ابیه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا مرض العبد وهو علی طائفة من الخیر قال الله تبارک وتعالی لملائکته اکتبوا العبدی مثل اجر ما کان یعمل وهو صحیح .زادفی روایة مع اجر البلاء .

وفی روایة اکتبوا العبدی ما کان یعمل وهو صحیح .

وفی روایة اذا مرض العبدوعلی عمل من الطاعة فان الله تبارک وتعالی یقول لحفظته اکتبوا لعبدی اجر ما کان یعمل وهو صحیح .

حضرت بریدہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جب کوئی ایسا بندہ بیمار پڑتا ہے جو تندرستی میں بھلے کام کیا کرتا تھا تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے ارشاد فرماتے ہے کہ لکھو میرے بندہ کے لئے اجران اعمال کا جو وہ کیا کرتا تھا صحت میں ۔ اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ اجر بیماری کا بھی ۔ (یعنی اس پر صبر شکر کرنے کا)

اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ لکھو میرے بندہ کے لئے وہی عمل جو صحت وتندرستی میں کیا کرتا تھا ۔

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ جب بیمار پڑتا ہے بندہ اور طاعت پر کار بند ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کراماً کاتبین سے ارشاد فرماتا ہے کہ لکھو میرے بندہ کے لئے اجر اس عمل کا جو وہ کیا کرتا تھا ۔ جب کہ وہ تندرست تھا ۔

ف: امام احمد و بخاری حضرت ابو موسیٰ سے مرفوع حدیث لائے ہیں کہ کوئی بندہ بیمار پڑتا ہے یا سفر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے اسی عمل کا اجر لکھ دیتا ہے جو وہ صحت میں یا وطن کے قیام میں کیا کرتا تھا ۔ طبرانی اوسط میں حضرت انس ؓ سے مرفوع حدیث لائے ہیں کہ جب بندہ تین دن بیمار پڑا رہتا ہے تو وہ اپنے گناہوں سے ایسا پاک ہو جاتا ہے کہ گویا اس کو اس کی ماں نے جنا ہے ۔ لہٰذا ان احادیث سے پتہ چلا کہ مسلمان کی بیماری اس کے گناہوں کا کفارہ ہے اور سبب بخشش یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی بندہ نوازی و بندہ پروری کی بہت ہی اونچی اور بلند مثال ہے ۔

ابوحنیفة ومقاتل بن سلیمان عن ابی الزبیر عن جابر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لکل دآء جعل اللہ تعالی دواء فاذا اصاب الداء دواؤہ برئ باذن اللہ.

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ ہر بیماری کی دوا اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے لہٰذا جب بیماری کو اس کی مناسب دوا مل جاتی ہے تو بحکم خدا انسان اچھا ہو جاتا ہے۔

ف: امام احمد اور مسلم بھی حضرت جابرؓ سے بعینہ یہ حدیث لائے ہیں۔

حماد عن ابیہ عن قیس بن مسلم عن طارق بن شھاب عن ابن مسعود عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ لم یضع داء الاوضع لہ دواء الاالسام والھرم فعلیکم بالبان البقر فانھا تخلط من کل شجر .

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری نہیں اتاری کہ اس کے لئے کوئی دوا نہ رکھی ہو مگر موت اور بڑھاپا (کہ ان کی کوئی دوا نہیں) گائے کا دودھ ضرور پیا کرو کیونکہ اس میں سب نباتاتی اجزاء موجود ہیں۔

ف: بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ سے یوں روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ﴿ما انزل اللہ داء الاانزل لہ شفاء ﴾ کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری نہیں پیدا کی کہ اس کی شفاء نہ رکھی ہو ۔حاکم ابوسعید سے اس طرح روایت لائے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری نہیں پیدا کی جس کی شفا نہ رکھی ہو جس کو چاہا اس کا علم دیا اور جس کو چاہا اس سے جاہل رکھا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے بے پایاں اور بے پناہ انصاف کا کھلا ثبوت ہے کہ اس نے کوئی بیماری بندوں کو ایسی نہ دی جس کے شفا کے اسباب اور اس کی مناسب دواز مین میں پیدا نہ کردی ہو اب جس کو چاہا اس کے علم اور اس کی معرفت سے نوازا اور جس کو چاہا اس سے بے بہرہ و ناواقف رکھا۔ یہ اس کی مصلحت عامہ ہے جو سارے عالم میں کارفرما ہے۔

ابوحنیفة عن قیس عن طارق عن ابن مسعود قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم ینزل اللہ داء الاوانزل معہ الدواء الاالھرم فعلیکم بالبان البقرفانھا ترم من الشجر.

وفی روایة ان الله تعالی لم یجعل فی الارض داء الاجعل له دواء الاالهرم والسام فعلیکم بالبان البقرفانها تخلط من کل الشجر .وفی روایة ماانزل الله من داء الا انزل معه دواء الا السام والهرم فعلیکم بالبان البقر فانها تخلط من کل الشجر .

وفی روایة ان الله تعالی لم یضع فی الارض داء الا وضع له شفاء او دواء فعلیکم بالبان البقر فانها نخلط من کل الشجر علیکم بالبان البقر فانها ترم من کل شجرة وفیها شفاء من کل داء .

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے نہیں اتاری اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری مگر کہ اتاری اس کے لئے دوا سوائے بڑھاپے کے (کہ اس کی کوئی دوا نہیں) تو تم گائے کا دودھ پیا کرو۔ کیونکہ وہ ہر درخت کو چرتی ہے (یعنی اس کے دودھ میں سب اجزاء نباتی شامل ہیں جو انسان کے بدن کے لئے صالح غذا بناتے ہیں) اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نہیں پیدا کی زمین میں کوئی بیماری مگر کہ پیدا کی اس کی دوا مگر پیری اور موت تو تم اپنے لئے گائے کا دودھ لازم کرو کیونکہ اس کا دودھ مخلوط ہوتا ہے تمام نباتات سے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ نہیں اتاری اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری ایسی جس کی کوئی دوا نہ اتاری ہو۔ مگر موت اور بڑھاپا۔ لہٰذا تم گائے کا دودھ پینے کے پابند ہو جاؤ۔ اس لئے کہ وہ اپنے اندر تمام نباتات کے اجزاء رکھتا ہے۔

اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نہیں رکھی زمین میں کوئی بیماری ایسی جس کے ساتھ ساتھ شفا یا دوا بھی نہ رکھ دی ہو۔ لہٰذا التزام کرلو گائے کے دودھ پینے کا کیونکہ وہ شامل ہے تمام درختوں کے اجزاء کو! مکرر ارشاد فرمایا لازم پکڑ لو گائے کے دودھ کو کیونکہ وہ چرتی ہے ہر درخت کو اور اس میں شفا ہے ہر بیماری کی۔

ف: مختلف کتب صحاح میں گائے کے دودھ کی تعریف وتوصیف میں یہ ہی الفاظ مروی ہیں ابن سنی اور حاکم ابونعیم سے بایں معنی روایت لائے ہیں کہ آں حضرت ﷺ نے فرمایا لازم کرلو گائے کا دودھ پینا کیونکہ وہ دوا ہے اور اس کا گھی شفا ہے۔ غرض گائے کا دودھ جسمانی منافع کے لئے بے بہا دولت اور انسانی صحت وتندرستی کے لئے نہایت موزوں ومناسب غذا ہے۔

ابو حنيفة عن عبد الله عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم جعل الشفاء في الحبة السوداء والحجامة والعسل وماء السماء.

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے رکھی ہے اللہ نے شفا کلونجی میں پچھنوں میں، شہد میں اور آسمان کے پانی میں۔

ف: کلونجی کے بارہ میں حضرت عائشہؓ سے یوں مروی ہے کہ آں حضرت ﷺ نے فرمایا ﴿ان لهذه الحبة السوداء شفاء من كل داء﴾ کہ اس سیاہ دانہ کلونجی میں ہر بیماری کے لئے شفا ہے۔ پچھنوں کی تعریف کتب صحاح میں بہت آئی ہے اور شہد تو پھر شہد ہی ہے کہ خود رب العزت نے فرمایا ﴿فيه شفاء للناس﴾ کہ اس میں لوگوں کے لئے شفا ہے۔ اور آسمان کا پانی کیا کہنے زمین کی آلائشوں سے پاک وصاف اور گندگیوں سے مبرا۔ گویا مجسم آب حیات۔

ابو حنيفة عن عبد الملك عن عمر والجرشي عن سعيد بن زيد عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ان من المن الكماة وماؤ هاشفاء للعين.

حضرت سعید بن زید سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کھنبی (سانپ کی چھتری) من سے ہے اور اس کا پانی آنکھ کے لئے شفا ہے۔

ف: یہ حدیث بالفاظ صحیحین اور ترمذی میں بھی مروی ہے۔ اور امام احمد بھی اپنی مسند میں لائے ہیں من سے اس کا بایں وجہ تشبیہ دی کہ جس طرح بنی اسرائیل کو بغیر کسی محنت ومشقت کے من دستیاب ہوتا تھا۔ اسی طرح یہ بھی مفت ملتی ہے۔ خودرو چیز ہے جو بکثرت پیدا ہوتی ہے۔ بارش کے موسم میں بیشمار دستیاب ہوتی ہے۔ بوسیدہ لکڑی اور کوڑے کرکٹ پر اکثر اگ آتی ہے اور آنکھ کے لئے بھی مفید ہے تنہا بھی اور سرمے یا توتیا کے ساتھ ملا کر بھی لکھا ہے کہ علامہ نوویؒ نے اس کے نفع کا تجربہ کیا ہے اور تنہا اس کو مفید پایا ہے۔

ابو حنيفة عن الهيثم عن ابي صالح عن ابي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال من قال حين يصبح اعوذ بكلمات الله التامة ثلث مرات لم يضره عقرب حتى يمسى ومن قال حين يمسى لم يضره عقرب حتى يصبح.

وفي رواية من قال اعوذ بكلمات الله التامات حين يصبح قبل طلوع الشمس ثلث مرات لم يضره عقرب يومئذ . واذاقالها حين يمسي لم يضره عقرب ليلته .

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جس نے صبح کے وقت تین مرتبہ یہ کلمات ادا کئے ﴿**اعوذ بكلمات الله التامة**﴾ کہ میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کے پورے کلمات سے) اس کو شام تک بچھو نہ کاٹے گا۔ اور جس نے شام کے وقت یہ کلمات ادا کئے۔ اس کو صبح تک بچھو نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔

اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ جس نے ﴿**اعوذ بكلمات الله التامات**﴾ کے کلمات صبح سویرے سورج نکلنے سے پہلے تین بار ادا کئے تو اس کو آج کے دن بچھو گزند نہیں پہنچائے گا۔ اور جس نے شام ہوتے یہ کلمات ادا کئے تو اس رات بچھو اس کو گزند نہیں پہنچائے گا۔

ف: دیگر کتب صحاح میں بھی یہ حدیث اسی طرح وارد ہے ابن عبد البر تمہید میں سعید ابن المسیب سے نقل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مجھ کو یہ بات پہنچی ہے کہ جس نے شام کے وقت یہ پڑھا ﴿**سلام على نوح في العالمين**﴾ تو اس کو بچھو نے نہیں کاٹا۔

ابو حنيفة عن مسلم عن ابراهيم عن مسروق عن عائشة قالت لقد كان رسول الله صلى الله وسلم اذا اتى بمريض يد عوله يقول اذهب الباس رب الناس اشف انت الشافي لاشفاء الاشفاؤك شفاء لايغادر سقما .

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی بیمار کی عیادت کو تشریف لے جاتے تو اس کے حق میں یوں دعا فرماتے ﴿**اذهب الباس رب الناس اشف انت الشافي لاشفاء الاشفاء ک شفاء لايغادر سقما**﴾ یعنی اے لوگوں کے پروردگار دور کر بیماری کو اور شفا بخش' بیشک تو ہی شفا بخشنے والا ہے۔ تیری ہی شفا دراصل شفا ہے جو کسی بیماری کو نہیں چھوڑتی۔

ف: کیا پر اثر اور رقت بھرے الفاظ ہیں اور کیا مبارک کلمات ہیں کہ اگر انسان خلوص نیت سے ادا کرے تو شفا یابی بیماری سے کچھ دور نہیں۔

ابو حنیفة عن عبد الله عن ابن عمرؓ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لیس للمؤمن ان یذل نفسه قیل یا رسول الله و کیف یذل نفسه قال یتعرض من البلاء مالا یطیق .

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے مؤمن کے لئے یہ زیبا نہیں کہ ذلیل کرے اپنے نفس کو آپ ﷺ سے عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ اپنے نفس کو مومن کس طرح ذلیل کرتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ یوں کہ خود کو ایسی مصیبت میں ڈالے جس کی برداشت کی وہ طاقت نہ رکھتا ہو۔

ف: یعنی اگر انسان خود کو دین کے ایسے پر مشقت اور مشکل کام میں لگا دے جس کو وہ ہرگز نہ نباہ سکتا ہو اور پھر آخر اس کو چھوڑتے ہی بنے اور تھک کر پھر ہلکی عبادت کے قابل بھی نہ رہے تو یہ اپنے کو ذلیل ورسوا کرنا نہیں تو اور کیا ہے کہ خدا تعالیٰ بھی اس کو بری نظر سے دیکھے اور ہر عقلمند اس کو ملامت کا نشانہ بنائے شیخین ؒ حضرت عائشہؓ سے یوں روایت لائے ہیں کہ آں حضرت ﷺ نے فرمایا کہ اپنی طاقت کے دائرہ میں دینی اعمال اختیار کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نہیں اکتاتا ہے جب تک کہ تم نہ اکتا جاؤ۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ آں حضرت ﷺ نے صوم وصال سے روکا ہے اور فرمایا ہے کہ تم مجھ جیسے نہیں ہو میں اس طرح شب گذارتا ہون کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو کھلاتا بھی ہے اور پلاتا بھی۔ اس لئے تم ایسے عمل اختیار کرو جن کو تم نبھا سکو۔ حدیث میں یوں بھی آیا ہے کہ اللہ کو سب سے زائد پسند وہ نیک عمل ہے جو زیادہ دیرپا ہو۔ اگرچہ وہ تھوڑا ہو۔ اور یہ واقعہ ہے کہ اگر انسان ناسمجھی سے اپنے کو ناقابل برداشت عبادت میں لگا دے تو اکثر و بیشتر سخت بیمار پڑ جاتا ہے جس سے جان ہی کے لالے پڑ جاتے ہیں۔ اور حسب معمول عبادت سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتا ہے اسی لئے شریعت میں اس کی ممانعت وارد ہے کہ ایسا عمل جسمانی آزار کا پیش خیمہ بنتا ہے۔ اور یہیں سے اس کی وجہ بھی ظاہر ہو جاتی ہے کہ امراض کے باب میں اس حدیث کو کس مناسبت سے لایا گیا۔

ابو حنیفة عن جابر بن عبد الله قال جاء رجل من الانصار الی النبی صلی الله علیه وسلم فقال یا رسول الله مارزقت ولد اقط ولا ولد لی قال النبی صلی الله علیه وسلم فاین انت من کثرة الاستغفار و کثرة الصدقة ترز ق بهما فکان الرجل یکثر الصدقة ویکثر الاستغفار قال جابر فولد له تسعة

ذکور.

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ انصار میں سے ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا یا رسول اللہ مجھے کبھی اولاد نصیب نہیں ہوئی اور نہ ہی پیدا ہوئی۔ آپ نے فرمایا تجھے کیا ہو گیا ہے کہ زیادہ استغفار نہیں کرتا اور زیادہ خیرات نہیں کرتا کہ ان کی برکت سے تجھے اولاد نصیب ہو۔ تو پھر وہ شخص زیادہ خیرات بھی کرنے لگا اور زیادہ استغفار بھی۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ پھر اس کے نو لڑکے پیدا ہوئے۔

ف: اس حکم میں دراصل اس آیت سے لطیف استنباط کیا گیا ہے جس میں نوحؑ کا قصہ بیان ہو رہا ہے کہ وہ اپنی امت سے خطاب کر کے کہتے ہیں ﴿استغفروا ربکم انه كان غفارا. يرسل السماء عليكم مدرارا ويمددكم باموال وبنين﴾ بخشش مانگو اپنے پروردگار سے کیونکہ وہ بخشنے والا ہے بھیجے گا مینہ کو آسمان سے تمہارے اوپر بہت برسنے والا اور مدد دے گا تم کو مال اور بیٹوں کے ساتھ یہ تو استغفار کی کرشمہ سازی ہے۔ اور صدقہ کے بارے میں دوسری جگہ یوں آیا ہے کہ ﴿الصدقة تطفئ غضب الرب﴾ کہ صدقہ و خیرات اللہ کے غیظ و غضب کو بجھاتے ہیں جب اللہ تعالیٰ کا غصہ بجھ جائے گا اور وہ بندہ پر رحمت و شفقت کی نظر ڈالے گا تو اس کو دنیا کی ہر نعمت سے مالا مال کر دے گا۔ اس حدیث کا ربط بھی امراض کے باب سے اسی مناسبت سے ہے کہ اولاد کا پیدا نہ ہونا اور انسان کا بے اولاد ہونا آدمی کے لئے ایک بیماری ہے۔ بلکہ سب سے بڑی تکلیف وہ بیماری اور اس بیماری کی شفایابی اسی میں ہے کہ انسان بارگاہ الٰہی میں اپنے گناہوں کی معافی کا خواستگار ہو اور بندگان خدا پر خدا کی دی ہوئی دولت کو لٹائے تا کہ اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں کے دروازے اس پر کھول دے۔

ابو حنيفة عن اسمٰعيل عن ابى صالح عن ام هانىء قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من علم ان الله يغفر له فهو مغفور له.

حضرت ام ہانیؓ فرماتی ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جو یہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت کر دے گا تو (سمجھو کہ) وہ بخشا بخشایا ہے۔

ف: اس مضمون کی مفصل حدیث صحیحین میں مروی ہے۔ طبرانی صغیر میں حضرت ابو مسعودؓ سے مرفوع حدیث بایں الفاظ لائے ہیں ﴿من اذنب ذنبا فعلم ان الله قد اطلع عليه

غفرله وان لم ستغفر ﴾ کہ جس شخص نے کوئی گناہ کیا۔اور پھر یہ جان لیا کہ اللہ اس پر مطلع ہوگیا تو اس کا گناہ بخش دیا گیا اگرچہ وہ بخشش نہ مانگے۔سچ ہے اللہ تعالیٰ بندوں کے گناہوں کی معافی کے لئے بہانہ ٹٹولتا ہے اور بندہ کے ذرا سے جھک جانے کو اس کے گناہوں کی بخشش کے لئے آڑ پکڑ لیتا ہے حقیقت میں وہ بہت بڑا غفور رحیم ہے۔

ابوحنیفة عن حامد عن ابی وائل عن ابن مسعود قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان الله هو السلام ومنه السلام .

حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے البتہ اللہ تعالیٰ سلام ہے اور اسی سے ہے سلام۔

ف: اللہ تعالیٰ کے سلام ہونے کے یہ معنی ہیں کہ وہ ہر تغیر و تبدیلی ذاتی وصفاتی نقص وعیب سے پاک و بری ہے اور سالم و محفوظ ہے۔اور اس سے سلام ہونیکا یہ مطلب کہ آفات و بلیات سے حفاظت و سلامتی صرف اسی سے طلب کی جاتی ہے اور کسی سے نہیں چنانچہ بیماری سے شفایابی بھی اسی سے مانگی جاتی ہے۔اور اسی جہت سے یہ حدیث بھی باب سے مربوط ہے۔

کتاب الادب

(۲۱۸) باب الادب

ابوحنیفة عن محمد بن المنکدر عن جابر قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم انت ومالک لابیک .

حقوق وآداب

باب۔ادب کا بیان

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے۔

ف: اس کا پورا قصہ ابوداؤد ابن ماجہ وغیرہ میں یوں مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا۔یارسول اللہ ﷺ میرے پاس مال ہے اور میرا ایک باپ بھی ہے جو مال کا حاجتمند ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے۔البتہ تمہاری اولادیں تمہاری پاک کمائی ہے لہٰذا تم اپنی اولاد کی کمائی سے کھاؤ پیو۔اس حدیث سے یہ مسئلہ ظاہر ہوتا ہے کہ اگر باپ اپنے نفس کی حفاظت میں اپنے بیٹے کا مال اس کی غیر موجودگی میں بغیر اس کی

رضامندی کے لے کر صرف کرلے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

ابوحنیفة عن عطاء عن ابیه عن ابن عمر وقال اتی النبی صلی الله علیه وسلم رجل یرید الجهاد فقال احی والداک قال نعم قال ففیهما فجاهد .

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نبی ﷺ کے پاس جہاد میں شرکت کے ارادہ سے آیا تو جناب ﷺ نے اس سے پوچھا کیا تیرے ماں باپ زندہ ہیں اس نے کہا ہاں آپ ﷺ نے فرمایا تو ان میں جہاد کر (یعنی انہیں کی خدمت وخبر گیری میں جدوجہد کر یہ ہی تیرے لئے جہاد ہے۔

ف: اس خدمت سے والدین کی انتہائی عظمت وحرمت کا ثبوت ملتا ہے کہ ان کی خدمت اور ان کے حقوق کی ادائیگی جہاد کا بدل ہے۔ بلکہ اس سے بھی افضل چنانچہ جمہور علماء کا اس پر فیصلہ ہے کہ اگر والدین مسلمان ہوں اور وہ جہاد سے روکیں تو جہاد میں شرکت حرام ہے۔ اور یہ اس وجہ پر مبنی ہے کہ ان کی خدمت واطاعت فرض عین ہے اور جہاد فرض کفایہ اور واضح مذہب یہ ہے کہ دادا دادی بھی ماں باپ کے حکم میں ہیں۔

ابوحنیفة عن زیاد یرفعه الی النبی صلی الله علیه وسلم انه امر بالنصح لکل مسلم .

زیاد سے مرفوعاً مروی ہے کہ نبی ﷺ نے حکم دیا خیر خواہی کرنے کا ہر مسلمان کے حق میں۔

ف: نصح کے معنی خلوص کے ہیں اور یہاں مراد بھلائی کرنا ہے اور دوسرے کے ساتھ خیر رسانی سے پیش آنا۔ گویا سچی نیت پر خلوص جذبۂ بے لوث محبت اور محض عام خیر سگالی کے ارادہ سے ہر مسلمان طرف بھلائی اور نفع رسانی کا ہاتھ بڑھانا۔ بلکہ اگر غور کیا جائے تو پورا دین اسی معنیٰ میں مضمر ہے چنانچہ مسلم میں مرفوع روایت ہے کہ دین پورا کا پورا نصیحت ہے تین مرتبہ ارشاد فرمایا۔ صحابہؓ نے عرض کیا کس کے لئے ارشاد فرمایا اللہ کے لئے اس کی کتاب کیلئے اس کے رسول کے لئے ائمہ مسلمین کے لئے اور عام مسلمانوں کے لئے۔

حماد عن ابیه عن عطاء بن السائب عن ابی مسلم الاغر صاحب ابی هریرة عن ابی هریرة عن النبی صلی الله علیه وسلم قال قال الله تعالی الکبریاء ردائی والعظمة ازاری فمن نازعنی واحدا منهما القیته فی جهنم

حضرت ابو ہریرہؓ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ تکبر میری چادر ہے اور عظمت میرا تہ بند' پس جو شخص مجھ سے ان میں سے کسی ایک میں بھی جھگڑے گا۔ اس کو میں دوزخ میں ڈالوں گا۔

ف: چادر اور تہ بند ہونے کے یہ معنی ہیں کہ یہ ہر دو صفتیں صرف اللہ ہی کے ساتھ مخصوص ہیں کوئی دوسرا اس میں اس کے ساتھ شریک نہیں۔ کبریائی کا تعلق اس کی ذات سے ہے اور عظمت کا صفات سے۔

حماد عن ابیه عن ابراهیم عن محمد بن المنكدر انه بلغه ان المتكبر رأسه بين رجليه حيث كان يرتفع برأسه في تابوت من نار مقفل عليه ولا يخرج ابدا من النار .

محمد بن المنکدر کہتے ہیں کہ مجھ کو یہ خبر پہنچی کہ متکبر چونکہ اپنے سر سے تکبر کا اظہار کیا کرتا تھا۔ اس لئے اس کا سر (بروز قیامت) اس کے دونوں پاؤں کے بیچ میں ہوگا۔ آگ کے ایک تابوت میں مقفل بند پڑا ہوگا۔ اور کبھی آگ سے نہ نکل سکے گا۔

ف: سر سے وہ چونکہ تکبر کا اظہار کیا کرتا تھا۔ اس لئے اس کی سزا یہ دی گئی کہ اس کو اس کے پیروں میں ڈال دیا گیا اور یوں اس کی رفعت و بلندی کو خاک میں ملا دیا گیا۔ تابوت میں ایسا بند کیا جائے گا کہ وہ مخلوق کو دیکھنے کے لئے ترس جائے گا۔ اور پھر یہ مصیبت اس پر ہمیشہ مسلط ہوگی۔ اس سے اس کو چھٹکارا نصیب نہیں ہوگا۔ تکبر کی برائی اور مذمت سے احادیث صحیحہ پر ہیں اور اس پر سخت سخت وعیدیں وارد ہیں۔ اور کیوں نہ ہوں کیونکہ تکبر اللہ ہی کو زیبا ہے بندہ کے لئے عاجزی و فروتنی سزاوار ہے۔ ابن عساکر ابن مسعودؓ سے مرفوع حدیث لائے ہیں کہ آں حضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ بچو تکبر سے کیونکہ ابلیس کو تکبر ہی نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے روکا تھا۔ اور بچو حرص سے کیونکہ آدمؑ کو گیہوں کا درخت کھانے پر حرص ہی نے اکسایا۔ اور بچو حسد سے کیونکہ آدمؑ کے بیٹوں میں ایک کو دوسرے کے قتل پر حسد ہی نے بھڑکایا۔ تو گویا یہ ہر سہ معائب ہر برائی کی جڑ ہیں۔

ترمذی حضرت عبد اللہ سے روایت لائے ہیں کہ بروز قیامت جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر تکبر ہوگا وہ جنت میں نہیں جائے گا اور جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر ایمان ہوگا وہ دوزخ میں نہیں رہ سکے گا اور یوں بھی آیا ہے کہ دوزخ سخت مزاج تند خو متکبرین سے

بھری ہوگی۔ اور جنت ضعیف' کمزور اور مغلوب لوگوں سے آباد ہوگی۔ ترمذی میں حضرت سلمہ بن اکوعؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ ایک شخص ہمیشہ اپنے آپ کو بزرگ و برتر سمجھتا ہے اور لوگوں سے دور رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا نام متکبروں اور سرکشوں میں لکھ دیا جاتا ہے اور پھر دنیا و آخرت میں جو مصیبت سرکشوں پر پڑتی ہے وہی اس پر گرتی ہے۔

(۲۱۹) باب الرفق و الخلق

ابوحنیفة عن زیاد عن اسامة بن شریک قال شهدت رسول الله صلی الله علیه وسلم والاعراب یسألونه قالوا یا رسول الله ماخیر ماأعطی العبد قال خلق حسن .

باب۔ نرمی اور حسن اخلاق

حضرت اسامہ بن شریکؓ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دیہاتی لوگ آپ ﷺ سے کچھ پوچھ رہے تھے۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ بندہ کو جو کچھ دیا گیا ہے اس میں سب سے بہتر چیز کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا پاکیزہ خصلت۔

ف: عادت وخصلت کی پاکیزگی اور عمدگی کو دین میں ایک اعلیٰ مقام حاصل ہے بہت سی احادیث صحیحہ اس کی تعریف وتوصیف میں وارد ہیں چنانچہ حدیث ذیل بھی اسی کو بیان کرتی ہے کہ نسان کو قدرت کی طرف سے جو کچھ بہتر صفات عطا ہوئی ہیں ان میں حسن خلق کو سب پر برتری اور فوقیت حاصل ہے۔ مسلم اور ترمذی اور بخاری الادب المفرد میں نواس بن سمعان سے مرفوع روایت لائے ہیں کہ نیکی حسن خلق کا نام ہے۔ اور گناہ وہ ہے جو تیرے دل میں کھٹک پیدا کرے اور تو اس کو برا سمجھے کہ لوگ اس پر مطلع ہوں۔ ترمذی حضرت ابوالدرداء سے مرفوع روایت لائے ہیں کہ بروز قیامت مومن کی ترازو میں سب سے بھاری چیز جو رکھی جائے گی۔ وہ حسن خلق ہے اور خدا تعالیٰ فحش بکنے والے بیہودہ گو کو سخت ناپسند رکھتا ہے۔ ابوداؤد میں حضرت عائشہؓ سے مرفوعاً یوں مروی ہے کہ مومن اپنے حسن اخلاق کی بدولت شب بیدار اور ہمیشہ روزہ دار کا سا درجہ حاصل کر لیتا ہے غرض اسی قسم کے مضمون کی بہت سی احادیث کتب صحاح میں مروی ہیں جن سے حسن خلق کی بہت وقعت ومنزلت دل میں قائم ہو جاتی ہے۔

ابو حنیفة عن حماد عن ابراهیم عن الاسود عن عائشة قالت قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لو ان الرفق وحسن الخلق یری لمارئی من خلق الله تعالی خلق احسن منه ولو ان الخرق خلق یری لمارئی من خلق الله تعالی اقبح منه .

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر نرمی وخوش خلقی جسمانی قالب میں دکھائی دیتی تو اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوقات میں اس سے حسین تر کوئی شئے نہ رکھتی اور اگر بدخلقی مجسم شکل میں نمودار ہوتی تو اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوقات میں اس سے زیادہ بدشکل چیز کوئی بھی نظر نہ آتی۔

ف: خرائطی مکارم اخلاق کے ذیل میں اس مضمون کو ان الفاظ سے لائے ہیں کہ اگر حسن خلق ایک چلتے پھرتے انسان کی شکل میں نمودار ہوتا تو نہایت نیک بخت انسان ہوتا اور اگر بدخلقی انسانی قالب میں دکھائی دیتی تو بہت برا آدمی ہوتی طبرانی اوسط میں ابن مسعودؓ سے مرفوع حدیث روایت کرتے ہیں کہ نرمی برکت ہے اور درشتی نحوست۔ بخاریؒ عبداللہ بن عمرؓ سے مرفوع روایت لائے ہیں کہ تم میں مجھ کو سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ حسن الخلق ہو۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آں حضرت ﷺ سے پوچھا گیا کہ لوگوں کو جنت میں زیادہ تر کون سی چیز داخل کرے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ سے ڈرنا اور حسن خلق۔

ابو حنیفة عن ابراهیم عن انسؓ قال ما اخرج رسول الله صلی الله علیه وسلم رکبتیه بین یدی جلیس له قط بل یقعد مساویا لهم ولا تناول احد یده فیترکها قط حتی یکون هو یدعها وما جلس الی رسول الله صلی الله علیه وسلم احد قط فقام حتی یقوم قبله . وما وجدت شیئا قط اطیب من ریح رسول الله صلی الله علیه وسلم .

وفی روایة قال ما قام الی رسول الله صلی الله علیه وسلم رجل فی حاجة فانصرف عنه قبله حتی یکون هو المنصرف .

وفی روایة کان رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا صافح احد الا یترک یده الاان یکون هو الذی یترک .

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کبھی اپنے ہم جلیس سے آگے گھٹنے بڑھا کر نہیں بیٹھتے تھے بلکہ برابر میں بیٹھتے اور نہیں پکڑا کسی نے کبھی آپ ﷺ کا ہاتھ کہ آپ نے چھڑا لیا ہو اس کو اس کے ہاتھ میں سے جب تک وہ کوئی کبھی نہیں بیٹھا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کہ آپ کھڑے ہو گئے ہوں جب تک وہ آپ سے پہلے کھڑا نہ ہو گیا۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں اور میں نے نہیں پایا کسی چیز کو زیادہ خوشبودار آپ کے جسم ذاتی خوشبو سے۔

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت انسؓ نے کہا کہ نہیں کھڑا ہوا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کوئی شخص کسی ضرورت سے کہ آپ اس سے پہلے منہ پھیر کر ہٹ گئے ہوں جب تک کہ وہ شخص خود منہ پھیر کر علیحدہ نہ ہو گیا ہو۔

اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی سے مصافحہ کرتے تو اس کا ہاتھ نہ چھوڑتے مگر یہ کہ وہ خود (آپ ﷺ کا ہاتھ) چھوڑ دیتا۔

ف: یہ آں حضرت ﷺ کے اخلاق کریمانہ کی بہت بلند مثال ہے کہ آپ کسی کا دل نہیں دکھانا چاہتے تھے گو اس مروت ورواداری میں ذات اقدس کو در پردہ کوفت ہی ہوتی مگر کسی کا دل میلا کرنا کسی صورت سے آں جناب ﷺ کو گوارا نہ تھا۔ بعض اشخاص ایسے لیچڑ ہوتے ہیں کہ اگر بیٹھ گئے تو جم ہی گئے اب خدا ہی اٹھائے تو اٹھیں اگر مصافحہ میں ہاتھ ملا لیا تو اب ہاتھ پکڑے ہی کھڑے ہیں۔ یا اگر ملاقات کے لئے کھڑے ہو گئے تو اب لوہے کی لاٹھ کی طرح گڑ گئے کہ خدا ہی ہلائے تو ہلیں تو ایسے ناسمجھوں کی بے ہودگی کو مروت واخلاق سے برداشت فرماتے۔ اور یہ ثابت نہیں ہونے دیتے کہ آپ ساتھی سے اکتا چکے ہیں۔ اور اب اس سے جان چھڑانا چاہتے ہیں۔ پھر حدیث میں اس امر کا بھی بین ثبوت ملتا ہے کہ گو رب العزت نے آں جناب ﷺ کو ساری مخلوقات پر عزت وشرف بزرگی و برتری عظمت وبڑائی بخشی تھی۔ مگر پھر بھی مجلسوں میں نشست وبرخاست میں امتیاز وخصوصیت پسند نہ تھی۔ آج اگر کسی کو کسی امر میں ذرا سا بھی امتیاز نصیب ہوتا ہے تو وہ لوگوں کے سروں پر بیٹھنے کی کوشش کرتا ہے اور اس کی ہر ایک حرکت سے صاف پتہ چلتا ہے کہ یہ سب سے افضل ہے اور سب اس سے کمتر اور گھٹیا ہیں۔ حالانکہ یہ رویہ سیرت نبوی ﷺ کے سراسر خلاف ہے۔

ابوحنيفة عن عبد الله عن ابن عمر ان رجلا نادى رسول الله صلى الله عليه وسلم في منزله فقال لبيك قد اجبتك فخرج اليه .

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی ﷺ کو پکارا جب کہ آپ ﷺ کاشانہ نبوت میں تھے۔آپ ﷺ نے فرمایا لبیک (حاضر ہوتا ہوں) پھر نکل کر اس کے پاس آئے۔

ف: اللہ اکبر یہ تواضع وانکساری یہ کسر نفسی اور فروتنی کہ کس قدر خاکساری کے لہجے میں فوراً اندر سے جواب ملتا ہے اور پھر متصل ہی باہر تشریف لا کر ملاقات فرماتے ہیں۔آج ہم میں سے بڑا وہ ہے کہ جس کی ملاقات کو لوگ ترسیں جس کے دیدار کا لوگ اشتیاق رکھیں۔جس سے ملنے کے لئے دربانوں' خادموں ہم جلیسوں کو واسطہ بنانا پڑے اور پھر بھی بروقت ملاقات نصیب نہ ہو۔بلکہ پہلے سے ملاقات کا وقت لینا پڑے۔افسوس ہم ان زریں اخلاقی معاشرتی برتاؤ 'ورسم درواج کو کیسا فراموش کر گئے کہ ہماری پوری زندگی کا بالکل رخ پلٹ گیا۔خدا تعالیٰ ہمارے حالات پر رحم فرمائے۔

ابوحنيفة عن محمد بن المنكدر عن اميمة بنت رقيقة قالت اتيت النبي صلى الله عليه وسلم لا بايعه فقال انى لست اصافح النسآء .

حضرت امیمہ بنت رقیقہ کہتی ہیں کہ میں نبی ﷺ کی خدمت میں بیعت کے لئے حاضر ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں عورتوں سے ہاتھ نہیں ملاتا ہوں۔

ف: صحیحین میں حضرت عائشہؓ سے مرفوع روایت ہے کہ آں حضرت ﷺ عورتوں سے مصافحہ نہیں کیا کرتے تھے۔ابونعیم معرفت میں بہلۃ بنت عبداللہ البکریہ سے روایت لائے ہیں کہ وہ کہتی ہیں کہ میں وفد کی شکل میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔تو آپ ﷺ نے مردوں سے بیعت لی اور ان سے مصافحہ کیا اور عورتوں سے بھی بیعت لی مگر ان سے مصافحہ نہیں کیا ۔اگر مصافحہ کبھی کیا بھی تو کپڑے کی آڑ میں چنانچہ طبرانی حضرت معقل بن یسارؓ سے مرفوع حدیث لائے ہیں کہ آپ ﷺ نے بیعت رضوان میں عورتوں سے مصافحہ کیا کپڑے کی آڑ میں گویا ہاتھ کو ہاتھ سے نہ چھوا۔اللہ اکبر یہ عفت وپاکدامنی ۔شرم وحیا کی کس قدر بلند مثال ہے اور امت کے لئے کیا زریں درس ہے۔مگر افسوس ،اور صد افسوس کہ ہم نے اس کو بھی بھلا دیا۔سنا ہے

کہ بعض لوگ تقدس کے جامہ میں نمودار ہو کر اور دینی پیشوا و مقتدا ہو کر مردوں اور عورتوں کے ساتھ یکساں برتاؤ رکھتے ہیں اور عورتوں سے تخلیئے کرتے ہیں۔ نعوذ باللہ من ذلک آں حضرت ﷺ کا یہ عمل اور ہماری یہ رفتار آں جناب ﷺ کی یہ احتیاط اور ہماری یہ بے باکی حقیقت میں ایسا عمل اسلام کی عزت و ناموس کو تباہ کرتا ہے اور اسلام کے نام پر بٹہ لگاتا ہے۔

ابوحنیفة عن علقمة عن ابن بریدة عن ابیه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من لم یقبل عذر مسلم یعتذر الیه فوز ره کوزر صاحب مکس فقیل یا رسول الله وما صاحب مکذس قال عشار .

حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جس نے نہ قبول کیا عذر کسی مسلمان کا جو اس کے سامنے عذر پیش کر رہا ہے تو اس کا گناہ صاحب مکس کے گناہ کے برابر ہے۔ آپ سے عرض کیا گیا یا رسول اللہ صاحب مکس کون ہے آپ ﷺ نے فرمایا عشار (یعنی عشر لینے میں ظلم و تشدد اور بیجا زیادتی برتنے والا)۔

ف: اس حدیث سے اس امر کا انکشاف ہوا کہ اگر کسی معاملہ میں کوئی مسلمان اپنی کوتاہی کا عذر پیش کرے تو اس عذر کو مان لینا چاہیئے اس کو رد کرنا اور عذر خواہ کو جھٹلانا اللہ کے نزدیک سخت گناہ ہے یہاں تک کہ اس کو گناہ میں ظالم سخت گیر عشر کے محصل کے برابر ٹھہرایا گیا۔ جو اپنی جگہ بہت بڑا قصوروار اور مجرم ہے کہ حکومت کی آڑ میں غریب رعایا پر ظلم کے پہاڑ توڑتا ہے۔ ان سے رشوتیں لیتا ہے اور طرح طرح سے ان کو تنگ کرتا ہے۔

ابوحنیفة عن نافع عن ابن عمرؓ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من اعتذر الیه اخوه المسلم فلم یقبل عذره فوز ره کوزر صاحب مکس یعنی عشارا

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جس مسلمان کے سامنے اس کے مسلمان بھائی نے کسی اذیت دہ قول و فعل کی بناء پر عذر پیش کیا مگر اس نے اس کا عذر نہ مانا۔ تو اس کا گناہ صاحب مکس یعنی عشار کے گناہ کے برابر ہے۔

ف: یہ حدیث پیشتر حدیث کی تائید کرتی ہے۔

ابوحنیفة عن ابی الزبیر عن جابر ان النبی صلی الله علیه وسلم قال اذا

اتی احد کم بطیب فلیصب منه .

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جب دی جائے تم کو خوشبو تو اس کو ضرور لے لو۔

ف: یعنی خوشبو کو رد کرنا اچھا نہیں۔ترمذی اپنی جامع اور شمائل میں ثمامہ بن عبد اللہ سے روایت لائے ہیں کہ حضرت انسؓ خوشبو کو رد نہیں کیا کرتے تھے اور کہا کرتے کہ نبی ﷺ بھی خوشبو کو نہیں پھیرا کرتے تھے۔

ابوحنیفة عن عطاء عن ابی هریرة قال نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم عن النظر فی النجوم .

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ منع فرمایا رسول اللہ ﷺ نے علم نجوم میں نظر کرنے سے۔

ف: یعنی علم نجوم میں زیادہ غور وخوض اور اس کی باریکیوں میں الجھنا شرعاً مذموم ہے۔دیلمی حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت لائے ہیں کہ علم نجوم کو دیکھنے والا ایسا ہے جیسا کہ سورج کی ٹکیہ کو دیکھنے والا کہ اس کو جس قدر دیکھے اسی قدر نظر کمزور ہوتی ہے دار قطنی ابن عمرؓ سے مرفوع روایت لائے ہیں کہ سیکھو علم نجوم کو جہاں تک تم کو خشکی وتری کی اندھیریوں میں اس سے ہدایت مل سکے۔پھر اس سے باز رہو۔یعنی ایک حد تک دنیوی کاروبار میں اس سے مدد لے سکتے ہیں۔اس میں بالکل کھو جانا روا نہیں مسلم اور ابوداؤد میں ہے کہ جس نے علم نجوم سیکھا اس نے گویا جادو سیکھا۔

ابوحنیفة عن ابی الزبیر عن جابر قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لایحل لرجل یؤمن بالله والیوم الاخر ان یدخل الحمام الابمیزر ولم یستر عورته من الناس کان فی لعنة الله والملائکة والخلق اجمعین .

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے نہیں جائز ہے اللہ اور یوم قیامت پر ایمان لانے والے کے لئے کہ حمام میں داخل ہو بغیر تہ بند کے اور جس نے اپنے ستر ناف سے گھٹنے تک کے حصہ کو نہ چھپایا اس پر اللہ کی اور اس کے فرشتوں کی اور ساری مخلوقات کی طرف سے لعنت و پھٹکار ہے۔

ف: یعنی اپنا ستر لوگوں کو بے باکی سے دکھانا اللہ تعالیٰ کو سخت ناراض کرتا ہے تو پھر فرشتوں کی اور اللہ کی ساری مخلوق کی پھٹکار کیوں نہ ہو۔

ابو حنیفة عن نافع عن ابن عمرؓ قال کان احب الاسماء الی رسول الله صلی الله علیه وسلم عبد الله وعبد الرحمن.

حضرت ابن عمرؓ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کو سب سے زائد محبوب نام عبداللہ اور عبد الرحمٰن تھے۔

ف: یہ ہر دو نام آں جناب ﷺ کو اس لئے محبوب و پسند تھے کہ ان ناموں کے ہر دو جزء اچھے اور پسندیدہ معنی پر دلالت کرتے ہیں کیونکہ بندہ کے لئے عبدیت نہایت موزوں ہے اور اللہ کی ذات کا نام تو ہے ہی بابرکت و باحرمت پھر اس سے بڑھ کر کیا بات ہے کہ بندہ کی نسبت اپنے خالق و معبود کی طرف ہو۔ اسی طرح عبدالرحمٰن میں عبد کی نسبت رحمٰن کی طرف ہوئی اور چونکہ رحم وکرم کی نسبت اللہ کو بہت محبوب ہے اس لئے یہ ترکیب بھی باعظمت ہے۔ اسی وجہ سے اس سے ملتے جلتے نام سب شرعاً پسندیدہ ہیں مثلاً عبدالرحیم' عبدالقادر وغیرہ بہت سے لوگ اپنی اولاد کے نام بے سوچ سمجھے الٹے سیدھے رکھ دیتے ہیں بعض تو مہمل ہی ہوتے ہیں اور بعض غلط معنی پر دلالت کرتے ہیں۔ آں حضرت ﷺ ناموں کی اچھائی برائی کا بہت لحاظ رکھا کرتے تھے۔ برے نام سنتے تو ان کو بدل ڈالتے چنانچہ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے ایک بچی کا نام عاصیہ سنا گویا گنہگار و نافرمان تو آپ ﷺ نے اس کا نام جمیلہ سے بدل دیا۔ اسی طرح موطا امام مالکؒ میں ہے کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس اونٹنی کا دودھ کون دوہے گا۔ ایک شخص کھڑا ہوا اور کہا میں۔ آپ ﷺ نے پوچھا تیرا نام کیا ہے اس نے کہا مرہ (یعنی کڑوا) آپ ﷺ نے فرمایا بیٹھ جا۔ پھر فرمایا کہ اس کا دودھ کون دوہے گا ایک دوسرا آدمی اٹھا اور کہا میں آپ ﷺ نے اس سے بھی دریافت فرمایا تیرا نام کیا ہے اس نے کہا حرب (یعنی لڑائی) آپ ﷺ نے اس سے بھی فرمایا بیٹھ جا۔ پھر فرمایا اس کا دودھ کون دوہے گا۔ ایک تیسرا آدمی اٹھا اور کہا میں۔ آپ ﷺ نے اس سے بھی پوچھا کہ تیرا نام کیا ہے۔ اس نے کہا یعیش گویا عیش سے ہے آپ نے اس کو فرمایا کہ اچھا تو دوہ۔

ابو حنیفة عن نافع عن ابن عمر قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم البر لا یبلی والا ثم لا ینسی .

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ نیکی و بھلائی ضائع نہیں

جاتی اور گناہ بھلایا نہیں جاتا۔

ف: آں حضرت ﷺ کا منشاء کلام یہ ہے کہ نیکی وبھلائی اچھائی اور خوبی دنیا وآخرت میں اثر دکھائے بغیر نہیں رہتی اور کبھی ضائع نہیں جاتی۔ بلکہ اچھے خوشگوار و خوش کن نتائج پیدا کرتی ہے اور مستقبل کو خوشتر بناتی ہے۔اسی طرح بدی وبرائی دنیا وآخرت میں وبال ومصیبت عذاب وتباہی کا سبب بنتی ہے برے نتائج سامنے لاتی ہے اور گنہگار کو برائی کی سزا و پاداش دیئے بغیر نہیں چھوڑتی۔

ابو حنیفة عن سماک عن جابر بن سمرة قال کنا اذا اتینا النبی صلی اللہ علیہ وسلم قعد نا حیث انتھی المجلس .

حضرت جابر بن سمرہؓ کہتے ہیں کہ ہم جب نبی ﷺ کی مجلس میں حاضر ہوتے تو مجلس کے کناروں پر بیٹھ جاتے۔

ف: شمائل ترمذی میں مروی ہے کہ آں حضرت ﷺ جب کسی قوم کی مجلس میں حاضر ہوتے تو جہاں مجلس ختم ہوتی وہیں۔تشریف فرما ہوتے اور اسی عمل کا حکم بھی دیتے طبرانی بیہقی حضرت شیبہ بن عثمان سے مرفوع روایت لائے ہیں کہ جب تم میں سے کوئی کسی مجلس میں شرکت کرے اور اس کو کوئی جگہ خالی ملے تو وہ وہاں بیٹھ جائے ورنہ پھر جہاں بھی جگہ پائے بیٹھے۔

ابو حنیفة عن عطیة عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یشکر اللہ من لایشکر الناس .

حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جو لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا۔وہ اللہ کا بھی شکر ادا نہیں کرتا۔

ف: ملا علی قاریؒ اس کی وجہ بیان کرنے میں یوں رقمطراز ہیں کہ ظاہر ہے جس نے بندہ کا تھوڑا سا احسان نہ مانا اور اس کا شکریہ ادا نہ کیا وہ کس طرح اللہ کے زبردست احسانات کا شکر ادا کرے گا۔یا کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہو کہ بندوں کے احسانات بھی چونکہ دراصل اللہ ہی کے احسانات ہیں اس لئے جس نے بندوں کے احسانات کا شکریہ ادا نہیں کیا اس نے گویا اللہ کا شکر ادا نہیں کیا ہے۔

ابو حنیفة عن عطاء عن محارب بن دثار عن ابن عمرؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایاک والظلم فان الظلم ظلمات یوم القیامة .

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے بچ تو ظلم سے کیونکہ بروز قیامت ظلم ظلمات (اندھیریوں) کی شکل میں ہوگا۔

ف: یعنی جو دنیا میں ظلم وتعدی کرے گا اور کسی پر مظالم ڈھائے گا۔ اس کو آخرت میں طرح طرح کی اندھیریوں میں رکھ کر مبتلائے عذاب کیا جائے گا۔ اور یوں اس سے پورا پورا بدلہ لیا جائے گا۔

ابوحنیفة عن عاصم عن ابی بردة ان النبی صلی اللہ علیه وسلم زار قوما من الانصار فی دیارھم فذبحوا له شاة وصنعوا له منها طعاما فاخذ من اللحم شیئا فلا که فمضغه ساعة لایسیغه فقال ماشان ھذا اللحم . فقالو اشاة لفلان ذبحناها حتی یجیء فنر ضیه من ثمنها قال فقال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم اطعموھا الاسر آء .

وفی روایة عن عاصم ابن کلیب عن ابیه ان رجلا من اصحاب محمد صنع طعاما فدعاه فقام الیه النبی صلی اللہ علیه وسلم وقمنا معه فلما وضع الطعام تناول النبی صلی اللہ علیه وسلم بضعنه من ذلک اللحم فلا کها فی فیه طویلا فجعل لایستطیع ان یاکلها فالقاه من فیه فامسک عن الطعام فقال اخبرنی عن لحمک ھذا من این ھوقال یا رسول اللہ شاة کانت لصاحب لنا فلم یکن عند نا فنشتر یها منه وعجلنا بها وذبحنا ھا وو ضعنا ھالک حتی یجیء فنعطی ثمنها فامر النبی صلی اللہ علیه وسلم برفع ھذا الطعام وامر ان یطعمه الاسراء قال عبد الواحدقلت لابی حنیفة من این اخذت ھذا الرجل یعمل فی مال الرجل بغیر اذنه یتصدق بالربح قال اخذته من حدیث عاصم .

حضرت ابو بردہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے انصار کی کسی جماعت سے ان کے گھروں میں ملاقات کی۔ انہوں نے آپ ﷺ کی ضیافت میں ایک بکری ذبح کی اور اس سے کھانا پکایا تو آپ ﷺ نے (کھانا تناول فرماتے وقت) گوشت کی بوٹی منہ میں لے کر توڑی۔ اور تھوڑی دیر چبائی مگر (نگلنا چاہا تو) نگل نہ سکے اس پر آپ نے فرمایا کہ یہ

گوشت کس طرح کا ہے (کیسے حاصل کیا گیا ہے) لوگوں نے کہا یہ فلاں شخص کی بکری تھی ۔(اس کی اجازت کے بغیر) ہم نے اس کو ذبح کیا (اس امید پر) کہ وہ آ جائے تو اس کی قیمت اس کو دے کر اس کو راضی کر لیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ گوشت قیدیوں کو کھلا دو۔

اور ایک روایت میں کلیب سے یوں مروی ہے کہ اصحاب محمد میں سے ایک شخص نے کھانا پکایا اور آپ ﷺ کو بلایا۔آپ بھی تشریف لے گئے اور آپ کے ہمراہ ہم بھی جب کھانا رکھا گیا تو نبی ﷺ نے اس گوشت کا ایک ٹکڑا منہ میں رکھا اور اس کو دیر تک چبایا لیکن اس کو نگل نہ سکے تو آپ ﷺ نے اس کو منہ سے نکال کر پھینک دیا اور کھانے سے ہاتھ کھینچ کر فرمایا مجھ کو اس گوشت کے بارہ میں خبر دو کہ یہ کہاں سے حاصل ہوا ہے صاحب خانہ نے جواب دیا یا رسول اللہ ﷺ یہ ہمارے ایک ساتھی کی بکری تھی وہ تو تھا نہیں کہ اس سے خرید لیتے لہٰذا ہم نے جلدی کی اور بکری کو ذبح کر ڈالا۔اور اس کو آپ کے سامنے لا کر رکھ دیا محض اس امید پر کہ اگر آئے گا تو اس کو اس بکری کی قیمت ادا کر دیں گے اس پر نبی ﷺ نے اس کھانے کے اٹھا لینے کا حکم دیا اور فرمایا کہ اس کو قیدیوں کو کھلا دو۔عبدالواحد کہتے ہیں کہ میں نے ابوحنیفہؒ سے پوچھا کہ آپ نے یہ مسئلہ کہاں سے نکالا کہ اگر کوئی کسی کے مال میں بغیر اس کی اجازت کے تصرف کرے تو وہ اس کے نفع کو صدقہ کر دے۔انہوں نے کہا کہ عاصمؒ کی حدیث سے۔

ف: اس حدیث سے اس مسئلہ پر روشنی پڑتی ہے کہ ایک شخص جب دوسرے شخص کی بکری کو بلا اجازت ذبح کرے تو وہ اس کی قیمت کا ضامن ہوگا اور اس پر اس کا صدقہ واجب ہوگا اور تاوقتیکہ وہ اس کی قیمت ادا نہ کر دے۔اس بکری سے نفع اندوزی کا حق نہیں رکھتا اور یہ کہ ایسی صورت میں بکری اپنے مالک کی ملک سے نکل جاتی ہے اگر اس کی ملک سے نہ نکلتی تو آنحضرت ﷺ اس کو صدقہ کرنے کا حکم نہ دیتے بلکہ مالک کو واپس کرا دیتے یا اس کو اس کے ہاتھ فروخت کرا دیتے اور اس کی قیمت مالک کے لئے محفوظ رکھنے کا حکم دیتے کیونکہ امام کو ضرورت کے وقت کسی انسان کی چیز کے فروخت کرنے کا حق حاصل ہے۔

ابوحنیفة عن علقمة عن ابن بریدة عن ابیه قال قال رسول الله صلی الله

علیہ وسلم الدال علی الخیر کفاعلہ.

حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بھلے کام کا بتانے والا (ثواب میں) اس کے کرنے والے کے برابر ہے۔

ف: اور دار قطنی وغیرہ میں حضرت ابن عباسؓ سے مرفوع روایت ہے ﴿کل معروف صدقة والدال علی الخیر کفاعلہ واللہ یحب اغاثة اللهفان ﴾ کہ ہر بھلائی صدقہ ہے اور بھلائی کی طرف راہ نمائی کرنے والا اس پر عمل کرنے والے کی طرح ہے اور اللہ تعالیٰ ہر مصیبت زدہ کی مدد کرنے کو پسند فرماتا ہے۔

ابو حنیفة عن انس بن مالک قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الدال علی الخیر کفاعلہ.

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے بھلائی کی طرف راہ نمائی کرنے والا اس پر عمل کرنے والے کے برابر ہے۔

ف: یہ سابق حدیث کا اعادہ ہے۔

ابو حنیفة عن علقمة عن ابن بریدة عن ابیہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال جاء ہ رجل فاستحملہ فقال ماعندی مااحملک علیہ ولکن سادلک علی من یحملک انطلق الی مقبر ة بنی فلان فان فیها شابا من الانصار یترامی مع اصحاب لہ ومعہ بعیر لہ فاستحملہ فانہ سیحملک فانطلق الرجل فاذابہ یترامی مع اصحاب لہ فقص علیہ الرجل قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاستحلفہ با اللہ لقد قال ھذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فحلف لہ مرتین اوثلثا ثم حملہ فمربہ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم. فقال فاخبرہ الخبر فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انطلق فان الدال علی الخیر کفاعلہ.

وفی روایة ان رجلا جآء ہ یستحملہ فقال واللہ ماعندی من شیء احملک علیہ ولکن انطلق فی مقبر ة بنی فلان فانک ستجد ثمہ شابا من الانصار یترامی مع اصحاب لہ فاستحملہ فانہ سیحملک فانطلق الرجل

حتی اتی المقبرة قال له رسول الله صلی الله علیه وسلم فقص علیه القصة فاستحلفه .فقال الله الذی لا اله الا هو ان رسول الله صلی الله علیه وسلم ارسلنی الیک فاعطاه بعیر له فانطلق به الرجل فاتی النبی صلی الله علیه وسلم فقال له صلی الله علیه وسلم انطلق فان الدال علی الخیر کفاعله .

حضرت بریدہؓ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے آکر آپ ﷺ سے سواری طلب کی آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس سواری نہیں کہ میں تجھ کو دوں البتہ میں تجھ کو وہ شخص بتلاتا ہوں جو تجھ کو سواری دے گا۔ بنی فلاں کے قبرستان میں جا اس میں ایک انصاری جوان ہے جو اپنے ساتھیوں کے ساتھ تیراندازی کر رہا ہے اور اس کے ساتھ اس کا ایک اونٹ ہے لہٰذا تو اس سے مانگ وہ تجھ کو یہ دے دیگا چنانچہ وہ شخص چل دیا۔ اور (وہاں پہنچ کر) کیا دیکھتا ہے کہ وہ ہی جوان اپنے ساتھیوں کے ساتھ تیراندازی میں مصروف ہے۔ اس شخص نے اس جوان انصاری سے نبی ﷺ کا قول بیان کیا۔ انصاری نے قسم دے کر اس سے پوچھا کہ کیا واقعی نبی ﷺ نے ایسا کہا ہے۔ اس نے دو تین مرتبہ قسم کھائی تو انصاری نے اس کو اونٹ دیا۔ اس کے بعد وہ اونٹ لے کر نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور آپ ﷺ کو اس واقعہ کی خبر سنائی نبی ﷺ نے فرمایا جا چلا جا بھلائی کی طرف راہنمائی کرنے والے کے لئے بھی بھلائی کرنے والے کی طرح اجر و ثواب ہے۔

اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ ایک شخص نے آپ ﷺ کے پاس آکر سواری مانگی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بخدا میرے پاس کوئی سواری نہیں کہ میں تجھ کو اس پر سوار کروں ۔لیکن تو بنی فلاں کے قبرستان میں جا وہاں پائے گا ایک انصاری جوان کو جو اپنے ساتھیوں کے ساتھ تیراندازی کرتا ہوگا تو تو اس سے سواری مانگ وہ تجھ کو سواری دے گا تو وہ آدمی چل دیا اور اس قبرستان میں پہنچا جس کا پتہ رسول اللہ ﷺ نے دیا تھا۔ اور اس انصاری سے واقعہ بیان کیا۔ انصاری نے اس شخص سے قسم لی۔ اسنے کہا قسم ہے اس خدا کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو تمہارے پاس بھیجا ہے اس پر انصاری نے اس کو اونٹ دیا اور وہ اس کو لے کر چل دیا اور نبی ﷺ کے پاس آیا۔ آپ نے اس سے کہا جا چلا جا

البتہ بھلائی کی طرف راہ نمائی کرنے والا اس کے کرنے والے کی طرح ہے۔

ف یعنی آں حضرت ﷺ نے اپنی ذات اقدس کی طرف اشارہ فرمایا کہ چونکہ آپ نے اس کارِ خیر کی طرف راہنمائی کی اور اس سائل کو ایسے شخص کا پتہ دیا جہاں سے اس کی مطلب براری ہو سکے۔ لہٰذا آپ کو بھی اسی اجر و ثواب کا استحقاق ہوا جس کا انصاری حق دار تھا۔

ابوحنیفة عن علقمة عن ابن بریدة عن ابیه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال افضل الجهاد کلمة حق عند سلطان جآئر .

حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بہتر جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنا ہے۔

ف: اس کو افضل جہاد اس بناء پر کہا گیا کہ معروف جہاد میں پھر بھی مسلمان اپنی ایک اجتماعی وفوجی طاقت رکھتے ہیں اور ایک شان وشوکت کے مالک ہوتے ہیں اور فتحیابی وشکست کے ہر دورخ ان کے سامنے ہوتے ہیں۔ بخلاف اس صورت کے کہ بادشاہ ظالم وجابر کے بالمقابل حق گو نہایت بے کسی اور بے بسی کی حالت میں ہوتا ہے محض ہلاکت وموت کا نقشہ اس کے سامنے ہوتا ہے مگر یہ غریب صرف اپنی دینی حمیت وغیرت مذہبی کی بناء پر اپنی جان پر کھیلتا ہے اور حق کے کہنے کی جرات وجسارت کرتا ہے۔ لہٰذا یہ جہاد افضل ہوا۔

ابوحنیفة عن شیبان عن عبد الملک عمن حدثه عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من استشارک فاشره بالرشد فان لم تفعل فقد خنته .

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جو تجھ سے مشورہ لے اس کو نیک مشورہ دے اگر تو نے ایسا نہ کیا تو البتہ تو نے خیانت کی اس کے حق میں۔

ف: یہ حقیقت ہے کہ جس سے مشورہ طلب کیا جائے تو وہ گویا امانت دار تصور کیا جاتا ہے اور اس پر پورا پورا بھروسہ واعتماد ہوتا ہے۔ اب اگر یہ بے اعتمادی کا ثبوت دے اور صحیح نیک اور مفید مشورہ دینے میں بخل کرے یا غلط راہنمائی کرے تو یہ خائن اور بددیانت ہے اسی لئے آں حضرت ﷺ نے فرمایا کہ وہ خائن ہے۔

ابوحنیفة عن الحسن عن الشعبی قال سمعت النعمان یقول سمعت رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول مثل المؤمنین فی تواد ھم وتراحمھم کمثل جسد واحد اذا اشتکی الراس تداعی لہ سائرہ بالسھر والحمی .

حضرت نعمان کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ مؤمنین کی مثال آپس میں محبت کرنے اور ایک دوسرے پر دل دکھانے میں ایک بدن کی سی ہے کہ مثلاً جب سر دکھتا ہے تو سارا بدن جاگنے میں اور بخار میں اس کا ساتھ نباہتا ہے۔

ف: واقعی صادق الایمان مؤمنین آپس میں ایسی ہی محبت والفت رکھتے ہیں۔ اور ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی ودل سوزی برتتے ہیں کہ ایک دکھی ہوتا ہے تو سب بے چین اور بے کل ہوجاتے ہیں اور اگر ایک خوش ہوتا ہے تو سب ہی خوشی ومسرت کے شادیانے بجاتے ہیں۔

حماد عن ابیہ عن عبد الرحمن بن حزم عن انسؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مازال جبرئیل یوصینی بالجار حتی ظننت انہ یورثہ وما زال جبرئیل یوصینی بقیام اللیل حتی ظننت ان خیار امتی لاینا مون الاقلیلا .

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ حضرت جبریلؑ مجھ کو پے درپے پڑوسی کے حق میں (خوش اخلاقی وخوش معاملگی کی) وصیت کرتے رہے یہاں تک کہ مجھ کو گمان ہونے لگا کہ ورثہ میں سے اس کو حصہ دلائیں گے اور حضرت جبریلؑ مجھ کو مسلسل شب بیداری (تہجد گذاری) کے لئے وصیت کرتے رہے یہاں تک کہ مجھ کو خیال پیدا ہوا کہ میری امت کے برگزیدہ لوگ بہت کم سوئیں گے۔

ف: اس حدیث سے دو چیزوں کی اہمیت کا اظہار ہوتا ہے ایک پڑوسی کا حق کہ حضرت جبریلؑ نے اس کے حقوق کی رعایت اور اس کے ساتھ حسن اخلاق اور خوش معاملگی اور حسن برتاؤ پر پے درپے اس قدر زور دیا کہ آں حضرت ﷺ کو شک پیدا ہوا کہ شاید پڑوسی کو ورثہ میں سے اور اعزہ واقارب کی طرح حصہ ملنے لگے گا۔ طبرانی معاویہ بن حیدہ اور حضرت معاذؓ سے مرفوع حدیث لائے ہیں جو پڑوسی کے حقوق کو بالتفصیل بڑے پر اثر الفاظ سے معرض بیان میں لاتی ہے کہ آں جناب ﷺ نے فرمایا کہ اگر وہ بیمار پڑے تو اس کی عیادت کرو۔ اگر مرے تو اس کے جنازہ میں شرکت کرو۔ اگر قرض کا خواہاں ہو تو اس کو قرض دو اگر بدحال ہو تو اس کی ستر پوشی کرو

۔اگر اس کو کوئی خوشی پہنچے تو اس کو مبارک باد دو۔اگر مصیبت پہنچے تو غم کا اظہار کرو اور اپنی عمارت اس کی عمارت سے اونچی نہ اٹھا کہ اس کی ہوا رک جائے حضرت معاذ کی روایت میں یہ الفاظ بھی زائد ہیں کہ اگر تم میوہ خرید کر لاؤ تو اس کو ہدیہ بھیجو۔اور اگر ایسا نہ کر سکو تو اس کو اس سے پوشیدہ رکھو ۔اور نہ نکلے تمہارا لڑکا اس کو لے کر کہ پڑوسی کا لڑکا اس کو دیکھ کر للچائے ۔دوسری چیز شب بیداری ہے اور تہجد گذاری کہ اللہ تعالیٰ کو بعد فرض کے یہ عبادت بہت محبوب ہے ۔قرآن کریم اس کی تعریف سے پر ہے۔رات کی خاموش گھڑیوں میں جب کہ ساری دنیا میٹھی نیند کے مزے لوٹ رہی ہو۔یہ عبادت دل کی صفائی اور تقرب الی اللہ کے لئے تیر بہدف ہے احادیث نبویہ علیہ التحیۃ میں بھی اس کی تعریف وتوصیف جگہ جگہ آئی ہے۔

ابوحنیفة عن انس قال سمعت رسول الله صلیٰ الله علیه وسلم یقول ان الله یحب اغاثة اللهفان .

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ مضطر و پریشان کی فریادرسی کو محبوب رکھتا ہے۔

ف: یعنی جو شخص کسی دکھی غمزدہ کے ساتھ غم خواری کرے اور اس کی دست گیری کر کے مصیبت سے اس کو خلاصی دے ۔تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو بہت پسند فرماتا ہے کیونکہ وہ خود بھی مصیبت زدہ کا حامی و مددگار ہے۔

(۱۲۲) باب النهی عن سب الدهر

ابوحنیفة عن عبد العزیز عن ابی قتادة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لاتسبوا الدهر فان الله هو الدهر.

باب۔زمانہ کو برا کہنا

حضرت ابوقتادہ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے زمانہ کو برا نہ کہو۔کیونکہ اللہ تعالیٰ زمانہ ہی ہے۔

ف: یہ اس بری عادت کی مذمت ہے جس کے بعض ناسمجھ لوگ اور عام طور پر شعراء عادی ہوتے ہیں کہ دنیا کی تلخیوں پر زمانہ کو لعنت وملامت کا نشانہ بناتے ہیں اور حقیقت میں یہ ناشائستہ عمل عقل سے کوسوں دور ہے۔کیونکہ اگر زمانہ دنیا کے واقعات و حادثات پر سر مو بھی اثر انداز ہوتا تو

اس کو برا کہنے کے کچھ معنی ہوتے حالانکہ واقعہ تو یہ ہے کہ دنیا کے انقلابات میں زمانہ بالکل بے اثر ہے جو کچھ کرتا ہے خدا کرتا ہے سب کچھ اسی کے قبضہ وقدرت میں ہے اور اس کا ہر کام حکمت ومصلحت پر مبنی ہے جس کو وہی خوب جانتا ہے اور سمجھتا ہے۔ انسان کا کیا یارا کہ اس کے بھیدوں کا سراغ لگا سکے بندہ کو کیا تاب کہ اس کی حکمتوں تک رسائی پیدا کر سکے۔ اس لئے زمانہ کو برا بھلا کہنا عقل کے سراسر خلاف ہے اور مذہب سے بھی ممنوع۔

ابو حنیفة ولدت سنة ثما نين وقدم عبد الله بن انيس صاحب رسول الله صلى الله عليه وسلم الكوفة سنة اربع وتسعين ورأيته وسمعت منه وانا ابن اربع عشرة سنة سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول حبك النبئ يعمى ويصم

حضرت امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ میں ۸۰ھ میں پیدا ہوا اور حضرت عبداللہ بن انیس رسول اللہ ﷺ کے صحابی کوفہ ۹۴ھ میں تشریف لائے میں نے ان کو دیکھا اور چودہ برس کی عمر میں میں نے ان کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ ایک چیز کی محبت تجھ کو اندھا بھی کر دیتی ہے اور بہرہ بھی۔

ف: یہ ایک نا قابل تردید حقیقت ہے کہ انسان جب کسی چیز کو دل جان سے پسند کرتا ہے تو نہ کان اس کے عیبوں کو سننا گوارا کرتے ہیں۔ نہ آنکھیں اس کے معائب کو دیکھنا روا رکھتی ہیں لہٰذا آں حضرت ﷺ نے واقعہ کی نہایت صحیح ترجمانی فرمائی کہ جب تو کسی چیز کو پسند کرے تو تو بہرا بھی ہو جاتا ہے اور اندھا بھی۔

(۲۲۲) باب النهى عن الشماتة

ابو حنيفة قال سمعت واثلة بن الا سقع قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول لاتظهرن شماتة لاخيك فيعافيه الله ويبتليك الله .

باب۔ کسی کی مصیبت پر خوش ہونا

حضرت واثلہ بن اسقع کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ تو اپنے بھائی کی مصیبت پر خوشی ومسرت ظاہر نہ کر (ورنہ) خدا تعالیٰ اس کو اس سے چھٹکارا دیگا اور تجھ کو اس میں مبتلا کریگا۔

ف: واقعی یہ انسانیت وشرافت عقل وسنجیدگی سے بھی گری ہوئی بات ہے اور مذہب کے سخت خلاف کہ انسان اپنے مسلمان بھائی کے دکھ ومصیبت پر ہنسے اور خوشی اور مسرت ظاہر کرے کیا بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس خلاف مروت عمل کی پاداش میں دکھی کو دکھ سے رہائی بخشے اور ہنسنے والے کو اس میں مبتلا کرے۔

(۲۲۳) کتاب الرقاق

ابو حنيفة عن الحسن عن الشعبي عن النعمان بن بشير عن النبي صلى الله عليه وسلم قال انفي الانسان مضغة اذا صلحت صلح بها سائر الجسد واذا سقمت سقم بها سائر الجسد الاوهي القلب.

باب۔رقت قلب کا بیان

حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ انسان میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے جب وہ اصلاح پذیر ہوتو اس کی وجہ سے سارا بدن اصلاح پذیر ہوتا ہے اور جب وہ بیمار ہوتو اس کے سبب سارا بدن بیمار ہوتا ہے اور خبردار رہو وہ (گوشت کا ٹکڑا) دل ہے۔

ف: واقعی انسان کے جسم میں دل ایک ایسی چیز ہے کہ سارے بدن پر اس کی فرماں روائی چلتی ہے۔سارے جسمانی اعمال وافعال کا دار ومدار اسی پر ہے۔کیونکہ اعمال کی اچھائی وبرائی نیت وعقائد پر ہی مدار ہے اور نیتوں کا مخزن ومنبع دل ہی ہے۔اس لئے سارے جسم میں یہ ہی سب کچھ ہے اگر یہ ٹھیک ہوگیا تو سب ٹھیک ہے اور اگر یہ بگڑا تو سب کچھ بگڑ گیا۔

ابو حنيفة عن ابراهيم عن الاسود عن عائشة قال ماشبعنا ثلثة ايام وليا ليها من خبز متتا بعاحتى فارق محمد صلى الله عليه وسلم وما زالت الدنيا علينا كدرة عسرة حتى فارق محمد صلى الله عليه وسلم الدنيا فلما فارق محمد صلى الله عليه وسلم الدنيا صبت علينا صبا .وفى رواية صب الدنيا علينا صبا وفى رواية ماشبع المحمد صلى الله عليه وسلم ثلثة ايام متوالية من خبز البر .

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ہم نے کبھی تین دن، تین رات برابر روٹی پیٹ کر نہیں کھائی یہاں تک کہ حضرت محمد ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے اور تنگ حالی اور تنگ دستی ہم پر

چھائی رہی یہاں تک کہ حضرت محمد ﷺ نے دنیا سے مفارقت فرمائی پھر جب حضرت محمد ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے تو دنیا ہم پر ٹوٹ کر گری اور ایک رُوایت میں یوں ہے کہ دنیا ہم پر برس پڑی اور ایک روایت میں اس طرح ہے آل محمد ﷺ کا پیٹ گیہوں کی روٹی سے برابر تین دن کبھی نہیں بھرا۔

ف: یہ آں حضرت ﷺ کی عسرت کی زندگی کی پر درد و دل فگار کہانی ہے کہ کاشانہ نبوت میں بسنے والوں کو تین دن مسلسل پیٹ بھر کر روٹی میسر نہ ہوتی تھی۔ دوسری حدیث میں حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ کئی راتیں پے در پے ایسی گذرتیں کہ رسالت مآب کے گھر والے رات کو بھوکے پیٹ رہتے۔ یہ زندگی چوں کہ آں حضرت ﷺ کو پسند تھی اس لئے حیات طیبہ اسی طرح گذر گئی بعد وفات اہل خانہ پر دنیا سمٹ پڑی جیسا کہ خود حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ کے وصال کے بعد دنیا ہم پر برسنے لگی۔

ابوحنيفة عن حماد عن ابراهيم عن الاسود ان عمر بن الخطاب دخل على النبي صلى الله عليه وسلم في شكاة شكاها فاذا هو مضطجع على عباءة قطوانية ومرفقة من صوف حشو هااذ خر فقال بابي انت وامي يا رسول الله كسرى وقيصر على الديباج فقال يا عمر اما ترضى ان تكون لهم الدنيا ولكم الاخرة ثم ان عمر مسه فاذا هو في شدة الحمى فقال تحم هكذا وانت رسول الله .فقال ان اشد هذه الامة بلاء نبيها ثم الخير ثم الخير وكذلك كانت الانبيآء قبلكم والامم .

حضرت اسودؓ سے روایت ہے کہ عمرؓ بن الخطاب نبی ﷺ کے پاس آئے جب کہ آپ ﷺ کو بیماری کی تکلیف تھی تو آپ ﷺ کو ایک قطوانی کھردری چادر پر لیٹا ہوا پایا اون کا تکیہ لگائے ہوئے جس کا بھرت اذخر گھاس کا تھا۔ حضرت عمرؓ بولے آپ ﷺ پر میرے ماں باپ قربان ہوں یارسول اللہ ﷺ کسریٰ اور قیصر تو دیباج پر (آرام کرتے ہیں (اور آپ کی یہ حالت ہے) اس پر آپ ﷺ نے فرمایا۔ اے عمر کیا تم اس پر راضی نہیں کہ ان (کافروں) کے لئے دنیا ہو۔ اور تمہارے لئے آخرت پھر حضرت عمرؓ نے آپ ﷺ کو چھوا تو آپ ﷺ کو سخت بخاری تھا۔ تو بولے آپ کو ایسا سخت بخار حالانکہ

آپ اللہ کے رسول ٹھہرے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس امت میں سخت جتلائے بلا اس کے نبی ہیں پھر ان سے کمتر نیک' پھر ان سے کمتر نیک اور یہی حال تم سے پہلے انبیاءؑ اور امتوں کا تھا۔

ف: اس حدیث سے اس امر کا انکشاف ہوا کہ دنیا میں مومن کی جانچ اور اس کی آزمائش اس کی ایمانی طاقت وقوت کے مطابق ہوتی ہے۔ قوی الایمان سخت تر آزمائشوں میں کسا جاتا ہے اور اس سے اس کے گناہ وقصور معاف ہوتے ہیں یہاں تک کہ شدائد کی گھاٹیوں میں سے گذر کر وہ گناہوں کی گندگی و آلودگی سے پاک وصاف ہو جاتا ہے۔ اور نکھر کر کندن ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ ترمذی کی حدیث کے چند الفاظ ہیں ﴿فما برح البلاء بالعبد حتی یترکه یمشی علی الارض وما علیه خطیئة ﴾ کہ بندہ پر برابر مصیبت مسلط رہتی ہے یہاں تک کہ وہ ایسی حالت میں ہو جاتا ہے کہ زمین پر چلتا پھرتا ہے اور گناہ سے بالکل سبکدوش ہوتا ہے۔

(۲۲۴) باب کتاب الجنایات

ابوحنیفة عن عطاء عن ابن عباس ان النبی صلی الله علیه وسلم قال من عفاعن دم لم یکن له ثواب الا الجنة .

باب۔ جنایات کے احکام

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جس کسی نے خون معاف کیا اس کی جزا جنت ہی ہے۔

ف: یہ حدیث درحقیقت اس آیت کریمہ کی ترجمانی ہے ﴿وجزاء سیئة سیئة مثلها فمن عفا واصلح فاجرہ علی الله ﴾ کہ برائی کا بدلہ اس جیسی برائی سے ہے پس جس شخص نے معاف کیا اور صلح کی تو اس کا بدلہ اللہ کے ذمہ ہے۔

ابوحنیفة عن الزهیری عن سعید بن المسیب عن ابی هریرة عن النبی صلی الله علیه وسلم قال دیة الیهودی والنصرانی مثل دیة المسلم .

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ یہودی اور نصرانی کا خوں بہا مثل خوں بہا مسلمان کے ہے۔

ف: یہ حدیث دیت کے مسئلہ اختلافی کو بیان کرتی ہے۔ اس بارہ میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

حضرت امام مالکؒ کے نزدیک یہودی ونصرانی کی دیت مسلم کی دیت سے آدھی ہے یعنی چھ ہزار درم کیونکہ ان کے نزدیک پوری دیت بارہ ہزار درم کی ہے۔اور امام شافعیؒ کے نزدیک یہودی ونصرانی کی دیت ایک تہائی یعنی چار ہزار درم ہے۔اور حضرت امام اعظم امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہودی ونصرانی کی دیت اور مسلم آزاد کی دیت میں کوئی فرق نہیں۔ ہر سہ کی ایک ہی دیت ہے یعنی دس ہزار درم۔ کیونکہ ان کی رائے میں پوری دیت اسی قدر ہے یہ تو نوعیت اختلاف ہے۔اب ادلہ وحجج کے میدان میں حضرت امام مالکؒ کے مذہب پر سنن اربعہ کی اس حدیث سے دلیل لائی جاتی ہے جو بطریق عمرو بن شعیب نقل ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا﴿**دية المعاهد نصف دية الحر** ﴾ کہ معاہد کی دیت آزاد کی دیت سے نصف ہے ترمذی کے الفاظ یہ ہیں ﴿**عقل الكافر نصف عقل المومن** ﴾ کہ کافر کی دیت مسلم کی دیت سے آدھی ہے۔حضرت امام شافعیؒ کے مذہب پر یا تو اس حدیث سے حجت لائی جاتی ہے جو وہ خود اپنی مسند میں حضرت عمر بن خطاب سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فیصلہ دیا یہودی ونصرانی کی دیت میں چار ہزار درم کا اور مجوسی کی دیت میں آٹھ سو درم کا۔یا اس حدیث مرفوع جو مصنف عبدالرزاق میں عمرو بن شعیب کے طریق سے بایں الفظ مروی ہے﴿**ان رسول الله صلى الله عليه وسلم فرض على كل مسلم قتل رجلا من اهل الكتاب اربعة الاف** ﴾ کہ آں حضرت ﷺ نے ہر اس مسلمان پر جو کسی اہل کتاب کے آدمی کو مار ڈالے چار ہزار درم واجب فرمائے۔حضرت امام اعظمؒ کے مذہب کی زبردست حجت اور قوی دلیل یہ حدیث ذیل ہی ہے کہ نہ جس کی سند میں کوئی کلام ہے نہ اس کے معنی میں کوئی اخفا کہ اہل کتاب کی دیت اور مسلم کی دیت میں کوئی فرق نہیں حدیث مرفوع ہے اور سلسلہ سند بے غبار۔حضرت امامؒ کے بارہ میں کس کو کلام کرنے کی تاب۔حضرت زہریؒ میں کس کو مجال گفتگو۔حضرت سعید بن مسیّبؒ میں کس کو طاقت مقال اور حضرت ابو ہریرہؓ تو اپنی جگہ سب کچھ ہیں ہی جب یہ اصح الاسناد حدیث موجود ہے تو امام صاحبؒ کے مذہب کی بناء دراصل اسی پر قرار پائی۔مزید برآں ابوداؤد مراسیل میں سعید بن مسیّب سے روایت لائے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا﴿**دية كل ذى عهد فى عهده الف دينا** ﴾ کہ ہر صاحب عہد کی دیت اس کے عہد کے دوران میں ایک ہزار دینار ہیں۔پھر بعینہ اسی کو حضرت شافعیؒ انہیں سعیدؒ سے موقوف لائے ہیں اور ترمذی میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے﴿**ان النبى**

صلى الله عليه وسلم و دى العامر بين بدية المسلمين و كان لهما عهد من رسول الله صلى الله غليه وسلم ﴾ کہ نبی ﷺ نے عامرین کی دیت دی مسلمین کی سی دیت اوران کا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عہد تھا۔اور روایات سے بطریق صحیح اس کا ثبوت ہے کہ آں حضرت ﷺ کے دور مبارک میں اور خلفاء اربعہؓ کے زمانہ خلافت میں اسی پر عملدرآمد تھا۔ یہاں تک کہ حضرت معاویہؓ کے دور حکومت میں یہ عمل ہونے لگا کہ آدھی دیت مقتول کے ورثاء کو دی جاتی اور آدھی بیت المال میں داخل کردی جاتی۔ چنانچہ ابوداؤد اپنی مراسیل میں ربیعۃ الرای کے طریق سے یوں روایت لائے ہیں ﴿ كَانَ عَقْلُ الْذِمِّى مِثْلِ عَقْلِ الْمُسْلِمُ فِىْ زَمَنِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمُ وَزَمَنِ اَبِىْ بَكْرٍؓ وَزَمَنِ عُمَرؓ وَزَمَنِ عُثْمَانَؓ حَتّٰى كَانَ صَدْرِمِنْ خِلَافَةِ مَعَاوِيَةُ الْحَدِيْثُ ﴾ کہ ذمی کی دیت مسلم کی دیت جیسی تھی۔ آں حضرت ﷺ ابوبکرؓ عمرؓ عثمانؓ کے مبارک عہدوں میں یہاں تک کہ حضرت معاویہؓ کی ابتدائی حکومت کا زمانہ آیا۔عبدالرزاق بھی زہری سے یہ ہی روایت لائے ہیں۔امام محمدؒ کتاب الآثار میں بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ یہ ہی فیصلہ دیا کرتے تھے۔حضرت علیؓ سے اس طرح روایت وارد ہے ﴿ انما بذلوا الجزية ليكون دمائهم كد مائنا و اموالهم كا موالنا ﴾ کہ انہوں نے جزیہ اس لئے صرف کیا کہ ان کے خون ہمارے خون کی طرح محفوظ ہوں اور ان کے مال ہمارے مال کی طرح۔یہ حدیث تو گویا سارے جھگڑے کی جڑ کاٹ دیتی ہے اور اس کا کھلا ثبوت بہم پہنچاتی ہے کہ ذمیوں کی دیت اور مسلموں کی دیت میں کوئی فرق نہیں۔لہٰذا آں حضرت ﷺ اور خلفائے کرامؓ کے عمل سے اور صحیح السند احادیث مرفوعہ مراسیل وموقوفہ کی رو سے مذہب حنفیہ ہی کی صداقت کا پلہ جھکتا ہے کیونکہ ہر دو ائمہ کی احادیث شہرت وصحت و کثرت طرق میں یہ درجہ نہیں رکھتیں۔اگر مخالفین مراسیل میں ارسال کا عیب وسقم نکالیں اور موقوفہ میں موقوف ہونے کا تو واضح رہے کہ مراسیل احناف مالکیہ جمہور علماء کے نزدیک قابل حجت ہیں اور سعید بن میتب کی مراسیل تو بالاتفاق مقبول ہیں اور وہ حدیث موقوف جس میں قیاس کو گنجائش نہ ہو مرفوع کے حکم میں ہے۔اور قیاس کو اس میں اس لئے دخل نہیں کہ ہر دو میں مماثلت ظاہر نہیں کہ قیاس کیا جاسکے۔پھر قیاس بھی مذہب حنفی کی تائید کرتا ہے۔کیونکہ تعارض ادلہ کے وقت احتیاط کا لحاظ زیادہ قرین عقل و درایت ہے اور احتیاط مذہب حنفی میں ہے۔نہ دوسرے مذاہب میں۔

ابـوحـنيفة عن الشعبی عن جابرؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لايستقاد من الجراح حتى تبرأ .

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نہ قصاص لیا جائے زخم کا جب تک کہ زخم اچھا نہ ہو جائے۔

ف: یعنی جب ایک شخص کسی کے زخم لگائے تو تاوقتیکہ زخم خوردہ کا زخم اچھا نہ ہو زخم رساں سے قصاص نہ لیا جائے اس میں بھی امام ابوحنیفہؒ واحمد اور امام شافعیؒ کے مابین اختلاف ہے صورت اختلاف کی یہ ہے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک زخم لگانے کے بعد ہی زخم رساں سے بدلہ لیا جائے گا۔ کیونکہ جب سبب قیاس پایا گیا تو اب تاخیر کیوں کی جائے اور وہ اس کو جان کے قصاص پر قیاس کرتے ہیں کہ اس میں ایسا ہی حکم ہے۔اور ہر ائمہ مذکورین اس خیال کے حامی ہیں کہ زخم کی صورت میں فوراً قصاص نہیں لیا جائے گا۔ بلکہ زخم کے اچھا ہونے کا انتظار کیا جائے گا۔ان ائمہ کا خیال وجہ معقول پر مبنی ہے۔جو بالکل قرین قیاس ہے اور موافق عقل سلیم کہ وہ کہتے ہیں کہ زخموں کے حالات شدید وخفیف ہونے میں نتائج سے کھلا کرتے ہیں نہ موجودہ کیفیت سے کیا معلوم جو زخم اس وقت ہلکا اور معمولی نظر آتا ہے وہ آگے چل کر زخم خوردہ کی جان ہی لے لے تو پھر تو گویا زخم رساں اس کے قتل کا باعث ہوا۔اور ممکن ہے کہ زخم زخم کی حد تک رہ کر اچھا ہو جائے۔یہ درایتی پہلو ہے اور اس کی روایت بھی پر زور تائید کرتی ہے کہ دار قطنیؒ اور بیہقیؒ حضرت جابرؓ سے حدیث بایں مضمون روایت کرتے ہیں کہ زخموں کا اندازہ لگایا جائے پھر ایک سال تک تاخیر کی جائے پھر جیسا کہ پتہ چلے اس کے موافق فیصلہ دیا جائے دار قطنی کے سلسلہ روایت میں یزید بن عیاض ہے یہ اس کی متروک کہہ کر حدیث کو مجروح کر جاتے ہیں اور بیہقی کے سلسلہ سند میں ابن لہیعہ ہے وہ اس کو نشانہ جرح ٹھہراتے ہیں۔حالانکہ ابن لہیعہ صدوق ہے۔خیر ہم کہتے ہیں کہ مذہب کے ثبوت کے لئے امام صاحبؒ کی حدیث ذیل شعبی کے واسطہ سے کچھ کم نہیں' بلکہ کافی ووافی ہے ہمیں دوسری احادیث کی تلاش کی ضرورت بھی کیا لہٰذا ماننا پڑتا ہے کہ امام صاحبؒ کا ہی مذہب حق ہے۔

(۲۲۵) كتاب الاحكام

ابـوحـنيفة عن الهيثم عن الحسن عن ابی ذرؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يا اباذرؓ الامارة امانة وهی يوم القيامة خزی وندامة الا من

اخذ ها من حقها و ادى الذى عليه و انى ذلك .

و فى رواية عن ابى حنيفة عن ابى عسال عن الحسن عن ابى ذرؓ عن النبى صلى الله عليه وسلم قال الامارة امانة وهى يوم القيمة خزى و ندامة الا من اخذها من حقها و ادى الذى عليه و انى ذلك يا اباذرؓ .

باب۔ فیصلے اور احکام

حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے اے ابوذر امارت (حکومت) ایک امانت ہے اور وہ قیامت کے دن رسوائی ہے اور شرمندگی۔ مگر (اس شخص کے لئے رسوائی و شرمندگی نہیں) جس نے امارت و حکومت کا حق ادا کیا۔ اور جو ذمہ داری اس پر تھی اس سے سبکدوشی حاصل کی۔ اور یہ (ادائیگی حقوق حکومت اور پوری ذمہ داری سے سبکدوشی) ہوتا ہی کہاں ہے۔

اور ایک روایت میں حضرت ابوذرؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ امارت قیامت کے دن ذلت ہے اور شرمساری مگر جس نے کہ اس کا حق ادا کیا اور جو ذمہ داری اس پر تھی اس کو ادا کیا (پھر فرمایا) اے ابوذر ایسا ہوتا ہی کہاں ہے۔

ف: طبرانی اور بزار سند صحیح سے حضرت عوف بن مالک سے بایں الفاظ روایت لائے ہیں ﴿اولها ملامة و ثانيها ندامة و ثالثها عذاب يوم القيامة الامن عدل﴾ کہ امارت کا پہلا حصہ ملامت ہے دوسرا شرمندگی ہے اور تیسرا قیامت کا عذاب ہے۔ مگر وہ شخص جو عدل و انصاف سے کام لے۔ مسلم میں بھی یہ حدیث بایں الفاظ ہے مگر اس کے شروع میں یہ الفاظ بھی زائد ہیں کہ حضرت ابوذرؓ نے آں حضرت ﷺ سے درخواست کی کہ یا رسول اللہ مجھے آپ عامل مقرر نہیں فرماتے آپ ﷺ نے ان کے کندھے پر ہاتھ مار کر فرمایا۔ اے اباذر تم کمزور ہو اور پھر یہ ہی نصیحت کے الفاظ ارشاد فرمائے۔ غرض یہ حدیث حکومت و ولایت کی اہمیت و ذمہ داری کی صحیح صحیح ترجمانی کرتی ہے اور جو حکومت کو ایک کھیل سمجھتے ہیں اور اس کو دنیوی عیش و عشرت اور نفسانی لذات اور شہوات کے پورا کرنے کا ایک ذریعہ بناتے ہیں۔ ان کے حق میں یہ ایک سنگین تازیانہ ہے کہ حکومت جب امانت ٹھہری اور اس کے حقوق ادا نہ کرنے والا خائن تو قیامت کے دن اس کو ندامت و شرمساری و عذاب الٰہی کا منہ کیوں نہ دیکھنا پڑے۔ پھر یہ امانت بھی معمولی نہیں۔ حاکم

کے کندھوں پر حقوق اللہ کی ادائیگی کا بھی بوجھ ہوتا ہے اور ہزاروں لاکھوں انسانوں کے حقوق رسی کا بھی تو اب کون سا ایسا خوش قسمت انسان ہے کہ جو ان تمام حقوق کو پورا پورا ادا کرے اور اس سخت آزمائش وامتحان میں پورا اترے۔ اسی لئے آں حضرت ﷺ فرماتے ہیں ﴿وانی ذلک ؤ﴾ اور ایسا ہوتا ہی کب ہے جو ہزاروں میں ایک نکلا' اس کا ہونا نہ ہونے کے برابر ہے۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ فرمان خداوندی ﴿اناعرضنا الامانة﴾ سے یہ ہی نازک امانت حکومت مراد ہے اور اس میں بھی اسی امانت کی اہمیت کا نقشہ کھینچا جارہا ہے۔ حقیقت میں اگر انسان کے دل ودماغ میں حکومت کی یہ اہمیت بیٹھ جائے تو انسان حکومت کی ذمہ داری سے ایسا ڈرے جیسا کہ ہر شخص موت سے ڈرتا ہے۔

ابوحنیفة عن عطیة عن ابی سعید عن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال ان ارفع الناس یوم القیمة امام عادل .

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن سب لوگوں میں بلندترین امام عادل ہوگا۔

ف: جابروظالم اور بے رحم بادشاہ کی برائی اور عادل ومنصف۔ رحم دل بادشاہ کی تعریف سے احادیث صحیح پر ہیں۔ طبرانی کبیر میں اور بیہقی شعب الایمان میں حضرت ابوبکرہ سے بایں مضمون حدیث لائے ہیں کہ بادشاہ اللہ کا سایہ ہے زمین میں جس نے اس کی عزت کی اس نے گویا اللہ کی عزت کی اور جس نے اس کی توہین کی اس نے گویا اللہ کی توہین کی بزار اپنی مسند میں اور بیہقی اپنی شعب الایمان میں بایں معنی حضرت ابن عمرؓ سے روایت لائے ہیں کہ بادشاہ زمین میں اللہ کا سایہ ہے جس کے پاس آکر اللہ کے مظلوم بندے پناہ لیتے ہیں۔ پس اگر اس نے انصاف کیا تو اس کے لئے اجروثواب ہے اور رعایا کے لئے شکرگذاری واجب۔ اور اگر ظلم کیا اور جبروتشدد واستبداد سے کام لیا تو اس پر اس کا گناہ ہے۔ اور رعایا کے لئے صبر ضروری۔ اور جب حکام ظلم ڈھاتے ہیں تو آسمان قحط سالی کا سبب بن جاتا ہے۔ اور جب زکوٰۃ روک لیتے ہیں تو مویشی ہلاکت کی نذر ہوجاتے ہیں بیہقی شعب الایمان میں حضرت انسؓ سے بایں مضمون حدیث لائے ہیں کہ بادشاہ اللہ کا سایہ ہے جس نے اس کو وصو دیا' وہ گمراہ ہوا جس نے اس کو نصیحت کی اس نے ہدایت پائی۔ ابونعیم حلیہ میں حضرت واثلہ سے حدیث مرفوع بایں معنی لائے ہیں کہ چار اشخاص کی

دعا بارگاہ ایزدی میں مقبول ہے۔ایک امام منصف۔دوسرا وہ جو اپنے بھائی کے لئے پیٹھ پیچھے دعا کرتا ہے۔تیسرا ظلم رسیدہ۔چوتھا وہ جو اپنے والدین کے لئے دست بدعا ہے۔نسائی حضرت ابو ہریرہؓ سے بایں مطلب حدیث مرفوع لائے ہیں کہ اللہ تعالیٰ چار اشخاص کو نہایت مبغوض رکھتا ہے۔ایک قسم خورتاجر' دوسرا متکبر فقیر تیسرا زناکار بوڑھا چوتھا ظالم بادشاہ۔باقی انہیں احادیث کے ہم معنی ومطلب بہت سی احادیث صحیح کتب صحاح میں وارد ہیں۔

ابو حنيفة عن الحسن بن عبيد الله عن خبيب بن ابى ثابت عن ابن بريدة عن ابيه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم القضاة ثلثة قاضيان فى النار وقاض يقضى فى الناس بغير علم ويوكل بعضهم مال بعض وقاض يترك علمه ويقضى بغير الحق فهذان فى النا وقاض يقضى بكتاب الله فهو فى الجنة.

حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے قاضی تین قسم کے ہیں۔ دو ان میں دوزخی ہیں (یعنی) وہ قاضی جو فیصلے دیتا ہے لوگوں میں بغیر علم کتاب وسنت کے اور ایک کو دوسرے کا مال (ناحق) کھلاتا ہے۔اور وہ قاضی جو اپنے علم کو پس پشت ڈالتا ہے اور ناحق فیصلے دیتا ہے تو یہ ہر دو قسم قاضی دوزخی ہیں۔اور تیسرا وہ قاضی جو فیصلہ دیتا ہے کتاب اللہ کی رو سے تو وہ جنتی ہے۔

ف: ابوداؤد' ترمذی' ابن ماجہ وغیرہ میں قدرے اختصار کے ساتھ یوں وارد ہے ﴿**القضاة ثلثة اثنان فى النار وواحد فى الجنت رجل علم الحق فقضى به فهو فى الجنة ورجل قضى للناس على جهل فهو فى النار ورجل عرف الحق فجار فى الحق فهو فى النار**﴾ کہ قاضی تین قسم کے ہیں دو دوزخی اور ایک جنتی۔وہ شخص جس نے حق پہچانا اور اس کے ماتحت فیصلہ دیا تو وہ جنتی ہے اور وہ شخص جس نے لوگوں میں جہالت پر فیصلہ دیا وہ دوزخی ہے اور وہ شخص جس نے حق کو تو پہچانا۔مگر حق رسی میں ظلم کیا تو وہ بھی دوزخی ہے۔اور واقعی ایسا ہونا بھی چاہئے۔کہ چونکہ حق وانصاف کا سرچشمہ کتاب اللہ وسنت رسول ہے جس نے اس سے ہٹ کر اور اس سے جاہل رہ کر فیصلہ دیا تو وہ خود بھی گمراہ ہے اور لوگوں کو بھی گمراہ کیا۔اور ایسا گمراہ اور گمراہ کن عذاب دوزخ کا مستحق ہے اور جو جان بوجھ کر عالم بدعمل بن کر لوگوں کو گمراہ کرے۔اور غلط

فیصلے دے تو یہ تو پہلے سے بڑھ کر برا مجرم ہے کیونکہ علم کو چھپانے کا ایک علیحدہ سنگین جرم ہے جو اس کی طرف بالاستقلال عائد ہوتا ہے اور جس کی پاداش میں یہ بدرجہ اولیٰ مستحق عذاب دوزخ ہے ۔اب رہا تیسرا تو کیا کہنے یہ اللہ کی کتاب کی رو سے فیصلے دیتا ہے۔اور لوگوں میں اللہ کا سچا فرمان جاری کرتا ہے اور یوں زمین میں اللہ کی سچی خلافت کے فرائض انجام دیتا ہے تو ایسا قاضی جنت کا حقدار کیوں نہ ہو۔

ابو حنیفة عن عبد الملک عن ابی بکرة ان اباه کتب الیه انه سمع رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول لایقضی الحاکم وهو غضبان .

حضرت ابوبکرہؓ سے روایت ہے کہ ان کے باپ نے ان کو لکھا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ حاکم بحالت غضب فیصلہ نہ دے۔

ف: یہ حدیث تقریباً انہیں الفاظ سے صحیحین ودیگر صحاح میں وارد ہے اور واقعی قاضی کے لئے ضروری اور لازمی ہے کہ کسی معاملہ میں فیصلہ دیتے وقت اس کے دل ودماغ اعتدالی حالت پر ہوں ۔کیونکہ اگر وہ اعتدالی کیفیت چھوڑ بیٹھیں گے تو یقیناً اس کی رائے اور اس کا فیصلہ حق سے ہٹ جائے گا۔اور غیظ وغضب میں طبیعت ومزاج میں اعتدال مفقود ہوتا ہے حرارت وگرمی کا جوش ہوتا ہے لہٰذا فیصلہ میں بھی تشدد وسختی تند مزاجی ودرشتی کا پیدا ہو جانا لازمی امر ہے۔اسی لئے ایسی حالت میں فیصلہ دینا ممنوع ہے۔چنانچہ فقہا نے اسی فطری اصول کو پیش نظر رکھتے ہوئے اور اسی حدیث کے ماتحت ہر اس حالت میں فیصلہ صادر کرنا ناجائز قرار دیا ہے جس کی رو سے انسان کے دل ودماغ ٹھکانے نہ ہوں مثلاً بے تابی کی بھوک لگی ہو' ناک تک کھانے سے پیٹ کو تان رکھا' ہو بے چین کرنے والا مرض لاحق ہو' وحشت میں ڈالنے والا خوف دامن گیر ہو' بے انتہا خوشی لاحق ہو نیند کا بہت غلبہ ہو۔دل دماغ پر غم وفکر کا غلبہ ہو۔پیشاب پاخانے کی حاجت بے چین کر رہی ہو' بے کل کرنے والی تڑاخے کی گرمی پڑ رہی ہو یا کڑاکے کا جاڑا پڑ رہا ہو تو ایسے حالات میں بھی فیصلہ صادر کرنا روا نہیں۔

ابو حنیفة عن حماد عن ابراهیم عن الاسود عن عائشة عن النبی صلی الله علیه وسلم قال رفع القلم عن ثلثة عن الصبی حتی یکبر وعن المجنون حتی یفیق وعن النائم حتی یستیقظ .

وفی روایة عن حماد عن سعید بن جبیر عن حذیفة قال قال رسول الله

صلی اللہ علیہ وسلم رفع القلم عن ثلثة عن النائم حتی یستیقظ وعن المجنون حتی یفیق وعن الصبی حتی یحتلم .

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ تین اشخاص سے قلم اٹھالیا گیا (گویا یہ دین کی ذمہ داری سے سبکدوش ہیں) ایک بچہ جب تک وہ بالغ نہ ہو۔(دوسرا مجنون جب تک وہ صحت یاب ہو۔تیسرا سونے والا جب تک وہ نیند سے جاگے۔

اور ایک روایت میں حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے تین پر سے قلم اٹھالیا گیا (یہ تکلیف شرعی کے بوجھ سے ہلکے ہیں سونے والا جب تک جاگے مجنون جب تک صحت یاب ہو بچہ جب تک بالغ ہو۔

ف: یہ حدیث کتب صحاح میں اسی طرح وارد ہے۔اور یہ واقعہ اس بنا پر ہے کہ تکلیف شرعی کا مدار دراصل عقل وشعور پر ہے اور اس سے یہ ہر سہ اشخاص محروم ہیں۔اس لئے یہ اس حالت میں دینی ذمہ داری سے سبکدوش ہوئے اور اس سے بری۔اگر ایسی حالت میں ان پر تکلیف شرعی کا بوجھ ڈالا جائے گا تو تکلیف مالا یطاق ہوئی جو اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو نہیں دیتا۔

ابوحنیفة عن الشعبی عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المدعی علیه اولی بالیمین اذالم یکن بینة .

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جب نہ ہو بینہ (گواہ) مدعی کے پاس تو مدعا علیہ سے قسم لینا اولی ہے۔

ف: بیہقی نے حضرت ابن عمرؓ سے مرفوع روایت کی ہے ﴿**المدعی علیه اول بالیمین الاان تقوم علیه البینة**﴾ کہ مدعا علیہ پر قسم ہے۔مگر یہ کہ مدعی اس پر گواہ پیش کردے۔گویا مدعی کے گواہ پیش کرنے پر مدعی علیہ سے قسم لینے کی کوئی حاجت نہیں بیہقی حضرت ابن عباسؓ سے مرفوع روایت لائے ہیں ﴿**ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لایعطی اللہ بدعواھم لادعی رجال اموال قوم ودمائھم لکن البجة علی المدعی والیمین علی من انکر**﴾ کہ آں حضرت ﷺ نے فرمایا اگر اللہ تعالیٰ محض لوگوں کے دعویٰ پر فیصلہ دے دیا کرتا تو البتہ لوگ دعویٰ کر کے لوگوں کے مال اینٹھ لیا کرتے۔اور ان کے خون بہا ڈالتے لیکن اللہ کی طرف سے گواہ مدعی کے ذمہ رکھے گئے اور قسم منکر (مدعیٰ علیہ) کے ذمہ لگائی گئی۔

حدیث ذیل دراصل دو اختلافی مسئلوں میں شافعیہ کے خلاف حنفیہ کی قوی حجت ہے اور اختلاف اول کی صورت یہ ہے کہ دعویٰ پیش ہونے پر سب ہی کے نزدیک مدعی سے گواہ طلب کئے جائیں گے۔ اگر اس نے پیش کر دیئے تو اس کے حق میں فیصلہ ہوگا ورنہ مدعا علیہ پر قسم آئے گی۔ اب اگر اس نے قسم کھالی تو فیصلہ اس کے حق میں ہوگا اور اگر وہ قسم سے منکر ہو تو حضرت امام ابوحنیفہ کے نزدیک پھر بھی فیصلہ مدعی کے حق میں ہوگا۔ اور اب مدعی سے قسم لینے کی ہرگز ضرورت نہیں گویا تحقیقات مقدمہ کا آخری پہلو تھا جو ختم ہوا اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں قسم مدعی کی طرف لوٹے گی۔ اگر اس نے قسم کھالی تو اس کے حق میں فیصلہ ہو جائے گا ورنہ نہیں۔ امام مالکؒ واحمدؒ بھی امام شافعیؒ کے ہم خیال ہیں۔ اور ان کے ساتھ متفق القول۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ مدعیٰ علیہ نے جب قسم سے انکار کر دیا تو ظاہری حال مدعی کے موافق ہو گیا اور اس میں مدعیٰ علیہ کی سی حیثیت پیدا ہو گئی تو اس سے قسم لی جائے گی۔ امام صاحبؒ کے مذہب پر حدیث ذیل اور مذکورہ احادیث نا قابل تردید حجتیں ہیں۔ جو صاف گویا ہیں کہ مدعی کے ذمہ محض گواہوں کا پیش کرنا ہے قسم سے اس کو نہ کوئی واسطہ نہ سروکار اور مدعیٰ علیہ کے ذمہ صرف قسم ہے اور اسی پر اس کی قسمت کا آخری فیصلہ اس کو گواہوں سے نہ کوئی واسطہ نہ تعلق گویا آں حضرت ﷺ نے مدعی و مدعیٰ علیہ ہر ایک کی ذمہ داری کو روز روشن کی طرح تقسیم فرما دیا تو اب اس میں شرکت کیسی اور اس ذمہ داری میں بٹوارہ کیسا یہ حدیث کی صریح مخالفت نہیں تو کیا ہے کہیں حدیث دانی کا یہ دعویٰ اور کہیں حدیث فہمی سے اتنی دوری۔ ذرا بتاؤ یہاں احناف اہل الرائے ہیں یا دوسرے یہاں حنفیہ تارک الحدیث ہیں یا اغیار پھر آیئے ایک اور پہلو سے صداقت وحق کو جانچئے اور خدارا فیصلہ کیجئے کہ حقیقت کیا ہے۔ ترمذی میں حضرت وائلؓ سے روایت ہے ﴿قال جاء رجل من حضرموت ورجل منكنده الى النبى صلى الله عليه وسلم فقال الحضرمي يا رسول الله ان هذا غلبنى على ارض لى فقال الكندى هى ارضى وفى يدى ليس له فيها حق فقال النبى صلى الله عليه وسلم للحضرمى الك بينة قال لا قال فلك يمينه قال يا رسول الله ان الرجل فاجر لا يبالى على ماحلف عليه وليس يتورع من شىء قال ليس لك منه الى ذلك قال انطلق الرجل ليخلف له فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم لما ادبر لئن ادبر على ماله ليا كله ليلقين الله وهو عنه

معرض ﴾ کہتے ہیں کہ ایک شخص حضر موت کا رہنے والا اور ایک کندہ کا، نبی ﷺ کے پاس آئے حضرمی نے کہا یا رسول اللہ ﷺ یہ میری زمین چھین بیٹھا ہے کندی نے کہا یہ تو میری زمین ہے اور میرے قبضہ میں ہے اس کا اس میں کیا حق اس پر نبی ﷺ نے حضرمی سے کہا تیرے پاس گواہ ہیں۔ اس نے کہا نہیں۔ تو پھر آپ نے فرمایا کہ اب تو تیرے لئے اس سے قسم ہی لینا ہے۔ تو وہ بولا یا رسول اللہ یہ بدکار ہے نہیں پروا کرتا کہ اس نے کس چیز پر قسم کھائی اور کسی چیز سے نہیں بچتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تیرے لئے اب اس کی طرف سے یہ ہی ہے اور ہے بھی کیا حضرت وائل کہتے ہیں کہ پھر وہ شخص چلا قسم کھانے اور جب واپس پھرا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر اس نے اس کے مال پر قسم کھالی کہ اس کا مال ہضم کر جائے تو یہ خدا تعالیٰ سے بروز قیامت ایسے ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اس سے منہ پھیرے ہوگا۔ صحیحین میں بھی یہ حدیث قریب الفاظ کے ساتھ وارد ہے۔ لہٰذا اس حدیث میں حضور اکرم ﷺ کے الفاظ ﴿لیس لک منہ الاذلک ﴾ سے صاف آشکارا ہے کہ مدعیٰ علیہ کی قسم آخری پہلو ہے اور کارروائی دعویٰ کی آخری کڑی۔ اور مدعی کی طرف سے بینہ نہ ملنے پر اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں ہے۔ اب اس سے زیادہ صاف اور کیا حجت چاہیئے۔ پھر یوں بھی نحوی اصول سے حدیث کو جانچیئے تو بھی صداقت مذہب حنفیت آشکارا ہے کہ حدیث ابن عباس میں بینہ اور یمین ہر دو پر الف لام لائے ہیں اور یہاں کوئی خاص بینہ اور یمین تو مراد ہے نہیں تو گویا جنس بینہ اور جنس یمین مراد ہوگی اور جنس بینہ کے سارے افراد مدعی کے لئے مخصوص ہوں گے۔ اور یمین کے سارے افراد مدعیٰ علیہ کے لئے۔ لہٰذا بعض افراد یمین کو مدعی کے لئے حجت بنانا گویا حدیث کی صریح مخالفت کرنا ہے۔ یہ بحث کا ایک رخ تھا جو آپ کے سامنے آیا۔ دوسرے رخ میں صورت اختلاف یہ ہے کہ بروقت مطالبہ گواہان اگر مدعی گواہ پیش کرنے سے قاصر ہو اور ایک ہی گواہ اس کو میسر آسکے۔ تو امام شافعیؒ کے نزدیک اس سے قسم بھی لی جائے گی اور ایک گواہ قسم کی بنا پر اس کے حق میں فیصلہ دے دیا جائے گا۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ مدعی کے لئے محض دو ہی صورتیں ہیں یا تو دو مرد گواہ لائے یا ایک مرد اور دو عورتیں۔ اگر ان ہر دو صورتوں پر وہ قادر نہیں تو پھر مدعیٰ علیہ کے ذمہ قسم ہے۔ مدعی کو قسم سے کوئی واسطہ نہیں۔ شافعیہ کے مذہب کی حجت مسلم کی وہ حدیث ہے جو ابن عباسؓ سے بایں الفاظ مروی ہے ﴿ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضی بیمین وشاھد ﴾ کہ رسول اللہ ﷺ نے مدعی

کی طرف سے قسم اور ایک گواہ پر فیصلہ دیا احناف کے مذہب پر یہ ہی احادیث مذکورہ بالا ناقابل تردید دلائل ہیں۔ پھر قرآن کی آیت ﴿واستشھدوا شھیدین من رجالکم﴾ اس کی مزید پرزور مؤید ہے۔ احادیث بالا ناطق ہیں کہ مدعی کو کسی صورت میں قسم سے کوئی واسطہ نہیں گواہ پیش کر سکے یا نہیں نہ مدعیٰ علیہ کو گواہ پیش کرنے سے کوئی علاقہ خواہ قسم کھائے یا نہ کھائے چنانچہ بخاری میں یہودی کے قصہ کے ذیل میں حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے جس کے صاف الفاظ یہ ہیں ﴿شاھداک اویمینہ﴾ کہ یا تو اے مدعی تیرے گواہ ہی بنائے فیصلہ ہیں یا پھر مدعیٰ علیہ کی قسم گویا یہ دونوں امور ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ پھر مسلم و ترمذی کی حدیث بالا میں ﴿لیس لک الاذلک﴾ اسی کی تائید ہے پھر یہ وہ احادیث ہیں جن کو سب ہی احناف اور شافعیہ نے صحیح مانا ہے ترمذی نے اس کو حسن صحیح کہا ہے بخلاف حدیث قسم اور ایک گواہ کے کہ اس کو غریب مانا گیا ہے یحییٰ بن معین نے اس کو رد کیا ہے پھر اس حدیث میں دو جگہ انقطاع مانا گیا ہے بعض کے نزدیک قیس کا (اس کی سند میں ہے) عمرو بن دینار سے سماع نہیں۔ اور بعض کے نزدیک عمرو بن دینار کا ابن عباسؓ سے سماع نہیں۔ چنانچہ دار قطنی عمرو اور ابن عباسؓ کے درمیان طاؤس کو لائے ہیں پھر کہاں یہ حدیث اور کہاں احناف کی احادیث کہ بے خلش اور بے کھوٹ اپنے بھی انکو مانیں اور پرائے بھی لہٰذا حدیث کے میدان میں مذہب حنفی ہی کی صداقت آشکارا ہوتی ہے۔ اب لیجئے آیت کریمہ جو خود اپنی جگہ دوسری حجتوں سے بے نیاز کر دینے والی حجت ہے کہ فرمایا ﴿واستشھدوا شھیدین من رجالکم فان لم یکونا رجلین فرجل وامراتان ممن ترضون من الشھداء ان تضل احدھما فتذکر احداھما الاخریٰ﴾ کہ دو گواہ بنا لو اپنے مردوں میں سے پس اگر دو مرد میسر نہ آسکیں تو ایک مرد ہو اور دو عورتیں ایسے گواہوں میں سے جن کو تم پسند کرتے ہو تاکہ ان دونوں عورتوں سے کوئی ایک بھی بھول جائے۔ تو ان میں ایک دوسرے کو یاد دلا دے۔ لیجئے کون عقل منداس کلام الٰہی میں سے ایک گواہ اور قسم کی صورت کھود کر نکالے گا۔ حالانکہ یہ گواہی کے بارہ میں پورا تفصیلی بیان ہے اس میں تو انہیں دو صورتوں کی اجازت دی گئی ہے کہ مدعی یا تو دو مرد گواہ لائے یا اگر دو مرد نہ لا سکے تو ایک مرد اور دو عورتیں لے آئے اس کے علاوہ نہ تیسری صورت کا صراحۃً ذکر ہے اور نہ کنایۃً لہٰذا ایسی صورت کا جائز قرار دینا قرآن کا نسخ ہے اور اس میں صریح زیادتی پھر یہ آیت کے ظاہری معنی تھے۔ اب ذرا الفاظ پر نظر غائر ڈالیئے تو حقیقت

سے پورا پردہ اٹھ جائے گا۔ مثلاً اگر تیسری صورت کا ذرا سا بھی احتمال ہوتا تو ﴿فـان لـم یـکـونـا﴾ کی دوسری شق مسئلہ کو نا تمام چھوڑتی بلکہ یوں عبارت کا اضافہ ہوتا ﴿فـان لـم یکونوا فرجل ویمین المدعی﴾ یعنی اور اگر ایک مرد اور دو عورتیں بھی دستیاب نہ ہو سکیں تو خیر پھر ایک مرد اور مدعی کی قسم ہو مزید براں ہر دو صورتوں کو پیش فرمانے کے بعد آخر میں فرمایا ﴿ممن تـرضـون من الشهداء﴾ یعنی جن گواہوں کو تم پسند کرتے ہو حالانکہ ان کی اضافہ کی ہوئی تیسری صورت میں گواہ محض ایک ہے کیونکہ مدعی تو بہر حال گواہ ہو ہی نہیں سکتا بخاری میں نقل ہے کہ ابن شبرمہ کہتے ہیں کہ ابو الزناد سے قسم اور ایک شاہد کے مسئلہ پر میری گفتگو ہوئی تو میں نے یہ آیت پڑھی اور کہا کہ جب ایک گواہ اور قسم سے کام چل جاتا ہے تو بمطابق ﴿فتذکر احدهما الاخرى﴾ ایک عورت کا دوسری کو یاد دلانے کی کیا ضرورت پیش آئی غرض آیت کے ماتحت بھی مذہب احناف سراسر حق ہے اور قابل قبول۔ پھر یہ مقامات حقیقت میں عبرت کے قابل ہیں کہ امام صاحب ہر سہ ائمہ سے جدا ہو کر اپنے خیال وا پنی رائے میں جہاں تن تنہا ہوتے ہیں وہاں بھی انکی رائے کا پلہ کس قدر وزنی اور بھاری ہوتا ہے اور حدیث وقرآن کا ایک ایک لفظ اور ایک ایک جملہ وہ کس قدر اپنے پیش نظر رکھتے ہیں کہ پھر رولیۂ ان کے خیال کو جنبش نہیں ہو سکتی ﴿ذلک فضل الله يؤتيه من يشاء والله ذو الفضل العظيم﴾۔

ابوحنيفة عن حماد ان رجلا حدثه ان الاشعث بن قيس اشترى من عبد الله بن مسعود رقيقا فتقا ضاه عبد الله فقال الاشعث ابتعت منک بعشرة الاف وقال عبد الله بن مسعود بعت منک بعشرين انفا .فقال اجعل بيني و بينک من شئت فقال الاشعث انت بيني وبينک .فقال عبد الله اخبرک بقضاء سمعته من رسول لله صلى الله عليه وسلم .يقول اذااختلف البيعان في الثمن ولم يكن لهما بينة والسلعة قائمة فالقول ماقال البائع اويترادان .

کسی شخص نے حماد سے بیان کیا کہ اشعث بن قیس نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے ایک غلام خریدا۔ ابن مسعودؓ نے اس سے اس کے داموں کا تقاضا کیا۔ اس پر اشعث نے کہا کہ میں نے تم سے دس ہزار درم میں خریدا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود بولے (واہ) میں نے

اس کو تیرے ہاتھ بیس ہزار درم میں بیچا ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ نے کہا (اچھا) تو میرے اور اپنے درمیان جس کو چاہے حکم مقرر کر لے کہ اس سے ہمارا جھگڑا چک جائے) اشعث نے کہا لو تم ہی میرے اور اپنے درمیان حکم ہو چنانچہ حضرت عبداللہ بولے کہ (اچھا تو) میں تجھ کو وہ فیصلہ سناتا ہوں جو رسول اللہ ﷺ کو صادر فرماتے ہوئے میں نے سنا ہے۔ آپ فرما رہے تھے کہ جب بائع اور مشتری تعداد قیمت میں جھگڑ پڑیں اور ان دونوں کے پاس گواہ نہ ہوں اور چیز فروخت شدہ بھی موجود ہو تو قول بائع کا معتبر ہوگا یا پھر وہ اس بیع کو لوٹا دیں۔

ف: یہ حدیث کتب حدیث میں اسی طرح وارد ہے اور اپنے معنی و مطلب میں واضح ہے۔

ابو حنيفة عن القاسم عن ابيه عن جده ان الاشعث بن قيس اشترى من ابن مسعود رقيقا من رقيق الامارة فتقاضاه عبد الله فاختلفا فيه فقال الاشعث اشتريت منك بعشرة الاف درهم وقال عبد الله بعت منك بعشرين الفافقال عبد الله اجعل بيني وبينك رجلا .فقال الاشعث فاني اجعلك بيني وبين نفسك . قال عبد الله فاني ساقضي بيني و بينك بقضاء من رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول اذا اختلف البائعان فالقول ماقال البائع فاما ان يرضى المشترى به اويترادان البيع سمعةً.

وفي رواية عن القاسم عن ابيه عن جده قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا اختلف البائعان والسلعة قائمة فالقول قول البائع اويتر ادان .

وفي رواية عن عبد الله ان الاشعث اشترى منه رقيقا فتقاضاه واختلفا. فقال عبد الله بعشرين الفا. وقال الاشعث بعشرة الاف . فقال عبد الله سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول اذا اختلف البائعان فالقول قول البائع اويترادان .

قاسم کے دادا سے روایت ہے کہ اشعث بن قیس نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے خرید ایک غلام خمس کے غلاموں میں سے۔ حضرت عبداللہ نے جب اس سے اس کی قیمت مانگی تو قیمت میں ہر دو کے درمیان جھگڑا پڑ گیا۔ اشعث نے کہا میں نے تم سے وہ دس ہزار درم میں خریدا ہے اور عبداللہ بولے میں نے تو وہ تجھ کو بیس ہزار درم کے عوض بیچا ہے۔ تو عبداللہ نے

کہا کہ اچھا تو میرے اور اپنے درمیان کسی کو حکم بنالے کہ وہ ہمارا جھگڑا طے کردے اشعث نے کہا لو تو میں تمہیں کو تمہارے اور اپنے درمیان حکم بناتا ہوں۔ حضرت عبداللہ نے کہا کہ (ٹھیک) اب میں اپنے اور تیرے درمیان وہ فیصلہ دیتا ہوں جس کو صادر فرماتے ہوئے میں نے رسول اللہ ﷺ کو پایا ہے آپ فرماتے تھے کہ جب خرید نے والے اور فروخت کرنے والے (دربارہ قیمت) آپس میں جھگڑ پڑیں۔ تو فروخت کرنے والے کی بات مانی جائے گی پس یا تو خریدار اس پر راضی ہو جائے یا پھر وہ دونوں بیع کو واپس پھیر لیں ایک روایت میں قاسم کے دادا سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جب بائع اور مشتری آپس میں جھگڑیں اور فروخت شدہ سامان بدستور موجود ہو تو بائع کا قول معتبر ہوگا۔ یا وہ ہر دو بیع کو لوٹالیں۔ ایک روایت میں ﴿یترادان﴾ کے ساتھ لفظ بیع بھی زائد ہے اور ایک روایت میں ہے کہ جب مختلف القول ہوں بائع و مشتری تو قول بائع کا معتبر ہے یا وہ بیع کو پھیر لیں اور ایک روایت میں حضرت عبداللہ سے مروی ہے کہ اشعث نے خرید اان سے ایک غلام انہوں نے اس سے اس کی قیمت کا تقاضا کیا اور پھر آپس میں ان کے اختلاف ہو گیا۔ عبداللہ نے کہا بیس ہزار درم میں (میں نے اس کو بیچا ہے) اشعث نے کہا دس ہزار درم میں (میں نے خریدا ہے) حضرت عبداللہ بولے میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ جب بائع و مشتری تنازع کریں تو قول بائع کا معتبر ہوگا یا پھر وہ دونوں بیع کو لوٹالیں۔

ف: یہ پچھلی حدیث کی مختلف روایات سے تفصیل ہے۔

ابوحنیفة عن ابی الزبیر عن جابر بن عبد الله عن النبی صلی الله علیه وسلم ان رجلین اختصما الیه فی ناقة وقد اقام کل واحد منهما انها نتجت عنده فقضی بها للذی فی یده .

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ دو شخص نبی ﷺ کے پاس آئے۔ ایک اونٹنی کے بارہ میں جھگڑتے ہوئے اور ہر ایک نے ان میں سے گواہ پیش کیے کہ وہ اسی کے ہاں پیدا ہوئی ہے تو رسول اللہ ﷺ نے وہ اونٹنی اسی کو دلادی جس کے قبضہ میں تھی۔

ف: گویا قبضہ کے باعث قابض ہی حقدار ٹھہرا۔

ابو حنیفة عن الهیثم عن رجل عن جابر بن عبد الله قال اختصم رجلان فی ناقة کل واحد منهما یقیم البینة انها ناقة نتجها فقضی بها النبی صلی الله علیه وسلم للذی هی فی یده .

وفی روایة ان رجلین اتیا رسول الله صلی الله علیه وسلم فی ناقة فاقام هذا البینة انه نتجها واقام هذا البینة انه نتجها فجعلها رسول الله صلی الله علیه وسلم للذی هی فی یده .

حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ دو شخص ایک اونٹنی کے بارہ میں جھگڑ پڑے ان میں سے ہر ایک نے گواہ پیش کئے کہ وہ اونٹنی اسی کے ہاں پیدا ہوئی ہے تو نبی ﷺ نے اونٹنی اسی کو دلائی جس کے قبضہ میں تھی۔

ایک روایت میں ہے کہ دو شخص نبی ﷺ کے پاس آئے ایک اونٹنی میں جھگڑتے ہوئے ایک نے اس پر گواہ پیش کئے کہ یہ اونٹنی اس کے ہاں پیدا ہوئی ہے۔ دوسرا اس پر گواہ لایا کہ یہ اونٹنی اس کے ہاں پیدا ہوئی ہے۔ لہٰذا نبی ﷺ نے اونٹنی اس کو دلا دی جس کے قبضہ میں تھی۔

ف: اس میں سابق حدیث کے مضمون کی تکرار ہے۔

(۲۲۶) کتاب الفتن

ابو حنیفة عن یحیی عن حمید عن ابن عمرؓ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من سل السیف علی امتی فان لجهنم سبعة ابواب باب منها لمن سل السیف .

باب۔ فتنوں کا بیان

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جس نے تلوار کھینچی میری امت پر تو جہنم کے سات دروازے ہیں۔ ان میں سے ایک دروازہ (خاص) اسی کے لئے ہے جس نے میری امت پر تلوار کھینچی۔

ف: بخاری حضرت ابن عمرؓ سے مرفوع حدیث لائے ہیں ﴿**من حمل علینا السلاح فلیس منا**﴾ کہ جس نے ہمارے خلاف ہتھیار اٹھائے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ یہ اس امر پر

شدید ترین وعید اور دھمکی ہے کہ مسلمان آپس میں لڑیں۔ایک دوسرے کے خلاف ہتھیار استعمال کریں اور یوں بھائی بھائی کا خون

اوعن كتابه اوعن رسوله .قال لا قال فعمن ترويه قال عن نفسي قال اما انك لورويت عن الله او عن كتابه اورسوله ضربت عنقك ولو رويت عني اوجعتك عقوبة فكنت كاذ باولكني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول بين يدي الساعة ثلثون كذابا فانت منهم .

پتہ چلا ہے یا اس کی کتاب سے یعنی قرآن پر زیادتی کرتا ہے یا اس کے رسول سے (یعنی آں حضرت ﷺ پر اتہام لگاتا ہے) اس نے کہا نہیں تو آپ نے کہا کہ پھر کس سے اس بات کو نقل کرتا ہے۔اس نے کہا اپنے دل سے آپ نے فرمایا اگر تو روایت کرنے کا دعویٰ کرتا اللہ سے یا اس کی کتاب سے یا اس کے رسول سے تو میں تیری گردن اڑاتا۔اور اگر تو اس بات کی میری طرف نسبت کرتا تو میں تجھ کو دردناک سزا دیتا اور تو جھوٹا ہوتا۔(گویا ناقابل شہادت ٹھہرتا) لیکن میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت سے پہلے تیس جھوٹے ہوں گے۔اور تو ان میں سے ہے۔

ف: زیادہ تر حدیثوں میں جھوٹوں کی تعداد تیس تک آئی ہے۔ترمذی میں حضرت ابو ہریرہؓ سے بایں مضمون روایت ہے کہ قیامت نہیں قائم ہوگی۔یہاں تک کہ جھوٹے دجال اٹھیں گے جو قریب تیس کے ہوں گے ہر ایک دعویٰ کرے گا کہ وہ رسول اللہ ہے۔حضرت ثوبانؓ کی روایت میں پوری تیس ہی کی تعداد آئی ہے بعض روایات میں مثلاً امام احمد کی روایت میں ستائیس کی تعداد بھی مذکور ہے۔طبرانی کی روایت میں ستر کی تعداد بھی آئی ہے۔اس سے محض کثرت مراد ہے نہ خاص تعداد۔

ابوحنيفة عن عبد الرحمن عن ابي هريرة قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ياتي على الناس زمان يختلفون الى القبور فيضعون بطو نهم عليه ويقولون وددنا لو كنا حاجب هذا القبر قيل يا رسول الله و كيف يكون قال لشدة الزمان و كثرة البلايا و الفتن .

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے

گا کہ قبروں پر بکثرت آئیں گے جائیں گے اور ان پر اپنا پیٹ رکھیں گے اور کہیں گے کہ ہم کو ارمان ہے کہ ہم اس صاحب قبر کی جگہ ہوتے آپ ﷺ سے عرض کیا گیا یا رسول اللہ ایسا کیوں ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا زمانہ کی سختی اور بلاؤں اور فتنوں کی کثرت کے سبب۔

ف: ابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوع روایت بایں مضمون وارد ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے دنیا ختم نہیں ہوگی یہاں تک کہ ایک شخص قبر پر گذرے گا اور اس پر لوٹے گا اور کہے گا کاش میں اس قبر والے کی جگہ ہوتا۔ اور دین پورا آزمائش سے بھرا ہوگا۔ خدا کی پناہ یہ ایسا صبر آزما زمانہ ہوگا۔ اور ایسی جانچ و آزمائش کا دور ہوگا کہ انسان خود اپنے منہ سے اپنی موت طلب کرے گا' مردوں پر رشک کرے گا۔ اور یوں اپنی موت کو اپنی زندگی پر ترجیح دے گا۔ گو دنیا کی الفت و محبت ہر شخص کی طبیعت و سرشت میں پیوست ہے اور کسی وقت بھی اور کسی قیمت پر بھی انسان دنیا کو ہاتھ سے چھوڑنا گوارا نہیں کرتا۔ مگر یہ اسی حد تک کہ دنیوی زندگی آسائشوں مسرتوں اور دل بستگیوں سے پر ہو اور پوری زمین اس کے لئے گہوارہ راحت ہو ورنہ اگر یہی دنیا بجائے راحت کدہ کے مصیبت کدہ ہو' آزار و آلام کا گھر ہو۔ بے چینی کا مسکن ہو تو پھر انسان کو اپنی زندگی سے موت بدر جہا بہتر معلوم ہوتی ہے اور بجائے زندگی کے موت میں راحت نظر آتی ہے۔

(۲۲۷) كتاب التفسير

حماد عن ابيه عن ابى فروة عن عطاء بن السائب عن ابى الضحى عن ابن عباس فى قوله عزوجل آلمّ قال انا الله والله اعلم وارى .

باب۔ آیات قرآن کی تفسیر

حضرت ابن عباسؓ اللہ عزوجل کے قول آلمّ کی تفسیر میں فرماتے ہیں ﴿انا اللہ﴾ میں اللہ ہوں ﴿واللہ اعلم واری﴾ اور اللہ اعلم ہے اور دیکھنے والا)

ف: یعنی ﴿آلمّ﴾ مخفف ہے ﴿انا الله﴾ اور ﴿الله اعلم﴾ کا تفسیر سراج المنیر میں ابن عباسؓ سے یوں روایت ہے کہ ﴿آلمّ﴾ کے معنی ﴿انا الله اعلم﴾ کے ہیں کہ میں اللہ ہوں اور جانتا ہوں اور ﴿آلر﴾ کے معنی ﴿انا الله ارى﴾ کے ہیں کہ میں اللہ ہوں اور دیکھتا

ہوں اور ﴿آلمر﴾ کے معنی انا اللہ اعلم واری کے میں اللہ ہوں اور جانتا ہوں اور دیکھتا ہوں گویا ہر سہ جگہ ہمزہ سے ﴿انا﴾ کی طرف اشارہ ہوالام سے (اللہ) کی طرف میم سے ﴿اعلم﴾ کی طرف اور راء سے ﴿اری﴾ کی طرف۔

لہٰذا اس روایت کے پیش نظر ﴿آلمر﴾ کی تفسیر میں لفظ اری کی زیادتی مسند میں بے موقع و بے محل نظر آتی ہے یہ غالباً قلم کاتب کی لغزش ہوگی کہ اعلم کے ساتھ ساتھ اری بھی لکھ مارا۔ یا پھر ممکن ہے یہ ہو کہ لفظ الم کے لکھنے میں راء کی کشش میں کوتاہی برتی ہو اور بجائے ﴿المر﴾ کے ﴿آلم﴾ لکھ دیا ہو۔ تو اس صورت میں لفظ اری اپنی جگہ ٹھیک بیٹھے گا۔

حروف مقطعات کے بارہ میں علماء کے مختلف اقوال وارد ہیں کہ ان کے معانی کیا ہیں اور یہ کن اسرار کی طرف مشیر ہیں جمہور علماء کا اور خصوصاً خلفاء اربعہ کا یہی مسلک ہے کہ ہم محض انکے ظاہر پر ایمان رکھتے ہیں ان کے معانی و مراد سے اللہ ہی زیادہ واقف ہے اور وہ ہی خوب جانتا ہے۔

حماد عن ابیه عن سلمة بن نبیط قال کنت عند الضحاک ابن مزاحم فیسأله رجل عن هذه الایة انا نراک من المحسنین ماکان احسانه . قال کان اذارأی رجلا مضیقا علیه وسع علیه واذا رأی مریضا قام علیه واذا رای محتاجاسأل لقضاء حاجته .

سلمہ بن نبیط کہتے ہیں کہ میں ضحاک ابن مزاحم کے پاس تھا کہ ان سے ایک شخص نے ﴿انا نراک من المحسنین﴾ کہ آپ ہم کو نیک و محسن آدمی معلوم ہوتے ہیں کے بارہ میں پوچھا کہ حضرت یوسفؑ کا احسان کیا تھا انہوں نے کہا کہ جب وہ کسی تنگدست کو دیکھتے تو اس کی مالی مدد فرماتے جب کسی بیمار کو دیکھتے تو اس کی تیمارداری کے لئے کمر بستہ ہو جاتے اور جب کسی حاجتمند کو دیکھتے تو اس کی حاجت کو پوچھتے کہ اس کی حاجت روائی کریں۔

ف: حقیقت میں یہ ہر سہ امور خیر و صلاح کا سرچشمہ ہیں کہ تنگدستی محتاجگی اور ناداری کے ایام انسانی زندگی میں نہایت تاریک اور مصیبت بھرے شمار ہوتے ہیں ایسے دکھ اور تکلیف کی گھڑیوں میں جو اللہ کا بندہ مدد و معاونت کا ہاتھ بڑھاتا ہے وہ فرشتہ رحمت معلوم ہوتا ہے اسی طرح جو انسان کسی بیماری میں مبتلا ہو اور کسی جسمانی دکھ کا شکار ہو تو اس کے کرب و بے چینی کا کیا ٹھکانہ

اوراس کی بے کلی اور بے آرامی کا کیا اندازہ پھرایسی تکلیف کی گھڑیوں میں جواللہ کا بندہ اس کی تیمار داری اور دیکھ بھال کے لئے کمر بستہ ہوتا ہے اس کی راحت جسمانی کے اسباب مہیا کرتا ہے وہ انسانیت وشرافت نیکی و بزرگی کی بلندترین مثال پیش کرتا ہے یا اور کسی معاملہ میں کسی حاجتمند کی حاجت روائی ضرورت مند کی ضرورت پوری کرنا تقویٰ و نیکی کا بلندترین درجہ ہے جواللہ کے خاص خاص بندوں کونصیب ہوتا ہے۔

حماد عن ابیه عن عطیة عن ابی سعید عن النبی صلی الله علیه وسلم قال اتقوا فراسة المؤمن فانه ینظر بنور الله تعالی. ثم قرأان فی ذلک لایات للمتوسمین .المتفرسین .

حضرت ابوسعید روایت کرتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے ڈرو مومن کی فراست سے کیونکہ وہ دیکھتا ہے اللہ تعالیٰ کے نور سے پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی ﴿ان فی ذلک لایت للمتوسمین﴾ البتہ اس میں کئی نشانیاں ہیں اہل سیرت کے لئے گویا متوسمین سے متفرسین مراد لیا۔

ف: اللہ کے نور سے دیکھنے کے دو معنی ہوسکتے ہیں ایک تو یہ کہ مومن ایمان کی بدولت اور مجاہد ریاضت کے طفیل میں درجہ ولایت کو پہنچتا ہے اور کرامت کے طور پر بعض بعض واقعات وحالات اس پر منکشف ہوجاتے ہیں۔دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ صحیح دلائل کی روشنی میں اور تجربوں کے ماتحت اس کو ہر چیز کے بارہ میں صحیح علم بخشتے ہیں اور عاقبت اندیشی اور دوراندیشی اس میں بلند درجہ کی پیدا ہوجاتی ہے اور وہ اپنی زندگی کے ہر شعبہ میں اپنے لئے صحیح راستہ دریافت کر لیتا ہے۔

حماد عن ابیه عن عبد الملک عن ابن عباسؓ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم فی قوله تعالیٰ فور بک لنسئلنهم اجمعین عما کانوا یعملون .قال لا اله الا الله .

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے اس قول کی تفسیر میں ﴿فوربک لنسئلنهم اجمعین عما کانوا یعملون﴾ پس قسم ہے تمہارے رب کی البتہ ہم سوال کریں گے ان سب سے اس عمل سے کہ وہ کرتے تھے ﴿لا اله الا الله﴾ یعنی اس سے یہ کلمہ شہادت مراد ہے۔

ف: یہاں سوال کا ایجاب ہے اور اثبات کہ بروز قیامت بندوں سے سوال ہوگا اور سورۂ رحمٰن میں اس سے انکار ہے اور نفی کہ فرمایا ﴿فیومئذ لایسئل عن ذنبہ انس و لا جان ﴾ کہ اس دن انس وجن سے اس کے گناہ کے بارہ میں نہ پوچھا جائے گا۔اس اشکال کا حل یہ ہے کہ آیت زیر بحث میں سوال سے مراد سوال تنبیہ ڈانٹ اور زجر وتوبیخ ہے اور آیت رحمٰن میں اس سوال سے انکار ہے جس کے ذریعہ معلومات حاصل کی جائیں تو ایسا سوال نعوذ باللہ اللہ عزاسمہ کی طرف سے کیسے ہونے لگا۔

حماد عن ابیه عن ذرعن سعید بن جبیر عن ابن عباسؓ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لجبرئیل علیه السلام مالک تزور نا اکثر ماتزورنا قال فانزلت بعد لیال . وما نتنزل الا بامر ربک له مابین اید ینا وما خلفنا.

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبرئیلؑ سے کہ آپ ہماری ملاقات کے لئے زیادہ کیوں نہیں آتے گویا موجودہ حالت سے زیادہ ملاقات کا موقع کیوں نہیں دیتے) تو اس کے چندروز ہی بعد یہ آیت نازل ہوئی ﴿وما نتنزل الا بامر ربک له مابین اید ینا وما خلفنا ﴾ کہ ہم نہیں اترتے مگر تمہارے رب کے حکم سے اسی کے لئے ہے جو ہمارے آگے ہے اور جو پیچھے ہے۔

ف: بخاری میں بھی حضرت ابن عباسؓ سے ایسی ہی روایت ہے۔ابن ابی حاتم کے نزدیک یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب کہ وحی کا سلسلہ اس سے پہلے چالیس روز تک منقطع رہ چکا تھا ۔اور آں حضرت ﷺ کا ملاقات کا اشتیاق شدید تھا۔

ابوحنیفة عن سماک عن ابی صالح عن ام هانی قالت قلت لرسول الله صلی الله علیه وسلم ماکان المنکر الذی کانوا یأتون فی نادیهم قال کانوا یخذفون الناس بالنواة والحصاة ویسخرون من اهل الطریق .

حضرت ام ہانیؓ کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ وہ کیا بری بات تھی جو (قوم لوط) اپنی مجلسوں میں کیا کرتی تھی۔آپ نے فرمایا کہ وہ لوگوں پر گٹھلیاں اور کنکریاں پھینکا کرتے اور راہ گیروں سے مسخری کرتے تھے۔

ف: یعنی اللہ تعالیٰ کے اس قول ﴿وتاتون فی ناد یکم المنکر ﴾ میں لفظ منکر کی تفسیر

حضرت ام ہانیؓ نے آں حضرت ﷺ سے دریافت کی قاسم بن محمدؒ کہتے ہیں کہ وہ اپنی مجلسوں میں گوز خارج کیا کرتے تھے حضرت مجاہدؒ کہتے ہیں کہ وہ اپنی مجلسوں میں ایک دوسرے کے ساتھ جماع کرتے تھے حضرت عبداللہ بن سلام سے یوں مروی ہے کہ ایک دوسرے پر تھوکا کرتے تھے۔ غرض ان کی مجلسیں اس قسم کی لغویتوں اور فحش باتوں کا اڈا ہوتی تھیں۔ اور جب آپس میں مل بیٹھے تو جامہ انسانیت اتار دیتے اور نرے حیوان اور چوپائے بن جاتے۔

ابو حنیفة عن عطیة عن ابن عمرؓ انه قرأ علی النبی صلی اللہ علیه وسلم اللہ الذی خلقکم من ضعف ثم جعل من بعد ضعف قوۃ ثم جعل من بعد قوۃ ضعفا وشیبة فرد علیه وقال قل من ضعف .

حضرت ابن عمرؓ کے بارہ میں مروی ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ کے سامنے یہ آیت ﴿**اللہ الذی خلقکم من ضعف ثم جعل من بعد ضعف قوۃ ثم جعل من بعد قوۃ ضعفا وشیبة**﴾ پڑھی تو آپ نے ان کو ٹوکا اور فرمایا کہ لفظ ضعف کو ضاد کے پیش کے ساتھ پڑھو۔

ف: یعنی حضرت ابن عمرؓ نے ضعف کو ضاد کے زبر کے ساتھ پڑھا تو آپ ﷺ نے ٹوکا اور فرمایا کہ اس کو ضاد کے پیش کے ساتھ پڑھو کیونکہ قریش کے لغت میں یہ لفظ یوں ہی ہے اور پڑھنے والے بھی چوں کہ قریش تھے۔ اس لئے ٹوکنا ہی مناسب تھا۔ یا آں جناب ﷺ کو یہ فصیح تر معلوم ہوا اور یوں لقمہ دیا ہو۔ بخاری میں ہے کہ لفظ ضعف میں ہر دو لغات ہیں ارشاد ساری میں ہے کہ ضعف زبر کے ساتھ عاصم اور حمزہ کی قرائت ہے اور تمیم کا لغت۔ اور پیش کے ساتھ قریش کا لغت ہے بعض نے کہا کہ ضعف کو ضاد کے پیش کے ساتھ جب پڑھیں تو بدنی کمزوری کی طرف اشارہ ہوتا ہے اور جب زبر کے ساتھ پڑھیں تو اس وقت ضعف عقل کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔

ابو حنیفة عن الھیثم عن الشعبی عن مسروق عن عبد اللہ قال قد مضی الدخان والبطشة علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم .

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ دخان (دھواں) اور بطشۃ پکڑ دونوں علامات قیامت رسول اللہ ﷺ کے عہد میں گذر چکیں جن کا تذکرہ آیات ذیل

میں ہے ﴿فارتقب یوم تاتی السماء بدخان مبین﴾ کہ آپ منتظر رہئے اس دن کے لئے کہ آسمان پر بالکل ظاہر اور صاف طور پر دھواں نمایاں ہوگا۔

ف: دخان اور بطشہ کے وقوع اور عدم وقوع میں اختلاف ہے ایک کی روایت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے ہے کہ ان کے نزدیک یہ ہر دو عذاب عہد نبوی میں گذر چکے جس کی تائید حدیث ذیل کرتی ہے بخاری میں پورا واقعہ مذکور ہے کہ آں حضرت ﷺ نے قریش کی پے در پے نافرمانیوں کے باعث ان کے حق میں بددعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر سخت قحط ڈالا یہاں تک کہ بہت سے مر گئے اور لوگوں نے ہڈیاں اور مردار تک کھائے اور مارے ضعف ونقاہت کے ہر ایک کو آسمان کی طرف دھواں دکھائی دیتا تھا۔ چنانچہ اسی حالت کی ترجمانی آیت ﴿تاتی السماء﴾ کرتی ہے۔ پھر حضرت عبداللہ اپنے خیال کو اس کے بعد کی آیت ﴿انا کاشفوا العذاب قلیلا انکم عائدون﴾ کہ ہم چندے اس عذاب کو ہٹا دیں گے۔ تم پھر اپنی اسی حالت پر آ جاؤ گے اسے پختہ کرتے ہیں کہ اگر یہ عذاب آخرت میں آنے والا ہوتا تو آخرت کا عذاب کب ہٹے گا اور ٹلے گا۔ اور وہ کب اپنی حالت پر لوٹیں گے۔ چنانچہ ایک جماعت کثیرہ حضرت عبداللہ ہی کے ساتھ اتفاق رائے کرتی ہے مثلاً مجاہد ابی العالیہ ابراہیم نخعی ضحاک عطیۃ العوفی وغیرہ ابن جریر نے بھی اسی خیال کو پسند کیا ہے۔ اور ملا علی قاری نے بھی اپنی مسند کی شرح میں اسی مذہب کو راجح قرار دیا ہے۔

دوسرے خیال کی نسبت حضرت ابن عباسؓ کی طرف ہے اور ان سے اس کی روایت ہے کہ یہ ہر دو عذاب بروز قیامت رونما ہوں گے ابن کثیر اسی طرف مائل ہیں اور ان کے مذہب پر لفظ مبین سے بھی دلیل لائی جاتی ہے کہ فرمایا ظاہر ظہور دھواں ہوگا۔ حالانکہ حضرت عبداللہ کی روایت پر وہ محض ایک خیالی اور وہمی چیز ہے پھر ﴿یغشی الناس﴾ سے بھی حجت لائی جاتی ہے کہ اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ عذاب سب کافروں کو عام ہوگا۔ نہ صرف مشرکین مکہ کو مگر آیت کا سیاق وسباق حضرت عبداللہ بن مسعود کے مذہب کی پختہ حجت پیش کرتا ہے۔ اس لئے وہ ہی حق معلوم ہوتا ہے۔

ابوحنیفة عن حماد عن ابراهیم عن الاسود عن عائشة قالت قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان اولا دکم من کسبکم وهبة الله لکم یهب لمن یشآء اناثا ویهب لمن یشآء الذکور.

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے البتہ تمہاری اولاد تمہاری کمائی ہے اور تمہارے لئے اللہ کی بخشش جس کو چاہتا ہے لڑکیاں بخشتا ہے اور جس کو چاہتا ہے لڑکے عطا فرماتا ہے۔

ف: حاکم بھی بعینہ یہ حدیث لائے ہیں جو حضرت عائشہؓ سے مروی ہے بیہقی نے بھی اسی کو صحیح المسند قرار دیا ہے۔

ابو حنيفة عن مكي بن ابراهيم عن ابي الهيعة عن ابي قبيل قال سمعت ابا عبد الرحمن المزني يقول سمعت ثوبان مولٰى رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول ماا حب ان لي الدنيا بما فيها بهذه الاية قل ياعبادى الذين اسرفوا على انفسهم لا تقنطوا من رحمة الله ان الله يغفر الذنوب جميعا . فقال رجل ومن اشرك فسكت رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم قال ومن اشرك فسكت رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم قال ومن اشرك فسكت رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم قال الا ومن اشرك .

حضرت ثوبان آں حضرت ﷺ کے آزاد شدہ غلام کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں پسند نہیں کرتا پوری دنیا ﴿وما فیھا﴾ کو اس آیت کے بدلے میں (ترجمہ آیت) فرما دیجئے آپ کہ اے میرے بندو جنہوں نے اپنے نفسوں پر زیادتی کی مت مایوس ہوں اللہ کی رحمت سے البتہ اللہ تعالیٰ سب گناہ بخش دے گا اس پر ایک شخص بولا اور جس نے شرک کیا یا رسول اللہ اس کا کیا حکم ہے آپ خاموش رہے پھر اس نے کہا اور جس نے شرک کیا پھر آپ ﷺ ساکت رہے۔ پھر تیسری بار اس نے کہا اور جس نے شرک کیا۔ آپ ﷺ چپ رہے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا خبردار ہو اور جس نے شرک کیا (اس کو بھی بخش دے گا)۔

ف: بعض نسخوں میں الا کے بعد واؤ ہے جس طرح نسخہ میں موجود ہے اور بعض میں نہیں قاری نے جس نسخہ پر شرح لکھی ہے اس میں واؤ نہیں ہے اور وہ کہتے ہیں کہ ممکن ہے یہاں الا تنبیہ کے لئے ہو اور واؤ بدیں وجہ ساقط ہو گیا ہو اور معنی یہ ہی ہوں کہ خبردار رہو جس نے شرک کیا وہ بھی

بخشا جائے گا۔ یعنی جب وہ شرک سے تائب ہوکر مشرف باسلام ہوگا تو اس کے زمانہ شرک کے سارے گناہ بیک قلم مٹا دیئے جائیں گے۔ اور یوں ان کی بخشش ہو جائے گی پھر وہ کہتے ہیں کہ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ الا استثناء کے لئے ہوتو پھر تو معنی ان کے بالکل ظاہر ہیں۔ مگر اکثر نسخوں میں واؤ ہے۔ چنانچہ امام احمد کی روایت میں بھی واؤ مذکور ہے اور بدیں صورت معنی وہ ہی ہوں گے جو بیان ہوئے۔

ابوحنیفة عن محمد بن السائب الکلبی عن ابی صالح عن ابن عباس ان وحشیا لما قتل حمزة مکث زمانا ثم وقع فی قلبه الاسلام فارسل الی رسول الله صلی الله علیه وسلم انه قد وقع فی قلبه الاسلام وقد سمعتک تقول عن الله تعالی. والذین لایدعون مع الله الها اخر ولا یقتلون النفس التی حرم الله الا بالحق ولا یزنون ومن یفعل ذلک یلق اثاما یضاعف له العذاب یوم القیمة ویخلدفیه مهانا. فانی قد فعلتهن جمیعا فهل لی رخصة . قال فنزل جبرئیل فقال یا محمد قل له الا من تاب وامن وعمل عملا صالحافاولئک یبدل الله سیا تهم حسنات وکان الله غفورارحیما. قال فارسل رسول الله صلی الله علیه وسلم بهذه فلما قرأت علیه قال وحشی ان فی هذه الایة شروطا واخشی ان لا اتی بها ولا احقق ان اعمل عملا صالحا ام لا فهل عندک شیء الین من هذا یا محمد قال فنزل جبرئیل بهذه الایة ان الله لا یغفر ان یشرک به ویغفر مادون ذلک لمن یشآء قال فکتب رسول الله صلی الله علیه وسلم بهذه الایة وبعث الی وحشی .قال فلما قرأت له قال انه یقول ان الله لایغفر ان یشرک به ویغفرمادون ذلک لمن یشآء وانا لا ادری لعلی ان لااکون فی مشیته ان شاء فی المغفرة ولو کانت الایة ویغفر مادون ذلک ولم یقل لمن شاء کان ذلک فهل عندک شیء اوسع من ذلک یا محمد فنزل جبرئیل بهذه الایة قل یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسهم لاتقنطوا من رحمة الله ان الله یغفر الذنوب جمیعا انه هو الغفور الرحیم .قال فکتب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وبعث بھا الی وحشی فلما قرأت علیہ قال اما ھذہ الایۃ فنعم ثم اسلم فارسل الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ انی قد اسلمت فاذن لی فی نقائک فارسل الیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان وارعنی وجھک فانی لا استطیع ان املاء عینی من قاتل حمزۃ عمی قال فسکت وحشی حتی کتب مسیلمۃ رسول اللہ الی محمد رسول اللہ اما بعد فقد اشرکت فی الرض فلی نصف الارض ولقریش نصفھا غیر ان قریشا قوم یعتدون قال فقدم بکتابہ الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رجلان فلما قرئ علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الکتاب قال الرسولین لولا انکمار سولان لقتلتکم ثم دعا بعلی بن ابی طالب فقال اکتب بسم اللہ الرحمن الرحیم من محمد رسول اللہ الی مسیلمۃ الکذاب السلام علی من اتبع الھدی اما بعد فان الارض للہ یورثھا من یشآء من عبادہ والعاقبۃ للمتقین وصلی اللہ علیہ سید نا محمد قال فلما بلغ وحشیا ما کتب مسیلمۃ الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اخرج المدراع فصقلہ وھم یقتل مسیلمۃ فلم یزل علی عزم ذلک حتی قتلہ یوم الیمامۃ .

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے جب وحشی بن حرب نے حضرت امیر حمزہؓ کو شہید کیا تو اس کے بعد ایک زمانہ تک کفر پر رہا پھر اس کے دل میں خیال اسلام کا آیا تو ایک شخص کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں (یہ پیغام لے کر) بھیجا کہ میرے دل میں اسلام کی محبت گھر کر گئی ہے اور میں نے سنا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے اس کلام کو نقل کرتے ہیں (ترجمہ آیت) اور جو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کی پرستش نہیں کرتے اور جس شخص کے قتل کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے اس کو قتل نہیں کرتے مگر حق پر اور وہ زنا نہیں کرتے اور جو شخص ایسے کام کرے گا تو سزا سے اس کو سابقہ پڑے گا قیامت کے دن اس کا عذاب بڑھا یا جائے گا اور وہ اس عذاب میں ہمیشہ ہمیشہ ذلیل و خوار رہے گا پھر وحشی کہتا ہے اور میں نے یہ سب کچھ کیا ہے تو کیا میرے لئے کوئی چھٹکارے کی شکل ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر

حضرت جبرئیل ؑ اترے اور انہوں نے کہا اے محمد اس سے کہئے (ترجمہ آیت) مگر جو شرک سے توبہ کر لے اور ایمان لے آئے اور نیک کام کرتا رہے تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی (گذشتہ برائیوں کو موجودہ نیکیوں سے بدل ڈالے گا اور اللہ غفور رحیم ہے روای کہتے ہیں کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت وحشی کے پاس بھیج دی۔ جب یہ آیت وحشی کے پاس پڑھی گئی تو اس نے کہا کہ اس آیت میں چند شرطیں ہیں جن کے بارہ میں مجھے خوف ہے کہ میں انکو انجام نہ دے سکوں گا اور میں بہ تحقیق یہ نہیں جان سکتا کہ میں نیک عمل کر سکوں گا یا نہیں تو اے محمد ﷺ آپ کے پاس اس سے بھی کوئی آسان تر چیز ہے راوی نے کہا کہ پھر جبریل ؑ یہ آیت لے کر اترے (ترجمہ آیت) بے شک اللہ اس کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس کے علاوہ جس کو چاہے گا بخش دے گا (یہ آیت سن کر بھی وحشی نے کہا) اور میں نہیں جانتا شاید میں نہ ہوں اللہ کی مشیت میں اگر وہ مغفرت چاہے۔ اگر آیت یوں ہوتی ﴿ویغفر مادون ذلک﴾ کہ بخش دے گا اس کے علاوہ گناہوں کو اور ﴿لمن یشاء﴾ کا اضافہ اللہ تعالیٰ نہ کرتا تو بات ٹھیک تھی اور قابل قبول تو اے محمد آپ کے پاس اس سے بھی کشادہ تر کوئی حکم الٰہی ہے تو حضرت جبریل ؑ یہ آیت لے کر اترے ﴿قل یا عبادی الذین﴾ الخ روای نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے پھر یہ آیت بھی لکھ کر وحشی کے پاس بھیج دی۔ جب یہ آیت اس کے سامنے پڑھی گئی تو کہنے لگا البتہ یہ آیت میرے مطلب کے موافق ہے۔ پھر اسلام لے آیا اور رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک آدمی کو یہ پیغام لے کر بھیجا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں اسلام لے آیا ہوں تو مجھ کو اپنی ملاقات کی اجازت بخشیے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے اس کو یہ کہلوا دیا کہ مجھے اپنا منہ مت دکھا۔ میں اس کی تاب نہیں لا سکتا کہ اپنے پیارے چچا حمزہ ؓ کے قاتل کو آنکھ بھر کر دیکھ لوں۔ چنانچہ وحشی نے خاموشی اختیار کر لی یہاں تک کہ مسیلمہ نے رسول اللہ ﷺ کو اس مضمون کا خط لکھ کر بھیجا کہ مسیلمہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے محمد رسول اللہ کی طرف۔ امابعد۔ پس البتہ میں نے شریک کیا زمین میں آدھی زمین میرے لئے ہے اور آدھی قریش کے لئے مگر قریش ایسی قوم ہے کہ دھاندلی کرتی ہے سب دبانا چاہتی ہے اور اس کے اس خط کو دو آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس لے کر آئے جب اس کا خط آں جناب ﷺ کے

روبرو پڑھا گیا۔ آپ ﷺ نے ہر دو قاصدوں سے فرمایا اگر تم قاصدوں کی حیثیت سے نہ آئے ہوتے تو میں تم دونوں کو قتل کرا دیتا پھر آپ ﷺ نے حضرت علیؓ بن ابی طالب کو بلایا اور ان سے فرمایا لکھو. بسم اللہ الرحمٰن الرحیم محمد رسول اللہ کی طرف سے مسیلمہ کذاب کی طرف سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کا پیرو ہو۔ امابعد۔ پس البتہ زمین اللہ کی ہے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کو اس کا وارث بناتا ہے اور عاقبت کی بہتری پرہیزگاروں کے لئے ہے اور رحمت بھیجے اللہ ہمارے سردار محمد ﷺ پر راوی نے کہا کہ جب وحشی کو خبر ملی اس تحریر کی جو مسیلمہ نے رسول اللہ ﷺ کو لکھی تھی تو اس نے اپنے حربہ کو نکالا۔ اس کو تیز کیا اور مسیلمہ کے قتل کا ارادہ ٹھان لیا اور اسی ارادہ میں رہا یہاں تک کہ یمامہ کے دن اس کو قتل کر ڈالا۔

ف: ارشاد ساری میں بھی ہے اور تفسیر سراج منیر میں بھی کہ جب وحشی کا یہ واقعہ پیش آیا تو لوگوں نے آں حضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ یہ حکم محض وحشی کے لئے مخصوص ہے یا سب کے لئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ حکم سب مسلمانوں کو شامل ہے حقیقت میں یہ عبرت کا مقام ہے کہ اسلام کا دامن رحمت وشفقت کس قدر وسیع ہے کہ جب خلوص دل سے انسان اسلام قبول کرلے تو سارے گناہ یک قلم محو ہو جاتے ہیں خواہ چھوٹے ہوں یا بڑے چنانچہ ﴿ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا ﴾ کا کھلا پیام خوشنودی سنایا گیا اور ایمان لانے والے کافر اور مؤمنین کا دل شاد کیا گیا مگر بالاجماع مغفرت گناہ کیلئے مشیت شرط ہے مشیت لاحق ہونے کے بعد مؤمن کے گناہ بلا توبہ معاف ہو جاتے ہیں۔

ابو حنیفة عن سلمة عن ابی الزعراء من اصحاب ابن مسعود قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیخرجن بشفا عتی من اھل الایمان من النار حتی لا یبقی فیھا احد الا اھل ھذہ الایة ماسلککم فی سقر قالوا لم نک من المصلین ولم نک نطعم المسکین وکنا نخوض مع الخائضین وکنا نکذب بیوم الدین حتی اتانا الیقین فما تنفعھم شفاعة الشافعین .

وفی روایة عن ابن مسعودؓ قال یعذب اللہ تعالی اقواما من اھل الایمان ثم یخرجھم بشفاعة محمد صلی اللہ علیہ وسلم حتی لایبقی الا من ذکر

اللہ سبحانہ وتعالی ماسلککم فی سقر قالو لم نک من المصلین ولم نک نطعم المسکین و کنا نخوض مع الخائضین

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے میری شفاعت سے اہل ایمان دوزخ سے نکلیں گے یہاں تک کہ اس میں کوئی نہیں رہے گا سوائے اس آیت کے مخاطبین کے ترجمہ آیت کونسی چیز تم کو دوزخ میں کھینچ لائی وہ کہیں گے کہ ہم نہ نمازی تھے نہ مسکین کو کھانا کھلاتے تھے اور بحث کرنے والوں کے ساتھ بحث میں گھسے رہتے تھے اور جھٹلاتے تھے قیامت کے دن کو یہاں تک کہ ہم کو موت نے آ گھیرا پس نہیں نفع دے گی ان کو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت۔

اور ایک روایت میں حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ عذاب دے گا اللہ تعالیٰ اہل ایمان میں سے بہت سی قوموں کو پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش سے ان کو دوزخ سے نکالے گا یہاں تک کہ نہیں رہیں گے اس میں مگر وہ جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں کیا ہے ﴿**ماسلککم فی سقر . الشافعین**﴾ تک۔

ف: یہ حدیث عقیدہ اہل سنت والجماعت کو واضح کرتی ہے اور ساتھ ساتھ حضرت امام اعظمؒ کی ذات کو بھی بے اصل و بے بنیاد الزمات واتہامات سے بری کرتی ہے۔ بعض نے ان کو معتزلی ہونے کے اتہام سے متہم کیا ہے اور بعض نے مرجیہ ہونے کا الزام لگایا ہے حالانکہ یہ حدیث معتزلہ اور مرجیہ ہر دو کے عقائد باطلہ کی بنیاد کو اکھاڑ پھینکتی ہے معتزلہ اس خیال کے پیروں ہیں کہ گناہ کبیرہ کے مرتکب ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے جنت کی ان کو ہوا تک نہ لگے گی اور مرجیہ ان کی ضد ہیں۔ وہ اس خیال کے حامی ہیں کہ جنہوں نے صرف کلمہ پڑھ لیا انہوں نے گویا دوزخ سے بالکل برائت کا پٹہ لکھوالیا یہ محض جنتی ہیں دوزخ سے نہ کوئی ان کو واسطہ نہ علاقہ اس حدیث سے صاف آشکارا ہے کہ امت مسلمہ کے فاسق وفاجر دوزخ کا عذاب بھگتیں گے پھر آں حضرت ﷺ کی سفارش سے ایک ایک کر کے دوزخ سے نکلیں گے یہاں تک کہ اس میں صرف کافر ومشرک ہی رہ جائیں گے جن کا ذکر آیت کریمہ مذکورہ بالا میں ہے۔

حماد عن ابیہ عن سلمۃ بن کھیل عن ابن مسعود قال لا یبقی فی النار الا من ذکر ہ اللہ فی ھذہ الایۃ ماسلککم فی سقر الی الشافعین .

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ نہیں باقی رہے گا دوزخ میں کوئی مگر وہ جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے ﴿ماسلککم فی سقر . الشافعین ﴾ تک۔

ف: یہ پچھلی حدیث کا اختصار ہے۔

حماد عن ابیہ عن ابی صالح قال الحقب ثمانون سنة منها ستة ایام عدد ایام الدنیا .

ابوصالح سے مروی ہے کہ آیت ﴿لابثین فیھا احقابا ﴾ رہیں گے اس میں قرنوں میں لفظ حقب سے مراد اسی سال کا زمانہ ہے جس کے چھ دن دنیا کے کل ایام کے برابر ہوں گے۔

ف: ملاعلی قاری اس کی شرح میں کہتے ہیں کہ یا تو ان چھ ایام سے خلق آسمان وزمین کے دن مراد ہوں کہ وہ بھی بروئے آیت کریمہ ﴿الذی خلق السموات والارض فی ستة ایام ﴾ چھ ہی دن میں یا پوری عمر دنیا کے چھ دن کی طرف اشارہ ہو کیونکہ پوری عمر دنیا کی بروئے روایات سات دن کی مانی گئی ہے۔ ہر دن ایک ہزار برس کا اور یوں وارد ہے کہ سب سے آخر میں وہ نافرمان مسلمان جو دوزخ میں سے نکالا جائے گا۔ وہ سات ہزار برس کے بعد نکالا جائے گا۔ گووہ عمر دنیا کے برابر سزا کاٹ چکے گا۔ اور اس کا بھی حساب لگایا ہے کہ یہ ہماری امت کے جو ہزار سال ختم ہوئے ہیں یہ گویا عمر دنیا کا ساتواں دن تھا تو اس حساب سے سات دن پر کچھ کسر ماننی پڑے گی جس کے بارہ میں کہا گیا ہے کہ غالباً پانچ سو سے زیادہ کسر نہیں پڑے گی۔ مگر یہ حساب کتاب اخبار ظنیہ کی رو سے ہے جس پر جزم ویقین نہیں کیا جا سکتا۔ یہ اللہ ہی کے علم میں ہے کہ یہ رہتی بستی دنیا کب چل بسے گی اور کب دم توڑے گی۔

ابوحنیفة عن ابی الزبیر قال قرأ علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصدق بالحسنی قال لا الہ الا اللہ .

حضرت ابوالزبیر کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے یہ آیت پڑھی گئی ﴿ وصدق بالحسنی ﴾ تو آپ نے فرمایا یہ ﴿لا الہ الا اللہ ﴾ ہے۔

ف: یعنی یہ جو فرمان باری ہے ﴿فاما من اعطی واتقی وصدق بالحسنی ﴾ پس جس نے دیا اور پرہیزگاری کی اور سچ مانا اچھی بات کو تو اس آیت میں اچھی بات سے مراد کلمہ توحید ہے کیونکہ تمام بھلائیوں اور خوبیوں کی جڑ و بنیاد کلمہ توحید ہی ہے اس کے بغیر کوئی نیکی کارآمد نہیں

خواہ دادو دہش ہو۔ خواہ اور کوئی نیکی حسنی کی اور تفسیریں بھی کتب تفسیر میں وارد ہیں ۔ مثلاً فرض عبادات' ثواب جنت وغیرہ۔

كتاب الوصايا والفرائض

ابوحنيفة عن عطاء عن ابيه عن سعد بن ابى وقاص قال دخل غلى النبى صلى الله عليه وسلم يعود فى مرض فقلت يا رسول الله اوصى بمالى كله قال لا قلت فنصفه قال لا قلت فثلثه قال والثلث كثير لا تدع اهلك يتكففون الناس .

وفى رواية ان رسول الله صلى الله عليه وسلم دخل على سعد يعود قال اوصيت قال نعم اوصيت بمالى كله فلم يزل رسول لله صلى الله عليه وسلم ينا قصه حتى قال الثلث والثلث كثير .

وفى رواية عن عطاء عن ابيه عن جده عن سعد قال دخل رسول الله صلى الله عليه وسلم يعود نى فقلت يا رسول الله اوصى بمالى كله قال لا قلت فبالنصف قال لا قلت فبالثلث .قال فبا لثلث والثلث كثير ان تدع اهلك بخير خير من ان تدعهم عالة يتكففون الناس .

باب۔ وصیت اور میراث کے احکام

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ میرے پاس عیادت مرض کے لئے تشریف لائے تو میں نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ میں اپنے پورے مال کی اللہ کے واسطے وصیت کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں۔ میں نے کہا اس سے آدھے کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں۔ میں نے کہا اس کے تہائی کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تہائی بہت ہے۔ مت چھوڑ و اپنے اہل وعیال کو اس حال میں کہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔

ایک روایت میں اس طرح وارد ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت سعدؓ کے پاس عیادت کے لئے تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے دریافت کیا کہ تم نے وصیت کی انہوں نے کہا جی ہاں میں نے اپنے پورے مال کی وصیت کی۔ تو پھر آپ اس کو گھٹاتے رہے۔ یہاں تک کہ

حضرت سعدؓ نے ایک تہائی کے لئے کہا۔تو آپ ﷺ نے کہا کہ ایک تہائی بھی بہت ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت سعدؓ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے۔بیمار پرسی کی غرض سے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں اپنے پورے مال کی وصیت کرتا ہوں۔آپ ﷺ فرمایا نہیں۔میں نے کہا (اچھا) آدھے کی۔آپ ﷺ نے فرمایا نہیں۔میں نے کہا (اچھا تو) ایک تہائی کی۔آپ ﷺ نے فرمایا ایک تہائی کی بس ایک تہائی بہت ہے کیونکہ تمہارا اپنے گھر والوں کو مالدار چھوڑنا بہتر ہے اس سے کہ تم ان کو فقیر چھوڑو کہ لوگوں کے سامنے سوال کے لئے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔

ف: یہیں سے یہ مسئلہ ثابت ہوتا ہے کہ وصیت ایک تہائی مال تک جائز ہے نہ اس سے زائد پھر حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ اس سے بھی کم کرنا چاہئے۔اور آں حضرت ﷺ کے الفاظ مذکورہ سے دلیل لاتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ﴿والثلث كثير﴾ کہ ایک تہائی بہت ہے۔چنانچہ ایک جماعت اسی خیال کی پیرو ہے دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ ثلث سے کم نہیں کرنا چاہئے۔کیونکہ اگر ایک تہائی مال کی بھی وصیت سے روایت لائے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا وصیت میں ایک تہائی مال درمیانی حصہ ہے نہ اس سے کم ہو نہ زیادہ یہ روایت بھی سابقہ خیال کی تائید کرتی ہے۔

ابوحنيفة عن ابی الزبير عن جابر ان رسول الله صلى ا لله عليه و سلم قال لا يرث المسلم النصرانی الا ان يكون عبده او امته .

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے مسلمان نصرانی کا وارث نہیں ہوتا مگر یہ کہ نصرانی اس کا غلام ہو یا نصرانیہ اس کی باندی۔

ف: مسلمان اور کافر کے درمیان مسئلہ وراثت کی مختصر وضاحت یہ ہے کہ اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوتا۔البتہ اس میں ضرور اختلاف ہے کہ آیا مسلمان کافر کا وارث ہوتا ہے یا نہیں جمہور صحابہ تابعین وائمہ اربعہ کا یہ ہی مسلک ہے کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا ان کی حجت یہ ہی حدیث ہے یا اس جیسی احادیث جو کتب صحاح میں وارد ہیں کہ ان میں تو روایت سے صاف انکار ہے سوا اس صورت کے کہ نصرانی مرد غلام ہو یا نصرانی عورت باندی

حضرت معاذ بن جبل اور حضرت معاویہ اور سعید بن مسیب اور مسروق وراثت کے قائل ہیں اور وہ اس حدیث کو پیش نظر رکھتے ہیں کہ ﴿الاسلام یعلوا و لا یعلی﴾ کہ اسلام غالب رہتا ہے نہ مغلوب مگر یہ دلیل قوی نہیں کیونکہ اس حدیث میں محض فضیلت اسلام کا ذکر ہے نہ ارث کا۔ بخلاف احادیث مذہب اول کے کہ ان میں ارث سے صاف انکار ہے پھر ارشاد ساری میں ہے کہ اگر نصرانی مسلمان کا غلام ہو تو مسلمان نصرانی کے مرنے کے بعد اس کے مال کا حقدار اس لئے بنتا ہے کہ غلام کا مال اس کی ملک نہیں وہ دراصل اس کا آقا ہے تو گویا مسلمان آقا ہونے کے سبب اس کے مال کا مستحق بنا نہ وارث ہونے کی حیثیت سے۔

ابو حنیفة عن طاؤس عن ابن عباسؓ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الحقو الفرائض باهلها فما بقی فلا ولی رجل ذکر.

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دو تم فرض حصے ان کے مستحقین کو۔ اور جو بچ رہے وہ قریب تر مرد کو (خواہ وہ بالغ ہو یا بچہ بحق عصبیت)۔

ف: اصحاب الفرائض یا ذوی الفروض وہ قرابت والے ہیں جن کے حصے مقرر ہیں اور جن کا ذکر کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ میں آچکا ہے۔ یہ حصے کل چھ ہیں آدھا۔ تہائی آٹھواں۔ دو تہائی ایک تہائی اور چھٹا۔ اور ان کے حقدار یہ ہیں ماں۔ باپ۔ میاں۔ بیوی بیٹے بیٹیاں۔ بہنیں یہ کل تعداد میں بارہ ہیں چار مرد ہیں اور آٹھ عورتیں ان سے بچا ہوا حصہ عصبہ لیتے ہیں جس کی مزید تفصیل کتب فرائض میں مل سکتی ہے۔

ابو حنیفه عن الحکم عن عبد الله بن شداد ان ابنة لحمزة اعتقت مملو کا فمات فترک ابنة فاعطی النبی صلی الله علیه وسلم الابنة النصف واعطی ابنة حمزةؓ النصف.

عبد اللہ بن شداد سے روایت ہے کہ حضرت حمزہؓ کی بیٹی نے آزاد کیا ایک غلام کو پس وہ غلام مر گیا اور چھوڑ گیا ایک بیٹی تو نبی ﷺ نے اس کی بیٹی کو آدھا حصہ دیا اور حضرت حمزہ کی بیٹی کو بقیہ آدھا۔

ف: یہ غلام آزاد کرنے والی بیٹی حضرت عبد اللہ بن شداد کی بیٹی کی رشتہ میں بہن تھیں بعض کے نزدیک آزاد کرنے والے خود حمزہؓ تھے چنانچہ دار قطنی کی روایت سے ایسا ہی پتہ چلتا ہے مگر صحیح

یہ ہی ہے کہ ان کی لڑکی آزاد کرنے والی تھیں نہ وہ خود اس سے اس مسئلہ کو ثبوت ملتا ہے کہ مولی العتاقۃ جس کو عصبہ سببیہ بھی کہتے ہیں بنابر عصبیت میراث کا حقدار بنتا ہے۔ یہ ذوی الارحام پر مقدم مانا جاتا ہے۔ البتہ عصبہ نسبیہ سے اس کا مرتبہ بعد کا ہے پھر حدیث سے یہ بھی پتہ چلا کہ مولی العتاقۃ میں مرد ہونے کی شرط نہیں بلکہ وہ مرد ہو یا عورت بہر صورت اسے حق ولا حاصل ہے۔

ابو حنیفة عن الهیثم عن الشعبی عن مسروق عن عائشة رضی الله عنها قالت لما نزلت ان الذین یأکلون اموال الیتامی ظلما انما یأکلون فی بطونهم نارا وسیصلون سعیرا عدل من کان یعول اموال الیتامی فلم یقربوها وشق علیهم حفظها وخافوا الاثم علی انفسهم فنزلت الایة فخففت علیهم .ویسئلونک عن الیتمی قل اصلاح لهم خیر وان تخالطوهم الایة .

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ جب یہ آیت اتری ﴿ان الذین یا کلون اموال الیتامی ﴾ الخ ترجمہ آیت۔ البتہ جو لوگ ناحق یتیموں کے مال کھاتے ہیں تو وہ کھاتے ہیں اپنے پیٹوں میں آگ اور عنقریب وہ جہنم میں داخل ہوں گے تو جو یتیموں کے مال کی دیکھ بھال وغور و پرداخت رکھا کرتے تھے وہ ان کے مالوں سے بچے اور ان کو انہوں نے چھوا تک نہیں اور ان پر ان اموال کی حفاظت دوبھر ہوگئی کیونکہ وہ اپنے بارہ میں ڈرے کہ کہیں گنہگار نہ ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ نے آیت ﴿ویسألونک عن الیتامی قل اصلاح لهم خیر وان تخالطوهم ﴾ الآیہ اتاری اور یوں ان کی تکلیف کو ہلکا کیا۔ (ترجمہ آیت) اور آپ سے پوچھتے ہیں یتیموں کا حکم تو آپ کہئے کہ ان کے لئے مصلحت کی رعایت بہتر ہے اور اگر خرچ وغیرہ میں ان کے ساتھ مل جل کر رہو تو وہ تمہارے بھائی ہیں۔

ف: ابوداؤد میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں اس کی مزید تفصیل یوں وارد ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ﴿ولا تقربوا مال الیتیم الا بالتی هی احسن .وان الذین یا کلون اموال الیتامی ظلما ﴾ الخ کی آیت اتاری تو جس جس کی سرپرستی میں کوئی یتیم تھا وہ گیا اور یتیم کا کھانا اور پینا اپنے سے جدا کر دیا۔ تو جب یتیم کا کھانا اس سے بچ جاتا تو ایسا ہی رکھا رہنے دیتے۔ یہاں تک کہ وہ یتیم خود اس کو کھا لیتا یا خراب ہو جانے کی وجہ سے ضائع کر دیا جاتا۔ تو یہ

احتیاط سر پرستوں پر دوبھر ہوگئی۔ چنانچہ اس کا ذکر آں حضرت ﷺ کے روبرو ہوا اور اللہ تعالیٰ نے ﴿یسالونک عن الیتامی﴾ الخ کی آیت اتاری۔ لہٰذا سرپرستوں نے پھر یتیموں کو کھانے پینے میں اپنے ساتھ شریک کرلیا۔

ابوحنیفة عن محمد بن المنکدر عن انس بن مالک قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لایتم بعد الحلم .

حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ بالغ ہونے کے بعد یتیمی نہیں۔

ف: یعنی یتیم وہ ہی بچہ کہلائے گا کہ جس کا باپ مرگیا ہو۔ اور ابھی وہ بالغ نہ ہوا ہو اگر وہ بالغ ہوگیا تو وہ باصطلاح شرع یتیم نہیں۔

کتاب القیامة وصفة الجنة

ابوحنیفة عن اسماعیل عن ابی صالح عن ام هانیء عن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال ان یوم القیمة ذوحسرة وندامة .

قیامت اور جنت کی صفات کا بیان

حضرت ام ہانیؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یوم قیامت حسرت وندامت کا دن ہے۔

ف: کتب صحاح میں اس حدیث کے ہم معنی وہم مطلب بہت سی احادیث وارد ہیں۔ یہ فرمان نبوی دراصل اس ارشاد خداوندی کی ترجمانی کرتا ہے کہ فرمایا ﴿**وانذرهم یوم الحسرة اذ قضی الامر**﴾ کہ آپ ان کو حسرت کے دن (یوم قیامت) سے ڈرایئے جب کہ فیصلہ صادر کیا جائے گا۔ اور حقیقت میں بروز قیامت کا فرو مشرک اور نیز امت محمدیہ کے فاسق' فاجر بدکار اپنے پچھلے گناہوں اور گذشتہ بدکرداریوں پر حسرت وافسوس کریں گے۔ پشیمان وشرمندہ ہوں گے۔ رنج وصدمہ سے ہاتھ کاٹیں گے اور دست حسرت ملیں گے۔ مگر کچھ نہ کرسکیں گے' یوں حسرت گو اہل جنت کو بھی ہوگی مگر وہ دوسری شکل کی اور دیگر نوعیت کی' کہ حضرت معاذ سے طبرانی وبیہقی میں بایں الفاظ روایت ہے ﴿**لیس یتحسر اهل الجنة یوم القیمة الاعلی ساعة مرت بهم ولم یذکروا الله فیها**﴾ کہ بروز قیامت اہل جنت کسی چیز پر حسرت نہیں کریں گے مگر اس

ساعت پر جو دنیا میں گذر گئی اور انہوں نے اس میں اللہ کا ذکر نہیں کیا یہ دراصل حسرت وندامت نہیں بلکہ زیادتی اجر وثواب وترقی مدارج ومنازل کا ارمان ہے اور اشتیاق، نہ پشیمانی وندامت یا شرمندگی۔

ابوحنیفة عن اسماعیل عن ابی صالح عن ام هانیء عن رسول الله صلی ا لله علیه وسلم قال ان القیمة ذوحسرة وندامة .

حضرت ام ہانیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت حسرت وندامت والی ہے۔

ف: یہ حدیث حدیث بالا کی تکرار ہے اور اسی کے ہم معنی۔

ابوحنیفة عن اسماعیل عن ابی صالح عن ام هانیء قالت قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان الله خلق من الجنة مدینة من مسک اذخر ماؤ ها السلسبیل وشجرها خلقت من نور فیها حور حسان علی کل واحدة سبعون ذوابة لو ان واحدة منها اشرقت فی الارض لاضاء ت مابین المشرق والمغرب ولملأت من طیب ریحها مابین السماء والارض فقالوا یا رسول الله صلی الله علیه وسلم لمن هذا قال لمن کان سمحا فی التقاضی .

وفی روایة قال لو ان واحیة من الحور العین اشرقت لا ضائت مابین المشرق والمغرب ولملأت مابین السماء والارض من طیبها.

وفی روایة قالت قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان لله مدینة خلقت من مسک اذ فرمعلقة تهت العرش وشجر من النور وماؤها السلسبیل وحور عینها خلقت من نبات الجنان علی کل واحدة منهن سبعون ذوابة لو ان واحدة منهن علقت فی المشرق لا ضاءَت اهل المغرب .

حضرت ام ہانیؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت میں ایک شہر مشک اذخر کا پیدا فرمایا ہے جس کا پانی سلسبیل ہے اور اس کے درخت نور سے بنے ہوئے جس میں حوریں ہیں خوش جمال کہ ان میں سے ہر ایک کی ستر لٹیں ہیں (مینڈھیں) اگر ان میں سے ایک بھی زمین میں نور افگن ہو تو زمین کو مشرق سے لیکر مغرب تک روشنی سے

چمکا دے اور آسمان و زمین کے درمیان پوری فضا کو اپنی مست خوشبو سے مہکا دے اور معطر کر دے۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ کس کے لئے ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اس کے لئے جو قرض کے تقاضے میں نرم دل ہو۔ (سختی و درشتی نہ برتے)

اور ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان حور عین میں سے اگر ایک بھی عالم ظہور میں آ جائے تو زمین کے مشرق و مغرب کا درمیانی حصہ پورا کا پورا جگمگا اٹھے اور آسمان و زمین کا درمیانی خلا پورا اس کی مہک سے بھر جائے اور معطر ہو جائے۔

ایک اور روایت میں اس طرح ہے کہ حضرت ام ہانیؓ کہتی ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ اللہ کا پیدا کیا ہوا ایک شہر ہے جس کی خلقت مشک اذخر سے ہوئی ہے لٹکا ہوا ہے عرش کے نیچے۔ اس کے درخت نور کے ہیں اس کا پانی سلسبیل ہے اور اس شہر کی حور عین کی پیدائش جنت کی گھاس سے ہے ان میں سے ہر ایک پر ستر لٹیں ہیں (مینڈھیں) کہ اگر ایک بھی ان میں سے مشرق میں لٹکا دی جائے تو البتہ اہل مغرب تک کو منور و روشن کر دے۔

ف: جنت و مافیہا کی تعریف و توصیف سے احادیث صحیحہ پر ہیں خطیب اپنی تاریخ میں حضرت انسؓ سے بایں معنی حدیث مرفوع لائے ہیں کہ حوروں کی خلقت زعفران سے ہے۔ طبرانی بھی کبیر میں اسی مضمون کی حدیث لائے ہیں ابن مردویہ حضرت عائشہؓ سے حدیث لائے ہیں کہ حوروں کی خلقت تسبیح ملائکہ سے ہے۔ طبرانی حضرت سعید بن عامرؓ سے مرفوع روایت لائے ہیں کہ اگر اہل جنت کی عورتوں میں سے کوئی عورت زمین پر اپنی روشنی ڈالے تو زمین مشک کی خوشبو سے بھر جائے اور سورج و چاند اپنی روشنی چھوڑ بیٹھیں حضرت علامہ غزالیؒ منہاج العابدین میں یہ قصہ نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت سفیان ثوریؒ کے بعض شاگردوں نے آپ سے کہا کہ حضرت آپ مسائل دینی کی تحقیقات اور اجتہادی کاوشوں میں اس قدر سخت منہمک و مصروف ہیں کہ آپ کی ظاہری حالت زار ہے اور قابل افسوس۔ اگر قدرے اپنی محنت کم کریں اور دینی مصروفیتوں کو گھٹائیں تو بھی ہمارے خیال ناقص میں کام چل سکتا ہے۔ اس پر سفیان ثوریؒ فرمانے لگے کہ میں اپنی جان کو علمی تحقیقات میں کیوں نہ کھپاؤں جب کہ مجھے یہ روایت پہنچ چکی ہے کہ اہل جنت جنت میں اپنے اپنے کاشانوں میں ہوں گے کہ یکایک ایک زبردست نور تجلی فگن ہوگا جس سے آٹھوں جنتیں جگمگا اٹھیں گی لامحالہ اہل جنت یہ ہی خیال کریں گے کہ ذات باری کے

نور کی تجلی ہے چنانچہ سب اس کے سامنے سربسجود ہوں گے۔ تو غیب سے آواز آئے گی کہ اپنے اپنے سر اٹھاؤ۔ دھوکہ نہ کھاؤ۔ یہ نور رب کا نور نہیں یہ تو جنت کی ایک جاریہ کا نور تھا۔ جو اپنے زوج کے سامنے ہنس پڑی تھی۔

اللہ اکبر یہ بندہ کے خیال وگمان میں نہ آنے والی مذکورہ نعمتیں اور اس کی عقل وفہم سے بالاتر بخششیں جو بہشت میں مومن بندوں کو عطا ہوں گی۔ ان کا استحقاق کن خوش قسمت مومنین کو ہوگا اور ان کے حقدار کون صاحب نصیب مسلمان ہوں گے۔ ان کا پتہ ان کی خوش خبری سنانے والے خود آں حضرت دیتے ہیں کہ وہ ایسے لوگ ہوں گے جو قرض خواہی اور حق طلبی کے وقت قرضدار سے نرمی' خوش خوئی خوش مزاجی سے پیش آئیں گے۔ حسن برتاؤ وحسن اخلاق ہمدردی ودل سوزی اور خدا ترسی کا ثبوت دیں گے نرم اور محبت بھرے الفاظ میں تقاضہ کریں گے۔ اس کے نازل و پیچیدہ حالات کے ماتحت اس کے ساتھ برتاؤ کریں گے۔ اگر فی الوقت ادائیگی سے قاصر ہوگا اور قرض کی سبکدوشی سے عاجز تو اس کو کچھ مہلت اور ڈھیل دیں گے اور یوں اس کے دکھے اور ٹوٹے ہوئے دل کو اور ڈھارس دیں گے۔ اور اگر پوری مقدار کی ادائیگی پر قادر نہ ہوگا تو بقیہ معاف کریں گے۔ یا اس کی ادائیگی بعد کی کسی تاریخ پر موقوف رکھیں گے گویا اس کے حالات جس قسم کے برتاؤ کا تقاضہ کریں گے۔ وہ ہی عمل میں لائیں گے۔ لہٰذا ایسے شرافت وانسانیت کے علمبرداروں کو اللہ تعالیٰ جنت میں نعمتوں سے نوازے گا اور خوش کرے گا۔ برخلاف ان کے وہ سنگ دل و بے رحم انسان کہ اگر کسی کو بھولے بھٹکے کچھ قرض دے گذریں تو گویا قرض دار کی جان کے مالک بن بیٹھے۔ خدا ان کے قرض سے بچائے۔ قرض کیا مانگتے ہیں کہ جان لینے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ آنکھیں لال پیلی کرتے ہیں کلام میں سختی برتتے ہیں۔ اگر بیچارہ قرضدار کچھ اعذار و مجبوریوں کی وجہ سے نرم الفاظ زبان سے نکالتا ہے تو یہ تند مزاج ادھر سے دل شکن الفاظ کے پتھر اس پر برساتا ہے۔ بلکہ بعض وقت زبان کا جواب ہاتھ سے دینے پر تیار ہو جاتے ہیں مہلت وڈھیل معافی یا کمی تو ان کے مذہب میں روا ہی نہیں۔ خدا کی پناہ ایسے بندے اللہ تعالیٰ کو بہت ہی ناپسند ہیں اور سزاوار عتاب۔

قال جامعه الشيخ المحقق العلامة الفهامة مولانا الشيخ محمد عابد السندی الانصاری هذا اخر ما وجدته من رواية الخصكفي في مسند الامام الاعظم ابی حنيفة النعمان والحمد الله الذی عم نواله على العباد

والصلوة على رسوله محمد المصطفى وعلى اله واصحابه الامجاد فقط .

کہا اس مسند کے جمع اور مرتب کرنے والے شیخ محقق علامہ فہامہ مولانا شیخ محمد عابد سندھی انصاری نے کہ یہ آخری روایت ہے جو میں نے حضرت امام اعظم ابوحنیفۃ النعمان رحمۃ اللہ علیہ کی مسند میں بروایت حصکفی پائی ۔اور سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جس کے انعامات سب کو شامل ہیں اور درود ہو اس کے برگزیدہ رسول اکرم محمد ﷺ پر اور ان کی برگزیدہ اولاد و اصحاب پر۔